بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسلسلہ: اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام

اضافہ واصلاح شدہ جدید ایڈیشن

شوال

اور

عیدُ الفطر

کے فضائل واحکام

اس رسالہ میں قرآن وحدیث، فقہ اور اہلِ سنت والجماعت کی تعلیمات کی روشنی میں اسلامی سال کے دسویں مہینے ''شوال المکرّم'' کے فضائل، مسائل، احکام ومنکرات کو مدلل ومفصل انداز میں تحریر کیا گیا ہے، اور صدقۂ فطر، چاندرات، عید کی نماز وخطبہ، عید کی رسموں اور شش عید کے روزوں وغیرہ کے متعلق فضائل ومسائل، بدعات ومنکرات پر کلام کیا گیا ہے، اور اسی کے ساتھ آخر میں ماہِ شوال سے متعلق تاریخی واقعات کو بھی باحوالہ جمع کر دیا گیا ہے، اس طرح بحمداللہ تعالیٰ یہ مجموعہ عوام اور اہلِ علم کے لئے یکساں طور پر مفید اور کارآمد ہو گیا ہے۔

مؤلف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران چاہ سلطان راولپنڈی پاکستان

نام کتاب: شوال اور عید الفطر کے فضائل واحکام

مؤلف: مفتی محمد رضوان

طباعتِ اوّل: رمضان/۱۴۲۳ھ نومبر/2002ء

طباعتِ دوم: شعبان/۱۴۲۸ھ اگست/2007ء

طباعتِ سوم: رجب المرجب/۱۴۳۲ھ جون/2011ء

صفحات: ۴۴۸

ملنے کے پتے

کتب خانہ ادارہ غفران چاہ سلطان گلی نمبر 17 راولپنڈی پاکستان۔فون 051-5507270

کتب خانہ رشیدیہ مدینہ کلاتھ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی۔ فون 051-5771798

ادارۂ اسلامیات ۱۹۰انار کلی لاہور۔ فون 042-7353255

مکتبہ قاسمیہ الفضل مارکیٹ ۱۷،اردو بازار لاہور۔ فون 042-7232536

ادارۂ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی۔ فون 021-2722401

دارالاشاعت اردو بازار کراچی۔ فون 021-2631861

مکتبہ رشیدیہ، اقبال روڈ اقبال مارکیٹ، کمیٹی چوک راولپنڈی فون :- 03005320301

الخلیل پبلشنگ ہاؤس، فضل داد پلازہ، اقبال روڈ، کمیٹی چوک راولپنڈی فون:- 051-7122152

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین	شمار نمبر

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

اسلام میں سال بھر میں دو دن عید کے مقرر کئے گئے ہیں، اور اسلامی عید کے دن دوسرے مذہبوں کی طرح کے عام تہوار نہیں ہیں، بلکہ دوسرے مذاہب سے بالکل الگ اور ممتاز نوعیت کے ہیں، جو دنیاوی زندگی کے علاوہ انسان اور مؤمن کی آخرت والی زندگی کے حالات پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔

ان دو عیدوں میں سے ایک عید کا نام ''عید الفطر'' ہے، اور دوسری عید کا نام ''عید الاضحیٰ'' ہے۔

عید الفطر یکم شوال کو رمضانُ المبارک کے اختتام پر آتی ہے۔

بندہ نے اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام کے سلسلہ میں ایک رسالہ ''شوال اور عید الفطر کے فضائل واحکام'' کے عنوان سے تحریر کیا تھا، جس میں ماہِ شوال اور عید وصدقۃُ الفطر کے فضائل واحکام اور منکرات کو بیان کیا گیا تھا۔

یہ رسالہ اس سے پہلے بھی ایک سے زیادہ مرتبہ شائع ہو چکا ہے، اس مرتبہ کی اشاعت سے قبل بندہ نے اس رسالہ پر نظرِ ثانی کی، اور کئی مسائل کو کچھ تفصیل کے ساتھ مرتب وجمع کیا، اور متعلقہ حوالہ جات اور اصل مآخذ کی طرف مراجعت کا اہتمام کیا، جس کی وجہ سے وہ رسالہ کچھ ضخیم ومفصل ہو گیا۔

اب موجودہ اور سابقہ ایڈیشنوں میں سے موجودہ ایڈیشن کی تحقیق کو راجح سمجھا جائے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول ومنظور فرمائیں۔ آمین۔

محمد رضوان

۳۰/ جمادی الاخریٰ/ ۱۴۳۲ھ 03 / جون/ 2011ء، بروز جمعہ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شوّال اور عیدُ الفطر کے فضائل واحکام

ماہِ شوّال اسلامی سال کا دسواں مہینہ

شوال کا مہینہ اسلامی سال کے لحاظ سے ترتیب میں دسواں مہینہ ہے، جو رمضانُ المبارک کا مہینہ ختم ہوتے ہی شروع ہوجاتا ہے۔

اسلامی سال کے مہینوں کے بالترتیب نام یہ ہیں:

(۱) مُحَرَّمُ (۲) صَفَرُ (۳) رَبِیْعُ الْاَوَّلُ (۴) رَبِیْعُ الْاٰخِرُ (۵) جُمَادَی الْاُوْلٰی (۶) جُمَادَی الْاُخْرٰی (۷) رَجَبُ (۸) شَعْبَانُ (۹) رَمَضَانُ (۱۰) شَوَّالُ (۱۱) ذُوالْقَعْدَۃُ (۱۲) ذُوالْحِجَّۃُ۔ [۱]

شوّال کی لفظی ومعنوی تحقیق

''شَوَّال'' (Shawwal) عربی کا لفظ ہے، اس میں ''شَ'' پر زبر اور ''وّ'' پر تشدید اور زبر ہے، یہ مذکر ہے اور بول چال میں اس مہینہ کو عید کا مہینہ بھی کہتے ہیں۔ [۲]

---

[۱] کیونکہ آج کل بہت سے لوگ قمری مہینوں کا صحیح تلفظ ادا نہیں کرتے، اس لئے یہاں انگریزی میں بھی یہ نام تحریر کئے جارہے ہیں:

(1)Muharram(2)Safar(3)Rabi-ul-awwal(4)Rabi-ul-akhir
(5)Jamad-al-ula(6)Jamad-al-ukra(7)Rajab(8)Shaban
(9)Ramazan(10)Shawwal(11)Zul qa,da(12)Zulhijjah

[۲] علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے شوال کی جمع ''شواول، شواویل اور شوالات'' ذکر فرمائی ہے۔

شوال من شالت الابل باذنابها للطراق قال ويجمع على شواول وشواويل وشوالات (تفسير ابن كثير ج ۴ ص ۱۲۹، تحت آيت ۳۶ من سورة التوبة)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

شوال کے عربی لغت (Dictionary) میں کئی معنٰی آتے ہیں۔

جن میں سے ایک معنٰی بلند ہونے اور اوپر اٹھنے کے ہیں۔

اس معنیٰ کے لحاظ سے اس مہینے کا نام شوال رکھنے کی وجہ بعض حضرات نے یہ بیان فرمائی ہے کہ شوال کے مہینے، خصوصاً اس مہینہ کی ابتدائی رات اور ابتدائی دن یعنی عید الفطر کے دن میں بے شمار مؤمن لوگوں کے گناہ ان کے نامۂ اعمال سے اللہ تعالیٰ اٹھا دیتے ہیں، اس لئے اس مہینہ کا نام شوال تجویز کیا گیا۔

اور شوال کے لغت میں ایک معنیٰ خِفّت اور ہلکے پن کے آتے ہیں۔

اس معنیٰ کے لحاظ سے اس مہینے کا نام شوال رکھنے کی وجہ بعض حضرات نے یہ بیان فرمائی ہے کہ رمضانُ المبارک کے مہینے میں روزے اور نیک اعمال کرنے کے ذریعے سے اس مہینہ میں شہوات اور لذات سے نفس ہلکا ہو جاتا اور اس کا بوجھ کم ہو جاتا ہے۔ [1]

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا یہ نظریہ تھا کہ شوال کے مہینہ میں نکاح کرنے سے نکاح میں خیر و برکت نہیں ہوتی، اور خیر و برکت اوپر اٹھ جاتی ہے، اور اس کے بجائے ہلاکت آ جاتی ہے، اس لئے زمانۂ جاہلیت کے لوگ اس مہینے کو بدفالی کے طور پر شوال کہتے تھے۔

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل کے ذریعہ سے اس نظریہ کی اس طرح تردید فرمائی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی مہینے میں نکاح فرمایا اور رخصتی بھی۔ [2]

---

[1] وأما شوال :فسمى بذلک لأنه يشول الذنوب أى يرفعها ويذهبها لأنه من شال يشول إذا رفع الشىء ومن ذلک قولهم شالت الناقة بذنبها أى رفعته إذا طلبت الضراب كذا فى "التبيان."
وقال فى "شرح التقويم : "هو من الشول وهو الخفة من الحرارة فى العمل والخدمة وإنما سمى بذلک لخروج الإنسان فيه عن مخالفة النفس الأمارة وقمع شهواتها اللذين كانا فى الإنسان فى رمضان بإطلاق طوع المستلذات والمشتهيات فعند خروجه عن ذلک كان يجد خفة فى نفسه ويستريح(تفسير روح البيان، ج۳ص ۴۲۲،تحت آيت ۳۶ من سورة التوبة)

[2] وقولها :تزوجنى رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ فى شوال .الحديث ؛ هذا إنما قالته عائشة رضى الله عنها لترد به قول من قال :يكره عقد النكاح فى شهر شوال ، ويتشاء م به من جهة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض حضرات نے شوال کے مہینے کے نام کی اور وجوہات بھی بیان فرمائی ہیں۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

:أن شوالا من الشول ، وهو الرفع .ومنه :شالت الناقة بذنبها .وقد جعلوه كناية عن الهلاک ؛ إذ قالوا :شالت نعامتهم ؛ أى :هلكوا .

(ف) (شوال) معناه :كثير الشول ، فإنه للمبالغة ، فكأنهم كانوا يتوهمون أن كل من تزوج فى شوال منهن شال الشنآن بينها وبين الزوج ، أو شالت نفرته ، فلم تحصل لها حظوة عنده ، ولذلک قالت عائشة رادة لذلک الوهم) :(فأى نسائه كان أحظى عنده منى ؛ أى :لم يضرنى ذلک ، ولا نقص من حظوتى .ثم إنها تبركت بشهر شوال ، فكانت تحب أن يدخل بنساء ها على أزواجهن فى شوال ؛ للذى حصل لها فيه من الخير برسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ ، ومن الحظوة عنده ، ولمخالفة ما يقول الجهال من ذلک .

ومن هذا النوع كراهية الجهال عندنا اليوم عقد النكاج فى شهر المحرم ، بل ينبغى أن يتيمن بالعقد والدخول فيه ، تمسكا بما عظم الله ورسوله من حرمته ، وردعا للجهال عن جهالتهم (المفهم لما اشكل فيه من كتاب مسلم، من باب استئمار الثيب)

۱؎ چنانچہ شوال کے لغت میں ایک معنیٰ اونٹ کے لاغر اور دُبلا ہونے یا اونٹنی کے تھن یا دُم اوپر اٹھنے کے آتے ہیں، اس معنیٰ کے لحاظ سے اس کے نام رکھنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس مہینے کا یہ نام ایسے زمانے میں رکھا گیا تھا، جب اونٹ لاغر اور دُبلے تھے، یا اونٹنی کے تھن یا دُم اوپر کو اُٹھے ہوئے تھے۔

شول :الشَّوْلُ :الإبِلُ إذا شَوَلَتْ فَلَزِتْ بُطُونُها بظُهُوْرِها .وشالَتِ النّاقَةُ بذَنَبِها :إذا رَفَعَتْهُ، الواحِدَةُ شائلٌ .والتى قَلَّ لَبَنُها، وهى الشُّوَّلُ .وشوَّلَتِ الإبِلُ :ارْتَفَعَ لَبَنُها .وكُلُّ ما ارْتَفَعَ فهو شائلٌ .ومنه شالَ المِيْزَانُ :إذا ارْتَفَعَتْ أحدى كِفَّتَيْه .والعَقْرَبُ شائلةٌ بذَنَبِها .وشَوْلَاةُ العَقْرَب :ما يَشُوْلُ من ذَنَبِها، وبه سُمِّيَتِ الشَّوْلَةُ للنَّجْمِ، وقال ساجِعُهم :إذا طَلَعَ الشَّوْلَه؛ أعْجَلَتِ الشَّيْخَ البَوْلَاة؛ واشْتَدَّ على العِيَالِ العَوْلَة .وشَوْلَةُ :اسْمُ أمَةٍ رَعْناء َلِعَدُوَانَ مُتَنَصِّحَةٍ .وفى المَثَل " :أنْتَ شَوْلَةُ الناصِحَةُ " .والشَّوْلُ :جَمْعُ شائِلَةِ الذَّنَب .والاشْتِيَالُ :مِثْلُ الاكْتِيَارِ .وشَوَّلَتِ الإبِلُ :قَلَّتْ ألْبَانُها وكتدَتْ تَضْبَعُ .وشَوّالٌ :بمعنى المُشَالِ .وسَمِّىَ شَوّالٌ اسْمُ شَهْرٍ لأنَّه وافَقَ الوَقْتَ الذى تَشُوْلُ فيه الإبِلُ .والشَّوْلُ :ثُلُثُ القِرْبَةِ ونَحوه من الماءِ .وشَوَّلَ الغَرْبُ :قَلَّ ماؤه .واشْتَالَ فلانٌ لفلان :أى تَعَرَّض له وسَبَّه .وتَشاوَلَ القَوْمُ تَشاوُلاً :تَنَاوَلَ بَعْضُهم بَعْضاً عِنْدَ القِتَال .والتَّشْوِيْلُ :أنْ يَرْتَخِىَ ذَكَرُ الرَّجُلِ عِنْدَ مُحَاوَلَةِ الجِمَاعِ فلا يَشْتَدّ مَتْنُه .والشَّوْشَلاء ُبلُغَةِ الحَبَشَةِ :النَّيْکُ .والمِشْوَلُ :عُوْدٌ مَعْرُوْضٌ بَيْنَ السَّخْبِ والدُّجْرَيْنِ من الفَدّان .وقد شَوَّلْنا أرْضَنا .والشَّوِلُ :السَّرِيْعُ الخَفِيْفُ فى كُلِّ ما أخَذَ فيه .والشُّوَيْلاء ُ :نَبْتٌ من نَبَاتِ نَجْدٍ(المحيط فى اللغة، مادة شول)

وشوال من اسماء الشهور معروف اسم الشهرالذى يلى شهررمضان وهواول اشهر الحج قيل سمى بتشويل لبن الابل وهوتوليه وادبارهٔ وكذالک حال الابل فى اشتدادالحر وانقطاع الرطب وقال الفراء:سمى بذلک لشولان الناقة فيه بذنبها والجمع شواويل على القياس وشواول على طرح الزائد وشوالات وكانت العرب تطيرمن عقدالمناكح فيه وتقول ان المنكوحة تمتنع من ناكحها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

شوّال کو ’’مکرَّم‘‘ کہنے کی وجہ

شوال کو ’’مکرَّم‘‘ بھی کہا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ ’’شوالُ المکرّم‘‘ اور مکرم کے معنٰی ہیں، اکرام والی چیز۔

اور یہ مہینہ کیونکہ شریعت کی نظر میں کئی طرح سے اکرام والا مہینہ ہے، اس لئے اس مہینہ کو ’’شوالُ المکرّم‘‘ بھی کہا جاتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كما تمتنع طروقةالجمل اذا لقحت وشالت بذنبهافابطل النبى صلى الله عليه وسلم طيرتهم وقالت عائشة رَضِىَ اللّٰهُ عَنُهَا تزوجنى رسول الله صلى الله عليه وسلم فى شوال وبنى بى فى شوال فاى نسائه كان احظى عنده منى؟ (لسان العرب ماده شوال)

والشَّول من الإبل :التى قد ارتفعَتْ ألبانُها، الواحدة شائل .والشُّوَّل من الإبل :اللواتى لَقِحَتْ فرفعَتْ أذنابَها، والواحدة شائلة .قال الراجز:

كأنَّ فى أذنابهنَّ الشُّوَّلِ ...مِن عَبَسِ الصَّيف قُرونَ الإيَّلِ

والشَّولة :نجمٌ من نجوم السَّماء ومنه اشتقاق شَوَّال، لأنه كان فى أيام الصَّيفِ، شالت فيه الإبلُ بأذنابها، فسمِّى بذلک(الاشتقاق لابنِ دريد، باب اليمين من قحطان)

شول :الشول :الابل إذا شولت فلزقت بطونها بظهورها.

وشالت الناقة بذنبها :رفعته، وكل شيئ مرتفع فهو شائل.

وشال الميزان :ارتفعت إحدى كفتيه، والعقرب شائلة بذنبها، قال :كذبت العقرب شوال علق (ويقال القوم إذا خفوا ومضو :شالت نعامتهم.والشول من النوق :التى نقصت ألبانها، أو جفت.

والشول من النوق :اللواقح، الواحدة :شائل.وشوال :اسم شهر(كتاب العين للخليل الفراهيدى، ج٦ ص٢٨٥، مادة، شول)

شوال وجه تسميه آنكه درين ماه عرب سيروشكارميكردندواز خانهاے خود بيرون ميرفتندمشتق از شول كه مصدراست بمعنى برداشته شدن (غياث الغات ص ۳۰۰)

ماہِ شوّال کے فضائل

ماہِ شوال کو کئی طرح سے فضیلت حاصل ہے۔

ایک تو یہ مہینہ رمضان کا پڑوسی ہے اور رمضان کے روزوں کے ساتھ عیدُ الفطر کے بعد اس مہینہ میں چھ روزے رکھنے کی بڑی فضیلت ہے، اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں عظیم اسلامی تہوار ''عیدُ الفطر'' ادا کیا جاتا ہے، کیونکہ اس مہینے کے شروع ہوتے ہی روزے کی فرضیت کا زمانہ مکمل ہوجاتا ہے اور کھانا پینا حلال ہوجاتا ہے اس لئے اس تہوار کا نام عیدالفطر (افطار کی خوشی) تجویز کیا گیا ہے اور اس دن کی بدولت صدقۂ فطر کو لازم کیا گیا اور اس کے عظیم فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ شوال کے مہینے کو یہ شرف اور اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس مہینے سے اسلام کی اہم عبادت اور ایک اہم فریضے ''حج'' کا زمانہ شروع ہوتا ہے اس لئے اس مہینے کو حج کے مہینوں میں شمار کیا جاتا ہے، اس طرح اس مہینے کو حج کے ساتھ بھی ایک نسبت قائم ہے جو اس کی فضیلت کے لئے کچھ کم نہیں۔

علاوہ ازیں اس مہینہ کی ابتدائی رات بھی فضیلت کی حامل ہے اور عید الفطر کے دن کا بابرکت ہونا تو بالکل واضح ہے، اور شوال کے مہینہ میں چھ نفلی روزے رکھنے کی بھی عظیم فضیلت ہے۔

بہرحال شوال کو کئی عظیم الشان نسبتیں اور فضیلتیں حاصل ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱)......رمضانُ المبارک کے بابرکت مہینے کے اختتام سے اس مہینے کا آغاز ہونا اور رمضان کے بابرکت مہینے کا پڑوسی اور اس کے ساتھ اس مہینے کا ملا ہوا ہونا۔

(۲)......اس مہینہ کا حج کے مہینوں میں سے ہونا بلکہ اس مہینے سے حج کے زمانہ کا آغاز ہونا۔

(۳)...... رمضان کے بخیر وعافیت گزرنے کے بعد اس مہینہ کے ابتدائی دن

کے سبب صدقۂ فطر کا واجب ہونا اور اس کے عظیم فضائل کا ہونا۔

(۴)......اس مہینہ کی ابتدائی یعنی چاند رات کا بابرکت اور فضیلت والی ہونا۔

(۵)...... اس مہینے کے ابتدائی دن میں اسلام کے عظیم تہوار ''عید الفطر'' کا اسلامی شان وشوکت کے ساتھ انجام دیا جانا اور اللہ کے حضور شکرانے کے طور پر دوگانہ نماز کا ادا کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر بندوں کے لئے بخشش اور مغفرتوں کا اعلان ہونا۔

(۶)......اس مہینہ میں چھ روزوں کے عظیم الشان فضائل کا ہونا۔

آگے مذکورہ چیزوں کے فضائل واحکام اور منکرات واصلاحات اور قابلِ توجہ اُمور پر کچھ تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

ماہِ شوّال رمضان کا پڑوسی

رمضانُ المبارک کی فضیلتوں اور برکتوں اور اس کے مقدس ومحترم ہونے کو تو سب مسلمان جانتے ہی ہیں، اور ہم نے اپنی کتاب ''ماہِ رمضان کے فضائل واحکام'' میں بھی اس مہینہ کے فضائل وبرکات کو تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیا ہے، اور شوال کے مہینہ کو اللہ تعالیٰ نے رمضانُ المبارک کے مقدس مہینہ کے ختم ہونے پر مقرر فرمایا ہے۔

رمضانُ المبارک کی برکات پورے سال انسان کو حاصل رہتی ہیں بشرطیکہ رمضان کا صحیح احترام اور اس کا حق ادا کرے، کیونکہ رمضان کا مہینہ دراصل پورے سال کا اصلاحی کورس ہے، اور شوال کا مہینہ شروع ہوتے ہی یہ سالانہ کورس مکمل ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے رمضان المبارک کے اثرات شوال کے مہینہ میں زیادہ اور تروتازہ انداز میں محسوس کئے جاتے ہیں، کیونکہ ہر چیز کی صحبت کا اثر اُس کے پڑوسی کو حاصل ہوا کرتا ہے، اور شوال کا مہینہ رمضان کا پڑوسی ہے۔

لہٰذا اس مہینہ پر رمضان کی صحبت کا اثر ایک لازمی چیز ہے۔

اور اسی لئے اس مہینہ میں چھ روزے رکھنے کے بڑے فضائل آئے ہیں، یہاں تک کہ رمضان کے مہینہ کے روزے رکھ کر عید کے بعد شوال کے مہینے میں چھ روزے رکھنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پورے سال کے روزوں کا ثواب مرحمت فرمایا جاتا ہے۔

سال بھر کے روزوں کا ثواب خاص رمضان اور شوال کے روزوں کے ساتھ حاصل ہونا ان دونوں مہینوں کے ساتھ قریبی تعلق اور شوال کے مہینہ میں رمضان کے انوار وبرکات کو ظاہر کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے شوال کے مہینہ کے چھ روزوں کی رمضان کے روزوں کے ساتھ وہی حیثیت بیان فرمائی ہے جو سنت نماز کو فرضوں کے ساتھ ہوتی ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ سنتوں کا اپنے فرضوں سے بہت قوی اور قریبی تعلق ہوتا ہے۔

صدقۂ فطر جو عید کے دن کے سبب لازم ہوتا ہے اس کا ایک فائدہ بھی رمضان کے روزوں کو پاک وصاف کرنا ہے، اس سے بھی شوال کے مہینہ کا رمضان سے تعلق ظاہر ہوتا ہے۔

اور بعض احادیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رمضان میں عذر کے باعث اعتکاف چھوٹ جانے پر اس کو شوال کے مہینہ میں ادا کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ [1]

بہر حال شوال کا مہینہ رمضان کے ساتھ خاص تعلق اور مناسبت کا حامل ہے۔

ماہِ شوال حج کا پہلا مہینہ

شوال کے مہینہ سے حج کے مہینوں کا آغاز ہوتا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

---

[1] عن عائشة رضى الله عنها :أن النبى صلى الله عليه وسلم، أراد أن يعتكف، فلما انصرف إلى المكان الذى أراد أن يعتكف إذا أخبية خباء عائشة، وخباء حفصة، وخباء زينب، فقال :ألبر تقولون بهن ثم انصرف، فلم يعتكف حتى اعتكف عشرا من شوال(بخارى، حديث نمبر ۲۰۳۴، كتاب الاعتكاف، باب الاخبية فى المسجد)

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (سورہ بقرہ آیت ۱۹۷)

ترجمہ: حج کے مہینے مقرر ہیں، پس جو شخص ان میں (احرام باندھ کر) حج لازم کرلے، تو (اس کے لئے) حج میں نہ شہوت (کی گنجائش) ہے، اور نہ گناہ (کرنے) کی، اور نہ لڑائی جھگڑے کی (ترجمہ ختم)

تشریح: ''اَشْهُرٌ'' شہرٌ کی جمع ہے جس کے معنٰی ہیں ''مہینہ''

اس آیت میں حج کے مہینے مقرر ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے شوال، ذیقعدہ، اور ذی الحجہ کے مہینے مراد ہیں۔

چنانچہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قَوْلِهٖ عَزَّ وَجَلَّ "اَلْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ" شَوَّالٌ، وَذُو الْقَعْدَةِ، وَذُو الْحِجَّةِ (المعجم الأوسط) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عزوجل کے قول ''الحج اشہر معلومات'' کے بارے میں فرمایا کہ شوال اور ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے مہینے ہیں (ترجمہ ختم)

البتہ بہت سے حضرات کے نزدیک ذی الحجہ کا پورا مہینہ حج کے مہینوں میں داخل نہیں، بلکہ اس کے ابتدائی دس دن ہی داخل ہیں، اور اس طرح سے ان کے نزدیک حج کے مہینوں سے مراد دو مہینے (شوال اور ذیقعدہ) اور دس دن ہیں (جو کہ ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں)

ان حضرات کے قول کی تائید حضرت ابنِ عمر اور حضرت ابنِ عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ کی روایات سے ہوتی ہے۔

---

[1] للطبرانی، حدیث نمبر ۱۵۸۴، دارالحرمین، القاهرة.

قال الهیثمی:

رواه الطبرانی فی الصغیر والأوسط، وفیه حصین بن مخارق قال الطبرانی: کوفی ثقة. وضعفه الدارقطنی، وبقیة رجاله موثقون (مجمع الزوائد، ج۳ص ۲۱۸، باب فی أشهر الحج)

چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ:

أَشْهُرُ الْحَجِّ: شَوَّالٌ، وَذُو الْقَعْدَةِ، وَعَشْرٌ مِّنْ ذِي الْحَجَّةِ (بخاری) [۱]

ترجمہ: حج کے مہینے یہ ہیں: شوال اور ذوالقعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَشْهُرُ الْحَجِّ شَوَّالٌ وَذُو الْقَعْدَةِ وَعَشْرٌ مِّنْ ذِي الْحِجَّةِ (سنن الدارقطنی) [۲]

ترجمہ: حج کے مہینے یہ ہیں: شوال اور ذوالقعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَشْهُرُ الْحَجِّ شَوَّالٌ وَّذُو الْقَعْدَةِ وَعَشْرٌ مِّنْ ذِي الْحَجَّةِ (سنن الدارقطنی) [۳]

ترجمہ: حج کے مہینے یہ ہیں: شوال اور ذوالقعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن (ترجمہ ختم)

مذکورہ مہینوں کو حج کے مہینے قرار دینے سے معلوم ہوا کہ یہ مہینے حج کے لئے مقرر ہیں، اور ان کے علاوہ کسی اور زمانہ میں حج جائز نہیں۔

اور ان مہینوں کے حج کے مہینے ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس پورے عرصے میں حج ادا کیا جاتا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو کوئی حج کرنا چاہتا ہے، تو وہ حج کے مہینے شروع ہونے (یعنی شوال کا مہینہ داخل ہونے) سے پہلے حج کا احرام نہ باندھے۔

پھر بعض حضراتِ فقہاء (مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ) کے نزدیک تو شوال کا مہینہ شروع ہونے سے پہلے حج کا احرام باندھنا سرے سے جائز ہی نہیں، اور بعض حضرات (مثلاً امام ابوحنیفہ

---

[۱] کتاب الحج ،بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى الحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ،دارطوق النجاة،بیروت، واللفظ لہٗ، مستدرک حاکم، حدیث نمبر ۳۰۹۲، سنن دارقطنی، حدیث نمبر ۲۴۵۲۔
قال الحاکم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ "
وقال الذهبی فی التلخیص: علی شرط البخاری ومسلم

[۲] حدیث نمبر ۲۴۵۳،کتاب الحج، مؤسسة الرسالة، بیروت.

[۳] حدیث نمبر ۲۴۵۴،کتاب الحج، مؤسسة الرسالة، بیروت.

رحمہ اللہ) کے نزدیک ایسا کرنا سنت کے خلاف ہے۔ [1]

چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

لَا يُحْرَمُ بِالْحَجِّ إِلَّا فِيْ أَشْهُرِ الْحَجِّ، فَإِنَّ مِنْ سُنَّةِ الْحَجِّ أَنْ يُّحْرَمَ بِالْحَجِّ فِيْ أَشْهُرِ الْحَجِّ (مستدرک حاکم) [2]

---

[1] اَلْحَجُّ ای وقت الحج بل وقت إحرام الحج فان وقت ارکان الحج انما هو يوم عرفة ويوم النحر لا غير أَشْهُرٌ مَعْلُوماتٌ اخرج الطبرانی عن ابی امامة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم شوال وذو القعدة وذو الحجة -قلت المراد شوال وذو القعدة وتسع من ذی الحجة الى طلوع الفجر من يوم النحر -ويروى عن ابن عمر شوال وذو القعدة وعشر من ذى الحجة قال البغوى كل واحد من اللفظين صحيح والمال واحد غير مختلف فيه فمن قال عشر عبر عن الليالى ومن قال تسع عبر عن الأيام -وانما قال اشهر بلفظ الجمع لانها وقت والعرب تسمى الوقت تاما بقليله وكثيره -قال الله تعالى -سُبْحانَ الَّذِي أَسْرى بِعَبْدِهِ لَيْلًا وانما اسرى فى بعض الليل -وهذا هو محمل لما روى عن عمر انه قال شوال وذو القعدة وذو الحجة -وقال عروة بن الزبير وغيره أراد بالأشهر شوالا وذا القعدة وذا الحجة كملا لانه يبقى على الحاج امور بعد عرفة يجب عليه فعلها مثل الذبح والرمى والحلق وطواف الزيارة والمبيت بمنى ورمى الجمار فى ايام التشريق فكانت فى حكم الحج -قلت هذه الافعال كلها ينتهى الى ثالث عشر من ذى الحجة فكيف يعد ذو الحجة بهذا التوجيه كاملا- وقال البيضاوى وذو الحجة كله من أشهر الحج بناء على ان المراد بالوقت عنده ما لا يحسن فيه غيره من المناسک وقال فان مالكا يكره العمرة فى بقية ذى الحجة -قلت وهذا غير مستقيم فان العمرة فى أشهر الحج للافاقى غير مكروه اجماعا -وقد اعتمر رسول الله صلى الله عليه وسلم اربع عمر كلها فى ذى القعدة وكذا للمكى عند مالک والشافعى فان التمتع للمكى عندهما جائز كما ذكرنا -وهذه الاية حجة للشافعى حيث قال لا يجوز إحرام الحج قبل الأشهر وان احرم انعقد الإحرام للعمرة -وقال داود -من احرم للحج قبل الأشهر لغى ولا ينعقد أصلا -وقال ابو حنيفة ومالک واحمد ان احرم قبل الأشهر للحج انعقد لكنه يكره(التفسير المظهرى، ج ١ ص ٢٣٠، ٢٣١، تحت آيت ١٩٧ من سورة البقرة)

واستدل بالآية على أنه لا يجوز الإحرام بالحج إلا فى تلک الأشهر، كما قاله ابن عباس رضى الله تعالى عنه وعطاء وغيرهما .إذ لو جاز فى غيرها -كما ذهب إليه الحنفية -لما كان لقوله سبحانه: فِيهِنَّ فائدة، وأجيب بأن فائدة فلو قدّم الإحرام انعقد حجا مع الكراهة، وعند الشافعى رضى الله تعالى عنه يصير محرما بالعمرة، ومدار الخلاف أنه ركن عنده -وشرط عندنا -فأشبه الطهارة فى جواز التقديم على الوقت، والكراهة جاء ت للشبهة،فعن جابر عن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم لا ينبغى لأحد أن يحرم بالحج إلا فى أشهر الحج(روح المعانى، ج ١ ص ٤٨١، ٤٨٢،تحت سورة البقرة)

[2] حديث نمبر ١٦٤٢ ،كتاب المناسک، دار الكتب العلمية -بيروت، واللفظ لهٗ،صحيح ابنِ خزيمة، حديث نمبر ٢٤٨٦ ،بخارى، كتاب الحج،بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى الحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: حج کا احرام، حج کے مہینوں میں ہی باندھا جائے، کیونکہ یہ حج کی سنت ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں میں باندھا جائے (ترجمہ ختم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ، اور جلیل القدر تابعین حضرت عکرمہ، اور حضرت عطاء، اور حضرت طاؤس، اور حضرت مجاہد رحمہم اللہ وغیرہ سے بھی اسی طرح کی روایات مروی ہیں۔ [1]

اس کے علاوہ اسلام سے پہلے عرب اہلِ جاہلیت کا خیال تھا کہ جب حج کے مہینے شروع ہو جائیں یعنی ماہِ شوال شروع ہو جائے تو اس زمانہ میں حج وعمرہ کا جمع کرنا سخت گناہ ہے۔
شریعت نے اس خیال کی اصلاح کر دی۔

چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانُوْا يَرَوْنَ أَنَّ الْعُمْرَةَ فِيْ أَشْهُرِ الْحَجِّ مِنْ أَفْجَرِ الْفُجُوْرِ فِي الْأَرْضِ، وَيَجْعَلُوْنَ الْمُحَرَّمَ صَفَرًا، وَيَقُوْلُوْنَ :إِذَا بَرَأَ الدَّبَرُ، وَعَفَا الْأَثَرُ، وَانْسَلَخَ صَفَرُ، حَلَّتِ الْعُمْرَةُ لِمَنِ اعْتَمَرَ، قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

دارقطنی، حدیث نمبر ۲۴۸۶، مصنف ابن شیبة، حدیث نمبر ۱۴۸۳۷.
قَالَ الحاكمُ: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ ، وَقَدْ جَرَتْ فِيهِ مُنَاظَرَةٌ بَيْنِي وَبَيْنَ شَيْخِنَا أَبِي مُحَمَّدٍ السَّبِيعِيِّ، فَإِنَّهُ أَنْكَرَهُ، وَقَالَ إِنَّمَا رَوَاهُ النَّاسُ عَنْ أَبِي خَالِدٍ، عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ أَرْطَأَةَ، عَنِ الْحَكَمِ فَمِنْ أَيْنَ جَاءَ بِهِ شَيْخُكُمْ، عَنْ شُعْبَةَ، فَقُلْتُ :تَأَمَّلْ مَا تَقُولُ، فَإِنَّ شَيْخَنَا أَتَى بِالْإِسْنَادَيْنِ جَمِيعًا، فَكَأَنَّمَا أَلْقَمْتُهُ حَجَرًا(حاكم) "

[1] عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ ، عَنْ جَابِرٍ ، قَالَ :لاَ يُحْرِمُ بِالْحَجِّ ، إِلَّا فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۱۴۸۳۸،كتاب المناسک،باب مَنْ كَرِهَ أَنْ يُهِلَّ بِالْحَجِّ ، فِي غَيْرِ أَشْهُرِ الْحَجِّ)
عَنْ أَيُّوبَ ؛ أَنَّ أَبَا الْحَكَمِ الْبَجَلِيَّ كَانَ يُهِلُّ بِالْحَجِّ فِي غَيْرِ أَشْهُرِ الْحَجِّ ، قَالَ :فَلَقِيَهُ عِكْرِمَةُ ، فَقَالَ : أَنْتَ رَجُلُ سُوءٍ(مُصنف ابن أبى شيبة، كتاب المناسک،حديث نمبر ۱۴۸۴۵،باب مَنْ كَرِهَ أَنْ يُهِلَّ بِالْحَجِّ ، فِي غَيْرِ أَشْهُرِ الْحَجِّ)
عن ابن جريج قال :أخبرنى عمر بن عطاء ، عن عكرمة أنه قال : لا ينبغى لأحد أن يحرم بالحج إلا فى أشهر الحج ، من أجل قول الله :الحج أشهر معلومات قال أحمد :وقد روينا عن ابن عباس ، أبين من ذلک(معرفة السنن والآثار للبيهقى، حديث نمبر ۹۲۳۰)
عَنْ عَطَاءٍ ، وَطَاوُوسٍ ، وَمُجَاهِدٍ ؛ قَالُوا :لاَ يُحْرِمُ بِالْحَجِّ ، إِلَّا فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۱۴۸۳۹، كتاب المناسک ،باب مَنْ كَرِهَ أَنْ يُهِلَّ بِالْحَجِّ ، فِي غَيْرِ أَشْهُرِ الْحَجِّ)

اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ صَبِيْحَةَ رَابِعَةٍ مُهِلِّيْنَ بِالْحَجِّ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَّجْعَلُوْهَا عُمْرَةً، فَتَعَاظَمَ ذٰلِكَ عِنْدَهُمْ، فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَيُّ الْحِلِّ؟ قَالَ: حِلٌّ كُلُّهُ (بخاری) [1]

ترجمہ: پہلے (یعنی زمانۂ جاہلیت میں) لوگ یہ سمجھتے تھے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا زمین میں بدترین گناہ ہے اور (اسی وجہ سے وہ لوگ) محرم کو صفر بنا لیتے تھے اور (اپنے مخصوص وہمی نظریات کی وجہ سے) کہتے تھے کہ اس شخص کے لئے جو عمرہ کرنا چاہتا ہے، جب اونٹ کی پیٹھ کا زخم اچھا ہو جائے اور نشانات مٹ جائیں اور صفر گزر جائے، تو عمرہ حلال ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ چوتھی (ذی الحجہ) کی صبح کو حج کا احرام باندھے ہوئے مکہ میں تشریف لائے، آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس (حج کے احرام) کو عمرہ بنا دیں، لوگوں پر یہ بات گراں گزری، لوگوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! کون سی چیز حلال ہوگی؟ (یعنی عمرہ کا کون سا عمل کرنا جائز ہوگا؟) آپ نے فرمایا کہ تمام چیزیں (طواف، سعی وغیرہ) حلال ہوں گی (ترجمہ ختم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کرا کر زمانۂ جاہلیت کے خیال کی اصلاح فرما دی، اور یہ واضح فرما دیا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کے تمام افعال واعمال جائز ہیں۔

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (ترمذی) [2]

---

[1] حدیث نمبر ۱۵۶۴، کتاب الحج، باب التمتع والإقران والإفراد بالحج، وفسخ الحج لمن لم يكن معه هدی، دار طوق النجاة، بیروت.

[2] حدیث نمبر ۹۳۲، ابواب الحج، باب ما جاء فی العمرة أواجبة هی أم لا؟ شركة مكتبة ومطبعة مصطفی البابی الحلبی، مصر.

قال الترمذی:

وَفِي البَاب عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ جُعْشُمٍ، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ: حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ.

ترجمہ: عمرہ قیامت کے دن تک حج میں داخل ہو گیا ہے (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ہے، اور زمانۂ جاہلیت میں جو ناجائز سمجھا جاتا تھا، شریعت نے قیامت تک کے لئے اس کی تردید فرمادی ہے۔ [1]

یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ حج تین طرح سے ہوتا ہے، ایک کا نام حجِ افراد ہے، اور ایسا حج کرنے والے کو ''مُفرِد'' کہا جاتا ہے، جس کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص حج کے مہینوں میں صرف حج کرے، اور اس کے ساتھ عمرہ نہ کرے۔

اور دوسرے حج کا نام ''حجِ قِران'' ہے، اور ایسا حج کرنے والے کو ''قارِن'' کہا جاتا ہے، جس کی حقیقت یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں ایک ہی احرام سے عمرہ اور اس کے بعد حج کیا جائے۔

اور تیسرے حج کا نام ''حجِ تمتع'' ہے، اور ایسا حج کرنے والے کو ''مُتمتع'' کہا جاتا ہے، جس کی حقیقت یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں پہلے عمرہ کیا جائے، اور پھر احرام سے نکل کر دوبارہ حج کا احرام باندھا جائے، اور پھر اس احرام میں حج کیا جائے۔ [2]

---

[1] وَمَعْنَى هَذَا الحَدِيثِ :أَنْ لَا بَأْسَ بِالعُمْرَةِ فِي أَشْهُرِ الحَجِّ، وَهَكَذَا قَالَ الشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ، وَمَعْنَى هَذَا الحَدِيثِ :أَنَّ أَهْلَ الجَاهِلِيَّةِ كَانُوا لَا يَعْتَمِرُونَ فِي أَشْهُرِ الحَجِّ، فَلَمَّا جَاءَ الإِسْلَامُ رَخَّصَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذَلِكَ، فَقَالَ :دَخَلَتِ العُمْرَةُ فِي الحَجِّ إِلَى يَوْمِ القِيَامَةِ ، يَعْنِي :لَا بَأْسَ بِالعُمْرَةِ فِي أَشْهُرِ الحَجِّ، وَأَشْهُرُ الحَجِّ :شَوَّالٌ، وَذُو القَعْدَةِ، وَعَشْرٌ مِنْ ذِي الحِجَّةِ، لَا يَنْبَغِي لِلرَّجُلِ أَنْ يُهِلَّ بِالحَجِّ إِلَّا فِي أَشْهُرِ الحَجِّ، وَأَشْهُرُ الحُرُمِ :رَجَبٌ، وَذُو القَعْدَةِ، وَذُو الحِجَّةِ، وَالمُحَرَّمُ، هَكَذَا قَالَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ(سنن الترمذی، حواله بالا)

[2] والقِران لغة مصدر قرن بين الحج والعمرة أی جمع بينهما فلا يظن أنه بيان الحكم قبل التعريف كما فی القهستانی اعلم أن المحرمين أربعة مفرد بالحج وهو :أن يحرم من الميقات فی أشهر الحج ويذكر الحج بلسانه عند التلبية ويقصد بقلبه أو لم يذكر بلسانه وينوی بقلبه كما بيناه ومفرد بالعمرة وهو أن يحرم من الميقات أو قبله فی أشهر الحج أو قبلها ويذكر العمرة بلسانه عند التلبية أو يقصد بقلبه أو لم يذكر بلسانه وينوی بقلبه وقارن وهو أن يجمع بين إحرام الحج والعمرة فی الميقات أو قبله فی أشهر الحج أو قبلها ويذكر الحج والعمرة بلسانه عند التلبية أو يقصد بقلبه أو لم يذكرهما بلسانه وينويهما بقلبه ومتمتع وهو أن يحرم بالعمرة فی أشهر الحج أو قبلها ثم يحج من عامه ذلك قبل أن يلم بأهله إلماما صحيحا(مجمع الأنهر فی شرح ملتقى الأبحر، ج ۱ ص۲۸۷، كتاب الحج، باب القِران والتمتع)

پھر جو لوگ میقات سے باہر کے رہنے والے ہیں یعنی اُن کا وطن میقات کی حدود کے اندر نہیں ہے ان کو حج کے مہینوں میں عمرے کے علاوہ تنہا حج کرنا بھی جائز ہے، جس کو ''حجِ افراد'' کہا جاتا ہے، اور ان کو ''حجِ تمتع'' اور ''حجِ قِران'' کی شکل میں عمرہ اور حج کو جمع کرنا بھی جائز ہے۔

البتہ جو لوگ میقات کے اندر رہنے والے ہیں ان کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حج کے مہینوں میں حج وعمرہ دونوں کو جمع کرنا منع ہے، ایسے لوگوں کو ''حجِ افراد'' کرنا چاہئے۔ [1]

---

[1] حجِ تمتع اور حجِ قِران میں دمِ شکر واجب ہوتا ہے، اور اگر کسی کو دمِ شکر کی قدرت نہ ہو، تو اس کو دس روزے رکھنے کا حکم ہے، جن میں سے تین روزے حج سے پہلے رکھنے کا حکم ہے، اور سات روزے حج کے بعد، اور حج سے پہلے کے تین روزے شوال کا مہینہ شروع ہونے کے بعد رکھنا جائز ہے، کیونکہ شوال حج کا پہلا مہینہ ہے۔

وفيه وجه آخر :وهو أن الله لما قدم ذكر التمتع بالعمرة إلى الحج ورخص فيه وأبطل به ما كانت العرب تعتقده من حظر العمرة فى هذه الأشهر، قال :(الحج أشهر معلومات) فأفاد بذلك أن الأشهر التى يصح فيها التمتع بالعمرة إلى الحج وثبت حكمه فيها هذه الأشهر، وأن من اعتمر فى غيرها ثم حج لم يكن له حكم التمتع ;والله أعلم(احكام القرآن جصاص، ج ا ص ۳۷۴، تحت آيت ۱۹۷، من سورة البقرة)

عن عكرمة، عن ابن عباس رضى الله عنهما، أنه سئل عن متعة الحج، فقال :أهل المهاجرون، والأنصار، وأزواج النبى صلى الله عليه وسلم فى حجة الوداع، وأهللنا، فلما قدمنا مكة، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :اجعلوا إهلالكم بالحج عمرة، إلا من قلد الهدى فطفنا بالبيت، وبالصفا والمروة، وأتينا النساء، ولبسنا الثياب، وقال :من قلد الهدى، فإنه لا يحل له حتى يبلغ الهدى محله ثم أمرنا عشية التروية أن نهل بالحج، فإذا فرغنا من المناسك، جئنا فطفنا بالبيت، وبالصفا والمروة، فقد تم حجنا وعلينا الهدى، كما قال الله تعالى :(فما استيسر من الهدى، فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام فى الحج، وسبعة إذا رجعتم)إلى أمصاركم، الشاة تجزى، فجمعوا نسكين فى عام، بين الحج والعمرة، فإن الله تعالى أنزله فى كتابه، وسنه نبيه صلى الله عليه وسلم، وأباحه للناس غير أهل مكة قال الله :(ذلك لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام) وأشهر الحج التى ذكر الله تعالى فى كتابه :شوال وذو القعدة وذو الحجة، فمن تمتع فى هذه الأشهر، فعليه دم أو صوم " والرفث :الجماع، والفسوق :المعاصى، والجدال :المراء "(بخارى، حديث نمبر ۱۵۷۲، كتاب الحج،باب قول الله تعالى ذلك لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام)

قوله :(وأباحه للناس غير أهل مكة ...(إلخ، فهذا ابن عباس يؤيد الحنفية أن لا قران للمكى ولا تمتع، وأن ذلك إشارة إلى التمتع والقران كما قلنا، لا إلى الدم، كما اختاره الشافعى(فيض البارى شرح البخارى،باب قول الله تعالى :ذلك لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور میقات وہ متعین مقامات ہیں جو اطرافِ عالم سے حرم شریف کی حدود میں آنے والوں کے ہر راستہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہیں کہ جب حرم شریف کے ارادہ سے آنے والا مسافر یہاں پہنچے تو یہاں سے حج یا عمرہ کی نیت سے احرام باندھنا لازم ہے بغیر احرام کے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وليس لأهل مكة، ولا لأهل داخل المواقيت التي بينها وبين مكة :قران ولا تمتع .وقال الشافعي: يصح قرانهم وتمتعهم .وجه قوله قوله تعالى :(فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى) (البقرة١٩٦) من غير فصل بين أهل مكة وغيرهم. ولنا قوله تعالى :(ذلك لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام) (البقرة:١٩٦)جعل التمتع لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام على الخصوص؛ لأن اللام للاختصاص ثم حاضرو المسجد الحرام هم أهل مكة وأهل الحل الذين منازلهم داخل المواقيت الخمسة .وقال مالك :هم أهل مكة خاصة؛ لأن معنى الحضور لهم .وقال الشافعي :هم أهل مكة .ومن كان بينه وبين مكة مسافة لا تقصر فيها الصلاة؛ لأنه إذا كان كذلك كان من توابع مكة، وإلا فلا، والصحيح قولنا؛ لأن الذين هم داخل المواقيت الخمسة منازلهم من توابع مكة، بدليل أنه يحل لهم أن يدخلوا مكة لحاجة بغير إحرام، فكانوا فى حكم حاضرى المسجد الحرام .وروى عن ابن عمر -رضى الله عنه -أنه قال :ليس لأهل مكة تمتع، ولا قران، ولأن دخول العمرة فى أشهر الحج ثبت رخصة لقوله تعالى :(الحج أشهر معلومات) (البقرة :قيل فى بعض وجوه التأويل :أى للحج أشهر معلومات، واللام للاختصاص فيقتضى اختصاص هذه الأشهر بالحج، وذلك بأن لا يدخل فيها غيره إلا أن العمرة دخلت فيها رخصة للآفاقى ضرورة تعذر إنشاء السفر للعمرة نظرا له بإسقاط أحد السفرين، وهذا المعنى لا يوجد فى حق أهل مكة .ومن بمعناهم فلم تكن العمرة مشروعة فى أشهر الحج فى حقهم .وكذا روى عن ذلك الصحابى أنه قال :كنا نعد العمرة فى أشهر الحج من أكبر الكبائر ثم رخص، والثابت بطريق الرخصة يكون ثابتا بطريق الضرورة، والضرورة فى حق أهل الآفاق لا فى حق أهل مكة على ما بينا، فبقيت العمرة فى أشهر الحج فى حقهم معصية، ولأن من شرط التمتع أن تحصل العمرة والحج للمتمتع فى أشهر الحج من غير أن يلم بأهله فيما بينهما .وهذا لا يتحقق فى حق المكى؛ لأنه يلم بأهله فيما بينهما لا محالة فلم يوجد شرط التمتع فى حقه(بدائع الصنائع ،ج٢ص ١٦٩ ،كتاب الحج،فصل بيان ما يحرم به المحرمون)

وإن لم يجد فصيام ثلاثة أيام فى الحج أى فى وقت الحج، حتى لو صام بعدما أحرم بالعمرة فى أشهر الحج جاز عندنا خلافاً للشافعى، والأفضل له أن يصوم ما قبل يوم التروية، ويوم التروية، ويوم عرفة؛ لأن الصوم بدل عن الهدى، وكان الأفضل له أن يؤخر الصوم إلى آخر الوقت الذى يفوته الصوم بمضى ذلك الوقت، وهذه الأيام الصوم، فإن مضت يعنى هذه الأيام ولم يصم سقط الصوم، وعاد إلى الهدى عندنا، فإن لم يقدر على الهدى كان عليه دمان دم التمتع ودم التحلل قبل الهدى، وإنما سقط الصوم، وعاد حكم الهدى باعتبار أن كون الصوم بدلاً عن الهدى عرف عن الكتاب (المحيط البرهانى ج٢ص ٤٦٩،كتاب المناسک، الفصل العاشر فى التمتع)

یہاں سے آگے بڑھنا جرم وگناہ ہے (معارف القرآن ج ۱ ص ۴۸۳ وجواہر الفقہ ج ۱ ص ۴۶۸ بتغیر) [۱]

چنانچہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا قَالَ: مِنْ أَيْنَ نُهِلُّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: يُهِلُّ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ، وَأَهْلُ الشَّامِ مِنَ الْجُحْفَةِ، وَأَهْلُ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ ، قَالَ: وَأَهْلُ الْيَمَنِ مِنْ يَلَمْلَمَ (ترمذی) [۲]

ترجمہ: ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول ہم (حج یا عمرہ کا احرام شروع کرنے

---

[۱] اور یہ حکم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور بعض دوسرے فقہاء کے نزدیک ہے، جبکہ بعض فقہاء کے نزدیک حج وعمرہ کا ارادہ کرنے والوں کے لیے ہی احرام باندھنا لازم ہے، کسی اور غرض سے آنے والوں کے لیے لازم نہیں۔

وقد اختلف العلماء فى هذا الباب، فقال ابن القصار :واختلف قول مالك والشافعى فى جواز دخول مكة بغير إحرام لمن لم يرد الحج والعمرة، فقالا مرة :لا يجوز دخولها إلا بالإحرام لاختصاصها ومباينتها جميع البلدان إلا الحطابين، ومن قرب منها مثل جدة والطائف وعسفان لكثرة ترددهم إليها، وبه قال أبو حنيفة والليث، وعلى هذا فلا دم عليه، نص عليه فى (المدونة) . وقالا مرة أخرى :دخولها به مستحب لا واجب .قلت :مذهب الزهرى والحسن البصرى والشافعى فى قول، ومالك فى رواية، وابن وهب وداود بن على وأصحابه الظاهرية :أنه لا بأس بدخول الحرم بغير إحرام، ومذهب عطاء بن أبى رباح والليث بن سعد والثورى وأبى حنيفة وأصحابه ومالك فى رواية، وهى قوله الصحيح، والشافعى فى المشهور عنه وأحمد وأبى ثور والحسن بن حى :لا يصلح لأحد كان منزله من وراء الميقات إلى الأمصار أن يدخل مكة إلا بالإحرام، فإن لم يفعل أساء و لا شيء عليه عند الشافعى وأبى ثور، وعند أبى حنيفة :عليه حجة أو عمرة .وقال أبو عمر :لا أعلم خلافا بين فقهاء الأمصار فى الحطابين ومن يدمن الاختلاف إلى مكة ويكثره فى اليوم والليلة أنهم لا يأمرون بذلك لما عليهم من المشقة، وقال ابن وهب عن مالك: لست آخذ بقول ابن شهاب فى دخول الإنسان مكة بغير إحرام، وقال :إنما يكون ذلك على مثل ما عمل به عبد الله بن عمر من القرب إلا رجلا يأتى بالفاكهة من الطائف، أو ينقل الحطب يبيعه، فلا أرى بذلك بأسا .قيل له :فرجوع ابن عمر من قديد إلى مكة بغير إحرام؟ فقال :ذلك أنه جاء ه خبر من جيوش المدينة (عمدة القارى، ج ۱۰، ص ۲۰۵، كتاب جزاء الصيد، باب دخول الحرم ومكة بغير إحرام)

[۲] حديث نمبر ۸۳۱، ابواب الحج، باب ما جاء فى مواقيت الإحرام لأهل الآفاق،شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر، واللفظ لهٗ،بخارى، حديث نمبر ۱۳۳ .

قال الترمذى: وَفِي البَابِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو :.حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ.

کے لئے) تلبیہ کہاں سے پڑھیں گے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ (یا اس طرف سے آنے) والے ''ذوالحلیفه'' (Zulhulefah نامی مقام) سے (احرام شروع کرنے کے لئے) تلبیہ پڑھیں، اور شام (یا اس طرف سے آنے) والے ''جحفه'' (Juhfah نامی مقام) سے (احرام شروع کرنے کے لئے) تلبیہ پڑھیں، اور نجد (یا اس طرف سے آنے) والے ''قرن'' (Qrn نامی مقام) سے (احرام شروع کرنے کے لئے) تلبیہ پڑھیں، اور یمن (Yaman) یا اس طرف سے آنے) والے ''یلملم'' (Yalmlam نامی مقام) سے (احرام شروع کرنے کے لئے) تلبیہ پڑھیں (ترجمہ ختم)

اسی قسم کی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابنِ عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

اور بعض روایات میں یہ وضاحت بھی ہے کہ جو لوگ ان مذکورہ مقامات سے اندر کے رہنے والے ہوں، وہ وہیں اپنے مقام سے احرام شروع کریں گے، حتیٰ کہ حرم کی حدود کے اندر رہنے والے وہیں حرم سے حج کا احرام شروع کریں گے۔ [1]

---

[1] عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :وَقَّتَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ، وَلِأَهْلِ الشَّامِ وَمِصْرَ الْجُحْفَةَ، وَلِأَهْلِ الْعِرَاقِ ذَاتَ عِرْقٍ، وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ (سنن نسائی، حدیث نمبر ۲۶۵۳، کتاب مناسک الحج، باب میقات اهلِ مصر)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا :أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَّتَ لِأَهْلِ المَدِينَةِ ذَا الحُلَيْفَةِ، وَلِأَهْلِ الشَّأْمِ الجُحْفَةَ، وَلِأَهْلِ اليَمَنِ يَلَمْلَمَ، وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنًا، فَهُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ، مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ مِمَّنْ كَانَ يُرِيدُ الحَجَّ وَالعُمْرَةَ، فَمَنْ كَانَ دُونَهُنَّ، فَمِنْ أَهْلِهِ حَتَّى إِنَّ أَهْلَ مَكَّةَ يُهِلُّونَ مِنْهَا(بخاری، حدیث نمبر ۱۵۲۹، کتاب الحج، باب مهل من کان دون المواقیت، واللفظ لهٗ، مسند احمد، حدیث نمبر ۲۱۲۸)

أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، يُسْأَلُ عَنِ الْمُهَلِّ فَقَالَ : سَمِعْتُ -أَحْسَبُهُ رَفَعَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَقَالَ :مُهَلُّ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ، وَالطَّرِيقُ الْآخَرُ الْجُحْفَةُ، وَمُهَلُّ أَهْلِ الْعِرَاقِ مِنْ ذَاتِ عِرْقٍ، وَمُهَلُّ أَهْلِ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ، وَمُهَلُّ أَهْلِ الْيَمَنِ مِنْ يَلَمْلَمَ(مسلم، حدیث نمبر ۱۱۸۳، کتاب الحج، باب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملحوظ رہے کہ جو لوگ خاص مذکورہ مقامات (ذوالحلیفہ، جحفہ، قرن، یمن، یلملم) سے گزرتے ہوئے نہ آئیں، بلکہ کسی اور مقام سے گزرتے ہوئے آئیں، تو وہ ان مقامات کے بالمقابل دوسرے مقامات سے ہی احرام شروع کریں گے، یعنی جو مقامات، احادیث میں بیان کردہ ان مقامات میں سے کسی مقام کے مقابلہ ومحاذات میں واقع ہونگے، وہ وہاں سے احرام شروع کریں گے۔

مذکورہ مسائل اس لئے تحریر کردیئے گئے ہیں تاکہ ماہِ شوال کے حج کے مہینوں میں سے ہونے کا مطلب واضح ہوجائے، اگر مزید تفصیلات درکار ہوں تو حج کے موضوع سے متعلق مستند کتابوں کی طرف رجوع فرمائیں۔

t

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مواقيت الحج والعمرة)

ثـم هـؤلاء الأصـناف ثلاثة صنف منهم أهل الآفاق،وصنف منهم من كان داخل الحرم وهم أهل مكة والحرم ،وصنف منهم من كان خارج الحرم داخل مواقيت أهل الآفاق.

وأما مـواقيـت إحـرامهم فمواقيت أهل الآفاق خمسة للحج والعمرة،وهى مواقيت بينها رسول الله صـلـى الـله عليه وسلم تعظيما للبيت حتى لا يجوز للآفاقى التجاوز عن هذه المواقيت لدخول مكة لـقـصـد الـحـج أو لـلتـجارة ونحوها إلا محرما فلأهل العراق ذات عرق ولأهل المدينة ذو الحليفة ولأهـل الشـام الـجـحـفة ولأهل اليمن يلملم ولأهل نجد قرن وقد وردت أحاديث مشهورة فى هذا الباب،ثم هذه المواقيت لهؤلاء من أهل الآفاق ولمن حصل من أهل ميقات آخر فى هذا الميقات.

وكـذلـک إن كـان من أهل الحرم وأهل الحل من داخل هذه المواقيت إذا خرج إلى الآفاق للتجارة ثـم رجـع فـحكمه حكم أهل الآفاق لا يجوز له مجاوزته إلا محرما إذا قصد مكة إما الحج أو العمرة

(تحفة الفقهاء للسمرقندى ج ا ص ۳۹۳،۳۹۴، كتاب المناسک، باب الاحرام)

صدقۂ فطر کے فضائل وفوائد اور احکام

شوال کے مہینے کا آغاز، رمضان المبارک کے اختتام پر ہوتا ہے، جس میں روزے رکھنے کی پابندی ختم ہوجاتی ہے۔

اور رمضان المبارک اور اس کے روزوں اور دوسری مبارک عبادات کے زمانے کا حاصل ہونا، اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، جس کے شکرانے پر شریعت کی طرف سے صدقۂ فطر مقرر اور واجب کیا گیا ہے۔

اور اسی وجہ سے صدقۂ فطر واجب ہونے کا اصل وقت عید الفطر کی صبح صادق کا وقت ہے۔[1]

وہ الگ بات ہے کہ صدقۂ فطر، عید الفطر کے دن سے پہلے ادا کرنا بھی درست ہے۔

اور اگرچہ صدقۂ فطر، عید الفطر کے دن کی وجہ سے واجب ہے، لیکن اس کا رمضان کے ساتھ گہرا تعلق ہے، نیز اس صدقہ کو بہت سے احکام میں زکاۃ کے ساتھ بھی تعلق ہے۔

اسی لئے احادیث وروایات میں صدقۂ فطر کو ''زکاۃِ فطر'' اور ''زکاۃِ رمضان'' اور ''صدقۂ رمضان'' اور زکاۃِ صوم'' اور ''صدقۂ صوم'' کے نام سے بھی ذکر کیا گیا ہے۔

اس طرح احادیث وروایات میں بیان کیے ہوئے اس کے مجموعی طور پر چھ نام ہوئے، جو بالترتیب یہ ہیں۔

(۱)......زکاۃِ فطر (۲)......صدقۂ فطر (۳)......زکاۃِ رمضان

---

[1] اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صدقۂ فطر کے واجب ہونے کا اصل وقت عید الفطر کی رات ہے۔

وأما وقت الوجوب فعند أصحابنا وقت الفجر الثانی من یوم الفطر،وعلی قول الشافعی لیلۃ الفطر. وفائدۃ الخلاف أن من ولد لہ ولد قبل طلوع الفجر تجب علیہ صدقۃ فطرہ ومن ولد لہ بعد ذلک لا تجب ولو أسلم قبلہ تجب علیہ وبعدہ لا وکذلک الفقیر إذا أیسر قبلہ تجب ولو افتقر الغنی قبلہ لا تجب،وعند الشافعی علی عکس ھذا.والصحیح قولنا لأنہ تضاف الصدقۃ إلی الفطر وھو یوم العید (تحفۃ الفقہاء للسمرقندی، ج ۱ ص ۳۳۹، کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ الفطر)

(۴)......صدقۂ رمضان (۵)......زکاۃِ صوم (۶)......صدقۂ صوم [1]

[1] چنانچہ یہ نام مختلف احادیث وروایات میں آئے ہیں، بطورِ نمونہ اس سلسلہ میں چند روایات ملاحظہ ہوں۔

زکاۃِ فطر کا ذکر مندرجہ ذیل روایت میں ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَ زَكَاةَ الفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ عَلَى كُلِّ حُرٍّ، أَوْ عَبْدٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى مِنَ الْمُسْلِمِينَ (بخاری، حدیث نمبر ۱۵۰۴، کتاب الزکاۃ، باب: صدقة الفطر على العبد وغيره من المسلمين، عن ابنِ عمر)

اور صدقۂ فطر کا ذکر مندرجہ ذیل روایت میں ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ صَارِخًا بِبَطْنِ مَكَّةَ يُنَادِي " :إِنَّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ صَغِيرٍ، أَوْ كَبِيرٍ :ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى، حُرٍّ أَوْ مَمْلُوكٍ، حَاضِرٍ أَوْ بَادٍ، مِنْ شَعِيرٍ أَوْ تَمْرٍ (مستدرک حاکم، حدیث نمبر ۱۴۹۲، کتاب الزکاۃ، عن ابنِ عباس)

اور زکاۃِ رمضان کا ذکر مندرجہ ذیل روایت میں ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ رَمَضَانَ عَلَى الْحُرِّ وَالْعَبْدِ، وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى، صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ، فَعَدَلَ النَّاسُ بِهِ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ (سنن النسائی، حدیث نمبر ۲۵۰۰، کتاب الزکاۃ، باب فرض زکاۃ رمضان)

اور صدقۂ رمضان کا ذکر مندرجہ ذیل روایت میں ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :فَرَضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَةَ رَمَضَانَ عَلَى الْحُرِّ وَالْعَبْدِ، وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ قَالَ :فَعَدَلَ النَّاسُ بِهِ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ (مسلم، حدیث نمبر ۹۸۴، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الفطر علی المسلمین من التمر والشعیر)

اور زکاۃِ صوم کا ذکر مندرجہ ذیل روایت میں ہے:

عَنِ الْحَسَنِ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ خَطَبَ بِالْبَصْرَةِ فَقَالَ :أَدُّوا زَكَاةَ صَوْمِكُمْ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ، فَقَالَ :مَنْ هَاهُنَا مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، قُومُوا إِلَى إِخْوَانِكُمْ فَعَلِّمُوهُمْ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَلَى الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ، وَالْحُرِّ وَالْعَبْدِ، وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى، نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ (سنن النسائی، حدیث نمبر ۱۵۸۰، کتاب صلاۃ العیدین)

اور صدقۂ صوم کا ذکر مندرجہ ذیل روایت میں ہے:

عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ :خَطَبَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي آخِرِ رَمَضَانَ عَلَى مِنْبَرِ الْبَصْرَةِ، فَقَالَ: أَخْرِجُوا صَدَقَةَ صَوْمِكُمْ، فَكَأَنَّ النَّاسَ لَمْ يَعْلَمُوا، فَقَالَ :مَنْ هَاهُنَا مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ قُومُوا إِلَى إِخْوَانِكُمْ فَعَلِّمُوهُمْ، فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ، فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ الصَّدَقَةَ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ شَعِيرٍ، أَوْ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ، عَلَى كُلِّ حُرٍّ أَوْ مَمْلُوكٍ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى، صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ ، فَلَمَّا قَدِمَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ رَأَى رُخْصَ السِّعْرِ، قَالَ :قَدْ أَوْسَعَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ، فَلَوْ جَعَلْتُمُوهُ صَاعًا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ، قَالَ حُمَيْدٌ :وَكَانَ الْحَسَنُ يَرَى صَدَقَةَ رَمَضَانَ عَلَى مَنْ صَامَ (سنن أبی داوٗد، حدیث نمبر ۱۶۲۲، کتاب الزکاۃ)

اور بعض حضرات نے صدقۂ فطر کو ''زکاۃِ ابدان'' یعنی بدن کی زکاۃ، اور ''صدقۂ رؤوس'' یعنی انسانوں کے صدقہ کا نام بھی دیا ہے۔

کیونکہ صدقۂ فطر میں انسان اور اس کے بدن کی زکاۃ کا عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ [1]

اور ہمارے عرف اور بول چال میں اس کا ''صدقۂ فطر'' نام زیادہ مشہور ومعروف ہے۔

صدقۂ فطر کی فضیلت واہمیت

احادیث وروایات میں صدقۂ فطر کے عظیم الشان فضائل وفوائد آئے ہیں۔

اور شریعت کی طرف سے اس عمل کی نہایت اہتمام کے ساتھ تاکید وترغیب اور اس کے احکام کی تفصیل اور وضاحت فرمائی گئی ہے۔

اور اسی وجہ سے بعض فقہاء نے صدقۂ فطر کو فرض قرار دیا ہے، البتہ فقہائے احناف نے اس کو متعلقہ شرائط پائی جانے پر واجب قرار دیا ہے، جو کہ عملی فرض ہے۔ [2]

---

[1] الأولى :معرفة صدقة الفطر لغة وشرعا .فقال النووى :هى لفظة مولدة لا عربية ولا معربة بل هى اصطلاحية للفقهاء .كأنها من الفطرة التى هى النفوس والخلقة .أى :زكاة الخلقة، ذكرها صاحب (الحاوى) والمنذرى .قلت :ولو قيل :لفظة إسلامية كان ولى لأنها ما عرفت إلا فى الإسلام، ويؤيد هذا ما ذكره ابن العربى :هو اسمها على لسان صاحب الشرع، ويقال لها :صدقة الفطر وزكاة الفطر وزكاة رمضان وزكاة الصوم، وفى حديث ابن عباس، صدقة الصوم، وفى حديث أبى هريرة :(صدقة رمضان) ، وتسمى أيضا صدقة الرؤوس وزكاة الأبدان سماها الإمام مالك، رحمه الله تعالى، أما شرعا فإنها اسم لما يعطى من المال بطريق الصلة ترحما مقدرا، بخلاف الهبة فإنها تعطى صلة تكرما لا ترحما، ذكره فى (المحيط)(عمدة القارى، ج۹ص۱۰۷ ،كتاب الزكاة،أبواب صدقة الفطر)

[2] ويقال صدقة الفطر وزكاة الفطر أو الفطرة كأنها من الفطرة التى هى الخلقة، فوجوبها عليها تزكية للنفس أى تطهير لها وتنقية لعملها، ويقال للمخرج هنا فطرة بكسر الفاء ، وهى مولدة لا عربية ولا معربة، بل اصطلاحية للفقهاء فى حقيقة شرعية على المختار كالصلاة والزكاة، وفرضت هى وصوم شهر رمضان فى السنة الثالثة من الهجرة، أما رمضان ففى شعبان، وأما هى فقال غير واحد فى السنة الثانية أيضا وقال بعض الحفاظ قبل العيد بيومين، وقال البغداديون من أصحابنا :إن زكاة الفطر وجبت بموجب زكاة الأموال، من نصوص الكتاب والسنة بعمومها فيها، وقال

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ عَلٰى كُلِّ حُرٍّ، أَوْ عَبْدٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى مِنَ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

البصريون منهم :إن وجوبها سابق على وجوب زكاة الأموال، واعتد به بعض الحفاظ، وقيل :إن زكاة الأموال فرضت قبل الهجرة، ويدل لفرضها قبل الزكاة خبر قيس ابن سعد بن عبادة :أمرنا رسول الله -صلى الله عليه وسلم -بصدقة الفطر قبل أن تنزل الزكاة، فلما نزلت فلم يأمرنا ولم ينهنا أى اكتفاء بالأمر السابق ولأجل ذلك قال :ونحن نفعله، أى نخرجها، وحكمة إيجابها طهر الصوم على ما يأتى، ووجوبها مجمع عليه كما حكاه ابن المنذر والبيهقى، واعترض بأن جمعا حكوا الخلاف فيها عن بعض الصحابة، وغيرهم، وتبعهم ابن اللبان من أصحابنا، لكن فى الروضة أن ما قاله غلط صريح، وفى المجموع سبقه إليهم الأصم وهو لا يعتد به فى الإجماع(مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۲۹۶، كتاب الزكاة،باب صدقة الفطر)

(عن ابن عمر قال :فرض رسول الله -صلى الله عليه وسلم -زكاة الفطر) قال الطيبى :دل على أنها فريضة والحنفية على أنها واجبة، أقول لعدم ثبوتها بدليل قطعى فهو فرضى عملى لا اعتقادى، قال ابن الهمام :وما يستدل به على الوجوب ما استدل به الشافعى على الافتراض فإن حمل اللفظ على الحقيقة الشرعية فى كلام الشارع متعين، ما لم يقيم صارف عنه، والحقيقة الشرعية غير مجرد التقدير، خصوصا فى لفظ البخارى ومسلم فى هذا الحديث أنه -صلى الله عليه وسلم -أمر بزكاة الفطر، ومعنى لفظ فرض هو معنى لفظ أمر، والأمر الثابت بظنى إنما يفيد الوجوب، ولا خلاف فى المعنى فإن الافتراض الذى يثبتونه ليس على وجه يكفر جاحده، فهو معنى الوجوب، الذى نقول به، غايته أن الفرض فى اصطلاحهم أعم من الواجب فى عرفنا، فأطلقناه على أحد جزأيه . اهـ، وفيه دليل لمذهبنا، ولما رأى الحنفية الفرق بين الفرض والواجب بأن الأول ما ثبت بقطعى، والثانى ما ثبت بظنى قالوا إن الفرض هنا بمعنى الواجب، وفيه نظر، لأن هذا قطعى لما علمت أنه مجمع عليه، فالفرض فيه باق على حاله، حتى على قواعدهم، فلا يحتاج لتأويلهم الفرض هنا بالواجب .اهـ، وفيه أن الإجماع على تقدير ثبوته إنما هو فى لزوم هذا الفعل، وأما أنه على طريق الفرض أو الواجب بناء على اصطلاح الفقهاء المتأخرين فغير مسلم، لا سيما والأحاديث متعارضة فى التعبير بالفرض والوجوب، وأما قوله :وجوبها مجمع عليه كما حكاه المنذرى والبيهقى فمنقوض بأن جمعا حكوا الخلاف فيها عن بعض الصحابة وغيرهم، وتبعهم ابن اللبان من الشافعية، وسبقه إليه الأصم، هذا وابن المسيب والحسن البصرى :لا تجب إلا على من صلى وصام، وعن على -كرم الله وجهه -لا تجب إلا على من أطاق الصوم والصلاة، وعن عطاء وربيعة والزهرى أنها لا تجب إلا أهل البادية، فثبت بهذا النزاع عدم صحة الإجماع، والحديث ظنى ومدلوله غير قطعى(مرقاة المفاتيح، ج۴ص۱۲۹۷،كتاب الزكاة،باب صدقة الفطر)

الْمُسْلِمِيْنَ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃِ فطر کو فرض قرار دیا، کھجور سے ایک صاع، یا جَو سے ایک صاع، ہر مسلمان آزاد یا غلام، مرد یا عورت پر (ترجمہ ختم)

حنفیہ کے نزدیک اس جیسی احادیث میں فرض سے مراد ''فرضِ عملی'' ہے، جس کو واجب کہا جاتا ہے۔

اور بعض روایات میں واجب کے الفاظ ہیں۔

چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ صَارِخًا بِبَطْنِ مَكَّةَ يُنَادِيْ: اَنَّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ حَقٌّ وَّاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ صَغِيْرٍ، أَوْ كَبِيْرٍ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى، حُرٍّ أَوْ مَمْلُوْكٍ، حَاضِرٍ أَوْ بَادٍ، صَاعٌ مِّنْ شَعِيْرٍ أَوْ تَمْرٍ (مستدرک حاکم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی وادی میں ایک پکارنے والے کو حکم فرمایا کہ وہ یہ اعلان کرے کہ صدقۂ فطر حق ہے، واجب ہے ہر مسلمان پر، خواہ نابالغ ہو یا بالغ ہو، مرد ہو یا عورت ہو، آزاد ہو یا غلام ہو، شہری ہو یا دیہاتی ہو، جَو سے ایک صاع یا کھجور سے ایک صاع (ترجمہ ختم)

بعض دیگر روایات میں بھی اسی طرح کا مضمون آیا ہے۔ [3]

---

[1] حديث نمبر ۱۵۰۴، كتاب الزكاة، باب: صدقة الفطر على العبد وغيره من المسلمين، دارطوق النجاة، بيروت.

[2] حديث نمبر ۱۴۹۲، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت، واللفظ لهٗ، سنن البيهقى، حديث نمبر ۷۷۲۶، مسند البزار، حديث نمبر ۵۱۸۷.

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ بِهَذِهِ الْأَلْفَاظِ.

[3] عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُنَادِيًا فِي فِجَاجِ مَكَّةَ: أَلَا إِنَّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى، حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ، صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ، مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ، أَوْ سِوَاهُ صَاعٌ مِنْ طَعَامٍ (ترمذى، حديث نمبر ۶۷۴، سنن الدارقطنى، حديث نمبر ۲۰۸۳)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور صاع کا وزن کتنا ہوتا ہے؟ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ:

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ، وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ، مَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ، فَهِيَ زَكَاةٌ مَقْبُوْلَةٌ، وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَهِيَ صَدَقَةٌ مِّنَ الصَّدَقَاتِ (سنن أبي داوٗد)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃِ فطر (یعنی صدقۂ فطر) روزے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الترمذی :

هَـذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَرَوَى عُمَرُ بْنُ هَارُونَ هَذَا الحَدِيثَ، عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ، وَقَالَ عَنِ العَبَّاسِ بْنِ مِينَاءَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ بَعْضَ هَذَا الحَدِيثِ، حَدَّثَنَا جَارُودُ قَالَ :حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ هَارُونَ هَذَا الحَدِيثَ.

وقال العینی:

قال ابن الجوزی :وعلی بن صالح ضعفوه .قال صاحب "التنقیح :"هذا خطأ منه، ولا نعلم أحدا ضعفه، لکنه غیر مشهور الحال، وقال ابن أبی حاتم :سألت أبی عنه؟ فقال: مجهول، لا أعرفه، وذکر غیر أبی حاتم أنه مکی معروف، وهو أحد العباد، وکنیته :أبو الحسن .وروی عن :عمرو بن دینار، وعبد الله بن عثمان بن خُثیم، ویحیی بن جُرجَة، والأوزاعی، وعبید الله بن عمر، وجماعة .وروی عنه :سعید بن سالم القداح، ومعتمر بن سلیمان، وسفیان الثوری .وروی له :الترمذی فی "جامعه"، وذکره ابن حبان فی کتاب "الثقات"، وقال :یعرف، وتوفی سنة إحدی وخمسة ومائة، ورواه البیهقی کذلک عن المعتمر بن سلیمان، عن علی بن صالح به، قال :ورواه سالم بن نوح، عن ابن جریج، عن عمرو بن شعیب، عن أبیه، عن جده مرفوعاً ثم قال :قال الترمذی سألت محمد بن إسماعیل عن هذا الحدیث؟ فقال ة ابن جریج لم یسمع من عمرو بن شعیب . انتهی کلامه(شرح سنن أبی داود، للعینی،ج٦ ص۳۴۸، ۳۴۹، کتاب الزکاة، باب من روی نصف صاع من قمح)

[1] حدیث نمبر ۱۶۰۹، کتاب الزکاة، باب زکاة الفطر،المکتبة العصریة، صیدا،بیروت،واللفظ لهٗ، مستدرک حاکم، حدیث نمبر ۱۴۸۸.

قال الحاکم:هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ ".

وقال الذهبی فی التلخیص:علی شرط البخاری

داروں کو بیکار اور بے ہودہ باتوں سے پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے اور مساکین کو کھلانے (یعنی ان کی مدد وتعاون کرنے) کے لئے مقرر فرمایا، جس نے (عید کی) نماز سے پہلے ادا کردیا تو یہ مقبول صدقۂ فطر ہے اور جس نے عید کی نماز کے بعد ادا کیا تو پھر یہ صدقوں میں سے ایک صدقہ ہے (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ صدقۂ فطر سے روزے یا روزہ دار کی تطہیر وپاکیزگی حاصل ہوتی ہے، اور جو روزے کی حالت میں فضول اور فحش کلام وغیرہ سرزَد ہوجاتے ہیں، صدقۂ فطر کے ذریعہ سے ان کا ازالہ ہوجاتا ہے، اور صدقۂ فطر سے ضرورت مندوں کا تعاون الگ ہوتا ہے۔

اور صدقۂ فطر کا عید کی نماز سے پہلے ادا کرنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے، اور یہ فضیلت عید کی نماز کے بعد ادا کرنے سے حاصل نہیں ہوتی، اگرچہ صدقۂ فطر کی ادائیگی ہوجاتی ہے۔ [1]

---

[1] عن ابن عباس(قال :فرض رسول الله -صلى الله عليه وسلم -زكاة الفطر طهر الصيام) أى: تطهير الصوم وقيل :الصيام جمع صائم كالقيام جمع قائم، وفى المصابيح طهرة الصائم؛ أى: تطهيرا لذنوبه (من اللغو) وهو ما لا يعنى، وقيل :الباطل، وقال الطيبى :المراد به القبيح (والرفث) أى الفحش من الكلام، قال الطيبى :هو فى الأصل ما يجرى من الكلام بين الرجل والمرأة تحت اللحاف ثم استعمل فى كل كلام قبيح اهـ فيحمل قوله فى تفسير اللغو على القبيح الفعلى أو العطف تفسيرى، قال ابن الملك :وهذا لأن الحسنات يذهبن السيئات تمسک به من لم يوجب الفطرة على الأطفال لأنهم إذا لم يلزمهم الصيام لم يلزم طهرته والأكثرون على إيجابهم عليهم، ولعلهم نظروا إلى أن علة الإيجاب مركبة من الطهرة والطعمة رعاية لجانب المساكين، وذهب الشافعى مع هذا أيضا إلى أن شرط وجوبها أن يملک ما يفضل عن قوت يومه لنفسه وعياله لاستواء الغنى والفقير فى كونها طهرة .أقول :كما أنه شرط ما ذكر شرطنا النصاب لما تقدم من الأدلة جمعا بين الأحاديث ما أمكن، وفيه إيماء إلى تفضيل الفقراء فكانت أعمالهم مطهرة وذنوبهم مغفورة من غير صدقة، وإشارة إلى أن أكثر وقوع اللغو والرفث إنما هو من الأغنياء (وطعمة للمساكين) أى ليكون قوتهم يوم العيد مهيئا تسوية بين الفقير والغنى فى وجدان القوت ذلک اليوم، وفيه دلالة ظاهرة على أن الطهرة على الأغنياء من الصائمين، والطعمة للفقراء والمساكين كما هو مقتضى التقسيم سيما على مذهب الشافعى فى تعريف المسكين (رواه أبو داود) قال ميرک :وسكت عليه هو والمنذرى يعنى :فسنده حسن، بل قال الحاكم :صحيح على شرط البخارى، قال ابن الهمام :ولا يخفى أن ركن صدقة الفطر هو نفس الأداء إلى المصرف، وسبب شرعيتها ما نص عليه فى رواية أبو داود وابن ماجه عن ابن عباس -رضى الله عنهما -فرض رسول الله -صلى الله عليه وسلم -زكاة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : صَاعٌ مِّنْ بُرٍّ، أَوْ قَمْحٍ عَلٰى كُلِّ اثْنَيْنِ صَغِيْرٍ أَوْ كَبِيْرٍ، حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى، أَمَّا غَنِيُّكُمْ فَيُزَكِّيْهِ اللّٰهُ، وَأَمَّا فَقِيْرُكُمْ، فَيَرُدُّ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ أَكْثَرَ مِمَّا أَعْطٰى (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گندم کا ایک صاع ہر دو کی طرف سے ہوگا (یعنی ایک شخص کی طرف سے گندم کا نصف صاع اداء کیا جائے) چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں، آزاد ہوں یا غلام، مرد ہوں یا عورت، پس جو تم میں غنی اور مالدار ہوں تو ان کو اللہ تعالیٰ (اس صدقۂ فطر کی وجہ سے) پاک فرمادیں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الفطر طهرة للصائم من اللغو أو الرفث وطعمة للمساكين، من أداها قبل الصلاة فهى زكاة مقبولة، ومن أداها بعد الصلاة فهى صدقة من الصدقات .ورواه الدارقطني وقال :ليس فى روايته مجروح اهـ .وفي خبر حسن غريب :شهر رمضان معلق بين السماء والأرض لا يرفع إلا بزكاة الفطر(مرقاة، ج۴ص ۱۲۹۹، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

(زكاة الفطر طهرة للصائم من اللغو والرفث) الواقعين من الصائم حال الصوم أخذ منه الحسن وابن المسيب أنها لا تجب إلا على من صام والأربعة على خلافه وأجابوا بأن ذلك التطهير خرج مخرج الغالب كما أنها تجب على من لم يذنب قط أو من أسلم قبل الغروب بلحظة (وطعمة للمساكين والفقراء من أداها) أى أخرجها إلى مستحقيها (قبل الصلاة) أى صلاة العيد (فهى زكاة مقبولة) أى يقبلها الله ويثيب عليها (ومن أداها بعد الصلاة) صلاة العيد (فهى صدقة من الصدقات) أى وليس بزكاة الفطر على ما أفهمه هذا السياق وأخذ بظاهره ابن حزم فقال :لا يجوز تأخيرها عن الصلاة والأربعة على خلافه ومذهب الشافعى وأحمد أنها تجب بغروب الشمس ليلة العيد وأوجبها الحنفية بطلوع فجر العيد ولمالك روايتان >تنبيه <قال الزمخشرى :صدقة الفطر زكاة إلا أن بينها وبين الزكاة المعهودة أن تلك تجب طهرة للمال وهذه طهرة لبدن المؤدى كالكفارة(فيض القدير للمناوى، ج۴ص۶۳، تحت حديث رقم ۴۵۵۸، حرف الزاى)

[1] حديث نمبر ۱۶۱۹، كتاب الزكاة، باب من روى نصف صاع من قمح، المكتبة العصرية، صيدا، بيروت، واللفظ لهٗ، مسند احمد، حديث نمبر ۲۳۶۶۴، شرح معانى الآثار، حديث نمبر ۳۱۲۴، شرح مشكل الآثار للطحاوى، حديث نمبر ۳۴۱۱، سنن البيهقى حديث نمبر ۷۷۰۹، الآحاد والمثانى لابنِ ابى عاصم حديث نمبر ۶۲۸.

گے اور جو تم میں غریب ہوں، اللہ تعالیٰ انہیں اس صدقہ سے زیادہ دیں گے جو انہوں نے دیا ہے (ترجمہ ختم)

اس حدیث کی سند میں کچھ ضعف پایا جاتا ہے۔[1]

لیکن صدقۂ فطر سے پاکی حاصل ہونے کا ذکر دوسری احادیث میں بھی ہے، اور صدقۂ فطر عظیم صدقہ ہے، اور صدقہ کے ذریعہ سے مال میں برکت ہونا دوسری احادیث سے ثابت ہے۔

اس لئے اس حد تک اس مضمون کے قبول ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

جہاں تک غریب پر (جو مال دار اور نصاب کا مالک نہ ہو) صدقۂ فطر واجب ہونے نہ ہونے

---

[1] فی حاشیة مسند احمد:

إسناده ضعيف لضعف نعمان بن راشد وسوء حفظه، وللاختلاف الذى وقع فيه على الزهرى كما سيأتى بيانه، وقد ضعَّفه الإمام أحمد وابن عبد البر كما فى "نصب الراية" للزيلعى ٢/٤٠٩.

وأخرجه الطحاوى فى "شرح معانى الآثار ٢/٤٥" وفى "شرح المشكل ٣٤١٠" وابن قانع فى "معجم الصحابة ١/١٢٢" من طريق عفان، بهذا الإسناد.

وأخرجه البخارى فى "تاريخه ٥/٣٦"، وأبو داود ١٦١٩، ويعقوب بن سفيان فى "المعرفة والتاريخ ١/٢٥٣" والطحاوى فى "شرح المعانى ٢/٤٥"، وفى "شرح المشكل ٣٤١١"، وابن قانع ١/١٢٢ والدارقطنى فى "سننه ٢/١٤٧، ١٤٨ و١٤٩"، والبيهقى ٤/١٦٧، وابن الأثير فى "أسد الغابة ١/٢٨٩" من طرق عن حماد بن زيد، به.

وقد انفرد نعمان بن راشد فى هذا الحديث بإيجاب صدقة الفطر على الغنى والفقير، فقد رواه دون هذا الحرف بكرُ بن وائل الكوفى -وهو صدوق لا بأس به- عن الزهرى عن عبد الله بن ثعلبة عن أبيه، أخرجه البخارى فى "تاريخه ٥/٣٦"، وأبو داود ١٦٢٠، وابن أبى عاصم فى "الآحاد والمثانى ٦٢٩" وابن خزيمة ٢٤١٠ والطحاوى فى "شرح المشكل ٣٤١٢" و٣٤١٣، وابن قانع ١/٢٢، والطبرانى فى "الكبير ١٣٨٩" والحاكم ٣/٢٧٩، وأبو نعيم فى "معرفة الصحابة ١٣٦٧" وابن الأثير ١/٢٨٨ وذكر أبو نعيم بإثره طريق بحر السقاء عن الزهرى مثله، وبحر ضعيف. وخالف سفيان بن عيينة عند الدراقطنى ٢/١٤٨، فرواه عن الزهرى، عن ابن أبى صعير، عن أبى هريرة روايةً -أى: مرفوعاً- أنه قال": زكاة الفطر على الغنى والفقير" ثم قال -أى: سفيان-: أُخبِرت عن الزهرى. فهذا يضعف الإسناد، والراوى عن سفيان عنده هو نعيم بن حماد، وهو ليس بذاك.

کا تعلق ہے، تو جمہور فقہاء کے نزدیک صدقۂ فطر کے لیے کوئی نصاب مقرر نہیں، اور زکاۃ واجب ہونے کی طرح باقاعدہ صاحبِ نصاب ہونا ضروری نہیں، بلکہ اس کی ادائیگی کی وسعت کافی ہے، چنانچہ جمہور کے نزدیک صدقۂ فطر ہر اُس شخص کو ادا کرنے کا حکم ہے، جس کے پاس اپنی ذات اور جن لوگوں کا اپنے ذمہ نان نفقہ واجب ہے، ان کے نان ونفقہ کے علاوہ ایک رات اور ایک دن کی خوراک کا بندوبست ہو۔ [1]

جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صدقۂ فطر اُس شخص پر واجب ہے جو مخصوص نصاب کا مالک ہو (جس کی تفصیل آگے آتی ہے) [2]

---

[1] جمہور کا استدلال مندرجہ بالا احادیث کے علاوہ مندرجہ ذیل روایت سے بھی ہے۔

عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، فِي زَكَاةِ الْفِطْرِ " :عَلَى كُلِّ حُرٍّ وَعَبْدٍ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى، صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ، فَقِيرٍ أَوْ غَنِيٍّ، صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ، أَوْ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ "قَالَ مَعْمَرٌ :وَبَلَغَنِي أَنَّ الزُّهْرِيَّ، كَانَ يَرْوِيهِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ(مسند احمد، حديث نمبر ۷۷۲۴)

فی حاشية مسند احمد:

رجاله ثقات رجال الشيخين، وهو موقوف.

قال الشيخ أحمد شاكر :وقد بيَّن عبد الرزاق أن معمراً كان يُحدث به أولاً عن الزهری عن أبی هريرة مباشرة موقوفاً، فيكون منقطعاً، وأنه وصله بعدَ ذلک إذ تذكَّر أنه سَمِعَهُ من الزهری، عن الأعرج، عن أبی هريرة، فصح الإسناد واتصل .أما رفعه فلم يثبُتُ، لأن معمراً لم يسمعه مِن الزُّهری مرفوعاً، بل بلغه عنه أنه كان يرويه إلى النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أی :يسنده إليه ويرفعه، فالذی أبلغ معمراً هذا، لا نعرف مَنْ هُو.وهو فی "مصنف عبد الرزاق ۵۷۶۱ " ومن طريقه أخرجه الطحاوی فی "شرح معانی الآثار ۴۵/۲ "والدارقطنی ۱۴۹/۲، ۱۵۰، والبيهقی ۱۶۴/۴ عن معمر، عن الزهری، عن عبد الرحمن الأعرج، عن أبی هريرة على الرواية الموصولة دون الرواية المنقطعة التی رجع عنها معمر .وأخرجه الطحاوی فی "شرح مشكل الآثار ۳۴۲۸ "من طريق عبد الله بن المبارک، عن ابن لهيعة، عن عُبيد الله بن جعفر، عن الأعرج، عن أبی هريرة نحوه.وقد أورد الدارقطنی هذا الحديث فی "العلل ۳۹/۷. ۴۱ "وذكر فيه خلافاً على الزهری، فراجعه فيه.وانظر ما سلف فی مسند ابن عمر برقم ۴۴۸۶.

[2] وعن الحنفية لا تجب إلا على من ملک نصابا ومقتضاه أنها لا تجب على الفقير على قاعدتهم فی الفرق بين الغنی والفقير واستدل لهم بحديث أبی هريرة المتقدم لا صدقة إلا عن ظهر غنی واشترط الشافعی ومن تبعه أن يكون ذلک فاضلا عن قوت يومه ومن تلزمه نفقته وقال بن بزيزة لم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس لئے اگر کوئی غیر صاحبِ نصاب شخص بھی صدقۂ فطر ادا کرے، تاکہ تمام فقہاء کے نزدیک

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يدل دليل على اعتبار النصاب فيها لأنها زكاة بدنية لا مالية(فتح البارى لابنِ حجر ج۳ص ۳۶۹، كتاب الزكاة، قوله باب فرض صدقة الفطر)

وليس من شرط هذه الزكاة الغنى عند أكثرهم، ولا نصاب، بل أن تكون فضلا عن قوته وقوت عياله.وقال أبو حنيفة، وأصحابه :لا تجب على من تجوز له الصدقة، لانه لا يجتمع أن تجوز له، وأن تجب عليه وذلك بين .والله أعلم(بداية المجتهد، ج ۱ ص ۲۷۹،كتاب زكاة الفطر،الفصل الثانى فيمن تجب عليه وعمن تجب)

مسألة :قال إذا كان عنده فضل عن قوت يومه وليلته وجملة ذلك أن صدقة الفطر واجبة على من قدر عليها، ولا يعتبر فى وجوبها نصاب .وبهذا قال أبو هريرة وأبو العالية، والشعبى، وعطاء ، وابن سيرين، والزهرى، ومالك، وابن المبارك، والشافعى، وأبو ثور.

وقال أصحاب الرأى :لا تجب إلا على من يملك مائتى درهم، أو ما قيمته نصاب فاضل عن مسكنه؛ لقول رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-لا صدقة إلا عن ظهر غنى والفقير لا غنى له فلا تجب عليه، ولأنه تحل له الصدقة، فلا تجب عليه، كمن لا يقدر عليها .ولنا ما روى ثعلبة بن أبى صعير عن أبيه، أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قال :أدوا صدقة الفطر صاعا من قمح أو قال :بر عن كل إنسان، صغير أو كبير، حر أو مملوك، غنى أو فقير، ذكر أو أنثى أما غنيكم فيزكيه الله، وأما فقيركم فيرد الله عليه أكثر مما أعطى .

وفى رواية أبى داود :صاع من بر أو قمح عن كل اثنين .ولأنه حق مال لا يزيد بزيادة المال، فلا يعتبر وجوب النصاب فيه .كالكفارة، ولا يمتنع أن يؤخذ منه ويعطى لمن وجب عليه العشر، والذى قاسوا عليه عاجز، فلا يصح القياس عليه، وحديثهم محمول على زكاة المال(المغنى لابنِ قدامة، ج۳ص ۹۴،كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر،مسألة صدقة الفطر واجبة على من قدر عليها ولا يعتبر فى وجوبها نصاب)

ومنها الغنى فلا يجب الأداء إلا على الغنى وهذا عندنا، وقال الشافعى :لا يشترط لوجوبها الغنى وتجب على الفقير الذى له زيادة على قوت يومه وقوت عياله.وجه قوله أن وجوبها ثبت مطهرة للصائم ومعنى المطهرة لا يختلف بالغنى، والفقر، ولنا قول النبى -صلى الله عليه وسلم -لا صدقة إلا عن ظهر غنى(بدائع الصنائع، ج۲ص ۶۹، كتاب الزكاة، فصل شرائط وجوب صدقة الفطر)

وأما اشتراط اليسار فقول علمائنا، وقال الشافعى - :رحمه الله تعالى -من ملك قوت يومه وزيادة بقدر ما يؤدى زكاة الفطر فيؤدى زكاة الفطر؛ لأنه ذكر فى آخر حديث ابن عمر -رضى الله عنه - غنى أو فقير ؛ ولأنه واجد لما يتصدق به فضلا عن حاجته فيلزمه الأداء كالموسر وهذا؛ لأن صدقة الفطر تشبه الكفارة دون الزكاة حتى لا يعتبر فيها الحول وفى الكفارة يعتبر تيسير الأداء دون الغنى فكذلك فى زكاة الفطر.

(ولنا) قوله -صلى الله عليه وسلم -لا صدقة إلا عن ظهر غنى ولأن الفقير محل الصرف إليه فلا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

وہ بریُٔ الذمہ ہوجائے، تو سعادت کی بات ہے۔ [1]

جہاں تک مذکورہ حدیث میں غریب کے ادا کرنے کے ذکر کا تعلق ہے، تو احناف کے نزدیک یا تو اس سے مراد وہ غریب ہے، جو کہ زیادہ امیر نہ ہو، مگر نصاب کا مالک ہو، اور مطلب یہ ہے کہ جو زیادہ امیر و غنی نہ ہو، مگر نصاب کا مالک ہو، اُسے صدقۂ فطر ادا کرنے میں تنگدستی کا خوف نہیں کرنا چاہیے، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مال میں برکت پیدا فرمادیں گے۔

اور یا پھر یہ حکم استحبابی ہے، نہ کہ وجوبی، اور مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی غریب جو نصاب کا مالک نہ ہو، وہ بھی ادا کرے تو بہتر و مستحب ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس کو برکت عطا فرمادیں گے۔ [2]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

يجب عليه الأداء كالذى لا يملك إلا قوت يومه وهذا؛ لأن الشرع لا يرد بما لا يفيد فلو قلنا بأنه يأخذ من غيره ويؤدى عن نفسه كان اشتغالا بما لا يفيد وحديث ابن عمر -رضى الله عنه - محمول على ما كان فى الابتداء ثم انتسخ بقوله -صلى الله عليه وسلم -إنما الصدقة ما كانت عن ظهر غنى أو ما أبقت غنى أو هو محمول على الندب فإنه قال فى آخره أما غنيكم فيزكيه الله وأما فقيركم فيعطيه الله أفضل مما أعطى(المبسوط للسرخسى، ج۳ص ۱۰۲، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

[1] (غنى أو فقير أما غنيكم فيزكيه الله وأما فقيركم فيرد الله عليه أكثر مما أعطاه) فيه أنه لا يعتبر لوجوب صدقة الفطر ملك نصاب وقال أبو حنيفة يعتبر ولا زكاة على من لا يفضل على منزل وخادم يحتاجهما ويليقان به وعن قوته وقوت ممونه ليلة العيد ويومه ما يخرجه فيها وامرأة غنية لها زوج معسر وهى مطيعة له(فيض القدير للمناوى، ج۴ص ۱۹۱، تحت حديث رقم ۴۹۹۰، حرف الصاد)

[2] أما غنيكم "أى وجوبها عليه "فيزكيه الله "التزكية بمعنى التطهير أو التنمية، أى يطهر حاله وينمى ماله وأعماله بسببها "وأما فقيركم "أى بالإضافة إلى أكابر الأغنياء على مذهبنا، وأما على مذهب الشافعى فمن ملك صدقة الفطر زيادة على قوت نفسه وعياله ليوم العيد وليلته وهو يرد عليهم فى الفرق بين الفقير والمسكين (فيرد) أى :الله "عليه أكثر مما أعطاه "أى :هو المساكين، وفى نسخة بصيغة المجهول فى فيرد، ويرفع أكثر، والأول أكثر، وفى هذا تسلية لمن يكون قليل المال بوعد العوض والخلف فى المال(مرقاة، ج۴ص ۱۳۰۰، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

وحديث ابن عمر -رضى الله عنه -محمول على ما كان فى الابتداء ثم انتسخ بقوله -صلى الله عليه وسلم -إنما الصدقة ما كانت عن ظهر غنى أو ما أبقت غنى أو هو محمول على الندب فإنه قال فى آخره أما غنيكم فيزكيه الله وأما فقيركم فيعطيه الله أفضل مما أعطى(المبسوط للسرخسى، ج۳ص ۱۰۲، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

اس جیسی احادیث سے استدلال کرتے ہوئے اہلِ علم حضرات نے صدقۂ فطر کے کئی فوائد ومنافع اور مصالح ذکر کئے ہیں۔

چنانچہ حضرت وکیع بن جراح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

زَكَاةُ الْفِطْرِ لِشَهْرِ رَمَضَانَ كَسَجْدَتَيِ السَّهْوِ لِلصَّلَاةِ، تَجْبُرُ نُقْصَانَ الصَّوْمِ كَمَا يَجْبُرُ السَّهْوُ نُقْصَانَ الصَّلَاةِ (تاریخ بغداد)[1]

ترجمہ: زکاۃِ فطر (یعنی صدقۂ فطر) رمضان کے مہینے کے لیے ایسا ہے، جیسا کہ نماز کے لیے سجدۂ سہو ہے، کہ صدقۂ فطر روزے کے نقصان (کمی وکوتاہی) کی اس طرح تلافی کردیتا ہے جس طرح سے سجدۂ سہو نماز کے نقصان (کمی وکوتاہی) کی تلافی کردیتا ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ مشکاۃ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

يُقَالُ صَدَقَةُ الْفِطْرَةِ وَزَكَاةُ الْفِطْرِ اَوِ الْفِطْرَةِ كَاَنَّهَا مِنَ الْفِطْرَةِ الَّتِىْ هِىَ الْخِلْقَةُ ، فَوُجُوْبُهَا عَلَيْهَا تَزْكِيَةٌ لِّلنَّفْسِ اَىْ تَطْهِيْرًا لَهَا وَتَنْقِيَةً لِعَمَلِهَا (مرقاۃ المفاتیح)[2]

ترجمہ: صدقۂ فطر کو ''صدقۂ فطرۃ'' اور ''زکاۃِ فطر'' یا ''زکاۃِ فطرۃ'' بھی کہا جاتا ہے؛ گویا کہ صدقۂ فطر اس فطرت سے تعلق رکھتا ہے جو کہ پیدائش ہے (اسی لئے پیدائشی بچہ پر بھی ہے) لہٰذا صدقۂ فطر کا اُس پر واجب ہونا نفس کو پاک کرنے کے لیے اور نفس کے عمل کو پاکیزہ بنانے کے لیے ہے (ترجمہ ختم)

اور فقہ حنفی کی کتاب، مجمعُ الانہر اور حاشیۃُ الطحطاوی میں ہے کہ:

قَالُوْا فِىْ صَدَقَةِ الْفِطْرِ ثَلَاثَةُ أَشْيَاءَ: قَبُوْلُ الصَّوْمِ وَالْفَلَاحُ وَالنَّجَاةُ

---

[1] ج۱۰ ص۳۸۲، تحت ترجمة عبدالرحمن بن حسين ابو واثلة المزنى، دارالكتب العلمية، بيروت، كذافى المجموع للامام النووى، ج٦ ص١٤٠، باب زكاة الفطر.

[2] جلد۴ صفحه ١٢٩٦، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دار الفكر، بيروت.

مِنْ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ (مجمع الأنهر)[1]

ترجمہ: علماء نے فرمایا کہ صدقۂ فطر میں تین چیزیں ہیں، ایک (اس کے ذریعہ سے) روزے کا قبول ہونا، اور دوسرے (اس کے ذریعہ سے) کامیابی حاصل ہونا، اور تیسرے (اس کے ذریعہ سے) موت کی سختی اور قبر کے عذاب سے نجات حاصل ہونا (ترجمہ ختم)

صدقۂ فطر ادا کرنے سے ایک شرعی حکم پورا کرنے کا ثواب تو ملتا ہی ہے، اسی کے ساتھ کئی اور فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں۔

صدقۂ فطر روزوں کو پاک صاف کرنے کا ذریعہ ہے، روزے کی حالت میں جو فضول، بیہودہ باتیں زبان سے نکلیں صدقۂ فطر کے ذریعے روزے ان چیزوں سے پاک ہوجاتے ہیں۔

اور صدقۂ فطر سے عید کے دن ناداروں اور مسکینوں کی خوراک کا انتظام ہوجاتا ہے اور عید کی خوشیوں و مسرتوں میں غریبوں کو بھی شامل کرلیا جاتا ہے، اسی لئے عید کی نماز کو جانے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسی طرح صدقۂ فطر سے اللہ تعالیٰ مال اور رزق میں برکت فرماتے ہیں، اس کی ادائیگی سے انسان کو کامیابی ملتی ہے اور نفس کا تزکیہ ہوتا ہے۔

اندازہ کیجئے! کتنا آسان نسخہ ہے کہ صرف صدقۂ فطر کی تھوڑی سی مقدار دینے سے پورے مہینے کے روزوں کی صفائی ہوجاتی ہے اور لایعنی اور گندی باتوں کی روزے میں جو ملاوٹ ہوگئی اس کے اثرات سے روزے پاک ہوجاتے ہیں۔ گویا صدقۂ فطر ادا کردینے سے روزوں کی قبولیت کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والی چیزیں باقی نہیں رہتیں۔

اس لیے بہتر تو یہی ہے کہ ہر مسلمان امیر و غریب صدقۂ فطر ادا کر کے صدقۂ فطر کے فضائل و فوائد سے مستفید ہو۔

---

[1] ج ۱ ص ۲۲۶، کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر، داراحیاء التراث العربی، بیروت، کذافی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر.

اور اسی لئے اگر مسئلہ کی رُو سے کسی پر صدقۂ فطر واجب نہ ہو، اور اس کو صدقۂ فطر ادا کرنے کی وسعت ہو، تب بھی اس کو صدقۂ فطر ادا کرنا بہتر ہے، تاکہ سب کے نزدیک وہ برئ الذمہ ہوجائے، اور اس کے فوائد ومنافع سے بھی مستفید ہوجائے، بالخصوص جبکہ اس سے مال میں بھی کمی نہیں آتی بلکہ برکت ہوتی ہے (جیسا کہ گزرا) اور یہ ظاہر بات ہے کہ غریب کو بھی اپنے روزوں کو پاک کرنے کی ضرورت ہے۔

خرچ بہت معمولی ہے اور نفع بہت بڑا ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ مندرجہ بالا فوائد ومنافع پر صدقۂ فطر واجب ہونے نہ ہونے کا دارومدار نہیں، بلکہ وہ حکمت ومصلحت کے درجے میں ہیں اور ہر حکمت ومصلحت کا ہر وقت ہر شخص کے حق میں پایا جانا ضروری نہیں اور اصل بنیاد اس پر ہے کہ یہ شریعت کا ایک حکم ہے۔

صدقۂ فطر کس پر اور کن افراد کی طرف سے واجب ہے؟

صدقۂ فطر چونکہ مالی عبادت ہے، اس لیے اس کے واجب ہونے کے لیے جس طرح مال ہونا ضروری ہے، اسی طرح مال پر ملکیت قائم ہونا بھی ضروری ہے۔

اور شرعی غلام وباندی کی مال پر ملکیت قائم نہیں ہوتی، اس لیے شرعی غلام وباندی پر بذاتِ خود صدقۂ فطر واجب نہیں۔

البتہ اس کے مسلمان مالک پر اس کی طرف سے صدقۂ فطر واجب ہے، جس طرح سے کہ اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے والد پر صدقۂ فطر واجب ہے۔

اور صدقۂ فطر واجب ہونے کے لئے صاحبِ نصاب ہونے کی شرط فقہائے احناف کے نزدیک ہے۔

جبکہ دیگر فقہاء کے نزدیک صدقۂ فطر ہر اُس شخص کو ادا کرنے کا حکم ہے، جس کے پاس اپنی ذات اور جن لوگوں کا اپنے ذمہ نان نفقہ واجب ہے، ان کے علاوہ ایک رات اور ایک دن کی

خوراک کا بندوبست ہو۔

تاہم اگر کوئی غیر صاحبِ نصاب بھی بخوشی ادا کرے، تو اس کے ثواب ہونے سے فقہائے احناف کو بھی انکار نہیں۔ جیسا کہ پہلے گزرا۔ [1]

پھر صدقۂ فطر واجب ہونے کے لئے زکاۃ وقربانی واجب ہونے کی طرح عاقل وبالغ ہونا

---

[1] وَحَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ- مَحْمُولٌ عَلَى مَا كَانَ فِي الِابْتِدَاءِ ثُمَّ انْتُسِخَ بِقَوْلِهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- إنَّمَا الصَّدَقَةُ مَا كَانَتْ عَنْ ظَهْرِ غِنًى أَوْ مَا أَبْقَتْ غِنًى أَوْ هُوَ مَحْمُولٌ عَلَى النَّدْبِ فَإِنَّهُ قَالَ فِي آخِرِهِ أَمَّا غَنِيُّكُمْ فَيُزَكِّيهِ اللَّهُ وَأَمَّا فَقِيرُكُمْ فَيُعْطِيهِ اللَّهُ أَفْضَلَ مِمَّا أَعْطَى(المبسوط للسرخسي، ج۳ص ۱۰۲ ،كِتَابُ الزَّكَاةِ،بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ)

الرابعة :معرفة شرط وجوبها، فالإسلام والحرية والغنى على ما يأتي بالخلاف فيه(عمدة القارى ، ج ۹ ص ۱۰۷ ، كتاب الزكاة،أبواب صدقة الفطر)

(وهي واجبة على الحر المسلم المالك لمقدار النصاب فاضلا عن حوائجه الأصلية) كما بيناه ، وشرط الحرية لأن العبد غير مخاطب بها لعدم ملكه ، والإسلام لأنها عبادة، وقال عليه الصلاة والسلام فيها ' :إنها طهرة للصائم من الرفث 'وإنه مختص بالمسلم الغني لقوله عليه الصلاة والسلام ' :لا صدقة إلا عن ظهر غنى 'وفي رواية ' إنما الصدقة عن ظهر غنى 'والأصل في وجوبها ما روى عن عبد الله بن ثعلبة بن صعير العذري عن النبي (صلى الله عليه وسلم أنه قال ' :أدوا عن كل حر وعبد صغير أو كبير نصف صاع من بر أو صاعا من تمر أو صاعا من شعير . 'وعن ابن عمر رضي الله عنه قال ' :فرض رسول الله (صلى الله عليه وسلم) زكاة الفطر على الذكر والأنثى والحر والعبد صاعا من تمر أو صاعا من شعير . 'وقال عليه الصلاة والسلام ':أدوا صدقة الفطر عن كل حر وعبد يهودي أو نصراني(الاختيار لتعليل المختار، ج ۱ ص ۱۲۳ ،كتاب الزكاة،باب صدقة الفطر)

فأما بيان من يجب عليه فنقول إنما تجب على المسلم الحر الغني.

فالإسلام شرط لأن فيها معنى العبادة ولهذا لا تجوز بدون النية ولا تتأدى بفعل الغير بغير إذنه أو بإذن الشرع لكونه نائبا عنه.

وأما الغنى فهو شرط عندنا،وقال الشافعي ليس بشرط لكن القدرة شرط حتى إن من ملك زيادة على قوته نصف صاع من حنطة أو صاعا من شعير أو تمر تجب عليه.والصحيح قولنا لما روى عن النبي عليه السلام أنه قال لا صدقة إلا عن ظهر غنى.

وأما الحرية فهي شرط عندنا وعند الشافعي ليس بشرط حتى أن العبد عنده تجب عليه صدقة فطره ويتحمل عنه المولى حتى لو لم يؤد المولى عنه فعليه أن يؤدى بعد العتاق،وعندنا يجب على مولاه إذا كان غنيا والعبد للخدمة وهذا بناء على ما ذكرنا أن الغنى شرط عندنا والغنى بالملك والعبد لا ملك له،وعند الشافعي ليس بشرط(تحفة الفقهاء ، ج ۱ ص ۳۳۴،كتاب الزكاة،باب صدقة الفطر)

ضروری نہیں، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ ۱؎

اسی طرح صدقۂ فطر واجب ہونے کے لئے کسی کا رمضان کے روزے رکھنا یا مقیم ہونا بھی ضروری نہیں ہے، جیسا کہ قربانی واجب ہونے کے لئے مقیم ہونا ضروری ہے۔ ۲؎

۱؎ وأما العقل والبلوغ فليسا بشرط الوجوب عند أبي حنيفة وأبي يوسف، وعند محمد وزفر شرط حتى إن الصبي والمجنون إذا كان لهما نصاب معين وليس للأب مال فإنه يجب صدقة الفطر عليهما، عندهما يؤدي الأب والوصي ولا ضمان عليهما إذا أديا، وعند محمد وزفر لا يجب لأن فيها معنى العبادة، وهما يقولان إن فيها معنى العبادة والمؤونة ولا يمكن الجمع بينهما في حالة واحدة في حق شخص واحد في حكم واحد فوجب اعتبار المؤونة في بعض الأحكام ومعنى العبادة في البعض عملا بالدلائل بقدر الإمكان فقالا بالوجوب اعتبارا بالمؤونة (تحفة الفقهاء للسمرقندي، ج ا ص ۳۳۴، ۳۳۵، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

۲؎ اور قربانی واجب ہونے کے لئے مقیم ہونا اس لیے شرط ہے کہ قربانی ہر مال سے ادا نہیں کی جاسکتی، اور نہ ہر زمانے میں ادا کی جاسکتی ہے، بلکہ اس کی ادائیگی کے لئے مخصوص جانور اور مخصوص وقت طے ہے، اور مسافر کو ان شرائط کا مکلّف کرنے میں حرج تھا، لہٰذا حرج دفع کرنے کے لئے شریعت کی طرف سے مقیم ہونا شرط قرار دے دیا گیا، برخلاف زکوٰۃ اور صدقۂ فطر واجب ہونے کے کہ ان کی ادائیگی لئے اس قسم کی شرائط مخصوص نہیں، ان کی ادائیگی کسی بھی قسم کے مال سے اور کسی بھی وقت (عید کے بعد بھی) کی جاسکتی ہے، لہٰذا زکوٰۃ وصدقۂ فطر مسافر پر واجب ہونے میں حرج نہیں۔

من افطر لكبر اومرض اوسفر يلزمه صدقة الفطر لان الامر بادائها مطلق عن هذ الشرط ولانهاتجب على من لايوجد منه الصوم وهو الصغير (بدائع والصنائع ، ج۲ ص ۷۰، فصل في شرائط وجوب صدقة الفطر)

ومنها الاقامة فلاتجب (اى الاضحية. ناقل) على المسافر، لانهالاتتادى بكل مال ولافي كل زمان بل بحيوان مخصوص في وقت مخصوص والمسافر لايظفر به في كل مكان في وقت الاضحية فلواوجبنا عليه لاحتاج الى حمله مع نفسه وفيه من الحرج مالايخفى اواحتاج الى ترك السفر وفيه ضرر فدعت الضرورة الى امتناع الوجوب بخلاف الزكوٰة (فانهاتجب عل المسافر. ناقل) لان الزكوٰة لايتعلق وجوبها بوقت مخصوص بل جميع العمروقتها فكان جميع الاوقات وقتالادائها فان لم يكن في يده شيئ للحال يؤديها اذاوصل الى المال، وكذاتتادى بكل مال فايجابهاعليه لايوقعه في الحرج، وكذالك صدقة الفطر (فانهاتجب عل المسافر. ناقل) لانهاتجب وجوبا موسعا كالزكوٰة، وهو الصحيح (بدائع والصنائع ، ج۵ ص ۶۳، فصل في شرائط وجوب الاضحية)

وانما لاتجب (اى الاضحية. ناقل) على المسافر، لانها اداء ها يختص باسباب تشق على المسافر، وتفوت بمضى الوقت فلاتجب عليه لدفع الحرج عنه كالجمعة بخلاف الزكوٰة وصدقة الفطر فانهما لايفوتان بمضى الوقت فلايحرج (تبيين الحقائق، ج۶ ص ۳، من تجب عليه الاضحية، كتاب الاضحية)

لہٰذا جو شخص صدقۂ فطر واجب ہونے کے وقت یعنی عید کے دن صبح صادق کے وقت مسافر ہو اور اس میں صدقۂ فطر واجب ہونے کی دیگر باتیں موجود ہوں تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہوگا، اگر سفر میں انتظام نہ ہو، تو بعد میں ادا کرے۔

احادیث وروایات میں صدقۂ فطر جن پر اور جن افراد کی طرف سے دینے کا حکم ہے، ان کی کچھ تفصیل آئی ہے، جس سے صدقۂ فطر واجب ہونے کا اصل سبب معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى كُلِّ صَغِيْرٍ أَوْ كَبِيْرٍ حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ مِمَّنْ يَمُوْنُوْنَ (سنن البیهقی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صدقۂ فطر) ہر چھوٹے بڑے، آزاد اور غلام، جو کسی کی کفالت میں ہوں پر فرض فرمایا (ترجمہ ختم)

اور حضرت جعفر بن محمد اپنے والد حضرت محمد بن علی بن حسین سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَ زَكَاةَ الْفِطْرِ عَلَى الْحُرِّ وَالْعَبْدِ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى مِمَّنْ تَمُوْنُوْنَ (مسند الشافعی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃِ فطر کو ہر آزاد اور غلام، مرد وعورت کی طرف سے مقرر فرمایا، جن کی تم کفالت کرتے ہو (ترجمہ ختم)

---

[1] حدیث نمبر ۷۶۸۳، کتاب الزکاة، باب إخراج زکاة الفطر عن نفسه وغیره ممن تلزمه مؤنته الخ، دار الکتب العلمیة، بیروت.

قال البیهقی:

وَهُوَ فِيمَا أَجَازَ لِي أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ رِوَايَتَهُ عَنْهُ عَنْ أَبِي الْوَلِيدِ، ثنا مَكِّيُّ بْنُ عَبْدَانَ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، ثنا النُّفَيْلِيُّ ,ثنا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ فَذَكَرَهُ وَهُوَ مُرْسَلٌ .وَرُوِيَ ذَلِكَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُوسَى الرِّضَا عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ آبَائِهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

[2] حدیث نمبر ۶۷۶، الباب الخامس فی صدقة الفطر، دار الکتب العلمیة، بیروت، واللفظ لهٗ، السنن المأثورة للشافعی، حدیث نمبر ۳۶۰، سنن البیهقی، حدیث نمبر ۷۶۸۲، معرفة السنن والآثار للبیهقی، حدیث نمبر ۸۴۲۹، سنن دارقطنی، حدیث نمبر ۲۰۷۷.

اسی قسم کی حدیث حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ ۱؎

۱؎ قال أحمد :ورواه حاتم بن إسماعيل ، عن جعفر بن محمد ، عن أبيه ، عن على قال : فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم على كل صغير أو كبير ، أو حر أو عبد ، ممن تمونون :صاعا من شعير ، أو صاعا من تمر ، أو صاعا من زبيب عن كل إنسان ، وهو أيضا منقطع ، وروى ذلك عن على بن موسى الرضا ، عن أبيه ، عن جده ، عن آبائه ، عن النبى صلى الله عليه وسلم(معرفة السنن والآثار للبيهقى، حديث نمبر ۲۵۴۰)

عَنْ نَافِعٍ ,عَنِ ابْنِ عُمَرَ ,قَالَ :أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَدَقَةِ الْفِطْرِ عَنِ الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ وَالْحُرِّ وَالْعَبْدِ مِمَّنْ تَمُونُونَ.رَفَعَهُ الْقَاسِمُ وَلَيْسَ بِقَوِيٍّ ,وَالصَّوَابُ مَوْقُوفٌ(سنن الدارقطنى، حديث نمبر ۲۰۷۸، واللفظ لهٗ، سنن البيهقى، حديث نمبر ۷۶۸۵،وقال البيهقى:إِسْنَادُهُ غَيْرُ قَوِيٍّ)

قال الالبانى:

ورواه .البيهقى (۴/۱۶۱)من طريق حاتم بن إسماعيل عن جعفر بن محمد عن أبيه عن أبيه عن على رضى الله عنه قال " :فرض رسول الله (صلى الله عليه وسلم) على كل صغيرا وكبير حر أو عبد ممن يمونون صاعا من شعير أو صاعا من تمر أو صاعا من زبيب عن كل إنسان . "وقال :(وهو مرسل)

قلت :ورجاله ثقات فإذا ضم إليه الطريق التى قبله مع حديث ابن عمر أخذ قوة وارتقى إلى درجة الحسن إن شاء الله تعالى(إرواء الغليل فى تخريج أحاديث منار السبيل،المجلد الثالث،الصفحة،۳۲۰،تحت حديث رقم ۸۳۵)

وقال ابن الملقن:

روى أنه -صلى الله عليه وسلم -قال :أدوا صدقة الفطر عمن تمونون .

هذا الحديث مروى من طرق :إحداها :من حديث ابن عمر رضى الله عنهما قال :أمر رسول الله -صلى الله عليه وسلم -بصدقة الفطر ، عن الصغير والكبير ، والحر والعبد ، ممن تمونون .

رواه الدارقطنى ، عن أحمد بن محمد بن سعيد الهمدانى ، نا القاسم بن عبد الله بن عامر بن زرارة ، نا (عمير) بن عمار الهمدانى ، ثنا الأبيض ابن الأغر ، قال :حدثنى الضحاك بن عثمان ، عن نافع ، عنه ، (به) سواء .

ورواه البيهقى من هذه الطريق ، ثم قال :إسناده ليس بالقوى .وقال الشيخ تقى الدين فى الإمام :(عمير) بن عمار لم أره فى كتاب أبى حاتم ، ولم يخل الإسناد من مس بكلام ، وممن يحتاج إلى معرفة حاله قال :والأبيض ذكره ابن أبى حاتم ولم يعرف بحاله .

قلت :(روى) أبو عبد الرحمن السلمى -فيما حكاه صاحب الميزان -عن الدارقطنى أنه قال فى حقه :إنه ليس بالقوى .وقال البخارى :يكتب حديثه .وعن الدارقطنى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت اعرج سے روایت ہے کہ:

عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ يُخْرِجُ زَكَاةَ الْفِطْرِ عَنْ كُلِّ إِنْسَانٍ يَعُوْلُ مِنْ صَغِيْرٍ أَوْ كَبِيْرٍ أَوْ حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ وَإِنْ كَانَ نَصْرَانِيًّا مُدَّيْنِ مِنْ قَمْحٍ، أَوْ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

أيضا أنه قال :رفعه هذا الشيخ (القاسم) وليس بالقوى ، والصواب موقوف .
الطريق الثانى :من حديث على بن موسى الرضى ، عن أبيه ، عن جده ، عن آبائه عليهم السلام أن نبى الله -صلى الله عليه وسلم -فرض زكاة الفطر ، على الصغير والكبير ، والذكر والأنثى ، ممن تمونون .
رواه الدارقطنى فى سننه عن أحمد بن محمد بن سعيد ، نا محمد ابن (المفضل) بن إبراهيم الأشعرى ، نا إسماعيل بن همام ، حدثنى على بن موسى الرضى فذكره .
قال الشيخ تقى الدين فى الإمام :لم يخل بعض رواته من كلام ، وبعضهم يحتاج إلى معرفة حاله .وهو كما قال ، وهو مع ذلك مرسل ؛ فإن جد على بن موسى (الرضى) هو جعفر الصادق بن محمد بن على بن الحسين بن على بن أبى طالب ، وجعفر الصادق لم يدرك الصحابة ، قال ابن حبان فى ثقاته :يحتج بحديثه ما كان من غير رواية أولاده عنه ؛ لأن فى حديث ولده عنه مناكير كثيرة .
قلت :وستأتى رواية الشافعى ، من رواية غير ولده (عنه).
الطريق الثالث :من حديث جعفر بن محمد ، عن أبيه أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فرض زكاة الفطر ، على الحر والعبد ، والذكر والأنثى ، ممن تمونون .
رواه الشافعى عن شيخه إبراهيم بن محمد ، عن جعفر به .وأخرجه البيهقى من جهته ، وإبراهيم هذا قد عرفت حاله فى الطهارة ، وهو مع ذلك مرسل .
قال البيهقى :ورواه حاتم بن إسماعيل ، عن جعفر بن محمد ، عن أبيه ، عن على رضى الله عنه قال :فرض رسول الله -صلى الله عليه وسلم -على كل صغير أو كبير (أو حر) أو عبد ممن تمونون ، صاعا من شعير ، أو صاعا من تمر ، أو صاعا من زبيب ، عن كل إنسان ثم قال :وهذا مرسل .وهذا طريق رابع .
قال الشيخ تقى الدين فى الإمام :يعنى بالمرسل المنقطع ، والانقطاع فيما بين محمد بن على بن الحسين ، وجد أبيه على بن أبى طالب.
وروى (الثورى) عن عبد الأعلى ، عن أبى عبد الرحمن السلمى ، عن على قال :من جرت عليه نفقتک (فأطعم عنه) نصف صاع (من) بر ، أو صاع من تمر .وهذا موقوف .قال البيهقى :وعبد الأعلى غير قوى ، إلا أنه إذا انضم إلى ما قبله (يعنى حديث على بن موسى الرضى السالف) قويا فيما اجتمعا فيه(البدر المنير فى تخريج الأحاديث والأثار الواقعة فى الشرح الكبير،لابن الملقن، ج۵ص ۶۲۱،تا۶۲۴،باب : زكاة الفطر،الحديث الخامس)

صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ (شرح مشکل الآثار للطحاوی) ۱؎

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ زکاۃِ فطران سب افراد کی طرف سے ادا کیا کرتے تھے، جو آپ کی عیال داری میں ہوتے تھے، خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، آزاد ہوں یا غلام، اگرچہ وہ نصرانی غلام ہی کیوں نہ ہوں، گیہوں سے دو مُد (یعنی آدھا صاع) اور کھجور سے ایک صاع (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمی سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: زَكَاةُ الْفِطْرِ عَنْ كُلِّ إِنْسَانٍ تَعُولُ، مِنْ صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ، أَوْ حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ، وَإِنْ كَانَ نَصْرَانِيًّا مُدَّيْنِ مِنْ قَمْحٍ، أَوْ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ (الأموال لابن زنجويه) ۲؎

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زکاۃِ فطر ہر اس انسان کی طرف سے ہے، جس کی آپ کفالت کرتے ہیں، چھوٹے، بڑے، آزاد، غلام کی طرف سے، اگرچہ وہ غلام نصرانی کیوں نہ ہو، گیہوں سے دو مُد (یعنی آدھا صاع) اور کھجور سے ایک صاع (ترجمہ ختم)

اور حضرت نافع سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يُعْطِي صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَنْ جَمِيعِ أَهْلِهِ صَغِيرِهِمْ

۱؎ ج۶ص۳۱، باب بیان مشکل ما روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قولہ: لیس علی المسلم فی عبدہ ولا فی فرسہ صدقة، مؤسسة الرسالة، بیروت، واللفظ لہٗ، الاموال لابنِ زنجویہ، حدیث نمبر ۱۹۴۱ وحدیث نمبر ۱۹۸۶۔

قال الطحاوی: وَتَقَدَّمَنَا فِيهِ مِنْ تَابِعِيهِمْ عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ، وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ.

وفی نصب الرایة:

وَحَدِيثُ ابْنِ لَهِيعَةَ يَصْلُحُ لِلْمُتَابَعَةِ، سِيَّمَا مِنْ رِوَايَةِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْهُ (نصب الرایة فی تخریج أحادیث الهدایة، كِتَابُ الزَّكَاةِ، بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ)

۲؎ حدیث نمبر ۲۳۷۵، کتاب الصدقة واحکامها وسننها، باب: من رأی أن البر نصف صاع، وما سواه من الحبوب، مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الإسلامیة، السعودیة.

وَكَبِيْرِهِمْ عَمَّنْ يَّعُوْلُ وَعَنْ رَقِيْقِهٖ وَعَنْ رَقِيْقِ نِسَائِهٖ (سنن الدارقطنی) [1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ صدقۂ فطر اپنے تمام چھوٹے اور بڑے گھر والوں کی طرف سے، جو آپ کی عیال داری میں ہوتے تھے، ادا کیا کرتے تھے، اور اپنے غلاموں کی طرف سے بھی ادا کیا کرتے تھے، اور اپنے گھر کی عورتوں کے غلاموں کی طرف سے بھی (ترجمہ ختم)

ان احادیث وروایات میں جن کی طرف سے صدقۂ فطر دیے جانے کا ذکر ہے، اُن کے بارے میں مئونت اور عیال داری میں ہونے کا ذکر ہے۔

جس کے پیشِ نظر فقہائے احناف نے درجِ ذیل مسائل بیان فرمائے ہیں۔

مسئلہ:...... صدقۂ فطر واجب ہونے کا سبب ایسا فرد ہونا ہے کہ جس کا نفقہ اور خرچہ اپنے ذمہ ہو اور اس پر پوری ولایت بھی حاصل ہو۔

ایسا فرد ایک تو بالغ مسلمان کی اپنی ذات ہے، اور دوسرے اس کی نابالغ اولاد ہے، اور تیسرے اس کے شرعی غلام وباندی ہیں۔

کہ بالغ انسان کو اپنے اوپر پوری ولایت بھی حاصل ہوتی ہے، اور اپنی ذات کے اخراجات بھی ذمہ میں ہوتے ہیں۔

اور اسی طرح شرعی غلام وباندی اور نابالغ اولاد کا بھی معاملہ ہے۔

پس مسلمان صاحبِ نصاب شخص پر صدقۂ فطر صرف اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد اور شرعی غلام وباندی کی طرف سے ادا کرنا واجب ہے۔ [2]

---

[1] حديث نمبر ۲۰۷۹، كتاب زكاة الفطر، مؤسسة الرسالة، بيروت.

قلت: وهذا سنده صحيح موقوف(إرواء الغليل فى تخريج أحاديث منار السبيل للالبانى، ج۳ص ۳۲۰، تحت حديث رقم ۸۳۵)

[2] الثالثة :معرفة سبب وجوبها، فهو رأس يمونه مؤونة تامة ويلى عليه ولاية تامة لما فى الحديث : (عمن تمونون)(عمدة القارى ، ج۹ص۱۰۷ ، كتاب الزكاة،أبواب صدقة الفطر)

السابعة :معرفة من تجب عليه، فتجب على الأب عن أولاده الصغار الفقراء ، وعلى السيد عن عبده

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مرد کے ذمہ نابالغ اولاد اور شرعی غلام وباندی کے علاوہ کسی اور رشتہ دار مثلاً بیوی، بالغ اولاد، والدین، بہن، بھائی غرضیکہ کسی بھی دوسرے رشتہ دار کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب نہیں، اگرچہ یہ اس کے زیر کفالت ہوں مثلاً چھوٹے بھائی، بہن وغیرہ۔ [1]

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صدقۂ فطر واجب ہونے کے لیے کسی کا رمضان کے روزے رکھنا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ومدبره ومدبرته وأم ولده(عمدة القارى ،ج۹ص۱۰۷ كتاب الزكاة،أبواب صدقة الفطر)

الثامنة :معرفة الذى تجب من أجله، فأولاده الصغار ومماليكه للخدمة دون مكاتبه وزوجته(عمدة القارى ،ج۹ص۱۰۷ كتاب الزكاة،أبواب صدقة الفطر)

ثُمَّ سَبَبُ وُجُوبِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ رَأْسٌ يُمَوِّنُهُ بِوِلَايَتِهِ عَلَيْهِ قَالَ - :صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -أَدُّوا عَمَّنْ تُمَوِّنُونَ وَحَرْفُ عَنْ لِلِانْتِزَاعِ مِنْ الشَّيْءِ فَيُحْتَمَلُ أَحَدُ وَجْهَيْنِ :إمَّا أَنْ يَكُونَ سَبَبًا يُنْتَزَعُ مِنْهُ الْحُكْمُ أَوْ مَحَلًّا يَجِبُ عَلَيْهِ ثُمَّ يُؤَدِّي عَنْهُ، وَبَطَلَ الثَّانِي لِاسْتِحَالَةِ الْوُجُوبِ عَلَى الْعَبْدِ وَالْكَافِرِ فَتَعَيَّنَ الْأَوَّلُ؛ وَلِأَنَّهُ يَتَضَاعَفُ بِتَضَاعُفِ الرُّءُوسِ فَعُلِمَ أَنَّ السَّبَبَ هُوَ الرَّأْسُ(المبسوط للسرخسى، ج۳ص۱۰۱،كِتَابُ الزَّكَاةِ،بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ)

[1] قال :(عن نفسه وأولاده الصغار وعبيده للخدمة ومدبره وأم ولده وإن كانوا كفارا لا غير) والأصل فى ذلك أن سبب وجوبها رأس يمونه ويلى عليه ، لأنه يصير بمنزلة رأسه فى الذب والنصرة .قال عليه الصلاة والسلام " :أدوا عمن تمونون "فيلزمه عن أولاده الصغار ومماليكه المسلمين والكفار والمدبر وأم الولد بمنزلة العبد ، ولا تجب عن أبويه وأولاده الكبار وزوجته ومكاتبه لعدم الولاية ، ولو كان أبوه مجنونا فقيرا يجب عليه صدقة فطره لوجود المؤونة والولاية ، ولا تجب عن حفدته مع وجود أبيهم ، فإن عدم فعليه صدقتهم وقيل لا يجب أصلا .وعن أبى يوسف :لو أخرج عن زوجته وأولاده الكبار وهم فى عياله بغير أمرهم أجزأهم ، لأنه مأذون فيه عادة(الاختيار لتعليل المختار،ج۱ص۱۲۳،كتاب الزكاة ،باب صدقة الفطر)

وأما بيان من تجب عليه فيشتمل على بيان سبب وجوب الفطرة على الإنسان عن غيره، وبيان شرط الوجوب أما شرطه فهو أن يكون من عليه الواجب عن غيره من أهل الوجوب على نفسه.

وأما السبب فرأس يلزمه مؤنته ويلى عليه ولاية كاملة لأن الرأس الذى يمونه ويلى عليه ولاية كاملة تكون فى معنى رأسه فى الذب، والنصرة فكما يجب عليه زكاة رأسه يجب عليه زكاة ما هو فى معنى رأسه فيجب عليه أن يخرج صدقة الفطر عن مماليكه الذين هم لغير التجارة لوجود السبب وهو لزوم المؤنة وكمال الولاية مع وجود شرطه وهو ما ذكرنا(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع،كتاب الزكاة،فصل بيان من تجب عليه صدقة الفطر)

والأصل أن صدقة الفطر متعلقة بالولاية والمؤنة فكل من كان عليه ولايته، ومؤنته ونفقته فإنه تجب عليه صدقة الفطر فيه، وإلا فلا كذا فى شرح الطحاوى.(الفتاویٰ الهندية، ج۱ص۱۹۳، الباب الثامن فى صدقة الفطر)

ضروری نہیں، جیسا کہ نابالغ اولاد اور کافر غلام، کہ ان پر روزہ فرض نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی خود سے روزہ نہ رکھے، تو تب بھی اُس سے صدقۂ فطر معاف نہیں ہوتا۔ [1]

مسئلہ:...... اس بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے کہ صدقۂ فطر صرف مسلمان غلام وباندی کی طرف سے واجب ہے، یا غیر مسلم غلام وباندی کی طرف سے بھی واجب ہے؟

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مسلم اور غیر مسلم، دونوں کی طرف سے صدقۂ فطر واجب ہے، کیونکہ شرعی غلام وباندی مسلم وغیر مسلم ہر دو کا نفقہ اور خرچہ اس کے آقا کے ذمہ لازم ہوتا ہے، اور آقا کو ان پر پوری ولایت بھی حاصل ہوتی ہے۔

جبکہ دیگر فقہاء کے نزدیک صدقۂ فطر صرف مسلمان غلام کی طرف سے واجب ہے۔ [2]

---

[1] فَحِينَئِذٍ تَجِبُ الْفِطْرَةُ وَإِنْ أَفْطَرَ عَامِدًا لِوُجُودِ السَّبَبِ وَهُوَ الرَّأْسُ الَّذِي يَمُونُهُ وَيَلِي عَلَيْهِ وَلَوْ لَمْ يَصُمْ كَالطِّفْلِ الصَّغِيرِ وَالْعَبْدِ الْكَافِرِ.

ثُمَّ رَأَيْت فِي الْبَدَائِعِ مَا يُشْعِرُ بِذَلِكَ حَيْثُ قَالَ :وَكَذَا وُجُودُ الصَّوْمِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ لَيْسَ بِشَرْطٍ لِوُجُوبِ الْفِطْرَةِ حَتَّى إنَّ مَنْ أَفْطَرَ لِكِبَرٍ أَوْ مَرَضٍ أَوْ سَفَرٍ يَلْزَمُهُ صَدَقَةُ الْفِطْرِ؛ لِأَنَّ الْأَمْرَ بِأَدَائِهَا مُطْلَقٌ عَنْ هَذَا الشَّرْطِ اهـ فَافْهَمْ(رد المحتار على الدر المختار، ج۲ ص ۳۶۱، كِتَابُ الزَّكَاةِ، بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ)

[2] امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال اُن احادیث وروایات سے ہے، جن میں مسلم اور غیر مسلم کی قید نہیں، بلکہ نصرانی غلام کی طرف سے بھی صدقۂ فطر ادا کرنے کا ذکر ہے، اور بعض آثار سے بھی ہے۔

اور جن احادیث میں مسلم کی قید ہے، وہ اس کی معارض نہیں، لقاعدۃ حمل المطلق علی المقید فی الاسباب۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ :كَانَ يُخْرِجُ زَكَاةَ الْفِطْرِ عَنْ كُلِّ إِنْسَانٍ ,يَقُولُ " :مِنْ صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ ,أَوْ حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ ,وَإِنْ كَانَ نَصْرَانِيًّا مُدَّيْنِ مِنْ قَمْحٍ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ(شرح مشكل الآثار، حديث نمبر ۳۴۲۸، بَابُ بَيَانِ مُشْكِلِ مَا رُوِيَ فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ مِمَّا قَصَدَ بِهِ فِيهَا إِلَى الْمُسْلِمِينَ)

عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ :يُخْرِجُ الرَّجُلُ زَكَاةَ الْفِطْرِ عَنْ مُكَاتَبِهِ، وَعَنْ كُلِّ مَمْلُوكٍ لَهُ، وَإِنْ كَانَ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا(مصنف عبد الرزاق، حديث نمبر ۵۸۱۲)

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُد ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ ، قَالَ :بَلَغَنِي عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يُعْطِي عَنْ مَمْلُوكِهِ النَّصْرَانِيِّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ(مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ۱۰۴۷۵، كتاب الزكاة، مَا قَالُوا فِي الْعَبْدِ النَّصْرَانِيِّ ، يُعْطَى عَنْهُ)

عَنْ عَمْرِو بْنِ مُهَاجِرٍ ، عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ ، قَالَ :سَمِعْتُهُ يَقُولُ :يُؤَدِّي الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ عَنْ مَمْلُوكِهِ النَّصْرَانِيِّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ(مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ۱۰۴۷۴، كتاب الزكاة، مَا قَالُوا فِي الْعَبْدِ النَّصْرَانِيِّ ، يُعْطَى عَنْهُ)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:...... عاقل، بالغ اولاد کا خرچہ باپ کے ذمہ نہیں ہے، اس لئے عاقل، بالغ اولاد کی طرف سے صدقۂ فطر باپ کے ذمہ نہیں ہے، اگرچہ وہ اولاد اس کے ساتھ ایک گھر میں رہتی ہو، اور اپنے ساتھ اکٹھے کھاتی پیتی ہو۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عَنْ عُبَيْدَةَ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، قَالَ مِثْلَ قَوْلِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ(مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ۱۰۴۷۷ ،كتاب الزكاة،مَا قَالُوا فِي الْعَبْدِ النَّصْرَانِيِّ ، يُعْطَى عَنْهُ)

عَنْ ثَوْرٍ ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى ، قَالَ :كَتَبَ إِلَى عَطَاءٍ يَسْأَلُهُ عَنْ عَبِيدِ يَهُودٍ وَنَصَارَى ، أُطْعِمُ عَنْهُمْ زَكَاةَ الْفِطْرِ ؟ قَالَ :نَعَمْ(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۱۰۴۷۶ ،كتاب الزكاة،مَا قَالُوا فِي الْعَبْدِ النَّصْرَانِيِّ ، يُعْطَى عَنْهُ)

عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ، قَالَ :قَالَ عَطَاءٌ :إِذَا كَانَ لَكَ عَبِيدٌ نَصَارَى لاَ يُدَارُونَ ، يَعْنِي لِلتِّجَارَةِ ، فَزَكِّ عَنْهُمْ يَوْمَ الْفِطْرِ(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۱۰۴۷۸ ،كتاب الزكاة،مَا قَالُوا فِي الْعَبْدِ النَّصْرَانِيِّ ، يُعْطَى عَنْهُ)

عن حماد عن ابراهيم النخعي في الرجل يكون له عبد نصراني او يهودي قال يؤدى عنه زكاة الفطر(الحجة على أهل المدينة، ج ۱ ص ۵۲۴،باب زكاة الفطر يؤديه عن اهله وخدمها)

اخبرنا اسماعيل بن عياش الحمصي قال حدثني عمرو بن المهاجر قال قال عمر بن عبد العزيز يعطي الرجل المسلم عن مملوكه النصراني صدقة الفطر(الحجة على أهل المدينة، ج ۱ ص ۵۲۵، باب زكاة الفطر يؤديه عن اهله وخدمها)

اخبرنا ابراهيم بن محمد المديني قال اخبرنا داود بن الحصين عن القاسم ابن محمد بن ابي بكر قال يخرج سيد العبد اليهودي والنصراني عنه صدقة الفطر(الحجة على أهل المدينة، ج ۱ ص ۵۲۵، باب زكاة الفطر يؤديه عن اهله وخدمها)

والتقييد في الصحيح أيضا بقوله من المسلمين لا يعارضه لما عرف من عدم حمل المطلق على المقيد في الاسباب لانه لاتزاحم فيها فيمكن الاخذ بهما فيكون كل من المطلق والمقيد سببا بخلاف ورودهما في حكم واحدهٰذا (مرقاة شرح المشكوٰة جلد۴صفحه ۱۲۹۸، كتاب الزكاة ، باب صدقة الفطر)

[1] ولا يجب على الرجل صدقة الفطر عن أولاده الكبار سواء كان لهم مال، أو لم يكن، وسواء كانوا أصحاء أو زمنين في ظاهر رواية أصحابنا(المحيط البرهاني، ج۲ ص ۴۱۱، الفصل الثالث عشر في صدقة الفطر)

(ولا) يؤدى (عن أولاده الكبار وإن كانوا في عياله) بأن يكونوا فقراء زمنى لأنه لا يستحق عليهم ولاية فصاروا كالأجانب .وقوله (ولو أدى عنهم) ظاهر، وهو استحسان، والقياس أن لا يصح كما إذا أدى الزكاة بغير إذنها .وجه الاستحسان أن الصدقة فيها معنى المؤنة فيجوز أن تسقط بأداء الغير وإن لم يوجد الإذن صريحا، وفي العادة أن الزوج هو الذي يؤدى عنها فكان الإذن ثابتا عادة،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ بالغ مجنون اور پاگل اولاد چونکہ نابالغ اولاد کا حکم رکھتی ہے، کیونکہ ان کا خرچہ ونفقہ باپ کے ذمہ ہے، اور اُن پر کامل ولایت بھی حاصل ہے، اس لیے اگر کسی کی بالغ اولاد خدانخواستہ مجنون یا پاگل ہو، تو اس کا صدقۂ فطر بھی والد پر واجب ہوگا۔ [1]

لیکن اگر کوئی بچہ بالغ ہونے کے وقت عاقل تھا، اور بالغ ہونے کے بعد مجنون و پاگل ہوگیا، تو بالغ ہونے کے بعد اس کا صدقۂ فطر اس کے والد پر واجب نہیں ہوگا۔ [2]

مسئلہ:...... بیوی کا نان ونفقہ اگرچہ شوہر کے ذمہ ہے مگر بیوی پر شوہر کو ولایت حاصل نہیں اس لئے مرد کے ذمہ بیوی کی طرف سے صدقۂ فطر دینا واجب نہیں۔

لیکن اگر کوئی اپنی بیوی اور بالغ اولاد کی طرف سے خود بخوشی ادا کرے، تو وہ الگ بات ہے،

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

بخلاف الزكاة فإنها عبادة محضة لا تصح بدون الإذن صريحا(العناية شرح الهداية، ج۲ص ۲۸۶، باب صدقة الفطر)

(قال) : وليس على الرجل أن يؤدى عن أولاده الكبار وقال الشافعي -رحمه الله تعالى :-إن كانوا زمنى معسرين فعليه الأداء عنهم وإن كانوا أصحاء معسرين في عياله فله فيه وجهان، واستدل بقوله -صلى الله عليه وسلم -أدوا عمن تمونون وهو يمون ولده الزمن والمعسر وأصحابنا قالوا :بأن السبب رأس يمونه بولايته عليه ليكون في معنى رأسه ولا ولاية له على أولاده الزمنى إذا كانوا كبارا وبدون تقرر السبب لا يثبت الوجوب(المبسوط للسرخسي، ج۳ص۱۰۵، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

[1] والمعتوه والمجنون بمنزلة الصغير، سواء كان الجنون أصلياً بأن بلغ مجنوناً، أو كان الجنون عارضاً، هو الظاهر من المذهب(المحيط البرهاني، ج۲ص ۴۱۱، الفصل الثالث عشر في صدقة الفطر)

وتجب عن نفسه وطفله الفقير كذا في الكافي والمعتوه والمجنون بمنزلة الصغير سواء كان الجنون أصليا أو عارضيا، وهو الظاهر من المذهب كذا في المحيط(الفتاوىٰ الهندية، ج۱ص ۱۹۲، الباب الثامن في صدقة الفطر)

وفي التتارخانية عن المحيط أن المعتوه والمجنون بمنزلة الصغير سواء كان الجنون أصليا بأن بلغ مجنونا أو عارضا هو الظاهر من المذهب .اهـ(ردالمحتار، ج۲ص ۳۶۱، باب صدقة الفطر)

[2] وأما الولد الكبير المجنون إذا كان فقيرا إن بلغ مجنونا ففطرته على أبيه وإن بلغ مفيقا ثم جن فلا فطرة على أبيه لأنه إذا بلغ مجنونا فقد استمرت الولاية عليه وإذا أفاق فقد انقلبت الولاية إليه (الجوهرة النيرة، ج۱ص ۱۳۳، كتاب الزكاة ، باب صدقة الفطر)

جیسا کہ بعض روایات میں کچھ صحابۂ کرام کا اپنے سب گھر والوں کی طرف سے ادا کرنے کا ذکر ہے۔ [۱]

مسئلہ:...... ماں باپ، دادا دادی، بہن بھائی اور دوسرے محرّم رشتہ داروں کا صدقۂ فطر اپنے ذمہ واجب نہیں، اگرچہ وہ کمانے سے معذور وغریب ہوں، اور اس وجہ سے ان کا نفقہ اپنے ذمہ واجب ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ ان پر مکمل ولایت حاصل نہیں۔ [۲]

---

[۱] (ولا يؤدى عن زوجته) وقال الشافعي :يجب على الرجل أن يؤدى صدقة الفطر عن زوجته لقوله -صلى الله عليه وسلم -أدوا عمن تمونون .وهو يمون زوجته، ولنا ما ذكره في الكتاب ووجهه :أنه -صلى الله عليه وسلم -ذكر المؤنة مطلقة، والمطلق ينصرف إلى الكامل وليس عليه مؤنتها كاملة لأنه يمونها في غير الرواتب كالمداواة، وكذلك لا بد من الولاية، وليس له عليها ولاية في حقوق النكاح(العناية شرح الهداية، ج۲ص ۲۸۵، ۲۸۶، باب صدقة الفطر)

(قال) : ولا يؤدى الزوج زكاة الفطر عن زوجته، وقال الشافعي -رحمه الله تعالى :-يجب عليه الأداء عنها لقوله -عليه الصلاة والسلام -أدوا عمن تمونون وهو يمون زوجته وملكه عليها نظير ملك المولى على أم ولده فإنه يثبت به الفراش وحل الوطء فكما يجب عليه الأداء عن أم ولده فكذلك عن زوجته.

(ولنا) أن عليها الأداء عن مماليكها ومن يجب عليه الأداء من غيره لا يجب على الغير الأداء عنه وهذا؛ لأن نفسها أقرب إليها من نفس مماليكها ثم النفقة على الزوج باعتبار العقد فلا يكون موجبا للصدقة كنفقة الأجير على المستأجر، وهذا؛ لأن في الصدقة معنى العبادة وهو ما تزوجها ليحمل عنها العبادات، وقد بينا أن مجرد المؤنة بدون الولاية المطلقة لا ينهض سببا وبعقد النكاح لا يثبت له عليها الولاية فيما سوى حقوق النكاح بخلاف أم الولد فإن للمولى عليها ولاية مطلقة بسبب ملك الرقبة فإن أدى الزوج عن زوجته بأمرها جاز، وإن أدى عنها بغير أمرها لم يجز في القياس كما لو أدى عن أجنبي، ويجوز استحسانا في رواية عن أبي يوسف -رحمه الله تعالى -؛ لأن العادة أن الزوج هو الذي يؤدى فكان الأمر منها ثابتا باعتبار العادة فيكون كالثابت بالنص(المبسوط للسرخسي، ج۳ص ۱۰۵، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

[۲] ولا يلزم الرجل الفطرة عن أبيه وأمه وإن كانا في عياله لأنه لا ولاية له عليهما كأولاده الكبار وقيل إذا كان الأب فقيرا مجنونا تجب على ابنه فطرته لوجود الولاية والمؤنة(الجوهرة النيرة، ج ۱ ص ۱۳۳، كتاب الزكاة ، باب صدقة الفطر)

ولا يلزم الرجل الفطرة عن أبيه وأمه، وإن كانا في عياله؛ لأنه لا ولاية له عليهما كالأولاد الكبار كذا في الجوهرة النيرة......ولا يجب أن يؤدى عن أخواته الصغار، ولا عن قرابته، وإن كانوا في عياله كذا في فتاوى قاضي خان(الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۹۳، كتاب الزكاة ، الباب الثامن في صدقة الفطر)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:...... ماں پر اپنی اولاد کا نفقہ واجب نہیں اس لئے ماں کے ذمہ اپنی اولاد کا صدقۂ فطر واجب نہیں، خواہ اولاد نابالغ اور ماں صاحبِ نصاب کیوں نہ ہو۔ [۱]

مسئلہ:...... بالغ اولاد اور بیوی کا فطرانہ ان سے اجازت لئے بغیر ادا کر دیا تو ادا ہو جاتا ہے، جبکہ اولاد اور بیوی اپنی عیال داری میں رہ رہی ہو، یعنی ان کا نان ونفقہ خود ادا کرتا ہو، اسی طرح اگر کوئی دوسرا رشتہ دار اپنی عیال داری میں ہو، تو اس کا صدقۂ فطر اس سے اجازت لیے بغیر ادا کرنا بھی جائز ہے، کسی اور کا اس کی اجازت کے بغیر ادا کرنا جائز نہیں۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(قال) : وليس على الرجل أن يؤدى عن أبويه ولا عن أحد من قرابته وإن كانوا فى عياله؛ لأنه لا ولاية له عليهم؛ ولأنه متبرع فى الإنفاق عليهم فهو كمن تبرع بالإنفاق على الغير فلا يجب عليه الصدقة عنهم باعتباره(المبسوط للسرخسى، ج۳ص ۱۰۵، ۱۰۶، باب صدقة الفطر)

ولا يخرج عن سائر قرابته، وإن كانوا فى عياله(المحيط البرهانى، ج۲ص ۴۱۱، الفصل الثالث عشر فى صدقة الفطر)

.ولا يجب أن يؤدى عن أخواته الصغار، ولا عن قرابته، وإن كانوا فى عياله كذا فى فتاوى قاضى خان(الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۹۳، كتاب الزكاة، الباب الثامن فى صدقة الفطر)

[۱] أن الأم لا يجب عليها صدقة أولادها الصغار كما فى منية المفتى(ردالمحتار، ج۲ص ۳۶۱، كتاب الزكاة ، باب صدقة الفطر)

[۲] (لا عن زوجته) وولده الكبير العاقل، ولو أدى عنهما بلا إذن أجزأ استحسانا للإذن عادة أى لو فى عياله وإلا فلا قهستانى عن المحيط فليحفظ (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

(قوله :ولو أدى عنهما) أى عن الزوجة والولد الكبير.

وقال فى البحر :وظاهر الظهيرية أنه لو أدى عمن فى عياله بغير أمره جاز مطلقا بغير تقييد بالزوجة والولد .اهـ .(قوله :أجزأ استحسانا) وعليه الفتوى خانية وأفاد بقوله للإذن عادة إلى وجود النية حكما وإلا فقد صرح فى البدائع بأن الفطرة لا تتأدى بدون النية تأمل (قوله :أى لو فى عياله) انظر هل المراد من تلزمه نفقته أو أعم؟ ظاهر ما مر عن البحر الثانى، وهو مفاد التعليل أيضا تأمل (ردالمحتار، ج۲ص۳۶۳، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

وإذا أدى عن الزوجة والولد الكبير بغير إذنهما جاز وظاهر الظهيرية أنه لو أدى عمن فى عياله بغير أمره جاز مطلقا بغير تقييد بالزوجة والولد(البحرالرائق، ج۲ص ۲۷۱، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

ولو أدى عنه بغير إذنه فالقياس عدم الإجزاء كالزكاة وفى الاستحسان الإجزاء لثبوت الأذن عادة ذكره العلامة نوح قوله" :وزوجته "لعدم الولاية الكاملة عليها ولو أدى عنها بلا إذن جاز استحسانا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:...... اگر کسی نابالغ بچے یا بچی کا باپ فوت ہوگیا ہو یا موجود تو ہو مگر وہ تنگدست ہو، اور اس بچے یا بچی کا دادا موجود ہو، تو اس صورت میں دادا کے باپ کے قائم مقام ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے، بعض حضرات کے نزدیک اس صورت میں دادا، باپ کے قائم مقام ہے، اس لئے اس صورت میں دادا پر اپنے نابالغ پوتے اور پوتی کا صدقۂ فطر واجب ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک اس صورت میں دادا باپ کے قائم مقام نہیں، اس لئے اس صورت میں دادا پر اپنے نابالغ پوتے اور پوتی کا صدقۂ فطر واجب نہیں۔

اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس صورت میں دادا اپنے نابالغ پوتے اور پوتی کا صدقۂ فطر ادا کردے، تاکہ سب کے نزدیک بری الذمہ ہوجائے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

للأذن عادة كالولد الكبير وإن كان في عياله وقيد به إشارة إلى أنه لو دفع عن الزوجة الناشزة والصغيرة التي لم تزف وعن الابن الكبير الذي لم يكن في عياله لا يجوز عنهم إلا بالأمر كما يفيده القهستاني وهل حكم الأجنبي إذا كان في عياله حكم الولد الكبير ومقتضى ما في البحر عن الظهيرية الجواز كذا في كتابة الدر(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ،ص ۷۲۴،كتاب الزكاة،باب صدقة الفطر)

ولا يؤدي عن زوجته، ولا عن أولاده الكبار، وإن كانوا في عياله، ولو أدى عنهم أو عن زوجته بغير أمرهم أجزأهم استحسانا كذا في الهداية،وعليه الفتوى كذا في فتاوى قاضي خان(الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۹۳،كتاب الزكاة ، الباب الثامن في صدقة الفطر)

(قوله ولا يؤدي عن زوجته) لقصور الولاية والمؤنة فإنه لا يليها في غير حقوق النكاح ولا يمونها في غير الرواتب كالمداواة وشبهها.

(قوله ولا عن أولاده الكبار وإن كانوا في عياله) بأن كانوا زمناء لانعدام الولاية فإن أدى عنهم أو عن زوجته بغير أمرهم أجزأهم استحسانا لثبوت الإذن عادة (الجوهرة النيرة، ج ۱ ص ۱۳۳ ، كتاب الزكاة،باب صدقة الفطر)

[1] والجد كالأب عند فقده أو فقره كما اختاره في الاختيار (الدر المختار)

(قوله :كما اختاره في الاختيار) هذا رواية الحسن وهو خلاف ظاهر الرواية من أن الجد كالأب إلا في مسائل ستأتي آخر الكتاب منها هذه واختاره أيضا في فتح القدير لتحقيق وجود السبب وهو الرأس الذي يمونه ويلي عليه ولاية مطلقة.

ورد ما قيل :من أن الولاية غير تامة لانتقالها إليه من الأب فكانت كولاية الوصي بأنه غير سديد؛ لأن الوصي لا يمونه من ماله، بخلاف الجد إذا لم يكن للصغير مال فإنه يمونه من ماله كالأب،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:...... اگر چھوٹے نابالغ بچے یا بالغ مگر مجنون کی ملکیت میں اتنا مال ہو جتنے کے ہونے سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے، مثلاً اس کے کسی رشتہ دار کا انتقال ہوا، اور اس کی میراث میں سے اس نابالغ بچہ یا مجنون کو حصہ ملا، یا کسی اور طرح سے ان کی ملکیت میں نصاب کے بقدر مال آ گیا، تو اس صورت میں باپ پر خود اپنے مال میں سے اس نابالغ بچے یا مجنون کا صدقۂ فطر ادا کرنا لازم نہیں، بلکہ ان کی ملکیت کے مال میں سے ادا کرنا جائز ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ونازعه فى البحر بما رده عليه المقدسى وصاحب النهر، فلذا اختار الشارح رواية الحسن.
قلت :لكن فى الخانية ليس على الجد أن يؤدى الصدقة عن أولاد ابنه المعسر إذا كان الأب حيا باتفاق الروايات وكذا لو كان الأب ميتا فى ظاهر الرواية اهـ فعلم أن رواية الحسن فيما إذا كان الأب ميتا لكن مقتضى كلام البدائع أن الخلاف فى المسألتين، نعم تعليل الفتح لا يظهر إلا فى الميت تأمل(ردالمحتار، ج۲ص۳۶۲، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)
ولا تجب على الجد فطرة بنى ابنه إذا كان أبوهم فقيرا أو ميتا فى ظاهر الرواية وروى الحسن عن أبى حنيفة أنها تجب عليه كما تجب على الأب وفى قاضى خان لا يؤدى عن أولاد ابنه المعسر إذا كان حيا باتفاق الروايات(الجوهرة النيرة، ج ۱ ص۱۳۳، كتاب الزكاة ، باب صدقة الفطر)
وليس على الجد أن يؤدى الصدقة عن أولاد ابنه المعسر إذا كان الأب حيا، وكذا لو كان الأب ميتا فى ظاهر الرواية كذا فى فتاوى قاضى خان(الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۹۲، كتاب الزكاة، الباب الثامن فى صدقة الفطر)
(قال) : ولا يؤدى الجد عن نوافله الصغار وإن كانوا فى عياله وروى الحسن عن أبى حنيفة رحمهما الله تعالى أن عليه الأداء عنهم بعد موت الأب وهذه أربع مسائل يخالف الجد فيها الأب فى ظاهر الرواية ولا يخالف فى رواية الحسن :أحدها :وجوب صدقة الفطر والثانى التبعية فى الإسلام والثالث جر الولاء والرابع الوصية لقرابة فلان وجه رواية الحسن أن ولاية الجد عند عدم الأب ولاية متكاملة، وهو يمونهم فيتقرر السبب فى حقه ووجه ظاهر الرواية أن ولاية الجد منتقلة من الأب إليه فهو نظير ولاية الوصى، وهذا؛ لأن السبب إنما يتقرر إذا كان رأسه فى معنى رأس نفسه باعتبار الولاية، وذلك لا يتقرر فى حق الجد؛ لأن ثبوت ولايته بواسطة وولايته على نفسه ثابتة بدون الواسطة(المبسوط للسرخسى، ج۳ص۱۰۵ ،كتاب الزكاة ، باب صدقة الفطر)

[1] وأما الأولاد الصغار، فإن كان لهم مال، فإنه يؤدى من مالهم صدقة فطرهم وصدقة فطر مماليكهم عند أبى حنيفة وأبى يوسف خلافاً لمحمد رحمه الله، وكذلك الوصى على هذا الخلاف،وإن لم يكن للصغير مال، فإنه يجب على الأب صدقته دون صدقة فطر مماليكه(المحيط البرهانى، ج۲ص۴۱۱، الفصل الثالث عشر فى صدقة الفطر)
ثم إذا كان للولد الصغير والمجنون مال فإن الأب يخرج صدقة فطرتهما من مالهما عندهما.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:...... نابالغ اور مجنون اگر صاحبِ نصاب تھے اوران کے سرپرست نے ان کا صدقۂ فطرادانہ کیا،تو نابالغ کے بالغ ہونے پراور مجنون کے جنون زائل ہونے پرخودان کواپنا صدقۂ فطرادا کرناواجب ہوگا،البتہ اگرنابالغ اور مجنون صاحبِ نصاب نہ تھے،تواس صورت میں ان کو بعد میں صدقۂ فطرادا کرناواجب نہ ہوگا۔ [۱]

مسئلہ:...... جس نابالغ لڑکی کا نکاح کر کے رخصت کردیا گیا اگر وہ شوہر کی خدمت کے قابل ہے تواس کا صدقۂ فطرکسی پرنہیں،نہ باپ پرنہ شوہر پر۔اوراگرخدمت کے قابل نہیں یاصرف نکاح ہواہے اوررخصتی عمل میں نہیں آئی تواس کا صدقۂ فطربدستور باپ پر ہے۔یہ جب ہے کہ لڑکی خودصاحبِ نصاب نہ ہو،ورنہ بہرصورت اس کے اپنے مال میں سے ادا کیا جائے۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کابقیہ حاشیہ﴾......لهما أن الفطرة تجرى مجرى المؤنة بدليل أن الأب يتحملها عن ابنه الفقير فإذا كان غنيا كانت في ماله كنفقته ونفقة ختانه فيخرج أبوهما أو وصيه أو جدهما أو وصيه فطرة أنفسهما ورقيقهما من مالهما(الجوهرة النيرة، ج ۱ ص ۱۳۳، كتاب الزكاة ، باب صدقة الفطر)

(قوله:الفقير)قيد به؛ لأن الغنى تجب صدقة فطره فى ماله على ما مر لعدم وجوب نفقته نهر (قوله: والكبير المجنون)أى الفقير أما الغنى ففى ماله عندهما كما مر(ردالمحتار ج۲ ص ۳۶۱، باب صدقة الفطر)

لم يتضح وجود السبب فى حقه لعدم ولايته على نفسه وكذا المجنون (تقريرات الرافعى،مشموله ردالمحتار ج۲ ص ۱۴۲)

[۱] بخلاف الصبى الغنى إذا لم يخرج وليه على أصل أبى حنيفة وأبى يوسف أنه يلزمه الأداء ؛ لأنه يقدر على أدائه بعد البلوغ(بدائع الصنائع، ج۲ص ۶۹،كتاب الزكاة، فصل شرائط وجوب صدقة الفطر)

ولم يقيد بالبلوغ والعقل لما قدمناه فيجب على الولى أو الوصى إخراجها من مال الصبى والمجنون حتى لو لم يخرجها وجب الأداء بعد البلوغ كذا فى البدائع(البحرالرائق، ج۲ ص ۲۷۱، كتاب الزكاة ،باب صدقة الفطر)

[۲] ولو زوج طفلته الصالحة لخدمة الزوج فلا فطرة (الدرالمختار)

(قوله :الصالحة لخدمة الزوج) كذا فى النهر عن القنية وفيه عن الخلاصة الصغيرة لو سلمت لزوجها لا تجب فطرتها على أبيها لعدم المؤنة اهـ فأفاد تقييد المسألة بقيدين :صلاحيتها للخدمة، وتسليمها للزوج، ولذا قال الشارح فى باب النفقة فيمن تجب نفقتها على الزوج، وكذا صغيرة تصلح للخدمة أو للاستئناس إن أمسكها فى بيته عند الثانى واختاره فى التحفة .اهـ

وهو صريح بأنها لو لم تصلح لذلک لا تجب نفقتها على الزوج، وظاهره لو أمسكها فى بيته فتجب على أبيها فافهم(ردالمحتار،ج۲ص ۳۶۲، كتاب الزكاة ، باب صدقة الفطر)

وأما الأولاد الصغار، فإن كان لهم مال، فإنه يؤدى من مالهم صدقة فطرهم وصدقة فطر مماليكهم عند أبى حنيفة وأبى يوسف خلافاً لمحمد رحمه الله(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج۲ ص ۴۱۱،كتاب الصوم،الفصل الثالث عشر فى صدقة الفطر)

صدقۂ فطر کتنا اور کس چیز سے ادا کیا جائے؟

احادیث میں کئی چیزوں کے ذریعہ سے صدقۂ فطر ادا کرنے کا ذکر آیا ہے۔
پہلے چند احادیث وروایات ذکر کی جاتی ہیں، جن کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ ان سے حاصل شدہ مسائل ذکر کئے جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

فَرَضَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ، وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى، وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃِ فطر کو فرض قرار دیا، کھجور سے ایک صاع، یا جَو سے ایک صاع، غلام پر اور آزاد پر، مرد پر اور عورت پر، اور نابالغ اور بالغ مسلمانوں پر، اور اس کے بارے میں یہ حکم فرمایا کہ لوگوں کے (عیدالفطر کی) نماز کی طرف نکلنے سے پہلے ادا کر دیا جائے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كَانَ النَّاسُ يُخْرِجُوْنَ عَنْ صَدَقَةِ الْفِطْرِ فِيْ عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ أَوْ تَمْرٍ أَوْ سُلْتٍ أَوْ زَبِيْبٍ (سنن النسائی) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ صدقۂ فطر جَو سے یا کھجور سے یا بغیر چھلکے والی جَو سے یا کشمش سے ایک صاع نکالا کرتے تھے (ترجمہ ختم) [3]

---

[1] حديث نمبر ١٥٠٣، كتاب الزكاة، باب فرض صدقة الفطر، دار طوق النجاة، بيروت.
[2] حديث نمبر ٢٥١٦، كتاب الزكاة، باب السلت، مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب.
[3] قوله " :أو سلت "السلت - بضم السين المهملة، وسكون اللام، وبعدها تاء ثالث الحرَوف - ضرب من الشعير ليس له قشر كأنه الحنْطة، وقيل :هو نوع من الحنطة، والأول أصح (شرح سنن أبي داود للعيني ، ج ٩ ص ٣٢٩، كتاب الزكاة، بَاب :كَمْ يُؤَدى في صَدقة الفطر؟)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَلَى الْحُرِّ وَالْعَبْدِ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ أَوْ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِّنْ زَبِيْبٍ أَوْ صَاعًا مِّنْ أَقِطٍ (صحیح ابن خزیمۃ) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر کو آزاد اور غلام، اور مَرد اور عورت، اور چھوٹے اور بڑے مسلمانوں پر فرض فرمایا، جَو سے ایک صاع، یا کھجور سے ایک صاع، یا کشمش سے ایک صاع، یا پنیر سے ایک صاع (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِزَكَاةِ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَجَعَلَ النَّاسُ عِدْلَهُ مُدَّيْنِ مِنْ حِنْطَةٍ (بخاری) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃِ فطر کا کھجور سے ایک صاع، یا جَو سے ایک صاع کا حکم فرمایا، پھر لوگوں (یعنی صحابۂ کرام) نے اس (کھجور یا جَو) کے بدلے میں گندم کو دو مُد (یعنی آدھا صاع) کر لیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں اس مضمون کی کچھ تفصیل بھی آئی ہے۔

چنانچہ اِن کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ:

كَانَ النَّاسُ يُخْرِجُوْنَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

---

[1] حدیث نمبر ۲۴۱۱، کتاب الزکاۃ، باب إخراج الزبیب والأقط فی صدقة الفطر، المکتب الاسلامی، بیروت.
قال مصطفیٰ الأعظمی :إسناده حسن(تعليق صحيح ابن خزيمة)

[2] حدیث نمبر ۱۵۰۷، کتاب الزکاۃ، باب صدقة الفطر صاعا من تمر، دارطوق النجاة، بیروت.

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعًا مِّنْ شَعِيرٍ، أَوْ تَمْرٍ، أَوْ سُلْتٍ، أَوْ زَبِيبٍ ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَكَثُرَتِ الْحِنْطَةُ، جَعَلَ عُمَرُ نِصْفَ صَاعِ حِنْطَةٍ مَكَانَ صَاعٍ مِنْ تِلْكَ الْأَشْيَاءِ (سنن أبي داوٗد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ صدقۂ فطر جَو سے ایک صاع، یا کھجور سے ایک صاع، یا بغیر چھلکے کے جَو سے ایک صاع، یا کشمش سے ایک صاع نکالا کرتے تھے، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور آیا، اور گندم کی کثرت ہوگئی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گندم کے آدھے صاع کو ان چیزوں کے ایک صاع کی جگہ کردیا (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں گندم کا استعمال کم تھا، اس لئے زیادہ تر دوسری چیزوں سے صدقۂ فطر ادا کیا جاتا تھا، اور جب گندم کا استعمال زیادہ ہوگیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گندم سے آدھے صاع کو مقرر فرمایا۔

اور دیگر احادیث وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آدھا صاع گندم سے صدقۂ فطر کی ادائیگی کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے (جیسا کہ آگے آتا ہے) جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آدھے صاع گندم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود سے مقرر نہیں فرمایا۔ [2]

---

[1] حديث نمبر ۱۶۱۴، كتاب الزكاة، باب كم يؤدى فى صدقة الفطر؟ المكتبة العصرية، بيروت، واللفظ لهٗ، سنن دارقطني، حديث نمبر ۲۰۹۵.

[2] قوله :(فعدل الناس) أى :معاوية ومن كان معه، وقال الكرماني :(الناس) أى :معاوية، ثم قال: فإن قلت :التخصيص به خلاف الظاهر، فيكون المراد به الصحابة فيصير إجماعا سكوتيا (عمدة القارى ج۹ ص ۱۲۰، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر على الحر والمملوك)

قوله :(قال عبد الله) أى :عبد الله بن عمر .قوله :(فجعل الناس) أراد به معاوية ومن تبعه، ووقع ذلك صريحا فى حديث أيوب عن نافع أخرجه الحميدى فى (مسنده) عن سفيان بن عيينة، حدثنا أيوب ولفظه :(صدقة الفطر صاع من شعير أو صاع من تمر، قال ابن عمر :فلما كان معاوية عدل الناس نصف صاع بر بصاع من شعير) وهكذا أخرجه ابن خزيمة فى (صحيحه) من وجه آخر عن سفيان، وقال أبو داود :حدثنا الهيثم بن خالد الجهنى، حدثنا حسين بن على الجعفى عن زائدة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كُنَّا نُخْرِجُ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ طَعَامٍ ، وَقَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ: وَكَانَ طَعَامَنَا الشَّعِيْرُ وَالزَّبِيْبُ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

حدثنا عبد العزيز بن أبي داود (عن نافع عن عبد الله بن عمر، قال :كان الناس يخرجون صدقة الفطر على عهد رسول الله، صلى الله عليه وسلم، صاعا من شعير أو تمر أو سلت أو زبيب، قال عبد الله :فلما كان عمر، رضى الله تعالى عنه، وكثرت الحنطة جعل عمر نصف صاع حنطة مكان صاع من تلك الأشياء) . وقال مسلم في (كتاب التمييز) . عبد العزيز وهم فيه وأعله ابن الجوزى به، وقال صاحب (التنقيح) : وعبد العزيز هذا، وإن كان ابن حبان تكلم فيه، فقد وثقه يحيى القطان وابن معين وأبو حاتم الرازى وغيرهم، والموثقون له أعرف من المضعفين، وقد أخرج له البخارى استشهادا .وقال الطحاوى، رحمه الله :حدثنا فهد، قال :حدثنا عمرو بن طارق، قال : حدثنا يحيى بن أيوب عن يونس بن يزيد أن نافعا أخبره قال :(قال عبد الله بن عمر، رضى الله تعالى عنهما :فرض رسول الله، صلى الله عليه وسلم، زكاة الفطر صاعا من تمر أو صاعا من شعير على كل إنسان ذكر أو أنثى حر أو عبد من المسلمين) ، وكان عبد الله بن عمر يقول :جعل الناس عدله مدين من حنطة. فقول ابن عمر :جعل الناس عدله مدين من حنطة إنما يريد أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم الذى يجوز تعديلهم ويجب الوقوف عند قولهم، فإنه قد روى عن عمر مثل ذلك في كفارة اليمين أنه قال ذلك، فأطعم عنى عشرة مساكين كل مسكين نصف صاع من بر أو صاعا من تمر أو شعير،ويروى عن على، رضى الله تعالى عنه، مثل ذلك مع أنه قد روى عن عمر وعن أبى بكر، رضى الله تعالى عنهما أيضا، وعن عثمان بن عفان، رضى الله تعالى عنه، في صدقة الفطر أنها من الحنطة نصف صاع .وقال أبو داود :حدثنا عبد الله بن مسلم حدثنا داود يعنى ابن قيس عن عياض بن عبد الله عن أبى سعيد الخدرى قال :كنا نخرج، إذ كان فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، زكاة الفطر عن كل صغير وكبير حر أو مملوك صاعا من طعام أو صاعا من أقط أو صاعا من شعير أو صاعا من تمر أو صاعا من زبيب، فلم نزل نخرجه حتى قدم معاوية حاجا أو معتمرا فكلم الناس على المنبر فكان فيما كلم الناس أن قال :إنى أرى مدين من سمراء الشام تعدل صاعا من تمر، فأخذ بذلك الناس، فقال أبو سعيد :فأما أنا فلا أزال أخرجه أبدا ما عشت) . وقال النووى :هذا الحديث معتمد أبى حنيفة، قال بأنه فعل صحابى، وقد خالفه أبو سعيد وغيره من الصحابة ممن هو أطول صحبة منه وأعلم بحال النبى صلى الله عليه وسلم، وقد أخبر معاوية بأنه رأى رآه، لا قول سمعه من النبى صلى الله عليه وسلم، قلنا :إن قوله :فعل صحابى، لا يمنع لأنه قد وافقه غيره من الصحابة الجم الغفير بدليل قوله في الحديث :فأخذ الناس بذلك، ولفظ الناس للعموم، فكان إجماعا .ولا تضر مخالفة أبى سعيد لذلك بقوله :أما أنا فلا أزال أخرجه، لأنه لا يقدح في الإجماع، سيما إذا كان فيه الخلفاء الأربعة، أو نقول :أراد الزيادة على قدر الواجب

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

وَالْأَقِطُ وَالتَّمْرُ (بخاری) [1]

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عیدُ الفطر کے دن کھانے کے ایک صاع سے صدقۂ فطر نکالا کرتے تھے، اور حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ ہمارا کھانا جَو، اور کشمش، اور پنیر، اور کھجور تھا (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

كُنَّا نُخْرِجُ زَكَاةَ الفِطْرِ صَاعًا مِّنْ طَعَامٍ، أَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيرٍ، أَوْ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِّنْ أَقِطٍ، أَوْ صَاعًا مِّنْ زَبِيبٍ (بخاری) [2]

ترجمہ: ہم زکاۃِ فطر کھانے کے ایک صاع سے یا جَو کے ایک صاع سے، یا کھجور کے ایک صاع سے، یا پنیر کے ایک صاع سے، یا کشمش کے ایک صاع سے نکالا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں ایک صاع سے مراد گیہوں کے علاوہ دوسری چیزیں ہیں، اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی روایات سے یہ معلوم ہو چکا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں گیہوں کا استعمال کم تھا۔

ورنہ گیہوں کے بارے میں آدھے صاع کا کئی احادیث وروایات میں ذکر ہے۔

بلکہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی صحیح روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تطوعا .قوله :(من سمراء الشام) ، بفتح السين المهملة وسكون الميم وبعدها راء ممدودة، وهو البر الشامي، وينطلق على كل بر .قوله :(عدله) ، بفتح العين وكسرها، قاله الكرماني، والأظهر أنه بالكسر أى :نظيره .وقال الأخفش :العدل، بالكسر المثل، وبالفتح مصدر عدلته بهذا، وقال الفراء ، بالفتح ما عادل الشيء من غير جنسه، وبالكسر :المثل .قوله :(مدين) ، تثنية مد، وهو ربع الصاع(عمدة القارى، ج۹ ص۱۱٦ ، كتاب الزكاة ،باب صاع من زبيب)

[1] حديث نمبر ۱۵۱۰ ،كتاب الزكاة، باب الصدقة على العبد، دارطوق النجاة، بيروت.

[2] حديث نمبر ۱۵۰٦ ، كتاب الزكاة، باب :صدقة الفطر صاع من طعام، دارطوق النجاة، بيروت.

علیہ وسلم کے زمانے میں گیہوں سے آدھا صاع صدقۂ فطر ادا کیا جاتا تھا، اگر چہ گیہوں کے استعمال کے کم ہونے کی وجہ سے اس کے ادا کرنے والے لوگ کم تھے۔ [1]

چنانچہ حضرت اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

كُنَّا نُؤَدِّىْ زَكَاةَ الْفِطْرِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُدَّيْنِ مِنْ قَمْحٍ، بِالْمُدِّ الَّذِىْ تَقْتَاتُوْنَ بِهٖ (مسند أحمد) [2]

---

[1] قال أبو سعيد الخدرى :كنا إذا كان فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم نخرج زكاة الفطر .. صاعا من طعام أو صاعا من أقط أو صاعا من شعير أو صاعا من تمر أو صاعا من زبيب . .رواه الجماعة "استدل المؤلف بهذا على أن الواجب فى القمح صاع لقوله فيه " :صاعا من طعام " وذلك بناء على ما حكاه الخطابى أن المراد ب "الطعام "هنا الحنطة لكن رد ذلك ابن المنذر بأن أبا سعيد أجمل الطعام ثم فسره ثم أورد حديث أبى سعيد عند البخارى بلفظ " :كنا نخرج فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الفطر صاعا من طعام قال أبو سعيد :وكان طعامنا الشعير والزبيب والأقط والتمر "قال الحافظ " :وهى ظاهرة فيما قال "وأخرجه الطحاوى نحوه وقال فيه " :ولا يخرج غيره "ثم ذكر الحافظ لحديث أبى سعيد طرقا وألفاظا أخرى ثم قال " :وهذه الطرق كلها تدل على أن المراد بالطعام فى حديث أبى سعيد غير الحنطة فيحتمل أن تكون الذرة فإنه المعروف عند أهل الحجاز الآن وهى قوت غالب لهم "

قلت :فتبين أنه لا دليل فى الحديث على ما ذكره المؤلف ثم إن صنيعه يشير إلى أنه ليس لمذهب أبى حنيفة القائل بإخراج نصف صاع من القمح دليل غير ما جاء فى حديث أبى سعيد من تعديل معاوية مدين من القمح بصاع من تمر وليس الأمر كذلك بل فيه أحاديث مرفوعة إلى النبى صلى الله عليه وسلم أصحها حديث عروة بن الزبير " :أن أسماء بنت أبى بكر كانت تخرج على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم عن أهلها -الحر منهم والمملوك -مدين من حنطة أو صاعا من تمر بالمد أو بالصاع الذى يقتاتون به "

أخرجه الطحاوى واللفظ له وابن أبى شيبة وأحمد وسنده صحيح على شرط الشيخين

وفى الباب آثار مرسلة ومسندة يقوى بعضها بعضا كما قال ابن القيم فى "الزاد "وقد ساقها فيه فليراجعها من شاء وخرجتها أنا فى "التعليقات الجياد "

فثبت من ذلك أن الواجب فى صدقة الفطر من القمح نصف صاع وهو اختيار شيخ الإسلام ابن تيمية كما فى "الاختيارات "وإليه مال ابن القيم كما سبق وهو الحق إن شاء الله تعالى(تمام المنة فى التعليق على فقه السنة للالبانى، ص ۳۸۶، ۳۸۷)

[2] حديث نمبر ۲۶۹۳۶ ،مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ، مشكل الآثار للطحاوى، جلد۴، باب بيان ماروى عن رسول الله فى مقدار صدقة الفطر.

فى حاشية مسند احمد:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زکاۃِ فطر گیہوں کے دو مُد (یعنی آدھا صاع) ادا کیا کرتے تھے، اُس مُد کے حساب سے کہ جس سے تم وزن کرتے ہو (ترجمہ ختم)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى كُلِّ صَغِيْرٍ أَوْ كَبِيْرٍ حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ مِمَّنْ يَمُوْنُوْنَ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ أَوْ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِّنْ زَبِيْبٍ عَنْ كُلِّ إِنْسَانٍ (سنن البيهقي) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حديث صحيح، وهذا إسناد حسن، عبد الله بن المبارك صحيح السماع من ابن لهيعة -وهو عبد اللّه -فقد سمع منه قبل احتراق كتبه، وبقية رجاله ثقات رجال الشيخين غير عتّاب بن زياد -وهو الخراساني -فقد روى له ابن ماجه، وهو ثقة.

وأخرجه حُميد بن زنجويه في "الأموال ٢٣٧٧ " والطحاوي في "شرح معاني الآثار ٢/٤٣ "والطبراني في "الكبير ٢٤/٣٥٢" وفي "الأوسط ٨٩٦٧"من طرق عن ابن لهيعة، بهذا الإسناد.وأخرجه الحارث -كما في "بغية الباحث ٢٩٣ "من طريق يحيى بن إسحاق، عن ابن لهيعة، عن أبي الأسود محمد بن عبد الرحمن بن نوفل، عن أسماء، به .لم يذكر فاطمة في الإسناد .وأخرجه ابن خزيمة ٢٤٠١ ، والطبراني في "الكبير ٢٤/٢١٩ "والحاكم ١/٤١٢، والبيهقي في "السنن ٤/١٧٠ "من طريق عُقيل بن خالد، والطحاوي في "شرح معاني الآثار ٢/٤٣"والطبراني ٢٤/٢١٨من طريق يحيى بن أيوب، كلاهما هشام بن عروة، عن أبيه، عن أسماء، به.

وصححه الحاكم، ووافقه الذهبي.وأخرجه حميد بن زنجويه في "الأموال ٢٣٧٨ "عن محاضر بن مورّع، عن هشام بن عروة، عن فاطمة بنت المنذر، عن أسماء، به.

ومحاضر بن مورّع له أوهام .وأخرجه ابن أبي شيبة ٣/١٧٦ عن عبد الرحيم بن سليمان، عن هشام بن عروة، عن أبيه -أو عن فاطمة، على الشك -عن أسماء، به.وسيكرر برقم ٢٦٩٩٥ سنداً ومتناً.

[1] حديث نمبر ٧٦٨٣،كتاب الزكاة، باب إخراج زكاة الفطر عن نفسه وغيره ممن تلزمه مؤنته الخ، دارالكتب العلمية، بيروت.

قال البيهقي:

وَهُوَ فِيمَا أَجَازَ لِي أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ رِوَايَتَهُ عَنْهُ عَنْ أَبِي الْوَلِيدِ، ثنا مَكِّيُّ بْنُ عَبْدَانَ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، ثنا النُّفَيْلِيُّ ,ثنا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ فَذَكَرَهُ وَهُوَ مُرْسَلٌ .وَرُوِيَ ذَلِكَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُوسَى الرِّضَا عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ آبَائِهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر ہر چھوٹے بڑے، آزاد اور غلام، جو کسی کی کفالت میں ہوں پر فرض فرمایا، جَو سے ایک صاع، کھجور سے ایک صاع، کشمش سے ایک صاع، ہر انسان کی طرف سے (ترجمہ ختم)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی کچھ مختصر لفظوں میں اسی طرح کا مضمون مروی ہے۔ [1]

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَلَى الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ، وَالْحُرِّ وَالْعَبْدِ، وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى، نِصْفَ صَاعٍ مِّنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيْرٍ (سنن نسائی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر فرض فرمایا چھوٹے پر اور بڑے پر، اور آزاد پر اور غلام پر، مرد پر اور عورت پر آدھا صاع گندم کا یا ایک صاع کھجور یا جَو کا (ترجمہ ختم)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی کچھ مختصر انداز میں اسی طرح کی روایت مروی ہے۔ [3]

اور حضرت عبداللہ بن ثعلبہ سے روایت ہے کہ:

خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ قَبْلَ الْفِطْرِ بِيَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ فَقَالَ: أَدُّوْا صَاعًا مِّنْ بُرٍّ، أَوْ قَمْحٍ بَيْنَ اثْنَيْنِ، أَوْ صَاعًا مِّنْ

---

[1] عَنْ عَلِيٍّ؛ فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعٌ مِنْ شَعِيرٍ، أَوْ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ (مصنف ابن أبی شیبة، حدیث نمبر ۱۰۴۵۱، فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعٍ بُرٍّ، واللفظ لهٗ، سنن دارقطنی، حدیث نمبر ۲۱۲۷)

[2] حدیث نمبر ۱۵۸۰، کتاب صلاة العیدین، باب حث الإمام علی الصدقة فی الخطبة، مکتب المطبوعات الإسلامیة، حلب، واللفظ لهٗ، مصنف ابنِ ابی شیبة، حدیث نمبر ۱۰۴۳۵.

[3] عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: الصَّدَقَةُ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ، أَوْ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ طَعَامٍ. (مصنف ابن أبی شیبة، حدیث نمبر ۱۰۴۵۴، فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعٍ بُرٍّ)

تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ عَلٰى كُلِّ أَحَدٍ صَغِيْرٍ أَوْ كَبِيْرٍ (مصنف عبدالرزاق) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو عید الفطر سے ایک یا دو دن پہلے خطبہ دیا، اور فرمایا کہ تم گندم کا ایک صاع دو افراد کی طرف سے (یعنی ایک کی طرف سے آدھا صاع) یا کھجور کا ایک صاع، یا جَو کا ایک صاع ہر ایک چھوٹے بڑے (فرد) کی طرف سے ادا کرو (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ قَبْلَ الْعِيْدِ بِيَوْمٍ أَوِ اثْنَيْنِ فَقَالَ: إِنَّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ مُدَّانِ مِنْ بُرٍّ عَنْ كُلِّ إِنْسَانٍ أَوْ صَاعٌ مِّمَّا سِوَاهُ مِنَ الطَّعَامِ (سنن دارقطنی) [۲]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید سے ایک دن یا دو دن پہلے خطبہ دیا، اور فرمایا کہ صدقۂ فطر گیہوں کے دو مُد (یعنی آدھا صاع) ہر انسان کی طرف سے، یا اس کے علاوہ دوسرے کھانے سے ایک صاع ہے (ترجمہ ختم)

اس حدیث کی سند کو بعض محدثین نے ضعیف اور بعض نے صحیح قرار دیا ہے۔ [۳]

---

[۱] حدیث نمبر ۵۷۸۵، کتاب صلاة العیدین، باب زکاة الفطر، المکتب الإسلامی - بیروت، واللفظ لهٗ، مسند احمد حدیث نمبر ۲۳۶۶۳.

[۲] حدیث نمبر ۲۱۱۱، کتاب زکاة الفطر، مؤسسة الرسالة، بیروت.

[۳] فی حاشیة مسند احمد:

وهذا الإسناد ضعیف، فإن ابن جریج -واسمه عبد الملک بن عبد العزیز- مدلِّس ولم یصرِّح بسماعه من الزهری، وقد اختُلف فیه علی الزهری کما سیأتی.

وهو فی "مصنف "عبد الرزاق ۵۷۸۵، ومن طریقه أخرجه البخاری فی "تاریخه ۶/۳۶" وأبو داود ۱۶۲۱، والدارقطنی فی "سننه ۲/۱۵۰"

وأخرجه بنحوه الدارقطنی ۲/۱۴۸، ۱۴۹ من طریق علی بن صالح، عن یحیی ابن جُرجَة، عن الزهری، به وإسناده ضعیف، علی بن صالح ویحیی بن جرجة لیسا بذاک.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن اس کی تائید دیگر کئی احادیث وروایات اور آثار سے ہوتی ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قوله" :بين اثنين "هو بمعنى الرواية التالية" :عن كل اثنين "أى :يُخرج عن كل واحدٍ نصف صاع، وهو مُدَّان.

وقال العينى:

قال ابن الجوزى :وعلى بن صالح ضعفوه .قال صاحب "التنقيح :"هذا خطأ منه، ولا نعلم أحدا ضعفه، لكنه غير مشهور الحال، وقال ابن أبى حاتم :سألت أبى عنه؟ فقال: مجهول، لا أعرفه، وذكر غير أبى حاتم أنه مكى معروف، وهو أحد العباد، وكنيته :أبو الحسن .وروى عن :عمرو بن دينار، وعبد الله بن عثمان بن خُثيم، ويحيى بن جُرجَة، والأوزاعى، وعبيد الله بن عمر، وجماعة .وروى عنه :سعيد بن سالم القداح، ومعتمر بن سليمان، وسفيان الثورى .وروى له :الترمذى فى "جامعه"، وذكره ابن حبان فى كتاب "الثقات"، وقال :يعرف، وتوفى سنة إحدى وخمسة ومائة، ورواه البيهقى كذلك عن المعتمر بن سليمان، عن على بن صالح به، قال :ورواه سالم بن نوح، عن ابن جريج، عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده مرفوعاً ثم قال :قال الترمذى سألت محمد بن إسماعيل عن هذا الحديث؟ فقال ة ابن جريج لم يسمع من عمرو بن شعيب . انتهى كلامه(شرح سنن أبى داود، لبدر الدين العينى ، ج٦ص٣٤٨، ٣٤٩، كتاب الزكاة، باب من روى نصف صاع من قمح)

۱؎ قال الالبانى:

أدوا صاعا من بر أو قمح بين اثنين أو صاعا من تمر أو صاعا من شعير عن كل حر وعبد و صغير و كبير . "

أخرجه الدارقطنى (٢٢٣ ص ٢٢٤)و أحمد/٢/٤٣٢عن الزهرى عن عبد الله بن ثعلبة بن صعير -أو عن ثعلبة -عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :فذكره .قلت : و هذا إسناد رجاله ثقات إلا أنهم اختلفوا فى صحبة عبد الله بن ثعلبة لكنه قال فى هذه الرواية و غيرها " :عن أبيه . "فهو مسند ، و قد أخرجه الضياء المقدسى فى " الأحاديث المختارة "كما فى "زوائد الجامع الصغير "(ق٩/٢) و للحديث شواهد كثيرة خرجت طائفة منها فى "التعليقات الجياد (السلسلة الصحيحة، تحت حديث رقم١١٧٧)

وقال ايضاً:

"أدوا صاعا من طعام . "

أخرجه البيهقى(٤/١٦٧)و أبو نعيم فى "الحلية "(٣/١٠٢ ص٦/٢٦٢)من طريق عبد الله بن الجراح حدثنا حماد بن زيد عن أيوب عن أبى رجاء العطاردى عن ابن عباس قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال " :غريب من حديث حماد و أيوب و لا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت اعرج سے روایت ہے کہ:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، فِي زَكَاةِ الْفِطْرِ: عَلٰى كُلِّ حُرٍّ وَّعَبْدٍ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى، صَغِيْرٍ أَوْ كَبِيْرٍ، فَقِيْرٍ أَوْ غَنِيٍّ، صَاعٌ مِّنْ تَمْرٍ، أَوْ نِصْفُ صَاعٍ مِّنْ قَمْحٍ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے زکاۃِ فطر کے بارے میں فرمایا کہ ہر آزاد اور غلام، اور مرد، عورت، اور چھوٹے، بڑے، اور فقیر اور غنی پر ہے، کھجور کا ایک صاع، یا گندم کا آدھا صاع (ترجمہ ختم)

اس کے علاوہ کئی دیگر احادیث میں دوسری چیزوں سے پورا صاع اور گندم سے آدھا صاع یا دو مُد (جو کہ آدھے صاع کے برابر ہوتا ہے) صدقۂ فطر ادا کرنے کا ذکر ہے۔

اور ان میں سے بعض احادیث اگرچہ سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں، مگر سب آپس میں مل کر قبولیت بلکہ صحت کے درجے کو پہنچ جاتی ہیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أعلم له راويا إلا عبد الله بن الجراح . "قلت :و هو صدوق كما قال أبو زرعة ، و قال النسائى " :ثقة . "و ذكره ابن حبان فى "الثقات "و قال " :مستقيم الحديث . "و أما أبو حاتم فقال " :كان كثير الخطأ و محله الصدق . "قلت :فهو حسن الحديث إن شاء الله تعالى .(تنبيه) و المراد بالطعام هنا ما سوى القمح فإنه يجزىء فيه نصف الصاع لحديث عبد الله بن ثعلبة بن أبى صعير المتقدم ١١٧٧ بلفظ " :أدوا صاعا من بر أوقمح بين اثنين . " ...و يشهد له عدة أحاديث (السلسلة الصحيحة للالبانى، تحت حديث رقم ١١٧٩)

[1] حديث نمبر ٧٧٢٤، مؤسسة الرسالة، بيروت.

فى حاشية مسند احمد: رجاله ثقات رجال الشيخين، وهو موقوف.

[2] عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُنَادِيًا فِي فِجَاجِ مَكَّةَ :أَلَا إِنَّ صَدَقَةَ الفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى، حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ، صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ، مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ، أَوْ سِوَاهُ صَاعٌ مِنْ طَعَامٍ (ترمذى، حديث نمبر ٦٧٤، سنن الدارقطنى، حديث نمبر ٢٠٨٣)

قال الترمذى :هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَرَوَى عُمَرُ بْنُ هَارُونَ هَذَا الحَدِيثَ، عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ، وَقَالَ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور کئی جلیل القدر صحابۂ کرام سے بھی صدقۂ فطر دوسری چیزوں سے پورا صاع اور گندم سے آدھا صاع ہونے کی روایات ہیں۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ مِينَاءَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ بَعْضَ هَذَا الْحَدِيثِ، حَدَّثَنَا جَارُودُ قَالَ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ هَارُونَ هَذَا الْحَدِيثَ(ترمذی، حواله بالا)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :صَدَقَةُ الْفِطْرِ عَلَى كُلِّ إِنْسَانٍ مُدَّانِ مِنْ دَقِيقٍ أَوْ قَمْحٍ، وَمِنَ الشَّعِيرِ صَاعٌ، وَمِنَ الْحَلْوَاءِ، زَبِيبٍ أَوْ تَمْرٍ، صَاعٌ صَاعٌ(المعجم الأوسط للطبرانی ، حديث نمبر ۴۶۶۲)

قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط، وفيه الليث بن حماد، وهو ضعيف(مجمع الزوائد،باب صدقة الفطر)

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، يَرْفَعُهُ ؛ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ صَدَقَةِ الْفِطْرِ ؟ فَقَالَ :عَنِ الصَّغِيرِ ، وَالْكَبِيرِ ، وَالْحُرِّ ، وَالْمَمْلُوكِ ، نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ ، أَوْ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ ، أَوْ شَعِيرٍ(مُصنف ابن أبی شيبة،حديث نمبر ۱۰۴۳۸ ،فِی صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعٍ بُرٍّ)

۱؎ عَنْ أَبِی قِلَابَةَ ,قَالَ :أَنْبَأَنِی مَنْ أَدَّى إِلَى أَبِی بَكْرٍ الصِّدِّيقِ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ (سنن دارقطنی، حديث نمبر ۲۱۲۸، واللفظ لهٗ، مصنف ابن ابی شيبة، حديث نمبر ۱۰۴۳۷)

عَنْ عَاصِمٍ ,عَنْ أَبِی قِلَابَةَ ,قَالَ :أَنْبَأَنِی رَجُلٌ ,أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ أُدِّىَ إِلَيْهِ صَاعٌ مِنْ بُرٍّ بَيْنَ رَجُلَيْنِ(سنن دارقطنی،حديث نمبر ۲۱۲۹)

عَنْ أَبِی قِلَابَةَ ، عَنْ عُثْمَانَ ، قَالَ :صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ ، أَوْ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ(مُصنف ابن أبی شيبة،حديث نمبر ۱۰۴۳۶ ،فِی صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعٍ بُرٍّ)

عَنْ عَلْقَمَةَ وَالأَسْوَدِ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ، قَالَ :مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ ، أَوْ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ ، أَوْ شَعِيرٍ(مُصنف ابن أبی شيبة،حديث نمبر ۱۰۴۴۳ ،فِی صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعٍ بُرٍّ)

عَنْ أَبِی الزُّبَيْرِ ، عَنْ جَابِرٍ ؛ مِثْلَهُ(مُصنف ابن أبی شيبة،حديث نمبر ۱۰۴۴۴ ،فِی صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعٍ بُرٍّ)

عَنْ عَمْرٍو ؛ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ الزُّبَيْرِ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ ، يَقُولُ :مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ ، أَوْ صَاعٌ مِنْ شَعِيرٍ ، أَوْ تَمْرٍ(مُصنف ابن أبی شيبة،حديث نمبر ۱۰۴۴۸ ،فِی صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعٍ بُرٍّ)

حَدَّثَنِی أَبُو حَبِيبٍ ، قَالَ :سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ شَدَّادٍ عَنْ صَدَقَةِ الْفِطْرِ ؟ فَقَالَ :نِصْفُ صَاعٍ مِنْ حِنْطَةٍ ، أَوْ دَقِيقٍ(مُصنف ابن أبی شيبة،حديث نمبر ۱۰۴۵۰ ،فِی صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعٍ بُرٍّ)

عَنْ أَسْمَاءَ ؛ أَنَّهَا كَانَتْ تُعْطِی زَكَاةَ الْفِطْرِ عَمَّنْ تَمُونُ مِنْ أَهْلِهَا الشَّاهِدِ ، وَالْغَائِبِ ، نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ ، أَوْ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ ، أَوْ شَعِيرٍ(مُصنف ابن أبی شيبة،حديث نمبر ۱۰۴۵۰ ،فِی صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعٍ بُرٍّ)

اور صحابۂ کرام کے علاوہ کئی جلیل القدر تابعین سے بھی صدقۂ فطر دوسری چیزوں سے پورا صاع اور گندم سے آدھا صاع ہونے کی روایات ہیں۔ ۱؎

ملحوظ رہے کہ گندم کے ذریعہ سے آدھا صاع کی مقدار میں صدقۂ فطر کی ادائیگی بعض فقہاء کے نزدیک جائز ہے، جن میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی داخل ہیں۔

جبکہ دیگر اکثر فقہاء کے نزدیک صدقۂ فطر کی ادائیگی گندم کے ذریعہ سے بھی پورا ایک صاع ہے۔ ۲؎

۱؎ عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، قَالَ :صَدَقَةُ الْفِطْرِ عَنِ الصَّغِيرِ ، وَالْكَبِيرِ ، وَالْحُرِّ ، وَالْعَبْدِ ، عَنْ كُلِّ إِنْسَانٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۱۰۴۳۹ ،فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعٍ بُرٌّ)

عَنْ مُجَاهِدٍ ، قَالَ :عَنْ كُلِّ إِنْسَانٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ ، وَمَنْ خَالَفَ الْقَمْحَ ، مِنْ تَمْرٍ ، أَوْ زَبِيبٍ ، أَوْ أَقِطٍ ، أَوْ شَعِيرٍ ، أَوْ غَيْرِهِ ، فَصَاعٌ تَامٌّ(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۱۰۴۴۰ ،فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعٍ بُرٌّ)

عَنِ الشَّعْبِيِّ ؛ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ :صَدَقَةُ الْفِطْرِ عَمَّنْ صَامَ مِنَ الأَحْرَارِ ، وَعَنِ الرَّقِيقِ مَنْ صَامَ مِنْهُمْ ، وَمَنْ لَمْ يَصُمْ ، نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ ، أَوْ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ ، أَوْ شَعِيرٍ(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۱۰۴۴۱ ،فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعٍ بُرٌّ)

عَنِ ابْنِ طَاوُوس ، عَنْ أَبِيهِ ، قَالَ :نِصْفُ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ ، أَوْ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۱۰۴۴۵ ،فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعٍ بُرٌّ)

عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ، عَنْ عَطَاءٍ ، قَالَ :مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ ، أَوْ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ ، أَوْ شَعِيرٍ(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۱۰۴۴۷ ،فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعٍ بُرٌّ)

عَنْ عَوْفٍ ، قَالَ :سَمِعْتُ كِتَابَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى عَدِيٍّ يُقْرَأُ بِالْبَصْرَةِ فِي صَدَقَةِ رَمَضَانَ :عَلَى كُلِّ صَغِيرٍ ، أَوْ كَبِيرٍ ، حُرٍّ ، أَوْ عَبْدٍ ، ذَكَرٍ ، أَوْ أُنْثَى ، نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ ، أَوْ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ.(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۱۰۴۵۳ ،فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ ، مَنْ قَالَ نِصْفُ صَاعٍ بُرٌّ)

۲؎ وقد ذهب الجمهور منهم أحمد والشافعي إلى أنها صاع من البر وغيره وذهب بعض الصحابة إلى أن الفطرة من البر نصف صاع وقد حكاه ابن المنذر عن علي وعثمان وأبي هريرة وجابر وابن عباس وابن الزبير وأمه أسماء بنت أبي بكر رضى الله تعالى عنهم بأسانيد صحيحة كما قال الحافظ وإليه ذهب زيد بن علي والإمام يحيى وأبو حنيفة حكى ذلك صاحب البحر وقد تمسكوا بحديث ابن عباس مرفوعا (صدقة الفطر مدان من قمح) أخرجه الحاكم وأخرج نحوه الترمذي من حديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده مرفوعا وفي الباب أحاديث تعضد ذلك(الدراري المضية شرح الدرر البهية للشوكاني، ج۲ص۱۶۸ ،كتاب الزكاة،باب صدقة الفطر)

اوراس میں شک نہیں کہ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے، تو وہ گندم کے ذریعہ سے بھی پورا ایک صاع ادا کرے، تو زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

چنانچہ حضرت اسود سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ:

أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ إِذَا وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَى النَّاسِ ، أَنْ يُتِمُّوا صَاعًا مِّنْ قَمْحٍ عَنْ كُلِّ إِنْسَانٍ (مُصنف ابن أبی شیبة) [1]

ترجمہ: مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو وسعت عطا فرمائی ہو، تو وہ ہر انسان کی طرف سے گندم کا پورا ایک صاع ادا کریں (ترجمہ ختم)

تاہم گندم کے ذریعہ سے آدھا صاع ادا کرنے کی صورت میں بھی فقہ حنفی کے مطابق اس کا صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا۔

پھر یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ اگر کوئی مذکورہ چار چیزوں میں سے بعینہٖ کوئی چیز دینے کے بجائے اُن میں سے کسی چیز کی قیمت نکال کر نقدی کی شکل میں روپیہ پیسہ دینا چاہے، تو یہ بھی جائز ہے۔

چنانچہ حضرت وکیع حضرت قرۃ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:

جَاءَ نَا كِتَابُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ فِيْ صَدَقَةِ الْفِطْرِ نِصْفُ صَاعٍ عَنْ كُلِّ اِنْسَانٍ اَوْ قِيْمَتُهٗ نِصْفُ دِرْهَمٍ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [2]

ترجمہ: ہمارے پاس حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی تحریر صدقۂ فطر کے بارے میں پہنچی کہ ہر انسان کی طرف سے آدھا صاع (گندم) ہے یا اس کی قیمت ہے جو کہ آدھا درہم ہے (ترجمہ ختم)

اُس وقت آدھے صاع گندم کی قیمت آدھا درہم تھی، اس لیے اُس دور کے اعتبار سے آدھا درہم بتلائی گئی، ورنہ جس زمانے میں بھی کوئی قیمت اور نقدی کی شکل میں ادا کرنا چاہتا ہے،

---

[1] حدیث نمبر ۱۰۴۵۸، کتاب الزکاة ، باب من قال صدقة الفطر صاع من شعیر او تمر او قمح.

[2] حدیث نمبر ۱۰۴۷۰ ، کتاب الزکاة، باب فی إعطاء الدرهم فی زکاة الفطر.

اُس وقت کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔

اور حضرت ہشام، حضرت حسن سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:

لَابَأْسَ اَنْ تُعْطِیَ الدَّرَاھِمَ فِیْ صَدَقَةِ الْفِطْرِ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

ترجمہ: اس میں کوئی حرج نہیں کہ آپ صدقۂ فطر میں دراہم (یعنی قیمت نقدی کی شکل میں) ادا کریں (ترجمہ ختم)

اور ابواُسامہ، حضرت زہیر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابواسحاق (تابعی) سے سُنا جو یہ فرمارہے تھے کہ:

اَدْرَکْتُھُمْ وَھُمْ یُعْطُوْنَ فِیْ صَدَقَةِ رَمَضَانَ الدَّرَاھِمَ بِقِیْمَةِ الطَّعَامِ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [2]

ترجمہ: میں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس حال میں پایا کہ وہ رمضان کا صدقۂ فطر دراہم سے (نقدی کی شکل میں) کھانے (یعنی کھجور، کشمش، جَو وغیرہ) کی قیمت کے حساب سے ادا فرمایا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ صدقۂ فطر میں کھجور، کشمش، جَو اور گندم کی مخصوص مقدار ادا کرنے کے بجائے ان کی مقدار کی قیمت نکال کر نقدی کی صورت میں رقم دینا بھی جائز ہے۔

اس قسم کی احادیث وروایات کی روشنی میں فقہائے احناف نے جو مسائل اخذ کئے ہیں، اب ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ:...... صدقۂ فطر وزن کے اعتبار سے چار قسم کی چیزوں میں سے کسی ایک چیز سے ادا کرنا جائز ہے، اور وہ چار چیزیں یہ ہیں:

(۱)......ایک صاع کشمش (۲)......ایک صاع کھجور (یا چھوارا)

(۳)......ایک صاع جَو (۴)......آدھا صاع گندم (یا گیہوں)

---

[1] حدیث نمبر ۱۰۴۷۱، کتاب الزکاة، باب فی إعطاء الدرھم فی زکاة الفطر.

[2] حدیث نمبر ۱۰۴۷۲، کتاب الزکاة، باب فی إعطاء الدرھم فی زکاة الفطر.

جہاں تک بعض احادیث میں ایک صاع پنیر کا ذکر ہے، تو بعض فقہاء ایک صاع پنیر کے ذریعہ سے بھی صدقۂ فطر ادا ہونے کے قائل ہیں۔

لیکن فقہائے احناف نے فرمایا کہ اکثر احادیث میں پنیر کا ذکر نہیں ہے، اس لئے پنیر سے ادائیگی قیمت کی صورت میں کرنی چاہئے، یعنی اگر کوئی پنیر سے صدقۂ فطر ادا کرنا چاہے، تو اسے ایک صاع کشمش یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو، یا آدھے صاع گندم کی قیمت کے برابر ادا کرنا چاہئے، خواہ ان میں سے کسی چیز کی قیمت کے اعتبار سے پنیر ایک صاع وزن کے برابر ہو، یا اس سے کم وبیش۔ [1]

اور راجح یہ ہے کہ کشمش کے ذریعہ سے بھی صدقۂ فطر کی مقدار ایک صاع ہے (جیسا کہ کئی احادیث میں اس کا ذکر ہے) نہ کہ آدھا صاع، جیسا کہ بعض نے سمجھا ہے۔ [2]

---

[1] الوجه الثالث :فی قوله :(أو صاعا من أقط) قال النووی :اختلفوا فی الأقط، قیل :لا یجزیه لأنه لا یجب فیه العشر، وقال الماوردی :الخلاف فیه فی أهل البادیة أما أهل الحضر فلا یجزیهم قولا واحدا .وقال شیخنا زین الدین، رحمه الله تعالى :وقد اختالف فی قول الشافعی فی الأقط، وقال الشیخ تقی الدین فی (شرح العمدة) : قد صح الحدیث به .وهو یرد قول الشافعی، وقال النووی فی (شرح مسلم) : ویجزی الأقط علی المذهب وعندنا :تجوز صدقة الفطر بالأقط، وفی (التحفة) :فی الأقط تعتبر القیمة .وقال مالک :تجب صدقة الفطر من تسعة أشیاء ، وهی :القمح والشعیر والسلت والذرة والدخن والأرز والتمر والزبیب والأقط، وزاد ابن حبیب :العلس، فصارت عشرة. (عمدة القاری، ج۹ص۱۱۵، کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر صاعا من طعام)

أو صاعا من أقط وبه أخذ مالک -رحمه الله تعالى -وقال الأقط :کان قوتا لأهل البادیة فی ذلک الوقت کما أن الشعیر والتمر کانا قوتا فی أهل البلاد وأصحابنا قالوا :الحدیث شاذ لم ینقل فی الآثار المشهورة وبمثله لا یجوز إثبات التقدیر فیما تعم به البلوى فیبقى الاعتبار بالقیمة فإن کانت قیمته قیمة نصف صاع من بر أو صاع من شعیر جاز وإلا فلا والحاصل أن فیما هو منصوص لا تعتبر القیمة حتى لو أدى نصف صاع من تمر تبلغ قیمته قیمة نصف صاع من بر لا یجوز؛ لأن فی اعتبار القیمة هنا إبطال التقدیر المنصوص فی المؤدی، وذلک لا یجوز فأما ما لیس بمنصوص علیه فإنه ملحق بالمنصوص باعتبار القیمة إذ لیس فیه إبطال التقدیر المنصوص وسویق الحنطة کدقیقها؛ لأن التقدیر منه نصف صاع لما بینا فی الدقیق، والله تعالى أعلم بالصواب (المبسوط للسرخسی، ج۳ص۱۱۴، کتاب الصوم، باب صدقة الفطر)

[2] اور کتبِ فقہ میں جو ایک روایت کشمش سے آدھا صاع کی ہے، وہ دلائل کے لحاظ سے کمزور ہے، اور کشمش سے ایک صاع ہونے کی روایت راجح اور مفتیٰ بہ ہے، کیونکہ احادیث میں صراحتاً کشمش کے ایک صاع ہونے کا ذکر ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ: ...... مُد اور صاع عرب میں اُس زمانے میں ناپنے کے پیمانے تھے، ایک صاع چار مُد کا ہوتا تھا تو دو مُد آدھے صاع کے برابر ہوئے۔ [۱]

اور صاع کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، کہ وہ کتنے وزن کا ہوتا ہے؟

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک صاع، آٹھ عراقی رِطلوں کے برابر ہوتا ہے۔

جبکہ امام ابو یوسف اور دیگر فقہائے کرام علیہم الرحمہ کے نزدیک ایک صاع، پانچ رِطلوں اور تہائی رطل کا ہوتا ہے۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وإنما تجب صدقة الفطر من أربعة أشياء من الحنطة والشعير والتمر والزبيب كذا في خزانة المفتين وشرح الطحاوي وهي نصف صاع من بر أو صاع من شعير أو تمر ودقيق الحنطة والشعير وسويقهما مثلهما (الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۱۹۱، كتاب الزكاة وفيه ثمانية أبواب، الباب الثامن في صدقة الفطر)

قال :(وهي نصف صاع من بر أو دقيقه ، أو صاع من شعير أو دقيقه ، أو تمر أوزبيب) أما البر والشعير والتمر فلما روينا ، وأما الدقيق فلأنه مثل الحب بل أجود ، وكذا سويقهما ؛ وأما الزبيب فقد روى في حديث أبي سعيد الخدري 'أو صاعا من زبيب .' وعن أبي حنيفة في الزبيب نصف صاع ، لأنه لا يؤكل بعجمه فأشبه الحنطة (الاختيار لتعليل المختار، ج ۱ ص ۱۲۳، ۱۲۴، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

وجعله الزبيب كالبر رواية الجامع الصغير وجعلاه كالتمر، وهو رواية عن أبي حنيفة وصححها أبو اليسر ورجحها المحقق في فتح القدير من جهة الدليل(البحر الرائق، ج ۲ ص ۲۷۳، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

(ومِنْ زَبِيبٍ نِصْفُ صَاعٍ) وقال أَبو يوسف ومحمد :صاع، وهو روايةٌ عن أَبي حنيفة وعليه الفتوى، لأَن الزبيب يقارب التَّمر من حيثُ المقصودُ وهو التَّفَكُّه، ولما ورد في الصحيحين من حديث أَبي سعيدٍ الخُدْرِيّ :أَو صاعاً من زبيب(شرح النقاية،فصلٌ صَدَقَةُ الفِطْرِ)

(قوله :أو زبيب) جعل الزبيب كالبر وهو رواية الجامع الصغير وروى الحسن عن أبي حنيفة أن الزبيب كالشعير وصححها أبو اليسر قاله الكمال وقال في البرهان الزبيب كالتمر في رواية عن الإمام وبه قالا وعليه الفتوى .اهـ .(حاشية الشرنبلالي على درر الحكام شرح غرر الأحكام، ج ۱ ص ۱۹۴، كتاب الزكاة ،باب الفطرة)

[۱] قلت :وأَجْمَعُوا على أَنَّ الصَّاعَ أَرْبَعَةُ أَمداد (شرح النقاية،فصلٌ صَدَقَةُ الفِطْرِ)

[۲] البتہ بعض حضرات نے اس اختلاف کی بناء بغدادی اور مدنی رِطلوں میں فرق ہونے کو قرار دیا ہے، اور اس کو لفظی اختلاف بتلایا ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ محمد رضوان۔

الحكم الثاني :أنه صلى الله عليه وسلم كان يتوضأ بالمد، وهو رطلان عند أبي حنيفة .وعند

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہمارے مروّجہ وزن کے لحاظ سے آدھا صاع اکثر علماء کی تحقیق کے مطابق پونے دوسیر (یعنی ایک کلو چھ سو تینتیس گرام) اور بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق سوا دوسیر (یعنی دو کلو سو گرام)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الشافعی :رطل وثلث بالعراقی، وقد ذکرناه، وأما الصاع :فعند أبی یوسف خمسة أرطال وثلث رطل عراقیة، وبه قال مالک والشافعی وأحمد .وقال ابو حنیفة ومحمد :الصاع ثمانیة أرطال، وحجة أبی یوسف ما رواه الطحاوی عنه، قال :قدمت المدینة، وأخرج إلی من أثق به صاعا، وقال: هذا صاع النبی صلی الله علیه وسلم، فوجدته خمسة أرطال وثلث، وقال الطحاوی :وسمعت ابن عمران یقول :الذی أخرجه لأبی یوسف هو مالک .وقال عثمان بن سعید الدارمی :سمعت علی بن المدینی یقول :عبرت صاع النبی صلی الله علیه وسلم فوجدته خمسة أرطال وثلث رطل، واحتج أبو حنیفة ومحمد بحدیث جابر وأنس، رضی الله عنهما، وقد ذکرناه فی أول الباب(عمدة القاری، ج۳ص ۹۶، کتاب الوضوء ،باب الوضوء بالمد)

مطلب فی تحریر الصاع والمد والرطل(قوله :وهو ثمانیة أرطال) أی بالبغدادی، وهی صاع عراقی، وهو أربعة أمداد، کل مد رطلان، وبه أخذ أبو حنیفة .والصاع الحجازی خمسة أرطال وثلث، وبه أخذ الصاحبان والأئمة الثلاثة، فالمد حینئذ رطل وثلث، والرطل مائة وثلاثون درهما وقیل مائة وثمانیة وعشرون درهما وأربعة أسباع درهم وتمامه فی الحلیة .قلت :والصاع العراقی نحو نصف مد دمشقی، فإذا توضأ واغتسل به فقد حصل السنة(ردالمحتار، ج ا ص۱۵۸، کتاب الطهارة، سنن الغسل، مطلب فی تحریر الصاع)

مطلب فی تحریر الصاع والمد والمن والرطل(قوله وهو أی الصاع إلخ) اعلم أن الصاع أربعة أمداد والمد رطلان والرطل نصف من والمن بالدراهم مائتان وستون درهما وبالإستار أربعون والإستار بکسر الهمزة بالدراهم ستة ونصف بالمثاقیل قیل أربعة ونصف کذا فی شرح درر البحار فالمد والمن سواء کل منهما ربع صاع مائة وثلاثون درهما، وفی الزیلعی والفتح :اختلف فی الصاع فقال الطرفان ثمانیة أرطال بالعراقی وقال الثانی خمسة أرطال وثلث، قیل لا خلاف؛ لأن الثانی قدره برطل المدینة؛ لأنه ثلاثون إستارا والعراقی عشرون وإذا قابلت ثمانیة بالعراقی بخمسة وثلث بالمدینی وجدتهما سواء وهذا هو الأشبه؛ لأن محمدا لم یذکر خلاف أبی یوسف ولو کان لذکره؛ لأنه أعرف بمذهبه اهـ وتمامه فی الفتح(ردالمحتار، ج۲ص ۳۶۵، کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر)

وقال أبو یوسف :خمسة أرطال وثلث، وبه قال الأئمة الثلاثة، ومنهم من رفع الخلاف بینهم فإن أبا یوسف لما حرره وجده خمسة وثلثا برطل أهل المدینة، وهو أکبر من رطل أهل بغداد؛ لأنه ثلاثون إستارا، والبغدادی عشرون وإذا قابلت ثمانیة بالبغدادی بخمسة وثلث بالمدنی وجدتها سواء .
وهو الأشبه؛ لأن محمدا لم یذکر فی المسألة خلاف أبی یوسف ولو کان لذکره علی المعتاد، وهو أعرف بمذهبه، ورده فی الینابیع بأن الصحیح أن الاختلاف بینهم ثابت بالحقیقة(البحر الرائق، ج۲ص ۲۷۴، کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کے وزن کے برابر ہوتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ثُمَّ الصَّاعُ ثَمانِيةُ أَرطالٍ عراقيةٍ عند أَبي حنيفةَ ومحمد .وعن أَحمد ما يَدُلُّ عليه، وهو اختيار بعضِ الصحابة .وقَدَّره أَبو يُوسفَ بخمسةٍ وثُلُثٍ، كما قال مالك والشافعيُّ، لما روى البيهقيُّ عن الحسن بن الوليد القُرَشِي۔ وهو ثِقَةٌ۔ قال :قَدِمَ علينا أَبو يوسف من الحَجِّ فقال :إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَفتح عليكم باباً من العلم أَهَمَّنِي، ففحصت عنه، فَقَدِمْتُ المدينة، فسأَلْتُ عن الصَّاعِ فقالوا :صاعُنَا هذا صاعُ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم قلت لهم :ما حُجَّتُكُم في ذلك؟ فقالوا :نأْتيك بالحجة غداً، فَلَمَّا أَصبحتُ أَتاني نَحْوٌ مِنْ خمسينَ شَيْخاً مِن أَبناء المهاجرين والأَنصار، مع كُلِّ رَجُلٍ منهم الصَّاع تحت رِدَائِه، كُلُّ رجلٍ منهم يُخْبِر عن أَبيه وأَهل بيته أَنَّ هذا صاعُ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم فَنَظَرْتُ فإِذا هي سواءٌ، قال :فعيَّرتُه فإِذا هي خَمْسَةُ أَرطالٍ وثُلُثٌ بنقصان يسيرٍ .قال فرأَيْتُ أَمْراً قوياً فتركتُ قولَ أَبي حنيفةَ في الصَّاعِ فأَخَذْتُ بِقَوْلِ أَهْلِ المدينة، هذا هو المشهور عنه.

ورُوِي أَنَّ مَالِكاً ناظره، واحْتَجَّ عليه بالصِّيعَانِ التي جاءَ بها أُولئك الرَّهْطُ، فرجع أَبو يوسف إِلى قوله .وأَخْرَجَ الطَّحاوي عن أَبي يوسف أَنَّه قال :قَدِمت المدينةَ فأَخْرَج إِلَيَّ مَنْ أَثِقُ به صاعاً وقال : هذا صاعُ النبيِّ صلى الله عليه وسلم فَوَجَدْتُه خَمْسَةَ أَرطالٍ وثُلُث رِطَل .قال الطحاوي :وسمعت عن ابن أَبي عِمْرَان يقول :يقال :إِنَّ الذي أَخرجه إِلى أَبي يوسف هو مالك، وسمعت أَبا حازم يذكر عن مالك أَنه قال :هو تَحَرِّي عبد الملك لِصَاعِ عمر.

ولأَبي حنيفة ومحمد ما رَوَى النَّسائي عن موسى الجُهَنِي قال :أُتِيَ مجاهدٌ بِقَدَحٍ حَزَرْتُه ثمانيةَ أَرطال۔ أَي خَمَّنْتُهُ وقَدَّرْتُه۔ فقال :حَدَّثَتْنِي عائشة أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم كان يَغْتَسِل بِمِثْلِ هذا .وما روى أَحمد وأَبو داود عن أَنَسٍ قال :كان النبيُّ صلى الله عليه وسلم يتوضأ بماءٍ يكونُ رطلين، ويغتسل بالصاع، يعني مع الوضوء في ضِمْنِهِ .وما روى الدَّارَقُطْنِيّ في سُننه عن أَنس وعائشة :أَنَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يتوضأُ بالمُدّ برطلين، ويغتسل بالصَّاعِ ثمانية أَرطال.

قلت :وأَجْمَعُوا على أَنَّ الصَّاعَ أَرْبَعَةُ أَمداد .وما روى ابن أَبي شيبةَ عن يَحْيَى بن آدم قال :سمعت حسن بن صالح يقول :صَاعُ عمر ثمانيةُ أَرطال .قال شَرِيك :أَكثر مِن سبعةِ أَرطال، وأَقل من ثمانية.

وقيل :أَبو يوسف وَجَدَ الصَّاعَ خَمْسَةَ أَرطال وثُلُثاً برَطْل المدينة، وأَبو حنيفة يقول :الصاعُ ثمانيةُ أَرطال بالبَغْدادي :وهي تَعْدِل خَمْسةَ أَرطال وثُلُثاً بالمدني، لأَن الرَّطل المدني ثلاثون إِستاراً، والبغدادي عشرونَ إِستاراً، والإِستار۔ بكسر الهمزة۔ :ستةُ دراهمَ ونِصْف، (وقيل:) وهو الأَشبه، لأَن محمداً لم يذكر في المسأَلة خلاف أَبي يوسف، ولو كان لَذَكَرَهُ على المعتاد، وهو أَعْرَفُ بمذهبه.

وحَاصِلُهُ أَنَّ النِّزَاعَ لَفْظِيٌّ، والحق أَنه تَحْقِيقِيٌّ يحتاج إِلى أَمْرٍ تَوْفِيقي(شرح النقاية،فصلٌ صَدَقَةُ الفِطْرِ)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ایک صاع اس مذکورہ وزن کا دوگنا ہے یعنی ساڑھے تین سیر (یعنی تین کلو اور دو سو چھیاسٹھ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عِمْرَانَ ,قَالَ :أنا عَلِيُّ بْنُ صَالِحٍ ,وَبِشْرُ بْنُ الْوَلِيدِ جَمِيعًا ,عَنْ أَبِي يُوسُفَ ,قَالَ ": قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَأَخْرَجَ إِلَيَّ مَنْ أَثِقُ بِهِ صَاعًا ,فَقَالَ " :هَذَا صَاعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ,فَقَدَّرْتُهُ ,فَوَجَدْتُهُ خَمْسَةَ أَرْطَالٍ وَثُلُثَ رَطْلٍ "وَسَمِعْتُ ابْنَ أَبِي عِمْرَانَ ,يَقُولُ :يُقَالُ إِنَّ الَّذِي أَخْرَجَ هَذَا لِأَبِي يُوسُفَ .هُوَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ .وَسَمِعْتُ أَبَا حَازِمٍ يَذْكُرُ ,أَنَّ مَالِكًا سُئِلَ عَنْ ذَلِكَ ,فَقَالَ ": هُوَ تَحَرِّي عَبْدِ الْمَلِكِ لِصَاعِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ "فَكَانَ مَالِكٌ لَمَّا ثَبَتَ عِنْدَهُ أَنَّ عَبْدَ الْمَلِكِ تَحَرَّى ذَلِكَ مِنْ صَاعِ عُمَرَ ,وَصَاعُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ,صَاعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ قُدِّرَ صَاعُ عُمَرَ ,عَلَى خِلَافِ ذَلِكَ(شرح معانی الآثار،حديث نمبر ۳۱۶۱،بَابُ وَزْنِ الصَّاعِ كَمْ هُوَ ؟)

أقول :إن صاعنا ما تسعه الكفان ست مرات، نقل البيهقي بسند قوى فى السنن الكبرى :أن أبا يوسف رجع عن مد العراقيين حين وقع مناظرته مع مالک بن أنس فى المدينة، وأتى بخمسين رجلاً من ولد الصحابة بأمدادهم فقدرت وكانت رطلاً وثلثه، وقال الأحناف :لم يذكر محمد خلاف أبى يوسف فى كتبه، أقول :إن هذا لا يصلح رداً على ما نقل البيهقى، ووزن صاع العراقيين على تقدير علماء الهند فيه أقوال :منها أنه مئتان وسبعون تولجة، وأحسن ما صنف فى صاعنا رسالة الشيخ المخدوم هاشم بن عبد الغفور السندى رحمه الله، وقال فيها :إن فلس السلطان (عالمگير) مساوٍ لمثقال شرعى:

~صاع كوفى هست أى مرد فهيم ...ووصد وهفتاد وتوله مستقيم
~باز وينار يكه دار واعتبار ...وزن آن أزماشه وأن نيم وهار
~درهم شرعى أزين مسكين شنو ...كان رماشه هست يک سرخه دوجو
~سرخ سه جوهست ليكن پاؤكم ...مشت سرتعه ماشه أى صاحب كرم

ولقد أخطأ مولانا عبد الحى رحمه الله فى نصاب الفضة والذهب فإن حسابه غير مستقيم، واعتبر بأحمر الأطباء وهى أربعة شعيرات، وقال القاضى ثناء الله البانى پتى :إن نصاب الفضة اثنان وخمسون تولجة، ونصاب الذهب سبعة تولجات ونصفها، والقاضى المرحوم من حذاقنا، قال الحجازيون :إن الصاع العراقى لا أصل له، وأقول :إنه ثابت، وذخيرة الأدلة محفوظة منها ما فى سنن أبى داود ص(۱۳) : أن الإناء الذى كان يتوضأ النبى الكريم منه رطلان ، لكن فيه شريک وهو مختلف فيه.

ومنها ما أخرج الطحاوى ص (۳۲۴) بسند صحيح :أن صاع عمر بن الخطاب ثمانية أرطال، وذكر فيه عن مالک أن عبد الملک تحرى صاع عمر فوجده خمسة أرطال وثلثه وقال الطحاوى: إنه تحريه، وقد بلغنا تقديره الحق أنه ثمانية أرطال، والعجب من حافظ الدنيا أنه لم يخبر أنه كان صاع عمر ثمانية أرطال، إلا أنه ذكر أن الصاع العمرى أى صاع عمر بن عبد العزيز ثمانية أرطال فنسبه إلى عمر بن عبد العزيز لا عمر بن الخطاب، وأقول :إن صاعنا وصاع الحجازيين كان فى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

گرام) اور بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق ساڑھے چار سیر (یعنی چار کلو دوسو گرام) [۱]

مسئلہ:...... صدقۂ فطر کی ادائیگی سے متعلق جن چار اشیاء کا ذکر کیا گیا ہے (یعنی ایک صاع کشمش، یا ایک صاع کھجور و چھوارا، یا ایک صاع جَو، یا آدھا صاع گندم) اُن میں سے کسی بھی چیز کو بعینہٖ یا اُن میں سے کسی ایک چیز کی قیمت کو ادا کرنا درست ہے۔

اور ان میں سے کسی چیز کی قیمت نقد کی صورت میں ادا کرنا اس لحاظ سے بہتر ہے کہ اس سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عهده عليه الصلاة والسلام وثبت برواية صحيحة دالة على أن الصيعان والأمداد وكانت عديدة، وأخرجها صاحب الهداية :يا رسول الله مدنا أكبر الأمداد وصاعنا أصغر الصيعان أخرجه الزيلعي عن صحيح ابن حبان، وظني أن مراد حديث الصحيحين :اللهم بارک لهم فى مدهم وصاعهم البركة الحية ويمكن البركة المعنوية أيضاً، ومنها ما فى النسائى ص46، وأخرجه فى معانى الآثار ص324، وفى أحد أسانيده محمد بن شجاع الثلجي معطوفاً عليه غيره، ويقال :إنه من المشبهين وقال العينى :إن هذا القول ليس بسديد۔ إن مجاهداً قال :أخرجت عائشة صاعه فقدرته لم يكن أقل من ثمانية أرطال وقال ابن التيمية :إن الصاع فى مسألة الماء ثمانية أرطال، وفى غيرها خمسة أرطال وثلثه .ونقول :إن مقتضى الاحتياط أن يؤخذ ثمانية أرطال فى جميع المسائل .(العرف الشذى للكشميرى، ج ا ص ۹۰، ۹۱،ابواب الطهارة ،باب الوضوء بالمد)

[۱] آدھے صاع کا وزن اکثر علمائے کرام کی تحقیق کے مطابق اسّی تولہ یا سولہ چھٹانک فی سیر کے اعتبار سے پونے دو سیر ہے، کلو سیر سے کچھ زیادہ کا ہوتا ہے (عمدۃ الفقہ حصہ سوم ص ۱۷۰)

ایک چھٹانک میں اٹھاون (58) گرام اور تین سو (300) ملی گرام ہوتے ہیں، اس حساب سے ایک سیر سے مراد نوسو تینتیس (933) گرام کا سیر ہے، اور کلو ہزار (1000) گرام کا ہوتا ہے۔

اور امداد المفتین میں ہے:

علامہ شامی نے جو وزن صاع کا لکھا ہے، اس حساب سے وزن پورے صاع کا تقریباً ساڑھے تین سیر ہوتا ہے، اور نصف صاع پونے دو سیر (امداد المفتین صفحہ ۴۵۲، کتاب الزکاۃ)

اور امداد الاحکام میں ہے:

نصف صاع کا وزن پونے دو سیر ہے (امداد الاحکام جلد ۲ صفحہ ۴۵)

اور بعض حضرات نے سوا دو سیر کو ترجیح دی ہے (ملاحظہ ہو احسن الفتاویٰ جلد ۴ صفحہ ۳۸۵، رسالہ "بسط الباع لتحقیق الصاع")

صدقۂ فطر سال میں ایک مرتبہ دینا ہوتا ہے، لہٰذا اگر زیادہ وزن والوں کی تحقیق پر عمل کرتے ہوئے ادا کیا جائے تو کوئی مشکل کام نہیں، اس صورت میں مذکورہ تمام حضرات کی تحقیق کے مطابق بھی عمل ہو جائے گا۔ اور زیادہ ہونے کی صورت میں نفلی صدقہ بن جائے گا۔

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

غریب و مستحق کی ہر قسم کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔ ؎

مسئلہ:...... اگر کسی کو حیثیت ہے، تو اس کو گندم کے ذریعہ سے پورا ایک صاع، یا اس کی قیمت

؎ وبخلاف صدقة الفطر أنها تتأدى بالقيمة عندنا؛ لأن الواجب هناك معلول بمعنى الإغناء ؛ قال النبى -عليه الصلاة والسلام -أغنوهم عن المسألة فى مثل هذا اليوم والإغناء يحصل بأداء القيمة والله عز شأنه أعلم(بدائع الصنائع، ج۵ص۶۷، كتاب التضحية، فصل فى انواع كيفية الوجوب)
وهى نصف صاع من بر أو دقيقه أو صاع تمر أو زبيب أو شعير وهو ثمانية أرطال بالعراقى ويجوز دفع القيمة وهى أفضل عند وجدان ما يحتاجه لأنها أسرع لقضاء حاجة الفقير(مراقى الفلاح شرح نورالايضاح، ص۲۷۳، باب صدقة الفطر)
(ودفع القيمة) أى الدراهم (أفضل من دفع العين على المذهب) المفتى به جوهرة وبحر عن الظهيرية وهذا فى السعة، أما فى الشدة فدفع العين أفضل كما لا يخفى(الدرالمختار)
(قوله :ودفع القيمة) أطلقها فشمل قيمة الحنطة وغيرها خلافا لمحمد .قال فى التتارخانية عن المحيط :وإذا أراد أن يعطى قيمة الحنطة أو الشعير أو التمر يؤدى قيمة أى الثلاث شاء عندهما وقال محمد يؤدى قيمة الحنطة (قوله :أى الدراهم) اقتصر على الدراهم تبعا للزيلعى لبيان أنها الأفضل عند إرادة دفع القيمة؛ لأن العلة فى أفضلية القيمة كونها أعون على دفع حاجة الفقير لاحتمال أنه يحتاج غير الحنطة مثلا من ثياب ونحوها بخلاف دفع العروض، وعلى هذا فالمراد بالدراهم ما يشمل الدنانير تأمل (قوله على المذهب المفتى به) مقابله ما فى المضمرات من أن دفع الحنطة أفضل فى الأحوال كلها، سواء كانت أيام شدة أم لا؛ لأن فى هذا موافقة السنة وعليه الفتوى منح فقد اختلف الإفتاء ط (قوله :وهذا) أى كون دفع القيمة أفضل (قوله كما لا يخفى) يوهم أنه بحث منه مع أنه عزاه فى التتارخانية إلى محمد بن سلمة وقال فى النهر وهو حسن(ردالمحتار، ج۲ ص۳۶۶، ۳۶۷، باب صدقة الفطر)
(قال) : فإن أعطى قيمة الحنطة جاز عندنا؛ لأن المعتبر حصول الغنى وذلك يحصل بالقيمة كما يحصل بالحنطة، وعند الشافعى -رحمه الله تعالى -لا يجوز، وأصل الخلاف فى الزكاة وكان أبو بكر الأعمش -رحمه الله تعالى -يقول :أداء الحنطة أفضل من أداء القيمة؛ لأنه أقرب إلى امتثال الأمر وأبعد عن اختلاف العلماء فكان الاحتياط فيه، وكان الفقيه أبو جعفر -رحمه الله تعالى -يقول :أداء القيمة أفضل؛ لأنه أقرب إلى منفعة الفقير فإنه يشترى به للحال ما يحتاج إليه، والتنصيص على الحنطة والشعير كان؛ لأن البياعات فى ذلك الوقت بالمدينة يكون بها فأما فى ديارنا البياعات تجرى بالنقود، وهى أعز الأموال فالأداء منها أفضل(المبسوط للسرخسى، ج۳ص۱۰۷، ۱۰۸، باب صدقة الفطر)
يجوز عند الحنفيةان يعطى عن جميع ذالک القيمة دراهم او دنانير او فلوسا او عروضا او ماشاء لان الواجب فى الحقيقة اغناء الفقير لقولہٖ صلى الله عليه وسلم "اغنوهم عن المسئلة فى مثل هذا اليوم" والاغناء يحصل بالقيمة بل اتم واوفر وايسر لانها اقرب الىٰ دفع الحاجة فيتبين ان النص معلل بالاغناء (الفقه الاسلامى وادلتہٗ جلد۳ صفحہ۳۸۳،الباب الرابع الزكاة وانواعها،المبحث الثالث۔ جنس الواجب وصفته ومقداره)

دینے میں زیادہ ثواب ہے (جیسا کہ پہلے گزرا)

مسئلہ:...... احادیث کی رُو سے ایک صاع کشمش، یا ایک صاع کھجور و چھوارا، یا ایک صاع جَو، یا آدھا صاع گندم یا ان میں سے کسی کی قیمت ادا کرنے سے صدقۂ فطر ادا ہو جاتا ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ مالیت کے زیادہ ہونے سے ثواب میں اضافہ ہو جاتا ہے؛ کیونکہ زیادہ مالیت سے غریبوں اور فقیروں کا زیادہ فائدہ اور نفع ہوتا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مذکورہ چار چیزوں میں سے کسی خاص ایک چیز سے صدقۂ فطر ادا کرنے کی پابندی نہیں لگائی، اور ایک سہولت یہ بھی دی گئی کہ اگر کوئی ان چیزوں کے بجائے ان میں سے کسی ایک چیز کی مالیت کی کوئی اور چیز دینا چاہے مثلاً چاول، مکئی، باجرہ، چنا، دال، پنیر، دودھ وغیرہ یا نقد رقم دینا چاہے تو اس کی بھی اجازت ہے۔

فرق اتنا ہے کہ اگر مذکورہ چار چیزوں میں سے کوئی چیز دینا چاہے تو اس میں خاص وزن کی پابندی ہے۔ لیکن ان چار چیزوں کے علاوہ کوئی اور چیز دینا چاہے یا نقد رقم دینا چاہے تو مذکورہ چار چیزوں میں سے کسی بھی ایک چیز کے مذکورہ وزن کی مالیت کو بنیاد بنایا جائے گا۔ [1]

چنانچہ اگر کوئی ایک صاع کشمش کے بجائے نقدی دینا چاہے، تو بازار میں جتنی رقم کی ایک صاع کشمش آتی ہے، اتنی رقم ادا کرے، اور اگر کھجور کے بجائے اس کی قیمت دینا چاہے تو بازار میں جتنی رقم کی ایک صاع کھجور آتی ہے، اتنی رقم ادا کردے، اور اگر جَو سے ادا کرنا چاہے، تو بازار میں جتنی رقم کا ایک صاع جَو آتا ہے، اتنی رقم صدقہ کردے۔

اور اگر گندم کے بجائے اس کی قیمت دینا چاہے تو جتنی رقم کی آدھا صاع گندم آتی ہے، اتنی رقم ادا کردے۔

---

[1] وإن أراد الأداء من سائر الحبوب أعطى باعتبار القيمة وقد بينا جواز أداء القيمة عندنا، وهذا؛ لأنه ليس في سائر الحبوب نص على التقدير فالتقدير بالرأى لا يكون وكذا من الأقط يؤدى باعتبار القيمة عندنا(المبسوط للسرخسي، ج۳ص ۱۱۴، كتاب الصوم، باب صدقة الفطر)

واما الاقط فتعتبر فيه القيمة لايجزئ الا باعتبار القيمة (بدائع الصنائع جلد۲ ص ۷۲، ۷۳،فصل بيان جنس الواجب وقدره وصفة فى صدقة الفطر)

آج کل کم علمی کی وجہ سے اولاً تو بہت سے لوگوں کو صدقۂ فطر کے بارے میں یہ معلوم ہی نہیں کہ اس میں شریعت کی طرف سے کیا کیا چیزیں مقرر کی گئی ہیں، بس وہ رقم کو ہی اصل مقصود سمجھتے ہیں، حالانکہ مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ رقم یا نقدی تو مذکورہ اشیاء کا بدل ہے، اصل نہیں، اصل تو یہی مذکورہ اشیاء ہیں۔

دوسرے اگر کسی کو معلوم بھی ہوتا ہے تو صرف گندم کا علم ہوتا ہے، باقی تین اشیاء کا علم ہی نہیں ہوتا۔

جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیشہ اور ہر بڑے سے بڑا امیر وغریب شخص گندم ہی کے حساب سے صدقۂ فطر ادا کرتا ہے۔

جبکہ زیادہ مالیت والی چیز یا اس کی قیمت سے صدقۂ فطر کی ادائیگی زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔

پس اگر صاحبِ حیثیت لوگ فی کس ایک صاع کشمش، یا ایک صاع کھجور، یا اس کی مالیت سے صدقۂ فطر ادا کریں، تو زیادہ اجر وثواب اور زیادہ فائدہ کا باعث ہے۔

اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ مذکورہ تمام اشیاء سامنے رکھ کر اپنی حسبِ حیثیت ہر شخص بڑھ چڑھ کر صدقۂ فطر ادا کرنے کی کوشش کرے، تاکہ زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل ہو۔

اہلِ علم حضرات کو بھی چاہیے کہ وہ لوگوں کو صدقۂ فطر کی مذکورہ پوری اور مکمل تفصیل بتلائیں اور زیادہ مالیت والی چیز کے اعتبار سے نقد رقم دینے کی زیادہ فضیلت بھی بتلائیں۔ [1]

---

[1] نصف صاع گندم سے ادائیگی مختلف فیہ ہے، دیگر فقہائے ثلاثہ غیر حنفیہ یعنی جمہور گندم سے بھی مکمل صاع کے قائل ہیں۔ اور اختلاف سے بچنا افضل واحوط ہوتا ہے، اور آج کل عموماً گندم سے فطرانہ کی مقدار بھی مالیت ومقدار کے لحاظ سے دوسری اجناس کی مالیت سے کم ہے اور دوسری اجناس کی مالیت ہمارے علاقے میں آج کل زیادہ ہے۔

ان وجوہات کے پیشِ نظر پورا صاع گندم یا اس کی قیمت سے ادا کرنا بلکہ آج کل دیگر اجناس (کشمش، کھجور) یا ان کی قیمت سے صدقۂ فطر کی ادائیگی زیادہ فضیلت کا باعث ہوگی، بالخصوص صاحبِ حیثیت لوگوں کو۔

لان الحذر من الاختلاف اولیٰ وفی العبادات الاحتیاط اولیٰ والانفع للفقراء زیادة فضل

افسوس کہ: آج کل ہمارے علاقوں میں لوگوں کو گندم کے علاوہ دیگر اجناس یا ان کی مالیت سے صدقۂ فطر کی ادائیگی کا نہ تو علم ہے اور نہ ہی اس پر عمل ہے، اور بہت سے علماء کا بھی یہی حال ہے۔

مسئلہ:......اگر کوئی شخص احادیث میں بیان کردہ چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز کے ذریعہ سے صدقۂ فطر ادا کرنا چاہے، مثلاً چاول، کپڑے، یا کسی دوسری ضرورت کی چیز سے، تو یہ بھی جائز ہے، مگر اس کا لحاظ ضروری ہے کہ اتنی مالیت ومقدار کی چیز سے ادا کیا جائے کہ اس کی مقدار احادیث میں بیان کردہ چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی مالیت کے برابر ہو جائے۔ [1]

مسئلہ:......صدقۂ فطر اگر گندم کے بجائے، اس کے آٹے سے ادا کیا جائے اور آدھا صاع آٹے کی قیمت آدھا صاع گندم کی قیمت سے زیادہ یا اس کے برابر ہو تو آدھا صاع آٹا ادا کرنے میں بھی حرج نہیں، لیکن اگر آدھا صاع آٹے کی قیمت، آدھے صاع گندم کی قیمت سے کم ہو، تو پھر آٹا اتنی مقدار میں ادا کرنا چاہیے کہ اس کی مالیت آدھے صاع گندم کے برابر ہو جائے (آج کل بعض بازاری آٹوں میں ملاوٹ کی وجہ سے اس کی قیمت گندم سے کم ہوتی ہے)

اسی طرح جَو کا بھی معاملہ ہے کہ اگر کوئی جَو کے آٹے سے صدقۂ فطر ادا کرے، تو جَو کا آٹا اتنی مقدار میں ہونا چاہیے کہ اس کی قیمت ایک صاع جَو سے کم نہ ہو۔ [2]

---

[1] وما لم ينص عليه كذرة وخبز تعتبر فيه القيمة وصدقة الفطر كالزكاة فى المصارف(حاشية الطحطاوى على المراقى، ص ۴۲۷، باب صدقة الفطر)

(قوله :وخبز) عدم جواز دفعه إلا باعتبار القيمة هو الصحيح لعدم ورود النص به فكان كالذرة وغيرها من الحبوب التى لم يرد بها نص وكالأقط بحر(ردالمحتار، ج۲ص۳۶۵، باب صدقة الفطر)

[2] (قوله: أو دقيقه أو سويقه)الأولى أن يراعى فيهما القدر والقيمة احتياطا وإن نص على الدقيق فى بعض الأخبار هداية؛ لأن فى إسناده سليمان بن أرقم وهو متروك الحديث فوجب الاحتياط بأن يعطى نصف صاع دقيق بر أو صاع دقيق شعير يساويان نصف صاع بر وصاع شعير لا أقل من نصف يساوى نصف صاع دقيق بر أو أقل من صاع يساوى صاع شعير ولا نصف لا يساوى نصف صاع بر أو صاع لا يساوى صاع شعير فتح وقوله فوجب الاحتياط مخالف لتعبير الهداية والكافى بأولى إلا أن يحمل أحدهما على الآخر تأمل (ردالمحتار، ج۲ص۳۶۴، باب صدقة الفطر)

(قال) : ودقيق الحنطة كالحنطة ودقيق الشعير كعينه عندنا وعند الشافعى لا يجوز الأداء من الدقيق بناء على أصله أن فى الصدقات يعتبر عين المنصوص عليه.

(ولنا) حديث أبى هريرة -رضى الله عنه -أن النبى -صلى الله عليه وسلم -قال :أدوا قبل خروجكم زكاة فطركم فإن على كل مسلم مدين من قمح أو دقيقه ؛ ولأن المقصود سد خلة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:......اگر کوئی شخص قیمت سے صدقۂ فطر ادا کرنا چاہتا ہے تو جہاں وہ شخص رہتا ہے وہیں کے اعتبار سے قیمت کا لحاظ کیا جائے گا اور اگر صدقۂ فطر ادا کرنے والا ایک جگہ ہے اور وہ کسی دوسری جگہ اپنا صدقۂ فطر بھیج کر رقم کے ذریعہ سے ادا کرنا چاہتا ہے، تو بھی اپنی جگہ کی قیمت کا اعتبار کرنا چاہیے۔

تاہم اگر اپنی جگہ کی قیمت کم ہے، اور جہاں صدقۂ فطر بھیج رہا ہے، وہاں کی قیمت زیادہ ہے، تو افضل یہ ہے کہ دوسری جگہ کی قیمت کا اعتبار (ویلیو) کے لحاظ سے ادا کیا جائے (لانہ انفع للفقراء) اگرچہ گنجائش اس کی بھی ہے کہ اپنے مقام کے اعتبار سے ادائیگی کرے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المحتاج وإغناؤه عن السؤال كما قال صاحب الشرع وحصول هذا بأداء الدقيق أظهر ؛ لأنه أعجل لوصول منفعته إليه، وعلى هذا روى عن أبي يوسف -رحمه الله تعالى -قال :أداء الدقيق من أداء الحنطة وأداء الدرهم أفضل من أداء الدقيق؛ لأنه أعجل لمنفعته(المبسوط للسرخسي، ج٣ص١١٣، باب صدقة الفطر)

[۱] (قال) : ويؤدى صدقة الفطر عن نفسه حيث هو، ويكره له أن يبعث بصدقته إلى موضع آخر لحديث معاذ بن جبل -رضى الله عنه -من نقل عشره وصدقته عن مخلاف عشيرته إلى غير مخلاف عشيرته فعشره وصدقته فى مخلاف عشيرته وأما عن رقيقه فإنما يؤدى صدقة الفطر حيث هو وإن كانوا فى بلد آخر، وحكى ابن سماعة عن محمد رحمهما الله تعالى أنه رجع عن هذا القول فقال :يؤدى عنهم حيث هم، وجعله قياس زكاة المال، ولا خلاف أن المعتبر هناك موضع المال لا موضع صاحبه فهنا كذلك، ووجه ظاهر الرواية أن الوجوب على المولى فى ذمته، ورأس المماليك فى حقه كرأسه فكما أن فى أداء الصدقة عن نفسه يعتبر موضعه فكذلك عن مماليكه بخلاف الزكاة فإن الواجب جزء من المال حتى يسقط بهلاك المال، وهنا لا يسقط بهلاك المماليك بعد الوجوب على المولى(المبسوط للسرخسي، ج٣ص١٠٦، باب صدقة الفطر)

والمعتبر فى الزكاة فقراء مكان المال، وفى الوصية مكان الموصى، وفى الفطرة مكان المؤدى عند محمد، وهو الأصح،وأن رء وسهم تبع لرأسه(الدر المختار)

(قوله :مكان المؤدى) أى لا مكان الرأس الذى يؤدى عنه (قوله :وهو الأصح) بل صرح فى النهاية والعناية بأنه ظاهر الرواية كما فى الشرنبلالية وهو المذهب كما فى البحر فكان أولى مما فى الفتح من تصحيح قولهما باعتبار مكان المؤدى عنه .قال الرحمتى :وقال فى المنح فى آخر باب صدقة الفطر :الأفضل أن يؤدى عن عبيده وأولاده وحشمه حيث هم عند أبى يوسف وعليه الفتوى وعند محمد حيث هو اهـ تأمل .قلت :لكن فى التتارخانية يؤدى عنهم حيث هو وعليه الفتوى وهو قول

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:...... اگر کوئی شخص ایسے مقام پر رہتا ہے، یا عید کے دن ایسے مقام پر ہے، کہ وہاں کھجور، کشمش، جَو اور گندم کسی چیز کا وجود یا استعمال نہیں ہے، جس کی وجہ سے وہاں بعینہٖ صدقۂ فطر میں ان چیزوں کو دینا یا ان کی قیمت ومالیت کا حساب لگانا مشکل ہے، تو اپنے قریب تر علاقہ میں (جہاں یہ چیزیں موجود واستعمال میں ہیں) کے حساب سے ادا کرے۔ [1]

مسئلہ:...... مذکورہ چار اشیاء میں سے جس چیز کے ساتھ کوئی صدقۂ فطر ادا کرنا چاہتا ہے اور وہ چیز اعلیٰ وادنیٰ کے لحاظ سے مختلف نوعیت کی مالیت کی ہو تو درمیانے درجے کی چیز یا اس کی قیمت کے اعتبار سے صدقۂ فطر ادا کرنا چاہیے، اور اعلیٰ نوعیت کی چیز یا اس کی قیمت سے ادا کرنا افضل ہے، تا کہ اللہ کے راستہ میں اعلیٰ سے اعلیٰ مال جائے۔

اور ادنیٰ وگھٹیا نوعیت یا اس کی قیمت کے اعتبار سے ادا کرنا ناجائز یا کم از کم خلافِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

محمد ومثله قول أبي حنيفة وهو الصحيح(ردالمحتار، ج۲ص۳۵۶، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

وأما مكان الأداء وهو الموضع الذي يستحب فيه إخراج الفطرة روى عن محمد أنه يؤدى زكاة المال حيث المال ويؤدى صدقة الفطر عن نفسه وعبيده حيث هو وهو قول أبي يوسف الأول ثم رجع وقال يؤدى صدقة الفطر عن نفسه حيث هو وعن عبيده حيث هم حكى الحاكم رجوعه وذكر القاضي في شرحه مختصر الطحاوى قول أبي حنيفة مع قول أبي يوسف وأما زكاة المال فحيث المال في الروايات كلها ويكره إخراجها إلى أهل غير ذلك الموضع إلا رواية عن أبي حنيفة أنه لا بأس أن يخرجها إلى قرابته من أهل الحاجة ويبعثها إليهم.

وجه قول أبي يوسف أن صدقة الفطر أحد نوعي الزكاة ثم زكاة المال تؤدى حيث المال فكذا زكاة الرأس ووجه الفرق لمحمد واضح وهو أن صدقة الفطر تتعلق بذمة المؤدى لا بماله بدليل أنه لو هلك ماله لا تسقط الصدقة.

وأما زكاة المال فإنها تتعلق بالمال . ألا ترى أنه لو هلك النصاب تسقط؟ فإذا تعلقت الصدقة بذمة المؤدى اعتبر مكان المؤدى ولما تعلقت الزكاة بالمال اعتبر مكان المال.

وروى عن أبي يوسف في الصدقة أنه يؤدى عن العبد الحي حيث هو وعن الميت حيث المولى؛ لأن الوجوب في العبد الحي عنه فيعتبر مكانه وفي الميت لا فيعتبر مكان المولى(بدائع الصنائع، ج۲ص۷۵،فصل مكان أداء صدقة الفطر)

[1] ولو في مفازة ففي أقرب الأمصار إليه فتح(الدر المختار،كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم)

احتیاط ہے۔ [1]

صدقۂ فطر کی قیمت کو متعین کر کے اس لیے نہیں بتایا جاسکتا کہ وہ زمانے اور مقام اور اشیاء کی مالیت کے لحاظ سے کم، زیادہ ہوسکتی ہے؛ اس لیے جس چیز کی مالیت کے اعتبار سے ادا کیا جائے، اس وقت اُس کی قیمت دیکھ لینی چاہئے۔

---

[1] (من أوسط ما تطعمون أهليكم) (المائدة: ۸۹)وذلک أكلتان مشبعتان غداء وعشاء كذا هذا، ولأن الله -جل شأنه -ذكر الأوسط .والأوسط ما له حاشيتان متساويتان، وأقل عدد له حاشيتان متساويتان ثلاثة، وذلک يحتمل أنواعا ثلاثة:
أحدها الوسط فی صفات المأكول من الجودة والرداء ة.
والثانی الوسط من حيث المقدار من السرف والقتر.
والثالث الوسط من حيث أحوال الأكل من مرة ومرتين وثلاث مرات فی يوم واحد، ولم يثبت بدليل عقلی ولا بسمعی تعيين بعض هذه الأنواع فيحمل على الوسط من الكل احتياطا ليخرج عن عهدة الفرض بيقين وهو أكلتان فی يوم بين الجيد والردیء ، والسرف والقتر(بدائع الصنائع، ج۵ص ۱۰۲، كتاب الكفارات)
ويؤدی نصف صاع تمر، أو شعير، ومد حنطة لا يجوز، وجوزه فی الكفارة، ولو أدى نصف صاع تمر تساوی نصف صاع حنطة لا يجوز؛ لأن كل واحد منهما منصوص عليه، والمقصود من الكل واحد، ولو أدى الحنطة رديئة جاز، وإن كان عفناً، أو به عيب أدى لنقصان، وقد اعتبر الحسن فی رواية قيمة الوسط فی الجواز، وأما إذا كان قيمته دون قيمة الوسط لا يجوز.
فقد ذكر فی كتاب الزكاة لو أخرج قيمة نصف صاع حنطة لم يجز إلا إن أخرج قدر نصف صاع وسط، فإن كان ما أخرج لا يساوی نصف الصاع حنطة وسط، ولكن يساوی قيمة صاع من شعير وسط، أو صاع تمر وسط، ففی هذه الصورة نوع اضطراب ذكر فی بعض نسخ الحسن أنه يجوز، وذكر فی بعض نسخه أنه لا يجوز، قال البلخی فی كتابه فی حياته :والصحيح عندی جوازه.
وفی المنتقى :إذا أعطى قيمة نصف صاع رديئة لم يجزه، وعليه أن يعطی قيمة نصف صاع حنطة وسط، وإن أعطى قيمة صاع دقيق أو سويق جيد، وذلک لا يساوی نصف صاع حنطة وسط لا يجزئه، وكان عليه تمام قيمة نصف صاع حنطة وسط، والصاع الذی تقدر الحنطة بنصفه والشعير والتمر بكله(المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی، ج۲ ص ۴۱۰، كتاب الصوم، الفصل الثالث عشر فی صدقة الفطر)
(عفن) الشیء عفنا وعفونة فسد وتغيرت صفاته فهو عفن وعفين(المعجم الوسيط، باب العين)
(ويأخذ المصدق وسط المال) لقوله عليه الصلاة والسلام " :خذ من حواشی أموالهم "أی الوسط ، ولأن أخذ الجيد إضرار برب المال ، وأخذ الردیء إضرار بالفقراء (الاختيار لتعليل المختار، ج ۱ ص۱۰۳، كتاب الزكاة)

صدقۂ فطر واجب ہونے کا نصاب

جیسا کہ پہلے گزرا کہ صدقۂ فطر کا حکم عائد ہونے کے لیے بعض فقہاء کے نزدیک تو مال کا نصاب مقرر نہیں، بلکہ ہر شخص کو عید کے دن اپنے اور اپنے ذمہ واجب شدہ نان نفقہ سے زائد مال ہونے کی صورت میں ادا کرنے کا حکم ہے، اس لئے ان کے نزدیک مذکورہ تفصیل کے علاوہ نصاب کے بارے میں تفصیلات نہیں۔

لیکن جن حضرات کے نزدیک صدقۂ فطر واجب ہونے کے لئے نصاب مقرر ہے ”جیسا کہ احناف کے یہاں“

ان حضرات کا فرمانا ہے کہ احادیث میں عمومی صدقہ کا حکم غنی اور مالدار لوگوں پر عائد کیا گیا ہے، اور ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اتنی مالیت کے برابر مال والے کو غنی اور زکاۃ وصدقہ کے واجب ہونے کا نصاب قرار دیا گیا ہے۔ [1]

---

[1] أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، أَنَّ عَمْرَو بْنَ يَحْيَى بْنِ عُمَارَةَ أَخْبَرَهُ، عَنْ أَبِيهِ يَحْيَى بْنِ عُمَارَةَ بْنِ أَبِي الحَسَنِ :أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ :قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ(بخاری ،حديث نمبر ۱۴۰۵)

أنا أَبُو نُعَيْمٍ النَّخَعِيُّ، أنا الْعَزْرَمِيُّ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَيْسَ فِيمَا دُونَ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ شَيْءٌ ,وَلَا فِيمَا دُونَ عِشْرِينَ مِثْقَالًا ذَهَبًا شَيْءٌ ,وَفِي الْمِائَتَيْنِ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ ,وَفِي عِشْرِينَ مِثْقَالًا ذَهَبًا نِصْفُ مِثْقَالٍ(الاموال لابن زنجويه، حديث نمبر ۱۸۰۴)

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ رَجُلٍ، مِنْ مُزَيْنَةَ أَنَّهُ قَالَتْ لَهُ أُمُّهُ :أَلَا تَنْطَلِقُ فَتَسْأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا يَسْأَلُهُ النَّاسُ، فَانْطَلَقْتُ أَسْأَلُهُ، فَوَجَدْتُهُ قَائِمًا يَخْطُبُ وَهُوَ يَقُولُ " :مَنْ اسْتَعَفَّ أَعَفَّهُ اللهُ، وَمَنْ اسْتَغْنَى أَغْنَاهُ اللهُ، وَمَنْ سَأَلَ النَّاسَ وَلَهُ عِدْلُ خَمْسِ أَوَاقٍ فَقَدْ سَأَلَ إِلْحَافًا ." فَقُلْتُ بَيْنِي وَبَيْنَ نَفْسِي لَنَاقَةٌ لَهُ :هِيَ خَيْرٌ مِنْ خَمْسِ أَوَاقٍ، وَلِغُلَامِهِ نَاقَةٌ أُخْرَى هِيَ خَيْرٌ مِنْ خَمْسِ أَوَاقٍ، فَرَجَعْتُ، وَلَمْ أَسْأَلْهُ (مسنداحمد،حديث نمبر ۱۷۲۳۷)

فی حاشية مسند احمد:إسناده صحيح على شرط مسلم.

حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ سِنَانٍ ,قَالَ :ثنا أَبُو بَكْرٍ الْحَنَفِيُّ ,قَالَ :ثنا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جَعْفَرٍ ,قَالَ :حَدَّثَنِي أَبِي , عَنْ رَجُلٍ مِنْ مُزَيْنَةَ أَنَّهُ أَتَى أُمَّهُ فَقَالَتْ :يَا بُنَيَّ لَوْ ذَهَبْتَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْتَهُ، قَالَ :فَجِئْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ قَائِمٌ يَخْطُبُ النَّاسَ ,وَهُوَ يَقُولُ " :مَنِ اسْتَغْنَى أَغْنَاهُ اللهُ ,وَمَنِ اسْتَعَفَّ ,أَعَفَّهُ اللهُ ,وَمَنْ سَأَلَ النَّاسَ وَلَهُ عِدْلُ خَمْسِ أَوَاقٍ ,سَأَلَ إِلْحَافًا(شرح معانی الآثار، حديث نمبر ۷۳۶۳)

ان حضرات کے نزدیک نصاب کے بارے میں تفصیل ہے۔

اس لئے ان حضرات کے نزدیک نصاب سے متعلق مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ:...... صدقۂ فطر واجب ہونے کا نصاب وہی ہے، جو نصاب قربانی واجب ہونے کا ہے، پس جو مسلمان اتنا مالدار ہو کہ اس پر زکوٰۃ فرض ہو یا زکوٰۃ فرض نہ ہو لیکن اس کی ملکیت میں ضروری سامان سے زائد کم از کم اتنا مال وسامان ہو جس کی مجموعی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو، ایسے شخص پر اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔

مسئلہ:...... صدقۂ فطر واجب ہونے کے لئے ان پانچ قسم کی چیزوں کا اعتبار کیا جاتا ہے:

(۱)...... سونا (۲)...... چاندی (۳)...... روپیہ پیسہ (۴)...... تجارت کا مال

(۵)...... ضرورت سے زیادہ سامان۔

مسئلہ:...... درجِ ذیل چھ قسم کے افراد صدقۂ فطر کے نصاب کے مالک کہلاتے ہیں۔

(۱)...... جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے سات تولہ یا اس سے زیادہ صرف سونا ہو (خواہ ڈلی کی شکل میں ہو، یا زیور کی شکل میں)

(۲)...... جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ صرف چاندی ہو (خواہ ڈلی کی شکل میں ہو، یا زیور کی شکل میں) [1]

(۳)...... جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ چاندی کی مالیت کے برابر صرف روپیہ پیسہ ہو (خواہ کسی بھی ملک کی کرنسی کی شکل میں ہو)

(۴)...... جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ چاندی

---

[1] یاد رہے کہ سونا یا چاندی جبکہ منفرد ہوں، تو ان میں تقویم و مالیت کا اعتبار نہیں ہوتا، بلکہ اس کے وزن کا اعتبار ہوتا ہے، کیونکہ شریعت کی طرف سے انفرادی طور پر ان دونوں کے مستقل نصاب وزن کے ساتھ منصوص ہیں، جن کی تقدیر میں عقل وقیاس کو دخل نہیں، اور جس طرح وجوبِ زکاۃ کے باب میں بحالتِ انفراد وزن کا اعتبار ہے، اسی طرح صدقۂ فطر واجب ہونے میں بھی بحالتِ انفراد وزن کا اعتبار کیا جائے گا۔

کی مالیت کے برابر صرف تجارت کا مال ہو۔

(۵)......جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ چاندی کی مالیت کے برابر صرف ضرورت سے زیادہ کسی بھی قسم کی کوئی چیز ہو۔

(۶)......جس کی ملکیت میں اوپر ذکر کی ہوئی تھوڑی تھوڑی پانچوں چیزیں یا ان پانچ میں سے دو یا زیادہ چیزیں اتنی مالیت کی ہوں کہ ان سب کو جمع کیا جائے تو ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ چاندی کی مالیت بن جائے۔

خلاصہ یہ کہ جس شخص کی ملکیت میں ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا نقدی یا تجارت کا سامان یا ضرورت سے زیادہ سامان میں سے کوئی ایک چیز یا ان پانچوں یا ان میں سے بعض چیزوں کا مجموعہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو ایسا شخص صدقۂ فطر کے نصاب کا مالک کہلاتا ہے۔ [1]

---

[1] (قولـه ولا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصابا من أى مال كان) سواء كان النصاب ناميا أو غيـر نام حتى لو كان له بيت لا يسكنه يساوى مائتى درهم لا يجوز صرف الزكاة إليه وهذا النصاب الـمعتبر فى وجوب الفطرة والأضحية قال فى المرغينانى إذا كان له خمس من الإبل قيمتها أقل من مـائتى درهـم يـحـل لـه الزكاة وتجب عليه ولهذا يظهر أن المعتبر نصاب النقد من أى مال كان بلغ نـصـابا من جنسه أو لم يبلغ وقوله إلى من يملك نصابا بشرط أن يكون النصاب فاضلا عن حوائجه الأصلية(الجوهرة النيرة، ج ا ص ١٣١ ، كتاب الزكاة، باب مصارف الزكاة)

(ولا يـجوز دفع الزكاة إلى من ملك نصابا من أى مال كان) ش :يعنى سواء كان من النقدين أو من العروض أو من السوائم م :(لأن الـغنى الشرعى مقدر به) ش :أى بالنصاب م :(والشرط أن يكون فاضلا عن الحاجة الأصلية) ش :أى شـرط عـدم جواز دفع الزكاة إليه أن يكون النصاب فاضلا عن الـحاجة الأصلية، لأنه إذا كان غير فاضل عن حاجته الأصلية يجوز الدفع إليه، والحاجة الأصلية فى حق الـدراهـم والدنانير أن يكون الدين مشغولا بها، وفى غيرها احتياجه إليه فى الاستعمال وأحوال الـمعاش............م :(وإنـمـا الـنماء شرط الوجوب) ش :يـعـنـى الشرط فى عدم جواز الدفع ملك الـنـصـاب الـفـاضل عن الحاجة الأصلية ناميا كان أو غير نام، والنماء شرط وجوب الزكاة، لا كلام فيه، فلا يشترط لحرمان الصدقة، لأن الحرمان بالغناء وهو يحصل بالنامى وغير النامى، ولهذا تجب عـليه صدقة الفطر والأضحية م :(ويجوز دفعها) ش :أى دفع الزكاة، م :(إلـى من يملك أقل من ذلك) ش :أى مـن الـنـصـاب(البـنـاية شـرح الهداية، ج٣ص ٤٧٦، ٤٧٧، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ: ...... صدقۂ فطر کے نصاب کی مالیت معلوم کرنے کے لئے عید کے موقع پر ساڑھے سات تولہ سونے اور ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت صرافوں سے معلوم کی جاسکتی ہے، چونکہ سونے چاندی کی قیمت بدلتی رہتی ہے، اس لئے کسی ایک دن کی قیمت لکھ دینے سے غلط فہمی ہوگی۔

مسئلہ: ...... صدقۂ فطر کے نصاب کا اعتبار، جس کی وجہ سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے، عید کے دن طلوعِ فجر (یعنی صبح صادق) کے وقت ہے۔

یعنی جو شخص عید الفطر کے دن طلوعِ فجر کے وقت اس نصاب کا مالک ہے، اس پر صدقۂ فطر واجب ہے، اور اگر اس وقت صاحبِ نصاب نہیں، اگرچہ اس سے پہلے صاحبِ نصاب تھا، یا اس وقت کے بعد صاحبِ نصاب بنا، تو صدقۂ فطر واجب نہیں۔

اسی سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ صدقۂ فطر کے نصاب کے لئے مال پر سال گزرنا ضروری نہیں بلکہ عید کے دن صبح صادق کے وقت ملکیت میں اتنا مال ہونا کافی ہے جس پر صدقۂ فطر لازم ہوتا ہے، لہٰذا اگر کسی کے پاس عید کی رات میں صبح صادق ہونے سے پہلے اتنا مال آ گیا تو اس پر صدقۂ فطر لازم ہوگا، خواہ عید کا دن گزر کر وہ مال ملکیت میں نہ رہے۔ [1]

مسئلہ: ...... جو چیزیں نہ تو سونے کی شکل میں ہوں، اور نہ چاندی کی شکل میں ہوں، نہ روپیہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وأما الغنى الذى يحرم به أخذ الصدقة وقبولها فهو الذى تجب به صدقة الفطر والأضحية وهو أن يملك من الأموال التى لا تجب فيها الزكاة ما يفضل عن حاجته وتبلغ قيمة الفاضل مائتى درهم من الثياب والفرش والدور والحوانيت والدواب والخدم زيادة على ما يحتاج إليه كل ذلك للابتذال والاستعمال لا للتجارة والإسامة، فإذا فضل من ذلك ما يبلغ قيمته مائتى درهم وجب عليه صدقة الفطر والأضحية وحرم عليه أخذ الصدقة(بدائع الصنائع، ج۲ ص۴۸، فصل شرائط ركن الزكاة)

[1] (فصل) وأما وقت وجوب صدقة الفطر فقد اختلف فيه، قال أصحابنا :هو وقت طلوع الفجر الثانى من يوم الفطر، وقال الشافعى :هو وقت غروب الشمس من آخر يوم من رمضان حتى لو ملك عبدا، أو ولد له ولد، أو كان كافرا فأسلم، أو كان فقيرا فاستغنى إن كان ذلك قبل طلوع الشمس تجب عليه الفطرة، وإن كان بعده لا تجب عليه وكذا من مات قبل طلوع الفجر لم تجب فطرته وإن مات بعده وجبت، وعند الشافعى إن كان ذلك قبل غروب الشمس تجب عليه وإن كان بعده لا تجب وكذا إن مات قبله لم تجب وإن مات بعده وجبت (بدائع الصنائع، ج۲، ص۷۴، فصل الزكاة الواجبة، فصل وقت وجوب صدقة الفطر)

پیسہ کی شکل میں ہوں، اور نہ ہی تجارت کے مال کی شکل میں ہوں، بلکہ ان چاروں چیزوں کے علاوہ ہوں، ان میں اعتبار حاجتِ اصلیہ یعنی بنیادی ضرورت میں استعمال و مشغول ہونے؛ نہ ہونے کا ہوگا۔

پس جو چیزیں کسی شخص کی حاجتِ اصلیہ اور بنیادی ضروریات میں استعمال و مشغول ہوں گی؛ ان کی مالیت کا حساب نہیں لگایا جائے گا، اور جو چیزیں حاجتِ اصلیہ سے زائد ہونگی؛ ان کی مالیت کا حساب لگایا جائے گا۔ [1]

مسئلہ:...... اگر نصاب کے برابر سونا؛ چاندی (خواہ زیور کی شکل میں ہو) اور اسی طرح کرنسی موجود تو ہے، مگر وہ آئندہ گھریلو یا کاروباری ضرورت کے استعمال میں خرچ کرنے (مثلاً گھر یا دوکان کا سودا سلف، یا مکان دوکان خریدنے، یا شادی بیاہ میں خرچ کرنے) کے لیے رکھی ہوئی ہے، تو بھی صدقۂ فطر واجب ہے؛ کیونکہ صرف آئندہ ضرورت میں خرچ کرنے کی نیت

---

[1] ثم قدر الحاجة ما ذكره الكرخي في مختصره فقال لا بأس بأن يعطى من الزكاة من له مسكن وما يتأثث به في منزله وخادم وفرس وسلاح وثياب البدن وكتب العلم إن كان من أهله فإن كان له فضل عن ذلك ما يبلغ قيمته مائتي درهم حرم عليه أخذ الصدقة لما روى عن الحسن البصرى أنه قال كانوا يعطون الزكاة لمن يملك عشرة آلاف درهم من الفرس والسلاح والخدم والدار.

وقوله :كانوا، كناية عن أصحاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم -وهذا؛ لأن هذه الأشياء من الحوائج اللازمة التي لا بد للإنسان منها فكان وجودها وعدمها سواء(بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۴۸،فصل شرائط ركن الزكاة)

فقہائے کرام نے حاجتِ اصلیہ کی جو قید لاکر اس کے ساتھ مختلف مثالیں ذکر فرمائی ہیں ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت وحاجت کی بنیاد مباح الاستعمال ہونے کے ساتھ ساتھ مشقت پر ہے اور مشقت ایک اضافی چیز ہے۔ اس لئے ضرورت وحاجت کی تعیین میں علاقہ، مقام، احوالِ زمانہ، لوگوں کی قوتِ برداشت وغیرہ کے لحاظ سے فرق واقع ہوسکتا ہے کسی دور میں وقت دیکھنے کے لئے موجودہ گھڑی ضرورت میں داخل نہیں تھی، ایک زمانے میں روشنی کے لئے معمولی چراغ کافی تھے مگر آج کے دور میں عموماً گھڑی، بلب اور بجلی ضرورت میں داخل ہو چکی ہے، کسی دور میں ہاتھ کے پنکھے گرمی میں ہوا حاصل کرنے کے لئے کافی سمجھے جاتے تھے مگر آج ان کے بجائے بجلی کے پنکھے ضرورت وحاجت میں داخل ہیں (اذا كان يستعمل) لہٰذا حوائج اصلیہ کا تعین ہر زمانہ، علاقہ اور افراد کے حالات کی روشنی میں ہوگا، لیکن چونکہ یہ ایک اجتہادی کام ہے اور حیثیات وحالات سے حکم مختلف ہوجاتا ہے اس لئے ہر شخص کی انفرادی حالت کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا (اہم فقہی فیصلے بتغیر واضافہ)

کر لینے سے سونا چاندی اور کرنسی، ضرورت وحاجت میں مشغول نہیں کہلاتیں۔

البتہ اپنے ذمہ جو کسی کا قرض ودَین ہو، اتنی مقدار کا انسان خود مالک نہیں، اس لئے اس کو نصاب میں شامل نہیں کیا جائے گا، جس کا آگے ذکر آتا ہے۔

تاہم اگر کسی شخص نے عید کے دن صبح صادق سے پہلے اس مال کو اپنی ضروریات میں استعمال وخرچ کر لیا مثلاً گھر کا سودا سلف خرید لیا اور اب پیچھے مال صدقۂ فطر کے نصاب کے برابر نہیں بچا، یا ادھار ضروریات کی چیزیں خرید لیں اور اس کے ذمہ اتنا قرض لازم ہو گیا کہ اگر اس کو ادا کیا جائے تو مال نصاب کے برابر نہیں بچتا، تو اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں (لانہ مشغول فی الدَّین) [1]

---

[1] ثم الفضة مال الزكاة كيفما كانت مضروبة أو غير مضروبة أو تبرا أو حليا يحل استعمالها أو لا أمسكها للنفقة أو لا نوى التجارة أو لم ينو وكذلك حلية السيف واللجام والسرج والكواكب التى فى المصاحف إذا كانت تخلص عند الإذابة(تحفة الفقهاء ، ج ۱ ص ۲۶۴، كتاب الزكاة)

الاان الاعداد للتجارة فى الاثمان المطلقةمن الذهب والفضة ثابت بأصل الخلقة لانهالاتصلح للانتفاع باعيانها فى دفع الحوائج الاصلية فلاحاجة الى الاعداد من العبدللتجارة بالنية اذالنية للتعيين وهى متعينة للتجارة بأصل الخلقة فلا حاجة الى التعيين بالنية فتجب الزكاة فيهانوى التجارة أولم ينوأصلا أونوى النفقة وأمافيما سوى الأثمان من العروض فانما يكون الاعداد فيها للتجارة بالنية لانها كماتصلح للتجارة تصلح للانتفاع باعيانها بل المقصود الاصلى منها ذلك فلابد من التعيين للتجارة وذلك بالنية (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۱، فصل الشرائط التى ترجع الى المال)

(وحليهما) سواء كان للنساء أو لا أو قدر الحاجة أو فوقها أو يمسكها للتجارة أو للنفقة أو للتجمل أو لم ينو شيئا .وقال مالك :المباح الاستعمال لا زكاة فيه وهو أظهر القولين عن الشافعى؛ لأنه مبتذل ومباح فشابه ثياب البذلة ولنا أن السبب كونهما مال نام والنماء موجود وهو الإعداد للتجارة خلقة، والدليل هو المعتبر بخلاف الثياب وحلى المرأة معروف جمعه حلى بالضم والكسر ولا يدخل الجواهر واللؤلؤ وبخلافه فى بحث الإيمان (وآنيتهما) جمع إناء(مجمع الانهر ، ج ۱ ص ۲۰۶، ۲۰۷، كتاب الزكاة، نصاب الفضة)

فإذا كان معه دراهم أمسكها بنية صرفها إلى حاجته الأصلية لا تجب الزكاة فيها إذا حال الحول، وهى عنده، لكن اعترضه فى البحر بقوله :ويخالفه ما فى المعراج فى فصل زكاة العروض أن الزكاة تجب فى النقد كيفما أمسكه للنماء أو للنفقة، وكذا فى البدائع فى بحث النماء التقديرى . اهـ.قلت :وأقره فى النهر والشرنبلالية وشرح المقدسى، وسيصرح به الشارح أيضا، ونحوه قوله فى السراج سواء أمسكه للتجارة أو غيرها، وكذا قوله فى التتارخانية نوى التجارة أولا......وكذا ما سيأتى فى الحج من أنه لو كان له مال، ويخاف العزوبة يلزمه الحج به إذا خرج أهل بلده قبل أن يتزوج، وكذا لو كان يحتاجه لشراء دار أو عبد فليتأمل، والله أعلم(ردالمحتار، ج۲ص ۲۶۲، ۲۶۳، كتاب الزكاة)

مسئلہ:...... فضول چیزیں جو اپنی ضرورت وحاجت کی نہ ہوں، بلکہ نمود ونمائش کی ہوں، اور اسی طرح وہ تمام چیزیں جو گھروں میں رکھی رہتی ہیں اور استعمال میں نہیں آتیں، وہ ضرورت سے زیادہ ہیں اس لئے ان کی قیمت بھی حساب میں لگائی جائے گی۔

اسی طرح جو چیزیں استعمال کرنے، پرانی یا خراب ہو جانے کے بعد یا ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے ویسے ہی گھروں میں ایک طرف پڑی رہتی ہیں، ان کی ضرورت پیش نہیں آتی اور ان کی طرف مدتوں دھیان بھی نہیں جاتا (مثلاً فالتو مشینری، فرنیچر وغیرہ، جو زیرِ استعمال نہ ہو) اس قسم کی تمام چیزیں غیر ضروری ہیں ان کی مالیت کو بھی حساب میں شمار کیا جائے گا، اور جو چیز بالکل ناکارہ ہوگئی ہو اور اس کی کچھ بھی مالیت نہ ہو اس کو شمار نہیں کیا جائے گا۔ [1]

مسئلہ:...... رہائشی مکان، پہننے؛ اوڑھنے کے کپڑے، کھانے پینے کے برتن، ضرورت کی سواری اور گھریلو ضرورت کا سامان؛ جو عام طور پر زیرِ استعمال رہتا ہے، مثلاً کپڑے، سلائی اور دھلائی مشین، فریج، ڈیپ فریزر وغیرہ۔

---

[1] والذی یظهر مما مر أن ما كان من أثاث المنزل وثياب البدن وأوانی الاستعمال مما لا بد لأمثالها منه فهو من الحاجة الأصلية وما زاد على ذلك من الحلی والأوانی والأمتعة التی يقصد بها الزينة إذا بلغ نصابا تصير به غنية، ثم رأيت فی التتارخانية فی باب صدقة الفطر :سئل الحسن بن علی عمن لها جواهر ولآلی تلبسها فی الأعياد وتتزين بها للزوج وليست للتجارة هل عليها صدقة الفطر؟ قال :نعم إذا بلغت نصابا. وسئل عنها عمر الحافظ فقال لا يجب عليها شیء .اهـ(ردالمحتار، ج۲ص۳۴۸، باب مصرف الزكاة والعشر)

ومحل الصدقات الفقراء وإنما يعتبر فی المسكن والكسوة وأثاث البيت مقدار الكفاية، بدليل ما روى هشام عن محمد أنه سئل عمن له فضل على كسوته، أو عن متاع بيته، أو فضل على مسكنه قدر مائتی درهم، أيعطى من الزكاة؟ قال :لا إذا كان مستغنياً عنه . يعنی عن فضل الكسوة والمتاع(المحيط البرهانی، ج۲ص۲۸۵، كتاب الزكاة، الفصل الثامن فی المسائل المتعلقة بمن توضع الزكاة فيه)

الحلی مال فاضل عن الحاجة الأصلية إذ الإعداد للتجمل والتزين دليل الفضل عن الحاجة الأصلية فكان نعمة لحصول التنعم به فيلزمه شكرها بإخراج جزء منها للفقراء (بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع، كتاب الزكاة، فصل صفة نصاب الزكاة فی الفضة)

یہ ضرورت کے سامان میں داخل ہیں، اوران کی وجہ سے انسان شرعاً مالدار نہیں کہلاتا۔ [۱] اسی طرح آلاتِ صنعت وحرفت (مثلاً درزی کی سلائی مشینیں، ترکھان کی آری، قصاب کی چھری، مزدو کی مزدوری کا سامان وغیرہ) اور دوسرے وسائلِ رزق جن کے ذریعے کوئی شخص اپنی روزی کماتا ہے (مثلاً سبزی فروش وغیرہ کی ریڑھی) یہ بھی انسان کی ضرورت میں داخل ہیں، اوران کی وجہ سے بھی انسان مالدار شمار نہیں ہوتا۔ [۲]

مسئلہ:...... اگر کسی کے پاس ضرورت پوری کرنے کا سامان موجود ہے، لیکن اس نے بلاضرورت مزید کچھ سامان رکھ رکھا ہے، مثلاً ایک سواری سے ضرورت پوری ہوجاتی ہے، مگر اس نے زیادہ سواریاں رکھی ہوئی ہیں، یا ایک مکان سے ضرورت پوری ہوجاتی ہے، مگر اس

---

[۱] عَنْ عِرَاكٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي فَرَسِهِ وَلَا عَبْدِهِ صَدَقَةٌ (مسند أحمد، حديث نمبر ۷۲۹۵)
فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.
واذا كان للرجل دار وخادم ولا مال له غير ذلك فليس عليه صدقة الفطر؛ لأنه يحل له أخذ الصدقة؛ ولأنه محتاج فإن الدار تسترم والخادم يستنفق ولا بد له منهما فهما يزيدان فی حاجته ولا يغنيانه وقد بينا أن الصدقة لا تجب إلا على الغنی؛ لأن وجوبها للإغناء كما قال :أغنوهم ولا يخاطب بالإغناء من ليس يغني فی نفسه(المبسوط للسرخسی، ج۳ص ۱۱۱، باب صدقة الفطر)
وقوله (فاضلا عن مسكنه) قال فی النهاية :حتى لو كان له داران دار يسكنها وأخرى لا يسكنها ويؤاجرها أو لا يؤاجرها يعتبر قيمتها فی الغنی حتى لو كانت قيمتها مائتی درهم وجب عليه صدقة الفطر(العناية شرح الهداية، ج۲ص ۲۸۱،۲۸۲،كتاب الزكاة،باب صدقة الفطر)
وفی هذه الآية دلالة على أن من له ثياب الكسوة ذات قيمة كثيرة لا تمنعه إعطاء الزكاة ، ؛ لأن الله تعالى قد أمرنا بإعطاء الزكاة من ظاهر حال مشبه لأحوال الأغنياء (احكام القرآن جصاص ، ج ۱ ص ۵۶۰، سورة البقرة)

[۲] (قوله :وفارغ عن حاجته الأصلية) أشار إلى أنه معطوف على قوله عن دين (قوله وفسره ابن ملك) أی فسر المشغول بالحاجة الأصلية والأولى فسرها، وذلک حيث قال :وهی ما يدفع الهلاک عن الإنسان تحقيقا كالنفقة ودور السكنى وآلات الحرب والثياب المحتاج إليها لدفع الحر أو البرد أو تقديرا كالدين، فإن المديون محتاج إلى قضائه بما فی يده من النصاب دفعا عن نفسه الحبس الذی هو كالهلاک وكآلات الحرفة وأثاث المنزل ودواب الركوب وكتب العلم لأهلها فإن الجهل عندهم كالهلاک (ردالمحتارعلى الدرالمختار، ج۲، ص ۲۶۲، كتاب الزكاة، دارالفكر ،بيروت)

نے ایک سے زیادہ مکان رکھے ہوئے ہیں، تو اس ضرورت سے زیادہ سامان کی مالیت کا مالدار ہونے میں اعتبار کیا جائے گا۔

البتہ اگر ان میں سے کچھ سامان تو اپنی ذاتی ضرورت کے استعمال میں آرہا ہے، اور کچھ سامان کو کرایہ پر چلا کر اس سے اپنی روزی کا انتظام کر رہا ہے، کہ اگر یہ انتظام نہ ہو، تو اس کے ضروری اخراجات متأثر ہوتے ہیں، تو پھر یہ سامان بھی ضرورت میں داخل سمجھا جائے گا۔ [1]

---

[1] (قوله إذا كان مالكا لمقدار النصاب) وعند الشافعي تجب على الفقير إذا كان له زيادة على قوت يومه لنفسه وعياله وشرط الشيخ الحرية بتحقق التمليك والإسلام لتقع الصدقة قربة وشرط اليسار لقوله -عليه السلام -لا صدقة إلا عن ظهر غنى وقدر اليسار بالنصاب لتقدير الغنى فى الشرع به وسواء ملك نصابا أو ما قيمته نصابا من العروض أو غيرها فضلا عن كفايته ولا يكون عليه دين.

(قوله فاضلا عن مسكنه وثيابه وفرسه وسلاحه وعبيده للخدمة) لأن هذه الأشياء مستحقة بالحوائج الأصلية والمستحق بها كالمعدوم وكذا كتب العلم إن كان من أهله ويعفى له فى كتب الفقه عن نسخة من كل مصنف لا غير، وفى الحديث عن نسختين ولو كان له دار واحدة يسكنها ويفضل عن سكناه منها ما يساوى نصابا وجبت عليه الفطرة وكذا فى الثياب والأثاث(الجوهرة النيرة، ج ا ص ۱۳۲، ۱۳۳، باب صدقة الفطر)

الفرق بين الأهل وغيرهم فى جواز أخذ الزكاة والمنع عنه، فمن كان من أهلها إذا كان محتاجا إليها للتدريس والحفظ والتصحيح فإنه لا يخرج بها عن الفقر، فله أخذ الزكاة إن كانت فقها أو حديثا أو تفسيرا ولم يفضل عن حاجته نسخ تساوى نصابا، كأن يكون عنده من كل تصنيف نسختان، وقيل ثلاث لأن النسختين يحتاج إليهما لتصحيح كل من الأخرى والمختار الأول :أى كون الزائد على الواحدة فاضلا عن الحاجة، وأما غير الأهل فإنهم يحرمون بالكتب من أخذ الزكاة لتعلق الحرمان بملك قدر نصاب غير محتاج إليه، وإن لم يكن ناميا .وأما كتب الطب والنحو والنجوم فمعتبرة فى المنع مطلقا ونص فى الخلاصة على أن كتب الأدب والمصحف الواحد ككتب الفقه، لكن اضطرب كلامه فى كتب الأدب فصرح فى باب صدقة الفطر بأنها كالتعبير والطب والنجوم. والذى يقتضيه النظر أن نسخة من النحو أو نسختين على الخلاف لا تعتبر من النصاب، وكذا من أصول الفقه، والكلام غير المخلوط بالآراء بل مقصور على تحقيق الحق من مذهب أهل السنة إلا أن لا يوجد غير المخلوط لأن هذه من الحوائج الأصلية أفاده فى فتح القدير.

قلت :والذى يقتضيه النظر أيضا أنه إن أريد بالأدب الظرافة كما فى القاموس وذلك ككتب الشعر والعروض والتاريخ ونحوه تمنع الأخذ، وإن أريد به آداب النفس كما فى المغرب وهو المسمى بعلم الأخلاق كالإحياء للغزالى ونحوه فهو كالفقه لا يمنع، وإن كتب الطب لطبيب يحتاج إلى مطالعتها ومراجعتها لا تمنع لأنها من الحوائج الأصلية كآلات المحترفين، وإن الأهل إذا كان غير

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:...... جو غلہ (گندم، چاول، مکئی، آٹا، چینی وغیرہ) سال بھر کی کھانے پینے کی ضروریات کے لئے رکھا ہوا ہے، اور اس غلہ کی مالیت صدقۂ فطر کے نصاب کی مالیت کے برابر (یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر) یا اس سے بھی زیادہ ہے؛ تو راجح یہ ہے کہ یہ غلہ حاجتِ اصلیہ میں داخل ہے، اور اس کی وجہ سے صدقۂ فطر واجب نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

محتاج إليها فهو كغير الأهل كما يعلم مما مر، وكذا حافظ قرآن له مصحف لا يحتاجه لأن المناط هو الحاجة (قوله أو تزيد على نسختين) صوابه على نسخة لأن المختار هو كون الزائد على نسخة واحدة فاضلا عن الحاجة كما قدمناه عن الفتح :ومثله في النهر(رد المحتار على الدر المختار، ج۲ص۲۶۵، كتاب الزكاة)

[1] ويحل لمن له دور وحوانيت تساوى نصبا، وهو محتاج لغلتها لنفقته ونفقة عياله على خلاف فيه ولمن عنده طعام سنة تساوى نصابا لعياله على ما هو الظاهر بخلاف قضاء الدين فإنه يجب عليه بيع قوته إلا قوت يومه كما في القنية من الحبس(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲ص۲۶۳، كتاب الزكاة،باب مصرف الزكاة)

وذكر في الفتاوى فيمن له حوانيت ودور للغلة لكن غلتها لا تكفيه وعياله أنه فقير ويحل له أخذ الصدقة عند محمد، وعند أبي يوسف لا يحل وكذا لو له كرم لا تكفيه غلته؛ ولو عنده طعام للقوت يساوي مائتي درهم، فإن كان كفاية شهر يحل أو كفاية سنة، قيل لا تحل، وقيل يحل؛ لأنه يستحق الصرف إلى الكفاية فيلحق بالعدم، وقد ادخر -عليه الصلاة والسلام -لنسائه قوت سنة، ولو له كسوة الشتاء وهو لا يحتاج إليها في الصيف يحل ذكر هذه الجملة في الفتاوى .اهـ.

وظاهر تعليله للقول الثاني في مسألة الطعام اعتماده.

وفي التتارخانية عن التهذيب أنه الصحيح وفيها عن الصغرى له دار يسكنها لكن تزيد على حاجته بأن لا يسكن الكل يحل له أخذ الصدقة في الصحيح وفيها سئل محمد عمن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاث آلاف ولا تكفي لنفقته ونفقة عياله سنة؟ يحل له أخذ الزكاة وإن كانت قيمتها تبلغ ألوفا وعليه الفتوى وعندهما لا يحل اهـ (ردالمحتار، ج۲ص۳۴۸، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

وذكرفي الفتاوىٰ فيمن لهٗ حوانيت ودورالغلة لكن غلتهالاتكفيه ولعياله انهٗ فقيرويحل لهٗ اخذالصدقة عندمحمدوزفروعندابي يوسف لايحل وعلىٰ هٰذااذاكان لهٗ ارض وكرم لكن غلتهٗ لاتكفيه ولعياله ولوكان عنده طعام للقوت يساوي مأتي درهم فان كان كفاية شهرتحل له الصدقة وان كان كفاية سنة قال بعضهم لاتحل وقال بعضهم تحل لان ذالک مستحق الصرف الى الكفاية والمستحق ملحق بالعدم (بدائع الصنائع ج۲ص۴۸،وامافصل الذى يرجع الى المؤدى اليه)

اور امداد الفتاویٰ میں ہے کہ:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ: ...... صدقۂ فطر کے نصاب میں سونے، چاندی، تجارت کے سامان اور غیر ضروری چیزوں کی جو قیمت لگائی جاتی ہے وہ قیمتِ فروخت کے اعتبار سے ہوگی (اور جس قیمت پر کوئی چیز خریدی گئی تھی، اس کا اعتبار نہ ہوگا) چنانچہ پرانی اور فالتو یا خراب چیزیں جو گھروں میں رکھی رہتی ہیں ان کی اس قیمت کا اعتبار ہوگا کہ اگر ان کو فروخت کیا جائے تو کیا قیمت حاصل ہوگی؟ اور صدقۂ فطر میں اُس مالیت و قیمت کا اعتبار ہوگا جو عید کے دن اُن چیزوں کی ہو۔ [1]

مسئلہ: ...... جس قرض کے ملنے کی توقع ہو اسے نقدی میں شمار کیا جائے گا خواہ وہ نقدی کی صورت میں کسی کو دیا ہو یا کوئی چیز فروخت کی ہو اور قیمت وصول کرنا باقی ہو سب کو شامل کر کے حساب کیا جائے گا۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اگر اس کا غلہ سال بھر کے خرچ سے بمقدار نصاب نہیں بچتا تو مانعِ اخذِ زکوٰۃ وموجبِ فطر واضحیہ نہیں (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۰)

اور یہ حکم مالِ غیر نامی کا ہے، جیسا کہ غلہ کے الفاظ سے ظاہر ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۴)

لہٰذا بعض حضرات نے اس جزئیہ سے سال بھر کی ضروریات میں خرچ ہونے کے لئے رکھے ہوئے نصاب کے برابر مالِ نامی کو وجوبِ صدقۂ فطر کے لئے مانع سمجھا ہے؛ یہ غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔

[1] وذكر محمد رحمه الله فى الرقيات أنه يقوم فى البلد الذى حال الحول على المتاع بما يتعارفه أهل ذلک البلد نقداً فيما بينهم، يعنى غالب نقد ذلک البلد، ولا ننظر إلى موضع الشراء ، ولا إلى موضع المالک وقت حولان الحول؛ لأن هذا مال وجب تقويمه، فيقوّم بغالب نقد البلد كما فى ضمان المتلفات إلا أنه يعتبر نقد البلد الذى حال الحول فيه على المال؛ لأن الزكاة تصرف إلى فقراء البلدة التى فيها المال، فالتقويم بنقد ذلک البلد أنفع فى حق الفقراء من حيث الرواج، فيجب اعتباره (المحيط البرهانى، ج۲ ص ۲۴۶، الفصل الثالث فى بيان مال الزكاة)

[2] حدثنا يزيد ، عن هشام ، عن الحسن ، قال : إذا حضر الشهر الذى وقت الرجل أن يؤدى فيه زكاته أدى كل مال له ، وكل ما ابتاع من التجارة ، وكل دين إلا ما كان منه ضمارا لا يرجوه (الاموال للقاسم بن سلام، حديث نمبر ۸۹۲)

(و) اعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة :قوى، ومتوسط، وضعيف؛ (فتجب) زكاتها إذا تم نصابا وحال الحول، لكن لا فورا بل (عند قبض أربعين درهما من الدين) القوى كقرض (وبدل مال تجارة) فكلما قبض أربعين درهما يلزمه درهم (و) عند قبض (مائتين منه لغيرها) أى من بدل مال

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ اگر کسی کے قبضہ میں اتنا مال نہیں کہ جس سے وہ صدقۂ فطر ادا کر سکے، اور جو اس کا مال ہے، وہ لوگوں کی طرف قرض ودَین ہے، تو ایسی صورت میں صدقۂ فطر کو مال کے حاصل ہونے تک مؤخر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ [1]

اور جس قرض ودَین کے واپس ملنے کی امید نہ ہو، اسے صدقۂ فطر کے نصاب میں شمار نہیں کیا جائے گا (لانہ مال الضمار) [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لغير تجارة وهو المتوسط كثمن سائمة وعبيد خدمة ونحوهما مما هو مشغول بحوائجه الأصلية كطعام وشراب وأملاك ،ويعتبر ما مضى من الحول قبل القبض فى الأصح(الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

(قوله :عند الإمام) وعندهما الديون كلها سواء تجب زكاتها، ويؤدى متى قبض شيئا قليلا أو كثيرا إلا دين الكتابة والسعاية والدية فى رواية بحر(ردالمحتار، ج۲ص۳۰۵، كتاب الزكاة، باب زكاة المال)

[1] بخلاف الزكاة؛ لأن الزكاة لا يتعلق وجوبها بوقت مخصوص بل جميع العمر وقتها فكان جميع الأوقات وقتا لأدائها، فإن لم يكن فى يده شيء للحال يؤديها إذا وصل إلى المال، وكذا تتأدى بكل مال فإيجابها عليه لا يوقعه فى الحرج، وكذلك صدقة الفطر لأنها تجب وجوبا موسعا كالزكاة، وهو الصحيح.وعند بعضهم وإن كانت تتوقف بيوم الفطر لكنها تتأدى بكل مال فلا يكون فى الوجوب عليه حرج وذكر فى الأصل وقال :ولا تجب الأضحية على الحاج(بدائع والصنائع ، ج۵ص۶۳،فصل فى شرائط وجوب الاضحية)

[2] عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُون ، قَالَ :أَخَذَ الْوَلِيدُ بن عَبْدِ الْمَلِكِ مَالَ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الرَّقَّةِ يُقَالُ لَهُ :أَبُو عَائِشَةَ عِشْرِينَ أَلْفًا ، فَأَلْقَاهَا فِي بَيْتِ الْمَالِ ، فَلَمَّا وَلِيَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَتَاهُ وَلَدُهُ ، فَرَفَعُوا مَظْلِمَتَهُمْ إلَيْهِ ، فَكَتَبَ إلَى مَيْمُون :ادْفَعُوا إلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ، وَخُذُوا زَكَاةَ عَامِهِ هَذَا ، فَلَوْلا أَنَّهُ كَانَ مَالاً ضِمَارًا أَخَذْنَا مِنْهُ زَكَاةَ مَا مَضَى(مصنف ابن ابى شيبة، حديث نمبر ۱۰۷۱۷، كتاب الزكاة، باب مَا قَالُوا فِي الرَّجُلِ يَذْهَبُ لَهُ الْمَالُ السِّنِينَ ثُمَّ يَجِدُهُ ، فَيُزَكِّيه ؟)

عَنْ هِشَامٍ ، عَنْ مَيْمُون ؛ أَنَّ رَجُلاً ذَهَبَ لَهُ مَالٌ فِي بَعْضِ الْمَظَالِمِ ، فَوَقَعَ فِي بَيْتِ الْمَالِ ، فَلَمَّا وَلِيَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ رُفِعَ إلَيْهِ ، فَكَتَبَ عُمَرُ :أَنَ ادْفَعُوا إلَيْهِ ، وَخُذُوا مِنْهُ زَكَاةَ مَا مَضَى ، ثُمَّ تَبِعَهُمْ بَعْدُ كِتَاب :أَنَ ادْفَعُوا إلَيْهِ مَالَهُ ، ثُمَّ خُذُوا مِنْهُ زَكَاةَ ذَلِكَ الْعَامِ ، فَإِنَّهُ كَانَ مَالاً ضِمَارًا(مصنف ابن ابى شيبة، حديث نمبر ۱۰۷۱۸، كتاب الزكاة، باب مَا قَالُوا فِي الرَّجُلِ يَذْهَبُ لَهُ الْمَالُ السِّنِينَ ثُمَّ يَجِدُهُ ، فَيُزَكِّيه ؟)

عبد الرزاق عن معمر عن أيوب عن ميمون بن مهران قال كتب عروة بن محمد إلى عمر بن عبد العزيز فى مال ظلم فيه الناس فكان بأيدى العمال فكتب أن يرد عليهم ويؤخذ منهم زكاته فراجعه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:...... اگر کوئی مقروض یا مدیون ہے تو پانچ قسم کے مالوں (سونے، چاندی، تجارت کا مال، نقدی اور ضرورت سے زیادہ سامان) کی قیمت لگائے، پھر اس سے قرض و دَین کو علیحدہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عاملہ فی ذلک یأخذها من کل عام أو سنة واحدة فکتب إلیه إن کان مالا ضمارا فزکه سنة واحدة قلت له ما الضمار قال الذاهب (مصنف عبدالرزاق، حدیث نمبر ۷۱۲۷)

حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ قَالَ :حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ :حَدَّثَنِي مَالِکٌ، عَنْ أَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيِّ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ كَتَبَ فِي مَالٍ قَبَضَهُ بَعْضُ الْوُلَاةِ ظُلْمًا ,يَأْمُرُهُ بِرَدِّهِ إِلَى أَهْلِهِ ,وَتُؤْخَذُ زَكَاتُهُ لِمَا مَضَى مِنَ السِّنِينَ ,ثُمَّ عَقَّبَ بَعْدَ ذَلِکَ بِكِتَابٍ لَا يُؤْخَذُ مِنْهُ إِلَّا زَكَاةٌ وَاحِدَةٌ ,فَإِنَّهُ كَانَ ضِمَارًا قَالَ أَبُو أَحْمَدَ حُمَيْدٌ :التَّاوِي :الَّذَاهِبُ الَّذِي لَا يُرْجَى(الاموال لابن زنجویه ،حدیث نمبر ۱۷۲۸)

ومنها الملک المطلق وهو أن يكون مملوكا له رقبة ويدا وهذا قول أصحابنا الثلاثة، وقال زفر ": اليد ليست بشرط "وهو قول الشافعي فلا تجب الزكاة في المال الضمار عندنا خلافا لهما.

وتفسير مال الضمار هو كل مال غير مقدور الانتفاع به مع قيام أصل الملک كالعبد الآبق والضال، والمال المفقود، والمال الساقط في البحر، والمال الذي أخذه السلطان مصادرة، والدين المجحود إذا لم يكن للمالک بينة وحال الحول ثم صار له بينة بأن أقر عند الناس، والمال المدفون في الصحراء إذا خفي على المالک مكانه فإن كان مدفونا في البيت تجب فيه الزكاة بالإجماع(بدائع الصنائع، ج۲ص ۹،کتاب الزکاة، فصل الشرائط التی ترجع إلى المال)

إذا كان لرجل على غيره دين، وهو جاحد، فإن لم يكن لرب الدين بينة عادلة على الدين، فإنه لا يكون نصاباً عند علمائنا الثلاثة، وهذه المسألة في الفقه تسمى مال الضمار، ومال الضمار كل مال بقي أصله في ملكه، ولكن زال عن يده زوالاً لا يرجى عوده في الغالب، والأصل فيه أثر علي رضي الله عنه :لا زكاة في مال الضمار، وفسر الضمار بما ذكرنا.

والمعنى في ذلک أن المال إنما ينعقد نصاباً باعتبار معنى التجارة، ومنفعة التجارة تزول إذا صار المال ضماراً بخلاف ابن السبيل؛ لأن منفعة التجارة لا تزول في حقه، وأما إذا كانت له بينة عادلة، ذكر في الأصل أنه ينعقد نصاباً، وسوّى بين الإقرار والبينة، وذكر في الجامع الصغير أنه لا ينعقد نصاباً .والمذكور في الجامع الصغير :رجل له على آخر دين جحدها سنين، ثم أقام البينة عليه لا يزكها لما مضى(المحیط البرهانی، ج۲ص ۳۰۹، الفصل الرابع عشر في المال الذي يتوى، ثم يقدر عليه)

(ولا في مال ضمار) بالكسر مخفي وشرعا مال زائل اليد غير مرجو الوصول غالبا وإنما لا تجب الزكاة عندهم لأن كلا من الملک والنماء فيه مفقود خلافا لزفر والشافعي حيث قالا تجب فيه الزكاة للسنين الماضية إذا وصلت يده إليه لأن السبب قد تحقق وفوات اليد غير مخل بالوجوب كمال ابن السبيل والحجة عليهما قول علي -رضي الله تعالى عنه -لا زكاة في مال الضمار وأما ابن السبيل فقادر بنائبه(مجمع الانهر، ج ۱ ص ۱۹۴، کتاب الزکاة، شرط وجوب الزکاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کرے، قرض ودَین نکالنے کے بعد اگر مال نصاب کے برابر ہے تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے ورنہ نہیں۔ [1]

ملحوظ رہے کہ جو رقم کسی سے نقد کی شکل میں قرض لی ہو، اور اس کو ادا کرنا باقی ہو، وہ قرض کہلاتی ہے، اور جو چیز کسی سے خریدی، اور اس کی قیمت ادا کرنا باقی ہے، تو وہ دَین کہلاتی ہے، مگر اس کی قیمت بھی قرض کا حکم رکھتی ہے، اور قرض کی طرح اس کی قیمت بھی صدقۂ فطر کے نصاب سے مستثنیٰ ہوتی ہے۔

ملازم اور نوکر کی وہ تنخواہ جو عیدالفطر کے دن صبح صادق کے وقت اپنے ذمے واجب ولازم ہو چکی ہے، وہ قرض کا حکم رکھتی ہے۔

اسی طرح مذکورہ وقت میں مکان، دکان کا کرایہ جو ذمہ میں لازم ہو چکا وہ بھی قرض کا حکم رکھتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لا زكـاة فـى مـال الضمار ومعناه مال يتعذر الوصول إليه مع قيام الملك من قولك بعير ضامر إذا كـان نـحيفا مع قيام الحياة فيه وأن عمر بن عبد العزيز فى خلافته لما أمر برد أموال بيت المال على أصـحابها قيل أفلا نأخذ منهم زكاتها لما مضى قال :لا، فـإنها كانت ضمارا والمعنى فيه أن وجوب الـزكـاة فـى الـسـائـمة كـان بـاعتبار معنى النماء ، وقد انسد على صاحبها طريق يحصل النماء منها بـجحود الغاصب إياها فانعدم ما لأجله كان نصاب الزكاة بخلاف ابن السبيل، فإن النماء يحصل له بيـد ثـانية كـمـا يحصل بيده فكان نصاب الزكاة لهذا، وكذلك الضالة وما سقط منه فى البحر من مـال التجارة إذا وصلت يده إليه بعد الحول فليس عليه الزكاة لما مضى؛ لأن معنى المالية فى النمو والانتفـاع، وذلك مـنـعدم فكان مستهلكا معنى، وإن كان قائما صورة وكذلك الدين المجحود (المبسوط للسرخسى، ج۲ص ۱۷۱، كتاب الزكاة،باب زكاة الابل)

(وسيأتى مسألة ابن السبيل فى الباب الآتى)

[1] عَـنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ ، قَالَ :سَـمِعْتُ عُثْمَانَ يَقُولُ :هَـذَا شَهْرُ زَكَاتِكُمْ ، فَمَنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَلْيَقْضِهِ ، وَزَكُّوا بَقِيَّةَ أَمْوَالِكُمْ(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۱۰۶۵۸)

قال البوصيرى:

رواه مسدد موقوفًا بسند صحيح(اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة،للبوصيرى،باب لا زكاة فى مال حتى يحول عليه الحول ولا على من عليه دين حتى يقضى عنه وما جاء فى العمال وتعجيل الصدقة)

اوراسی طرح غیر سرکاری اور پرائیویٹ واجبات کی طرح سرکاری و نیم سرکاری واجبات مثلاً فون، بجلی، گیس وغیرہ کے یوٹیلٹی بلز جو عیدالفطر کے دن صبح صادق کے وقت اپنے ذمہ واجب ولازم ہوچکے ہیں، اگرچہ ابھی ادا نہ کئے ہوں، وہ بھی قرض کا حکم رکھتے ہیں۔

اس قسم کی رقوم صدقۂ فطر کے نصاب سے مستثنیٰ ہیں۔ [۱]

مسئلہ:...... نصاب کے بقدر مال ہونے کی وجہ سے صدقۂ فطر واجب ہونے کے بعد اگر مال جاتا رہا تب بھی صدقۂ فطر ذمہ میں رہے گا۔ [۲]

صدقۂ فطر کی ادائیگی کا وقت اور اس کے مصارف

مسئلہ:...... صدقۂ فطر کے واجب ہونے کا وقت اگرچہ عید کے دن کا صبح صادق ہے، لیکن اگر کوئی اس سے پہلے رمضان میں کسی تاریخ کو پیشگی دیدے تب بھی اداء ہوجاتا ہے۔ [۳]

اگر کسی نے نہ رمضان میں اداء کیا اور نہ عید کے دن تو بعد میں جب بھی اداء کرے گا وہ اداء ہوجائے گا۔

خلاصہ یہ کہ جب تک صدقۂ فطر ادا نہیں کرے گا، معاف نہ ہوگا خواہ کتنا ہی زمانہ گذر جائے،

---

[۱] وقد عللوا سقوط الزكاة بالدين بأن المديون محتاج إلى هذا المال حاجة أصلية لأن قضاء الدين من الحوائج الأصلية والمال المحتاج إليه حاجة أصلية لا يكون مال الزكاة (ردالمحتار، ج۲ص ۲۶۱، كتاب الزكاة)

[۲] كالزكاة تسقط بهلاک النصاب، بخلاف صدقة الفطر فإنها لا تسقط بهلاک المال بعدما طلع الفجر من يوم الفطر(ردالمحتار، ج٦ ص ۳۱۵، كتاب الأضحية)

وأما مكان الأداء روى عن محمد أنه قال زكاة المال من حيث المال وصدقة الفطر عن نفسه وعبيده من حيث هو وروى عن أبي يوسف أنه يؤدى عن نفسه من حيث هو وعن عبيدة من حيث هم، والأول أصح لأن صدقة الفطر لا تعلق لها بالمال حتى إذا هلک المال بعد الوجوب لا تسقط الفطرة بخلاف الزكاة والله أعلم(تحفة الفقهاء، ج ۱ ص ۳۴۰ ،باب صدقة الفطر)

[۳] صدقۂ فطر کا سببِ وجوب ایسا راُس ہے جس کا نفقہ اس کے ذمہ ہے اور اس کی ولایت اس کو حاصل ہے، اور وہ یومِ فطر سے پہلے موجود ہے، اور یومِ فطر وجوبِ ادا کی شرط ہے، لہٰذا جس طرح سال پورا ہونے سے پہلے پیشگی زکاۃ دینا جائز ہے، اسی طرح صدقۂ فطر بھی عید سے پہلے سببِ وجوب پائے جانے پر دینا جائز ہے (نورالانوار ص۵٦، مبحث الامر، الامر نوعان، مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ، ملتان، عمدۃ الفقہ حصہ سوم، صفحہ۱٦٦، بتغیر)

عمر بھر یہ واجب اس کے ذمہ رہے گا اور جب بھی ادا کرے گا یہ ادا ہو جائے گا، لیکن تاخیر ہونے پر استغفار کرنا چاہئے۔ [1]

مسئلہ:...... سنت وافضل طریقہ یہ ہے کہ عید کی نماز سے پہلے صدقۂ فطر ادا کر دیا جائے۔

جیسا کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

مِنَ السُّنَّةِ أَنْ لَا تَخْرُجَ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى تُخْرِجَ الصَّدَقَةَ (المعجم الكبير للطبراني) [2]

ترجمہ: یہ بات سنت سے تعلق رکھتی ہے کہ آپ عیدالفطر کے دن (عید کی نماز کے لئے) نکلنے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کر دیں (ترجمہ ختم)

مسئلہ:...... اگر کسی نے رمضان سے بھی پہلے صدقۂ فطر ادا کر دیا تو رمضان آنے کے بعد

---

[1] (قوله :وصححه في البدائع) أقول :ليس ذلك مصرحا به في البدائع وإنما يفهم منه، وعبارة البدائع :وأما وقت أدائها فجميع العمر عند عامة مشايخنا، ولا يسقط بالتأخير عن يوم الفطر وقال الحسن بن زياد وقت أدائها يوم الفطر من أوله إلى آخره فإذا لم يؤدها حتى مضى اليوم سقطت؛ لأن هذا حق يعرف بيوم الفطر فيختص أداؤه به كالأضحية وجه قول العامة أن الأمر بأدائها مطلق عن الوقت فيجب في مطلق الوقت وإنما يتعين بتعيينه فعلا أو آخر العمر كالأمر بالزكاة والعشر والكفارات ففي أي وقت أدى كان مؤديا لا قاضيا كما في سائر الواجبات الموسعة غير أن المستحب أن يخرج قبل الخروج إلى المصلى؛ لأنه -عليه الصلاة والسلام -كذا كان يفعل ولقوله -عليه الصلاة والسلام -أغنوهم عن المسألة في هذا اليوم اهـ(منحة الخالق على هامش البحرالرائق، ج٢ص ٢٧٠، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

(قال) : واذا لم يخرج الرجل صدقة الفطر فعليه إخراجها، وإن طالت المدة إلا على قول الحسن بن زياد فإنه يقول :تسقط بمضي يوم الفطر؛ لأنها قربة اختصت بأحد يومي العيد فكانت قياس الأضحية تسقط بمضي أيام النحر.

(ولنا) أن هذه صدقة مالية فلا تسقط بعد الوجوب إلا بالأداء كزكاة المال، ولا نقول :الأضحية تسقط بل ينتقل الواجب إلى التصدق بالقيمة؛ لأن إراقة الدم لا تكون قربة إلا في وقت مخصوص أو مكان مخصوص فأما التصدق بالمال قربة في كل وقت(المبسوط للسرخسي، ج٣ص ١١٠، باب صدقة الفطر)

[2] حديث نمبر ١١٢٩٦، مكتبة ابنِ تيمية ، القاهرة ، واللفظ لهٗ،سنن دارقطني، حديث نمبر ١٧٠٩، وحديث نمبر ٢١٣٦، المعجم الاوسط للطبراني، حديث نمبر ٤٥١.

اسے دوبارہ صدقۂ فطر ادا کرنے کی ضرورت نہیں، پہلے ادا کیا ہوا ہی کافی ہو جائے گا۔ [1]

مسئلہ:...... صدقۂ فطر کیونکہ عید الفطر کی صبح صادق کے وقت واجب ہوتا ہے، لہٰذا عید کے دن

---

[1] رمضان سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنے میں اختلاف ہے، اگرچہ راجح تو یہی ہے کہ ادا ہو جاتا ہے، لیکن کچھ حضرات رمضان سے پہلے صدقۂ فطر ادا ہونے کے قائل نہیں، اس لیے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ رمضان شروع ہونے سے پہلے صدقۂ فطر ادا نہ کیا جائے اور اگر ادا کر دیا گیا تو اختلاف سے بچنے کے لیے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ رمضان شروع ہونے کے بعد دوبارہ ادا کیا جائے؛ لیکن اگر کسی نے دوبارہ ادا نہیں کیا تو گنجائش اس کی بھی ہے کہ پہلا ادا کیا ہوا کافی ہے۔

ولو عجل الصدقة على يوم الفطر لم يذكر في ظاهر الرواية وروى الحسن عن أبي حنيفة أنه يجوز التعجيل سنة وسنتين وعن خلف بن أيوب أنه يجوز تعجيلها إذا دخل رمضان ولا يجوز قبله، وذكر الكرخي في مختصره أنه يجوز التعجيل بيوم، أو يومين.

وقال الحسن بن زياد :لا يجوز تعجيلها أصلا.

وجه قوله إن وقت وجوب هذا الحق هو يوم الفطر فكان التعجيل أداء الواجب قبل وجوبه وإنه ممتنع كتعجيل الأضحية قبل يوم النحر.

وجه قول خلف هذه فطرة عن الصوم فلا يجوز تقديمها على وقت الصوم، وما ذكره الكرخي من اليوم، أو اليومين فقد قيل إنه ما أراد به الشرط فإن أراد به الشرط فوجهه أن وجوبها لإغناء الفقير في يوم الفطر وهذا المقصود يحصل بالتعجيل بيوم، أو يومين؛ لأن الظاهر أن المتعجل يبقى إلى يوم الفطر فيحصل الإغناء يوم الفطر وما زاد على ذلك لا يبقى فلا يحصل المقصود، والصحيح أنه يجوز التعجيل مطلقا وذكر السنة، والسنتين، في رواية الحسن ليس على التقدير بل هو بيان لاستكثار المدة أي يجوز وإن كثرت المدة كما في قوله تعالى (إن تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم) (التوبة :۸۰) ووجهه أن الوجوب إن لم يثبت فقد وجد سبب الوجوب وهو رأس يمونه ويلي عليه، والتعجيل بعد وجود السبب جائز كتعجيل الزكاة، والعشور وكفارة القتل والله أعلم(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج۲ص۷۴،فصل وقت وجوب صدقة الفطر)

ولو عجل صدقة الفطر على يوم الفطر ذكر الكرخي أنه إذا عجل بيوم أو يومين جاز ولم يذكر أنه لو عجل بأكثر من ذلك هل يجوز

وروى الحسن عن أبي حنيفة أنه يجوز التعجيل بسنة وسنتين وعن خلف بن أيوب أنه يجوز التعجيل بشهر لا غير.

وعن الحسن أنه قال لا يجوز التعجيل ولا يجوز دون يوم الفطر ولو لم يؤد يوم الفطر تسقط عنه.

والصحيح رواية الحسن بن زياد لأن سبب الوجوب هو رأس يمونه لولايته عليه والوقت شرط الوجوب والتعجيل بعد سبب الوجوب جائز كما في الزكاة(تحفة الفقهاء، ج ا ص ۳۳۹، كتاب الزكاة ،باب صدقة الفطر)

وإن قدموها على يوم الفطر جاز ولا تفضيل بين مدة ومدة وهو الصحيح (الفتاوى الهندية، ج ا ص ۱۹۲ ،كتاب الزكاة ،الباب الثامن في صدقة الفطر)

صبح صادق سے پہلے صاحبِ نصاب شخص کے یہاں جو بچہ پیدا ہوا، یا کافر صاحبِ نصاب مسلمان ہوگیا یا فقیر مالدار ہوگیا تو ان پر صدقۂ فطر واجب ہے۔

اسی طرح صبح صادق کے بعد صاحبِ نصاب شخص کا کوئی بچہ فوت ہوا یا مالدار فقیر بن گیا تب بھی صدقۂ فطر واجب ہے اور صبح صادق سے پہلے صاحبِ نصاب شخص کا بچہ فوت ہوگیا یا مالدار فقیر ہوگیا تو ان پر صدقۂ فطر واجب نہیں، اسی طرح صبح صادق کے بعد جو بچہ پیدا ہوا یا مالدار کافر مسلمان ہوا تو ان پر بھی صدقۂ فطر واجب نہیں۔ [1]

---

[1] وأما وقت الوجوب فعند أصحابنا وقت الفجر الثانى من يوم الفطر.
وعلى قول الشافعى ليلة الفطر. وفائدة الخلاف أن من ولد له ولد قبل طلوع الفجر تجب عليه صدقة فطره ومن ولد له بعد ذلك لا تجب ولو أسلم قبله تجب عليه وبعده لا وكذلك الفقير إذا أيسر قبله تجب ولو افتقر الغنى قبله لا تجب(تحفة الفقهاء، ج ا ص ۳۳۹ ،باب صدقة الفطر)
(قال) : ومن مات من مماليكه وولده ليلة العيد فلا صدقة عليه عنهم، ومن مات بعد الصبح فالصدقة واجبة عنهم.
ولا خلاف أن وجوب الصدقة يتعلق بالفطر من رمضان :وإنما الخلاف فى وقت الفطر من رمضان عندنا وقت الفطر عند طلوع الفجر من يوم الفطر، وعنده وقت غروب الشمس من الليلة التى يهل بها هلال شوال حجته لإثبات هذا الأصل أن حقيقة الفطر عند غروب الشمس وكذلك انسلاخ شهر رمضان يكون عن رؤية هلال شوال، وذلك عند غروب الشمس، وحجتنا ما روى عن النبى -صلى الله عليه وسلم -أنه قال :أنهاكم عن صوم يومين يوم تفطرون فيه من صومكم ويوم تأكلون فيه لحم نسككم ؛ ولأن حقيقة الفطر عند غروب الشمس كما يكون فى هذا اليوم كذلك فيما قبله، والفطر من رمضان إنما يتحقق بما يكون مخالفا لما تقدم، وذلك عند طلوع الفجر؛ لأن فيما تقدم كان يلزمه الصوم فى هذا الوقت، وفى هذا اليوم يلزمه الفطر، وهذا اليوم يسمى يوم الفطر فينبغى أن يكون الفطر من رمضان فيه ليتحقق هذا الاسم كيوم الجمعة تجب فيه الجمعة، وتؤدى فيه ليتحقق هذا الاسم فيه إذا عرفنا هذا فنقول كل من أسلم من الكفار ليلة الفطر فعليه صدقة الفطر عندنا؛ لأن وقت الوجوب جاء ، وهو مسلم وكل من يولد ليلة الفطر فعليه صدقة الفطر عندنا؛ لأنه جاء وقت الوجوب، وهو منفصل ومن مات من أولاده ومماليكه ليلة الفطر فليس عليه الصدقة عنه؛ لأنه جاء وقت الوجوب وهو ميت ومن مات بعد طلوع الفجر منهم فعليه الصدقة عنه؛ لأن وقت الوجوب جاء ، وهو حى وصدقة الفطر بعد ما وجبت لا تسقط بموت المؤدى عنه بخلاف الزكاة فإن الواجب هناك جزء من المال وبهلاكه يفوت محل الواجب، وهنا الصدقة تجب فى ذمة المؤدى فبموت المؤدى عنه لا يفوت محل الواجب فلهذا لا تسقط حتى روى عن أبى يوسف -رحمه الله تعالى -فى الأمالى أن من قال :لعبده إذا جاء يوم الفطر فأنت حر فعليه صدقة الفطر عنه؛

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:......صدقۂ فطر کو اس کے صحیح شرعی مصرف میں لگانا صدقۂ فطر ادا کرنے والوں کی شرعی ذمہ داری ہے، اس بارے میں آج کل بہت کوتاہی پائی جارہی ہے۔

مسئلہ:......صدقۂ فطر کسی مستحق غریب کو مالکانہ طور پر دینا چاہیے، جس میں اس کو ہر طرح

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

لأنه إنما عتق بعد طلوع الفجر فلا تسقط به الصدقة الواجبة عنه والدليل على أن وقت الوجوب عند طلوع الفجر حديث ابن عمر كان النبي -صلى الله عليه وسلم- يأمرنا بأداء صدقة الفطر قبل الخروج إلى المصلى والمقصود بهذا الأمر المسارعة إلى الأداء لا التأخير عن وقت الوجوب(المبسوط للسرخسي، ج۳ص۱۰۵، باب صدقة الفطر)

وأما وقت وجوب صدقة الفطر فقد اختلف فيه، قال أصحابنا: هو وقت طلوع الفجر الثاني من يوم الفطر، وقال الشافعي: هو وقت غروب الشمس من آخر يوم من رمضان حتى لو ملك عبدا، أو ولد له ولد، أو كان كافرا فأسلم، أو كان فقيرا فاستغنى إن كان ذلك قبل طلوع الشمس تجب عليه الفطرة، وإن كان بعده لا تجب عليه وكذا من مات قبل طلوع الفجر لم تجب فطرته وإن مات بعده وجبت، وعند الشافعي إن كان ذلك قبل غروب الشمس تجب عليه وإن كان بعده لا تجب وكذا إن مات قبله لم تجب وإن مات بعده وجبت(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج۲ص۷۴، فصل وقت وجوب صدقة الفطر)

ووقت الوجوب بعد طلوع الفجر الثاني من يوم الفطر فمن مات قبل ذلك لم تجب عليه الصدقة ومن ولد أو أسلم قبله وجبت ومن ولد أو أسلم بعده لم تجب وكذا الفقير إذا أيسر قبله تجب ولو افتقر الغني قبله لم تجب كذا في محيط السرخسي ومن مات بعد طلوع الفجر فهي واجبة عليه وكذا إذا افتقر بعد يوم الفطر كذا في الجوهرة النيرة(الفتاوى الهندية،ج ا ص۱۹۲،كتاب الزكاة، الباب الثامن في صدقة الفطر)

وإن أخروها عن يوم الفطر لم تسقط وكان عليهم إخراجها كذا في الهداية ولو عجل صدقة الفطر قبل النصاب ثم ملكه صح كذا في البحر الرائق وفي تجنيس الملتقط من سقط عنه صوم الشهر لكبر أو لمرض لا تسقط عنه صدقة الفطر كذا في المضمرات (الفتاوى الهندية، ج ا ص۱۹۲، كتاب الزكاة،الباب الثامن في صدقة الفطر)

والمستحب للناس أن يخرجوا الفطرة بعد طلوع الفجر يوم الفطر قبل الخروج إلى المصلى كذا في الجوهرة النيرة وأما وقت أدائها فجميع العمر عند عامة مشايخنا رحمهم الله كذا في البدائع (الفتاوى الهندية،ج ا ص۱۹۲،كتاب الزكاة،الباب الثامن في صدقة الفطر)

ولا يؤدى عن الجنين لأنه لا تعرف حياته (الجوهرة النيرة، ج ا ص۱۳۳، باب صدقة الفطر)

ولا يؤدى عن الجنين؛ لأنه لا يعرف حياته هكذا في السراج الوهاج(الفتاوىٰ الهندية، ج ا ص۱۹۲، الباب الثامن في صدقة الفطر)

کا اختیار ہو چاہے وہ اس کو خود استعمال کرے یا کسی دوسرے سے خرید وفروخت یا ہبہ کرے۔ ۱

مسئلہ:......صدقۂ فطر صرف انہی غریبوں کو دینا جائز ہے جنہیں زکاۃ دینا جائز ہو، جن لوگوں کو زکاۃ دینا جائز نہیں، انہیں یہ صدقہ دینا بھی جائز نہیں۔ ۲

---

۱ مستحق کو بطورِ تملیک صدقۂ فطر ادا کرنے کی غرض سے مالیت کا حساب لگا کر کھانا دیدیا جائے، کہ وہ اس کھانے کو اپنی ملک سمجھے، چاہے خود یا کسی اور کو کھلا دے یا فروخت کردے، تو اس طرح صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا، لیکن اگر بطورِ اباحت کھانا دیا جائے کہ مثلاً جتنا کھا سکو ٹھیک، اور باقی بچا ہوا معطی کی ملک ہو، اس طرح صدقۂ فطر ادا نہ ہوگا۔

الخامسة :معرفة ركنها، فالتمليك............السادس :معرفة شرط جوازها بكون المصرف إليه فقيرا(عمدة القارى، ج۹ص۱۰۷، كتاب الزكاة،أبواب صدقة الفطر)

وأما ركنها فالتمليك لقول النبى -صلى الله عليه وسلم -أدوا عن كل حر وعبد الحديث، والأداء هو التمليك فلا يتأدى بطعام الإباحة وبما ليس بتمليك أصلا ولا بما ليس بتمليك مطلق، والمسائل المبنية عليه ذكرناها فى زكاة المال وشرائط الركن أيضا ما ذكرنا هناك(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج۲ص۷۴، كتاب الزكاة،فصل ركن صدقة الفطر)

۲ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا :أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِلَى اليَمَنِ، فَقَالَ :ادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ قَدِ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ(بخارى ،حديث نمبر ۱۳۹۵)

(وصدقة الفطر كالزكاة فى المصارف) وفى كل حال (إلا فى) جواز (الدفع إلى الذمى) وعدم سقوطها بهلاك المال وقد مر(الدر المختار، كتاب الزكاة، باب زكاة الفطر)

(قوله فى المصارف) أى المذكورة فى آية الصدقات إلا العامل الغنى فيما يظهر ولا تصح إلى من بينهما أولاد أو زوجية ولا إلى غنى أو هاشمى ونحوهم ممن مر فى باب المصرف، وقدمنا بيان الأفضل فى المتصدق عليه (قوله :وكل حال) ليس المراد تعميم الأحوال مطلقا من كل وجه فإن لكل شروطا ليست للأخرى؛ لأنه يشترط فى الزكاة الحول والنصاب النامى والعقل والبلوغ وليس شىء من ذلك شرطا هنا بل المراد فى أحوال الدفع إلى المصارف من اشتراط النية واشتراط التمليك فلا تكفى الإباحة كما فى البدائع هذا ما ظهر لى تأمل .

(فرع) قدمنا فى المصرف عن التتارخانية لو دفع الفطرة إلى الطبال الذى يوقظهم وقت السحر جاز إلا أن الأحوط والأبعد عن الشبهة أن يقدم إليه قرصات هدية ثم يعطيه الحنطة .اهـ .(قوله :إلا فى جواز الدفع إلى الذمى) فى الخانية جاز ويكره .وعند الشافعى وإحدى الروايتين عن أبى يوسف لا يجوز تتارخانية وقدم عن الحاوى أن الفتوى على قول أبى يوسف ومر الكلام فيه(ردالمحتار، ج۲ص۳۶۹، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:...... غیر مسلم کو صدقۂ فطر دینا جائز نہیں، البتہ جو غیر مسلم مسلمانوں کے ملک میں رہتا سہتا ہو، اسے صدقۂ فطر دینے کے جائز ونا جائز ہونے میں اختلاف ہے، احتیاط اس میں ہے کہ اسے بھی صدقۂ فطر نہ دیا جائے، اور اس کے بجائے کسی مسلمان مستحق کو دیا جائے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واعلم أنه لا يجوز دفعها إلى ثمانية الغنى وولد الغنى الصغير وزوجة الغنى إذا كان لها مهر عليه وعبد الغنى القن ودفعها إلى ولده وولد ولده وأبويه وأجداده وأحد الزوجين إلى الآخر وبنى هاشم والكافر سواء كان ذميا أو حربيا فقوله إلى غنى يعنى غنيا يمكنه الانتفاع بماله حتى لا يدخل عليه ابن السبيل والغنى هو من يملك نصابا من النقدين أو ما قيمته نصاب فاضلا عن حوائجه الأصلية من ثيابه ودار سكناه وأثاثه وعبيد خدمته ودواب ركوبه وسلاح استعماله (الجوهرة النيرة، ج ١ ص ١٢٩، كتاب الزكاة، باب مصارف الزكاة)

ل بعض علماء نے صدقۂ فطر غریب ذمی کافر کو دینے کی اجازت دی ہے مگر دیگر علماء نے ناجائز قرار دیا ہے، لہٰذا کافر کو نہ دینے میں ہی احتیاط ہے، لیکن دارالکفر میں رہنے والے کافر اور اسی طرح مرتد کو بالاتفاق صدقۂ فطر دینا جائز نہیں، آغا خانی اور قادیانی وغیرہ زنادقہ کا کفر اور ان کا حکم دوسرے کفار سے زیادہ سخت ہے، ان کو صدقۂ فطر دینا بالاتفاق جائز نہیں (امداد المفتین ص ۴۶۴، احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۸۳، آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳ ص ۴۱۶ تا ۴۱۸)

(قال) : ويجوز أن يدفع صدقة الفطر إلى أهل الذمة وعلى قول الشافعي -رحمه الله تعالى- لا يجوز وعن أبي يوسف -رحمه الله تعالى- ثلاث روايات في رواية قال: كل صدقة مذكورة في القرآن لا يجوز دفعها إلى أهل الذمة فعلى هذه الرواية يجوز دفع صدقة الفطر إليهم، وفي رواية قال: كل صدقة واجبة بإيجاب الشرع ابتداء من غير سبب من العبد لا يجوز دفعها إلى أهل الذمة فعلى هذا لا يجوز دفع صدقة الفطر إليهم، ويجوز دفع الكفارات والنذور إليهم وفي رواية قال: كل صدقة هي واجبة لا يجوز دفعها إليهم فعلى هذا لا يجوز دفع الكفارات وإنما يجوز دفع التطوعات والشافعي -رحمه الله تعالى- يقيس هذا بزكاة المال بعلة أنها صدقة واجبة فإن الصدقة المالية صلة واجبة للمحاويج المناسبين له في الملة فلا يملك صرفها إلى غيرهم والمقصود منه أن يتقوى به على الطاعة، ويتفرغ عن السؤال لإقامة صلاة العيد، ولا يحصل هذا المقصود بالصرف إلى أهل الذمة كما لا يحصل بالصرف إلى المستأمنين فكما لا يجوز صرفها إليهم فكذلك إلى أهل الذمة.

(ولنا) أن المقصود سد خلة المحتاج، ودفع حاجته بفعل هو قربة من المؤدى وهذا المقصود حاصل بالصرف إلى أهل الذمة فإن التصدق عليهم قربة بدليل التطوعات؛ لأنا لم ننه عن المبرة لمن لا يقاتلنا قال الله تعالى: (لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين) (الممتحنة: 8) الآية بخلاف المستأمن فإنه مقاتل وقد نهينا عن المبرة مع من يقاتلنا قال الله تعالى: (إنما ينهاكم الله عن الذين قاتلوكم في الدين) (الممتحنة: 9) الآية، والقياس أن يجوز صرف الزكاة إليهم إنما تركنا القياس فيه بالنص، وهو قوله -صلى الله عليه وسلم- لمعاذ خذها من أغنيائهم وردها في فقرائهم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:...... زکاۃ کی طرح صدقۂ فطر بھی دل میں نیت کر کے مستحق کو دے دینا کافی ہے، زبان سے یہ بتانا ضروری نہیں کہ یہ صدقۂ فطر ہے، بلکہ اگر زبان سے ہدیہ، عطیہ وغیرہ کہہ دے، اور دل میں صدقۂ فطر کے ادا کرنے کی نیت ہو، تب بھی صدقۂ فطر ادا ہو جاتا ہے۔ [1]

مسئلہ:...... سید اور بنو ہاشم (یعنی جو لوگ حضرت علی، حضرت عباس، حضرت جعفر، حضرت عقیل، حضرت حارث بن عبدالمطلب کی اولاد ہوں) کو یہ صدقہ دینا جائز نہیں۔

اگر یہ ضرورت مند ہوں تو مسلمانوں کو چاہئے کہ ویسے دوسرے طریقوں (مثلاً عطیہ، نفلی صدقہ وغیرہ) سے ان کی مدد کریں اور ان کی مدد کو اپنی سعادت سمجھیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والمراد به الزكاة لا صدقة الفطر والكفارات إذ ليس للساعي فيها ولاية الأخذ فبقي على أصل القياس.

(قال) : وفقراء المسلمين أحب إلي؛ لأنه أبعد عن الخلاف؛ ولأنهم يتقوون بها على الطاعة وعبادة الرحمن، والذمي يتقوى بها على عبادة الشيطان(المبسوط للسرخسي، ج٣ص ١١١، باب صدقة الفطر)

وأما صرف ما وراء الزكاة والعشر إلى فقراء أهل الذمة فجائز عند أبي حنيفة ومحمد نحو صدقة الفطر والصدقة المنذورة والكفارات ولكن الصرف إلى المسلمين أولى وعن أبي يوسف ثلاث روايات والأصح أنه لا يجوز صرف صدقة ما إليهم إلا التطوع وأما الحربي فلا يجوز صرف صدقة ما إليه(تحفة الفقهاء ، ج ا ص ٣٠٣، كتاب الزكاة، باب من يوضع فيه الصدقة)

[1] ولا يشترط علم الفقير بأنها زكاة على الأصح لما في البحر عن القنية والمجتبى الأصح أن من أعطى مسكينا دراهم وسماها هبة أو قرضا ونوى الزكاة فإنها تجزيه لأن العبرة لنية الدافع لا لعلم المدفوع إليه(مجمع الانهر، ج ا ص ١٩٦، كتاب الزكاة، شروط صحة اداء الزكاة)

[2] (و) لا إلى (بني هاشم) إلا من أبطل النص قرابته وهم بنو لهب(الدر المختار ،كتاب الزكاة)

قال -رحمه الله -(أو هاشمي) أي لا يجوز دفعها إلى بني هاشم لقوله -عليه الصلاة والسلام -إن هذه الصدقات إنما أوساخ الناس وإنها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد رواه مسلم وقال -عليه الصلاة والسلام -نحن أهل بيت لا تحل لنا الصدقة رواه البخاري وأطلق الهاشمي هنا وفسرهم القدوري فقال هم آل علي وآل عباس وآل جعفر وآل عقيل وآل الحارث بن عبد المطلب وفائدة تخصيصهم بالذكر جواز الدفع إلى بعض بني هاشم وهم بنو أبي لهب لأن حرمة الصدقة كرامة لهم استحقوها بنصرهم النبي -صلى الله عليه وسلم -في الجاهلية والإسلام ثم سرى ذلك إلى أولادهم وأبو لهب آذى النبي -عليه الصلاة والسلام -وبالغ في أذيته فاستحق الإهانة قال أبو نصر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:...... اگر کوئی شخص گھر سے باہر سفر میں ہو، خواہ شرعی مسافت پر ہو، یا اس سے کم پر، اور اس کے گھر میں تو نصاب کے برابر مال ہو، مگر اس کے ساتھ نصاب کے برابر مال نہ ہو، اور جتنا مال اس کے ساتھ ہے، وہ اس کے سفر کی ضروریات (مثلاً کھانے، پینے اور گھر تک پہنچنے کے اخراجات) کے لئے کافی نہیں، تو اس کو اپنی ضرورت کے بقدر صدقۂ فطر لینا جائز ہے، بشرطیکہ صرف ضرورت کے بقدر لے۔

(لانه لایقدر علی الوصول الی ماله فلم یکن فی یدہٖ)

اور اگر اس کے پاس سفر میں نصاب کے برابر مال ہے، یا اس کے پاس جتنا مال ہے، وہ اس کے سفر کی ضروریات (مثلاً کھانے، پینے اور گھر تک پہنچنے کے اخراجات) کے لئے کافی ہے، تو اس کو صدقۂ فطر لینا جائز نہیں۔

(لانه قادر علی الوصول الی مالہٖ فکأنهٗ فی یدہٖ)

اور یہی حکم اس شخص کا بھی ہے، جو سفر میں تو نہیں ہے، بلکہ اپنے وطن اور گھر میں ہے، اور اس کی ملکیت میں نصاب کے برابر مال تو ہے، مگر وہ دوسرے پر قرض ودَین ہے، اور اس دَین کی ادائیگی میں ابھی وقت باقی ہے، یا جس پر اس کا دَین ہے، وہ تنگ دست ہے، اور اس کا دَین

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

البغدادی وما عدا المذکورین لا تحرم علیهم الزکاة(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق،ج ا ص ۳۰۳،کتاب الزکاة،باب المصرف)

والهاشمی منسوب إلی بنی هاشم وهم آل علی وآل عباس وآل جعفر وآل الحارث بن عبد المطلب(البنایة شرح الهدایة،ج۳ص ۴۵۰، ۴۵۱، کتاب الزکاة،باب من یجوز دفع الصدقات إلیه ومن لا یجوز)

(ولا تدفع إلی بنی هاشم) ش :أی ولا تدفع الزکاة إلی بنی هاشم .وفی "الإیضاح "الصدقات الواجبات کلها علیهم لا تجوز لإجماع الأئمة الأربعة(البنایة شرح الهدایة، ج۳ص ۴۷۱، ،باب من یجوز دفع الصدقات إلیه ومن لا یجوز)

(قوله ولا یدفع إلی بنی هاشم) یعنی الأجنبی لا یدفع إلیهم بالإجماع وهل یجوز أن یدفع بعضهم إلی بعض عندهما لا یجوز .وقال أبو یوسف یجوز(الجوهرة النیرة،ج ا ص ۱۳۰، کتاب الزکاة،باب مصارف الزکاة)

والتفصیل فی امدادالاحکام، جلد۲، صفحة ۵۰، بعنوان" الاحتیاط اللازم فی التصدق علی بنی هاشم" و"القول الخاتم فی حرمة الزکاة علی بنی هاشم"

ادا کرنے پر قادر نہیں، اور خود اس شخص کے قبضہ میں جتنا مال ہے، وہ نصاب کے برابر نہیں، اور اس کو اس حال میں کھانے پینے اور لباس وغیرہ کی ضرورت پیش آ گئی ہے، اور اس ضرورت کے پوری کرنے کے لئے اس کے ہاتھ میں مال نہیں ہے، تو اس کو بھی بقدرِ ضرورت صدقۂ فطر لینا جائز ہے، یہاں بھی یہ شرط ہے کہ وہ صرف ضرورت کے بقدر لے، ضرورت سے زیادہ لینا جائز نہیں۔ [1]

---

[1] فقوله إلى غنى يعنى غنيا يمكنه الانتفاع بماله حتى لا يدخل عليه ابن السبيل (الجوهرة النيرة، ج ا ص ۱۲۹، کتاب الزکاة، باب مصارف الزکاة)

(ومن له مال فى وطنه لا معه) وهو المراد من ابن السبيل فكل من يكون مسافرا على الطريق يسمى ابن السبيل كما يسمى ابن الفقير للفقير كما فى المبسوط والأولى أن يستقرض إن قدر عليه للأداء فى بلده وألحق به كل من هو غائب عن ماله وإن كان فى بلده ولا يلزم أن يتصدق بما فضل فى يده عند قدرته على ماله كالفقير إذا استغنى والمكاتب إذا عجز كما فى الفتح.(مجمع الانهر، ج ا ص ۲۲۱، کتاب الزکاة، باب فى بيان احكام المصرف)

(ومنها ابن السبيل) ، وهو الغريب المنقطع عن ماله كذا فى البدائع .جاز الأخذ من الزكاة قدر حاجته، ولم يحل له أن يأخذ أكثر من حاجته وألحق به كل من هو غائب عن ماله، وإن كان فى بلده؛ لأن الحاجة هى المعتبرة ثم لا يلزمه أن يتصدق بما فضل فى يده عند قدرته على ماله كالفقير إذا استغنى كذا فى التبيين .والاستقراض لابن السبيل خير من قبول الصدقة كذا فى الظهيرية(الفتاوى الهندية، ج ا ص ۱۸۸، کتاب الزکاة،الباب السابع فى المصارف)

(قوله :وابن السبيل) هو المسافر سمى به للزومه الطريق زيلعى (قوله :من له مال لا معه) أى سواء كان هو فى غير وطنه أو فى وطنه وله ديون لا يقدر على أخذها كما فى النهر عن النقاية لكن الزيلعى جعل الثانى ملحقا به حيث قال :وألحق به كل من هو غائب عن ماله وإن كان فى بلده؛ لأن الحاجة هى المعتبرة وقد وجدت؛ لأنه فقير يدا وإن كان غنيا ظاهرا .اهـ.وتبعه فى الدرر والفتح وهو ظاهر كلام الشارح وقال فى الفتح أيضا :ولا يحل له أى لابن السبيل أن يأخذ أكثر من حاجته والأولى له أن يستقرض إن قدر ولا يلزمه ذلك لجواز عجزه عن الأداء ولا يلزمه التصدق بما فضل فى يده عند قدرته على ماله كالفقير إذا استغنى والمكاتب إذا عجز .وعندهما من مال الزكاة لا يلزمها التصدق اهـ.قلت :وهذا بخلاف الفقير فإنه يحل له أن يأخذ أكثر من حاجته وبهذا فارق ابن السبيل كما أفاده فى الذخيرة(رد المحتار على الدر المختار، ج ۲ ص ۳۴۳، ۳۴۴،باب مصرف الزكاة والعشر)

قوله تعالى وَابْنِ السَّبِيلِ وهو المسافر فاعلم ان المسافر اما ان يكون مالكا لنصاب يمنع أخذ الزكاة اولا وعلى الثانى يعطى له الزكوة اتفاقا سواء كان فى أثناء السفر او مريدا للسافر كمن لم يكن مسافرا لكونه فقيرا وعلى التقدير الاول إن كان له مال فى يده بقدر النصاب وبقدر ما يبلغ بلدا يريد دخوله لا يعطى له الزكوة اتفاقا سواء كان فى أثناء السفر اولا وإن كان له مال كثير فى وطنه لا معه وهو فى أثناء السفر فقير يدا ليس عنده ما يبلغ نصابا ولا ما يبلغ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:...... اپنے اصول یعنی جن کے واسطے سے پیدا ہوا ہے مثلاً اپنے ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، پردادا، پردادی، وغیرہ کو یہ صدقہ دینا جائز نہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بـه وطـنه الذى فيه ماله يعطى له الـزكـوة اتفاقا وهو المراد بابن السبيل فى هذه الآية عند ابى حنيفة رحـمـه الله فالفقر المعتبر لاباحة أخذ الزكوة هو الفقر يدا فمالكية المال لا ينافى جواز أخذ الزكوة ان لـم يـكـن المال فى يده فالمقيم فى الوطن الذى له مال فى وطنه بمنزلة ابن السبيل والدائن الذى مـديـونه مقر مفلس كابن السبيل كذا فى المحيط وإن كان له مال كثير فى وطنه وعنده مال قليل لا يبـلـغ نـصـابـا لـكن يمكن ان يبلغ به مكانه الذى فيه ماله لا يجوز له أخذ الزكوة اتفاقا لانه قادر على الوصول الى ماله فكانه فى يده وإن كان له مال فى يده يبلغ نصابا لكن ليس بقدر ما يقطع به المسافة الـمـقـصـورـة سـواء هو فى أثناء السفر او هو مريد للسفر وسواء كان له مال بعيد منه او لا يكون لا يجوز له أخذ الزكوة عند ابى حنيفة وقال الشافعى يجوز لابى حنيفة ان المبيح لاخذ الزكوة انما هو الفقر وهو ليس بفقير وقال الشافعى ارادة السفر ايضا مبيح لاخذ الزكوة ان لم يكن عنده ما يقطع به السـفـر لان ابـن السبيـل صـنف آخـر غيـر الـفـقيـر لا يعتبـر فيـه الـفـقـر والله اعلم(التفسير المظهرى، ج۴ص ۲۳۹،تحت آيت ۶۰ من سورة التّوبة)

وَابْـنِ السَّبِيـلِ وهـو المسافر المنقطع عن ماله .والاستـقـراض لـه خير من قبول الصدقة على ما فى الظهيرية .وفـى فتـح الـقـديـر أنه لا يحل له أن يأخذ أكثر من حاجته، وألحق به كل من هو غائب عن ماله وإن كان فى بلده .وفـى المحيط وإن كان تاجرا له دين على الناس لا يقدر على أخذه ولا يجد شيئا يحل له أخذ الزكاة لأنه فقير يدا كابن السبيل .وفى الخانية تفصيل فى هذا المقام قال :والذى لـه ديـن مـؤجـل عـلـى إنسان إذا احتاج إلى النفقة يجوز له أن يأخذ من الزكاة قدر كفايته إلى حلول الأجـل، وإن كـان الدين غير مؤجل فإن كان من عليه الدين معسرا يجوز له أن يأخذ الزكاة فى أصح الأقـاويـل لأنـه بـمنزلة ابن السبيل، وإن كان المديون موسرا معترفا لا يحل له أخذ الزكاة وكذا إذا كـان جـاحـدا ولـه عـلـيـه بينة عـادلة، وإن لـم تكن عادلة لا يحل له الأخذ أيضا ما لم يرفع الأمر إلى الـقـاضـى فيـحـلـفـه فإذا حلفه يحل له الأخذ بعد ذلك اهـ، والمراد من الدين ما يبلغ نصابا كما لا يخفى .وفـى فتح القدير ولو دفع إلى فقيرة لها مهر دين على زوجها يبلغ نصابا وهو موسر بحيث لو طـلـبت أعطاها لا يجوز، وإن كان بحيث لا يعطى لو طلبت جاز اهـ .وهو مقيد لعموم ما فى الخانية، والـمـراد مـن الـمـهـر مـا تـعـورف تعجيله لأن ما تعورف تأجيله فهو دين مؤجل لا يمنع أخذ الزكاة، ويـكـون فى الأول عدم إعطائه بمنزلة إعساره، ويفرق بينه وبين سائر الديون بأن رفع الزوج للقاضى مـمـا يـنـبـغـى لـلـمـرأة بخلاف غيره، لكن فى البزازية دفع الزكاة إلى أخته وهى تحت زوج إن كان مهـرهـا الـمعجل أقل من النصاب أو أكثر لكن الزوج معسر له أن يدفع إليها الزكاة وإن كان موسرا والـمـعـجـل قـدر الـنصاب لا يجوز عندهما وبه يفتى للاحتياط، وعند الإمام يجوز مطلقا هذا(روح المعانى، ج۵ص ۳۱۳،تحت آيت ۶۰ من سورة التّوبة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

والدین کی خدمت ویسے ہی اولاد کے ذمہ ہے۔

اسی طرح اپنے فروع یعنی جو اس کے واسطے سے پیدا ہوئے ہیں، مثلاً اولاد بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی وغیرہ کو بھی یہ صدقہ دینا جائز نہیں۔

اور اسی طرح شوہر اور بیوی کا ایک دوسرے کو یہ صدقہ دینا جائز نہیں، اس لیے کسی دوسرے طریقے پر ان کی مدد واعانت کرنی چاہیے۔

مذکورہ افراد کے علاوہ سب رشتہ داروں کو یہ صدقہ دینا جائز ہے، بشرطیکہ وہ زکوٰۃ کے مستحق ہوں بلکہ ان کو دینے میں دوگنا ثواب ہے، ایک صدقہ کا، دوسرا احسنِ سلوک کا۔

چنانچہ اپنے بھائی، بھابھی، بہن، بہنوئی، چچا، چچی، ماموں، ممانی، خالہ، پھوپھی، اور ان سب کی اولادیں، دودھ کے رشتے کے والدین اور دودھ کے رشتے والی اولاد، سوتیلے والدین،

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ملحوظ رہے کہ مندرجہ بالا حکم مال سے دور یا مال پر قادر نہ ہونے اور ضرورت وحاجت پیش آنے کی صورت میں بقدرِ ضرورت اخذِ زکاۃ وصدقات کا ہے، جہاں تک ملکیت میں موجود مال پر وجوبِ زکاۃ وصدقۂ فطر کا تعلق ہے، تو وہ اپنی شرائط کے ساتھ الگ واجب ہے۔

اگر کوئی اس وقت قادِر نہیں، تو بعد میں ادا کردے۔

یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ وجوبِ صدقہ وحرمتِ اخذِ صدقہ مجتمع نہیں ہوتے اور مسافر کو اخذِ صدقہ جائز ہے، لہٰذا اس پر صدقۂ فطر کیونکر واجب ہوگا؟

> جواب یہ ہے کہ بذاتِ خود مسافر ہونا اخذِ صدقہ کے جواز کا سبب نہیں بلکہ اس کا محتاج اور مال پر قادر نہ ہونا ہے، یہی وجہ ہے کہ جو مسافر نصاب ساتھ نہ رکھتا ہو مگر بقدرِ حاجت مال اس کے پاس موجود ہو اس کے لئے اخذِ صدقہ جائز نہیں، معلوم ہوا کہ بذاتِ خود مسافر ہونا اخذِ صدقہ کے جواز کا سبب نہیں، ورنہ مسافر ہونا بذاتِ خود اخذِ جوازِ صدقہ کو مستلزم ہوتا، لہٰذا غنی مسافر پر صدقۂ فطر واجب ہے اور ضرورت مند مسافر کے حق میں وجوبِ صدقہ وحرمتِ اخذِ صدقہ کے عدمِ اجتماع کا شبہ درست نہیں (کذا فی حاشیۃ امداد الفتاویٰ ج۲ص۸۱)

بخلاف الزكاة؛ لأن الزكاة لا يتعلق وجوبها بوقت مخصوص بل جميع العمر وقتها فكان جميع الأوقات وقتا لأدائها، فإن لم يكن في يده شيء للحال يؤديها إذا وصل إلى المال، وكذا تتأدى بكل مال فإيجابها عليه لا يوقعه في الحرج، وكذلك صدقة الفطر لأنها تجب وجوبا موسعا كالزكاة، وهو الصحيح. وعند بعضهم وإن كانت تتوقف بيوم الفطر لكنها تتأدى بكل مال فلا يكون في الوجوب عليه حرج (بدائع والصنائع، ج۵ص۶۳، كتاب التضحية، فصل في شرائط وجوب الاضحية)

سوتیلی اولاد، بہو، داماد اور سسر وغیرہ کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے، بشرطیکہ یہ مستحق اور غریب ہوں۔ [۱]

مسئلہ:...... رشتہ داروں میں جب مختلف قسم کے رشتہ دار ضرورت مند اور مستحق ہوں، تو صدقۂ فطر دینے میں پہلے حق دار بہن بھائی، پھر ان کی اولاد، پھر چچا اور پھوپھیاں، پھر ان کی اولاد، پھر ماموں اور خالہ، پھر ان کی اولاد، پھر دوسرے رشتہ دار ہیں، اور اس کے بعد پڑوسیوں کا حق ہے۔ اور اس کے بعد اپنے علاقے وشہر کے ضرورت مندوں کا حق ہے۔

اور اگر کسی نے اس کے برعکس کسی بھی مستحق کو دے دیا، تب بھی صدقۂ فطر ادا ہو جاتا ہے۔ [۲]

---

[۱] والشرط الآخر أن لا يكون منافع الأملاك متصلة بين صاحب المال وبين المدفوع إليه لأن الواجب هو التمليك من الغير من كل وجه فإذا كانت المنافع بينهما متصلة عادة فيكون صرفا إلى نفسه من وجه فلا يجوز.

بيان ذلك أنه لو دفع الزكاة إلى الوالدين وإن علوا أو إلى المولودين وإن سفلوا لا يجوز لاتصال منافع الأملاك بينهم ولهذا لا تقبل شهادة بعضهم لبعض ،ولو دفع إلى سائر الأقارب سواهم من الإخوة والأخوات وغيرهم جاز لانقطاع المنافع بينهم من حيث الغالب ولهذا تقبل شهادة بعضهم لبعض،ولو دفع إلى الزوج أو الزوجة لا يجوز عند أبي حنيفة لما قلنا من اتصال المنافع بينهم من حيث الغالب وعلى قول أبي يوسف ومحمد يجوز للزوجة أن تدفع إلى زوجها الفقير ولا يجوز للزوج أن يدفع إلى زوجته الفقيرة(تحفة الفقهاء، ج ۱ ص ۳۰۳، ۳۰۴،باب من يوضع فيه الصدقة)

(قوله وأصله، وإن علا وفرعه، وإن سفل) بالجر أي لا يجوز الدفع إلى أبيه وجده، وإن علا، ولا إلى ولده وولد ولده، وإن سفل؛ لأن المنفعة لم تنقطع عن الملك من كل وجه كما قدمه في تعريف الزكاة؛ لأن الواجب عليه الإخراج عن ملكه رقبة ومنفعة، ولم يوجد في الأصول والفروع الإخراج عن ملكه منفعة وإن وجد رقبة، وفي عبده وجد الإخراج منفعة لا رقبة كذا في المستصفى، وفيه إشارة إلى أن هذا الحكم لا يخص الزكاة بل كل صدقة واجبة لا يجوز دفعها لهم كأحد الزوجين كالكفارات وصدقة الفطر والنذور، وقيد بأصله وفرعه؛ لأن من سواهم من القرابة يجوز الدفع لهم، وهو أولى لما فيه من الصلة مع الصدقة كالإخوة والأخوات والأعمام والعمات والأخوال والخالات الفقراء ولهذا قال في الفتاوى الظهيرية :يبدأ في الصدقات بالأقارب ثم الموالي ثم الجيران وذكر في موضع آخر معزيا إلى أبي حفص الكبير :لا تقبل صدقة الرجل، وقرابته محاويج فيسد حاجتهم(البحر الرائق شرح كنز الدقائق،ج ۲ ص ۲۶۲،كتاب الزكاة،باب مصرف الزكاة)

[۲] واعلم أن الأفضل في الزكاة والفطرة والنذور الصرف أولا إلى الإخوة والأخوات ثم إلى أولادهم ثم إلى الأعمام والعمات ثم إلى أولادهم ثم إلى الأخوال والخالات ثم إلى أولادهم ثم إلى ذوي الأرحام من بعدهم ثم إلى الجيران ثم إلى أهل حرفته ثم إلى أهل مصره أو قريته ولا ينقلها إلى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:......کسی کے حالات میں غور وفکر کرنے کے بعد اسے مستحق سمجھ کر صدقۂ فطر دے دیا، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مستحق نہیں، مثلاً مالدار ہے یا ہاشمی ہے یا اپنے اصول وفروع میں سے نکلا تو صدقۂ فطر ادا ہو گیا۔

اور اگر غور وفکر کئے بغیر صدقۂ فطر دے دیا اور بعد میں غیر مستحق نکلا تو صدقۂ فطر ادا نہ ہوا۔

البتہ یہ الگ مسئلہ ہے کہ لینے والا اگر مستحق نہیں ہے اور اسے معلوم ہو گیا کہ جو چیز یا رقم مجھے دی گئی ہے یہ صدقۂ فطر کی ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ چیز یا رقم مالک کو واپس کر دے اور مالک اسے صحیح مصرف میں ادا کرے۔ [۱]

مسئلہ:......ایک شخص کا فطرانہ کئی غریب مستحقین کو یا کئی شخصوں کا فطرانہ ایک غریب مستحق کو دینا جائز ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بلد أخرى إلا إذا كانوا أحوج إليها من أهل بلده أو قريته والله أعلم(الجوهرة النيرة، ج ا ص ۱۳۲، كتاب الزكاة،باب مصارف الزكاة)

والأفضل فى الزكاة والفطر والنذر الصرف أولا إلى الإخوة والأخوات ثم إلى أولادهم ثم إلى الأعمام والعمات ثم إلى أولادهم ثم إلى الأخوال والخالات ثم إلى أولادهم ثم إلى ذوى الأرحام ثم إلى الجيران ثم إلى أهل حرفته ثم إلى أهل مصره أو قريته كذا فى السراج الوهاج(الفتاوى الهندية، ج ا ص ۱۹۰،كتاب الزكاة،الباب السابع فى المصارف)

وقالوا الأفضل فى صرف الصدقة أن يصرفها إلى إخوته ثم أولادهم ثم أعمامه الفقراء ثم أخواله الفقراء ثم ذوى الأرحام ثم جيرانه ثم أهل سكنه ثم أهل مصره(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج ا ص ۳۰۵، كتاب الزكاة،باب المصرف)

[۱] فوقع فى أكبر رأيه أنه محل الصدقة فدفع إليه أو سأل منه فدفع أو رآه فى صف الفقراء فدفع فإن ظهر أنه محل الصدقة جاز بالإجماع، وكذا إن لم يظهر حاله عنده، وأما إذا ظهر أنه غنى أو هاشمي أو كافر أو مولى الهاشمي أو الوالدان أو المولودون أو الزوج أو الزوجة فإنه يجوز وتسقط عنه الزكاة فى قول أبى حنيفة ومحمد -رحمهما الله تعالى -، ولو ظهر أنه عبده أو مدبره أو أم ولده أو مكاتبه فإنه لا يجوز عليه أن يعيدها بالإجماع، وكذا المستسعى عند أبى حنيفة -رحمه الله تعالى -هكذا فى شرح الطحاوى.

وإذا دفعها، ولم يخطر بباله أنه مصرف أم لا فهو على الجواز إلا إذا تبين أنه غير مصرف، وإذا دفعها إليه، وهو شاك، ولم يتحر أو تحرى، ولم يظهر له أنه مصرف أو غلب على ظنه أنه ليس بمصرف فهو على الفساد إلا إذا تبين أنه مصرف هكذا فى التبيين(الفتاوى الهندية، ج ا ص ۱۹۰، كتاب الزكاة،الباب السابع فى المصارف)

البتہ احتیاط وافضلیت اس میں ہے کہ ایک شخص کا فطرانہ ایک سے زیادہ غریبوں کو نہ دیا جائے (امداد الاحکام جلد ۲ صفحہ ۴۱) ۱؎

مسئلہ:...... صدقۂ فطر ادا کرنے والا جس علاقہ میں ہے، اُسے اپنا صدقۂ فطر وہیں کے فقراء ومستحقین کو دینا افضل ہے، بلاضرورت دوسرے علاقہ میں بھیجنا مناسب نہیں۔ ۲؎

۱؎ (وجاز دفع كل شخص فطرته إلى) مسكين أو (مسكين على) ما عليه الأكثر وبه جزم في الولوالجية والخانية والبدائع والمحيط وتبعهم الزيلعي في الظهار من غير ذكر خلاف وصححه في البرهان فكان هو (المذهب) كتفريق الزكاة والأمر في حديث "أغنوهم "للندب فيفيد الأولوية (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

ويجوز أن يعطى ما يجب في صدقة الفطر عن إنسان واحد جماعة مساكين ويعطى ما يجب عن جماعة مسكينا واحدا؛ لأن الواجب زكاة فجاز جمعها وتفريقها كزكاة المال(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج ۲ ص ۷۵، كتاب الزكاة،فصل ركن صدقة الفطر)

ولم يتعرض في الكتاب لجواز تفريق صدقة شخص على مساكين، وظاهر ما في التبيين وفتح القدير أن المذهب المنع وأن القائل بالجواز إنما هو الكرخي وصرح الولوالجي وقاضي خان وصاحب المحيط والبدائع بالجواز من غير ذكر خلاف فكان هو المذهب كجواز تفريق الزكاة(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۵، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

(قال) : وله أن يجمع صدقة نفسه ومماليكه فيعطيها مسكينا واحدا لقوله -صلى الله عليه وسلم - اغنوهم عن المسألة في مثل هذا اليوم والإغناء يحصل بصرف الكل إلى واحد فوق ما يحصل بالتفريق؛ ولأن المعتبر القدر المنصوص عليه وصفة الفقر في المصروف إليه، وذلك لا يختلف بالتفريق، والجمع فجاز الكل وهذا بخلاف الكفارة فإنه لو صرف الكل إلى مسكين واحد جملة لا يجوز؛ لأن العدد في المصروف إليه منصوص عليه فلا بد من وجوده صورة ومعنى(المبسوط للسرخسي، ج ۳ ص ۱۰۷، باب صدقة الفطر)

۲؎ ثم المعتبر في الزكاة مكان المال حتى لو كان هو في بلد، وماله في بلد آخر يفرق في موضع المال، وفي صدقة الفطر يعتبر مكانه لا مكان أولاده الصغار وعبيده في الصحيح كذا في التبيين. وعليه الفتوى كذا في المضمرات(الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۱۹۰، كتاب الزكاة ،الباب السابع في المصارف)

ثم المعتبر في الزكاة مكان المال حتى لو كان هو في بلد وماله في بلد أخرى يفرق في موضع المال وفي صدقة الفطر يعتبر مكانه لا مكان أولاده الصغار وعبيده في الصحيح والفرق أن الزكاة محلها المال ولهذا تسقط بهلاكه وصدقة الفطر في الذمة ولهذا لا تسقط بهلاكهم(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج ۱ ص ۳۰۵، كتاب الزكاة،باب المصرف)

(قوله :مكان المؤدي) أي لا مكان الرأس الذي يؤدي عنه (قوله :وهو الأصح) بل صرح في النهاية

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہاں اگر دوسرے علاقہ کے مستحقین اپنے رشتہ دار ہوں یا وہاں کے مستحقین زیادہ محتاج ہوں یا زیادہ نیک وپرہیز گار ہوں یا وہاں بھیجنا مسلمانوں کے حق میں زیادہ نفع مند ہو، مثلاً وہاں دین کے طلبہ مستحق ہوں، تو علاقہ سے باہر بھیجنے میں بھی حرج نہیں، اسی طرح اگر کوئی مسلمان غیر مسلم ملک میں رہتا ہے، اگر وہ صدقۂ فطر اسلامی ملک میں بھیجے تو بھی حرج نہیں۔ [1]

مسئلہ:...... اگر کسی کا باپ مالدار ہو تو اس کے نابالغ بچوں کو یہ صدقہ دینا جائز نہیں اور بالغ بچے اگر خود مالدار نہ ہوں تو انہیں یہ صدقہ دینا جائز ہے۔ اسی طرح اگر کسی مالدار شخص کی بیوی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والعناية بأنه ظاهر الرواية كما في الشرنبلالية وهو المذهب كما في البحر فكان أولى مما في الفتح من تصحيح قولهما باعتبار مكان المؤدى عنه.

قال الرحمتي :وقال في المنح في آخر باب صدقة الفطر :الأفضل أن يؤدى عن عبيده وأولاده وحشمه حيث هم عند أبي يوسف وعليه الفتوى وعند محمد حيث هو اهـ تأمل .قلت :لكن في التتارخانية يؤدى عنهم حيث هو وعليه الفتوى وهو قول محمد ومثله قول أبي حنيفة وهو الصحيح(رد المحتار ،ج۲ص ۳۵۵،۳۵۶،كتاب الزكاة،فروع في مصرف الزكاة)

[1] ويكره نقل الزكاة من بلد إلى بلد إلا أن ينقلها الإنسان إلى قرابته أو إلى قوم هم أحوج إليها من أهل بلده، ولو نقل إلى غيرهم أجزأه، وإن كان مكروها، وإنما يكره نقل الزكاة إذا كان الإخراج في حينها بأن أخرجها بعد الحول أما إذا كان الإخراج قبل حينها فلا بأس بالنقل والأفضل في الزكاة والفطر والنذر الصرف أولا إلى الإخوة والأخوات ثم إلى أولادهم ثم إلى الأعمام والعمات ثم إلى أولادهم ثم إلى الأخوال والخالات ثم إلى أولادهم ثم إلى ذوى الأرحام ثم إلى الجيران ثم إلى أهل حرفته ثم إلى أهل مصره أو قريته كذا في السراج الوهاج(الفتاوى الهندية،ج١ص١٩٠،كتاب الزكاة وفيه ثمانية أبواب،الباب السابع في المصارف)

(و) كره (نقلها) أى الزكاة بعد تمام الحول من بلد (إلى بلد آخر) غير البلد الذى فيه المال وإن كان المزكى في بلد، والملك في بلد آخر فالمعتبر مكان الملك لا المالك بخلاف صدقة الفطر حيث يعتبر عنه محمد مكان المؤدى وهو الأصح خلافا لأبي يوسف (إلا) أن ينقلها (إلى قريبه)أى المزكى فلا يكره لما فيه من الصلة قال أبو حفص الكبير لا تقبل صدقته وقرابته محاويج حتى يبدأ بهم قالوا :الأفضل صرف الصدقة إلى أخواته ذكورا أو إناثا ثم إلى أولادهم ثم إلى أعمامه ثم إلى أولادهم نازلين ثم إلى أخواله ثم إلى ذوى الأرحام ثم إلى جيرانه ثم إلى أهل سكنه ثم إلى أهل مصره والمراد من ذوى الأرحام بعد ذكر أخواله ذو رحم أبعد مما ذكر قبله (أو) شخص (أحوج من أهل بلده) لدفع شدة الحاجة هذا إذا لم يكن فقراء غير البلدة أورع أو أنفع بتعليم الشرائع وتعلمها وإلا فلا يكره، ولو مكث مسلم في دار الحرب سنين بأمان فعليه الزكاة في ماله يفتى بأدائها إلى من يسكن في دار الإسلام وإن وجد مصرفا في دار الحرب(مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، ج١ص٢٢٦،كتاب الزكاة،باب في بيان أحكام المصرف)

خود مالدار نہ ہو تو اس عورت کو بھی دینا جائز ہے۔

اور اگر نابالغ بچوں کی ماں تو مالدار ہے، باپ مالدار نہیں تو ان نابالغ بچوں کو بھی یہ صدقہ دینا جائز ہے۔ [1]

اسی طرح اولاد کے امیر و مال دار ہونے سے اس کا والد مال دار شمار نہیں کیا جاتا، لہٰذا اگر کسی کی اولاد تو مال دار ہے، مگر والد مال دار نہیں، تو اُس کے والد کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے۔ [2]

مگر ملحوظ رہے کہ جو نابالغ بچہ سمجھدار ہے، اس کو تو براہِ راست صدقۂ فطر پر قبضہ دیدینا کافی ہے، لیکن جو بچہ ناسمجھ ہے، تو اس کا قبضہ کرنا معتبر نہیں، ایسی صورت میں اس کے والد یا سرپرست کو صدقۂ فطر حوالے کرنا چاہئے۔ [3]

---

[1] وكذا لا يجوز صرف الصدقات الواجبة إلى ولد الغني إذا كان صغيرا وإذا كان كبيرا يجوز لأن الصغير يعد غنيا بمال أبيه بخلاف الكبير،وقال أبو حنيفة ومحمد يجوز الدفع إلى امرأة الغني إذا كانت فقيرة وكذلك إلى البنت الكبيرة الفقيرة لغني،وهو إحدى الروايتين عن أبي يوسف لأن الزوج لا يدفع جميع حوائج الزوجة والبنت الكبيرة(تحفة الفقهاء ،ج ا ص ۳۰۰،كتاب الزكاة،باب من يوضع فيه الصدقة)

وفي قنية المنية إن لم يكن للصغير أب وله أم غنية يجوز الدفع إليه ا هـ غاية (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق،ج ا ص ۳۰۳،كتاب الزكاة،باب المصرف)

ولا يجوز دفعها إلى ولد الغني الصغير كذا في التبيين .ولو كان كبيرا فقيرا جاز، ويدفع إلى امرأة غني إذا كانت فقيرة، وكذا إلى البنت الكبيرة إذا كان أبوها غنيا؛ لأن قدر النفقة لا يغنيها وبغنى الأب والزوج لا تعد غنية كذا في الكافي (الفتاوىٰ الهندية، ج ا،ص ۱۸۹، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف)

[2] ويجوز صرفها إلى الأب المعسر، وإن كان ابنه موسرا كذا في شرح الطحاوي(الفتاوى الهندية، ج ا ص ۱۸۹، كتاب الزكاة ،الباب السابع في المصارف)

[3] وإذا دفع الزكاة إلى الفقير لا يتم الدفع مالم يقبضها الفقير أو من له ولاية على الفقير نحو الأب والوصي يقبضان للصبي والمجنون أو من كان في عياله من الأقارب أو الأجانب الذين يعولونه والملتقط يقبض للقيط ولو دفع الزكاة إلى صبي لا يعقل أو مجنون فدفع الصبي إلى أبويه أو وصيه قالوا لا يجوز ولو قبض الصبي وهو مراهق جاز وكذا لو كان يعقل القبض بأن كان لا يرمي به ولا يخدع عنه ولو دفع إلى معتوه فقير جاز(فتاوى قاضي خان، كتاب الزكاة)

ولم يشترط البلوغ والعقل؛ لأنهما ليس بشرط؛ لأن تمليك الصبي صحيح لكن إن لم يكن عاقلا، فإنه يقبض عنه وصيه أو أبوه أو من يعوله قريبا أو أجنبيا أو الملتقط كما في الولوالجية، وإن كان عاقلا فقبض من ذكر، وكذا قبضه بنفسه، والمراد أن يعقل القبض بأن لا يرمي به، ولا يخدع عنه والدفع إلى المعتوه يجزء كذا في فتح القدير وحكم المجنون المطبق معلوم من حكم الصبي الذي لا يعقل(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲ ص ۲۱۷، كتاب الزكاة)

مسئلہ:...... کسی کی مزدوری وتنخواہ کے طور پر یہ صدقہ دینا جائز نہیں، اسی وجہ سے امام ومؤذن کی خدمت وتنخواہ کے طور پر ان کو صدقۂ فطر دینا جائز نہیں۔

البتہ مستحق ہونے کی صورت میں ان کی مزدوری وخدمت اور تنخواہ یا اس کا حصہ بنائے بغیر دینا جائز ہے، کہ اگر ان کو نہ دیا جائے تب بھی وہ اپنا کام جاری رکھیں۔ [۱]

مسئلہ:...... صدقۂ فطر غریب مستحق کو مالک بنائے بغیر مسجد، مدرسہ، شفاخانہ، کنویں، پل یا کسی اور رفاہی ادارے کی تعمیر میں خرچ کرنا جائز نہیں۔ اگرچہ وہ ادارہ غریبوں ہی کی خدمت کے لئے وقف ہو، کیونکہ اس صورت میں کسی غریب کو مالک بنانا اور اس کے قبضہ میں دینا نہیں پایا گیا، اسی طرح کسی میت کے کفن دفن یا کسی میت کا قرض ادا کرنے میں خرچ کرنا جائز نہیں۔

کسی ایسے مدرسہ یا انجمن وغیرہ کو دینا بھی جائز نہیں جہاں غریبوں کو مالکانہ طور پر وہ صدقہ نہ دیا جاتا ہو۔ بلکہ ملازمین کی تنخواہوں یا تعمیر اور فرنیچر وغیرہ انتظامی امور پر خرچ کردیا جاتا ہو۔ البتہ اگر کسی ادارے میں غریب طلبہ یا دوسرے غریبوں کو مفت کھانا، کپڑا وغیرہ دیا جاتا ہو تو وہاں یہ صدقہ دینا جائز ہے، جبکہ عموماً مستند دینی مدارس میں ایسا ہی ہے۔ [۲]

---

[۱] وإن فرضها عليه فدفعها ينوى الزكاة لا يجوز لأنه أداء واجب فى واجب آخر فلا يجوز (تبيين الحقائق، ج ۱ ص ۳۰۲، كتاب الزكاة، باب المصرف)

ولو نوى الزكاة بما يدفع المعلم إلى الخليفة ولم يستأجره إن كان الخليفة بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان أيضا أجزأه وإلا فلا وكذا ما يدفعه إلى الخدم من الرجال والنساء فى الأعياد وغيرها بنية الزكاة كذا فى معراج الدراية (الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۱۹۰، كتاب الزكاة، الباب السابع فى المصارف)

[۲] (قوله :نحو مسجد) كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه زيلعي (قوله :ولا إلى كفن ميت) لعدم صحة التمليك منه؛ ألا ترى أنه لو افترسه سبع كان الكفن للمتبرع لا للورثة نهر (ردالمحتار، ج ۲ ص ۳۴۴، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

وأما ركنها فالتمليك لقول النبى -صلى الله عليه وسلم -أدوا عن كل حر وعبد الحديث، والأداء هو التمليك فلا يتأدى بطعام الإباحة وبما ليس بتمليك أصلا ولا بما ليس بتمليك مطلق، والمسائل المبنية عليه ذكرناها فى زكاة المال وشرائط الركن أيضا ما ذكرنا هناك (بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج ۲ ص ۷۴، كتاب الزكاة، فصل ركن صدقة الفطر)

مسئلہ:...... اہلِ حق علماء کی زیرِ نگرانی دینی مدارس وجامعات دین کی اشاعت اور بقاء کا ذریعہ ہیں، اور دشمنانِ اسلام اِن کو مٹانے کے درپے ہیں، اِن حالات میں ان کے ساتھ تعاون بہت بڑی نیکی ہے اور ان کی طرف سے کسی کا عطیہ وصدقۂ فطر قبول کر لینا، دینے والے کی نیک بختی اور خوش نصیبی ہے نہ کہ ان پر کوئی احسان ہے مسلمان کی سعادت اور خوش بختی کی نشانی یہ ہے کہ از خود ان کو اپنا مال پیش کرے۔ [1]

مسئلہ:...... آج کل جو مختلف لوگوں نے رفاہی کمیٹیاں اور ادارے قائم کر رکھے ہیں، ان کو صدقۂ فطر دینا خلافِ احتیاط ہے، کیونکہ ان کے ذمہ داران عام طور پر شرعی مسائل سے واقف نہیں ہوتے، اور شرعی طریقہ پر مصارف میں استعمال کرنے کا اہتمام نہیں کرتے۔

(کذا فی امداد الاحکام ج۲ ص۴۵)

صدقۂ فطر کے بارے میں چند کوتاہیاں اور غلط فہمیاں

(۱)...... بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جو شخص روزہ نہ رکھے اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں، حالانکہ صدقۂ فطر ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر واجب ہے خواہ اس نے روزے رکھے ہوں یا نہ رکھے ہوں، اور روزے نہ رکھنا کسی عذر کی وجہ سے ہو جیسے بڑھاپا، یا بیماری، سفر وغیرہ یا

---

[1] طلب العلم ليس إلا استفادة الأحكام وهل يبلغ طالب رتبة من لازم صحبة النبى -صلى الله عليه وسلم -لتلقى الأحكام عنه كأصحاب الصفة، فالتفسير بطالب العلم وجيه خصوصا وقد قال فى البدائع فى سبيل الله جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى فى طاعة الله وسبيل الخيرات إذا كان محتاجا .اهـ(رد المحتار، ج۲ ص۳۴۳، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

(قوله :أو طلب العلم) ذكره فى البحر بحثا بقوله وينبغى أن يلحق به أى بالغازى طالب العلم لاشتغاله عن الكسب بالعلم، ولهذا قالوا :إن نفقته على أبيه وإن كان صحيحا مكتسبا كما لو كان زمنا(رد المحتار على الدر المختار، ج۲ ص۳۵۵، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

وفى الحاوى للزاهدى رامز للأسرار لنجم الدين قال الشيخ الإمام أبو منصور الماتريدى لزم على المسلمين كفاية طالب العلم إذا خرج للطلب حتى لو امتنعوا عن كفايته يجبرون كما يجبرون فى دين الزكاة إذا امتنعوا عن أدائها والتصدق على العالم الفقير أفضل منه على الجاهل وعن أبى حفص الدفع إلى من عليه دين ليقضى دينه أحب إلى من الدفع إلى فقير لم يكن عليه دين ١ هـ(العقود الدرية فى تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الطلاق، باب النفقة)

بلا عذر ہو، بہر حال صدقۂ فطر واجب ہے۔

(۲)......بعض خواتین سمجھتی ہیں کہ سونا، چاندی اگر استعمالی ہو تو اس پر صدقۂ فطر یا زکوٰۃ لازم نہیں خواہ کتنا زیادہ ہو اور اگر استعمالی نہ ہو تو لازم ہے، یہ غلط فہمی ہے۔

(۳)...... بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ زکوٰۃ اور صدقۂ فطر کا نصاب ایک ہی ہے اور ہم پر چونکہ زکوٰۃ فرض نہیں، لٰہذا صدقۂ فطر بھی واجب نہیں، حالانکہ دونوں کا نصاب الگ الگ ہے زکوٰۃ صرف اِن چار قسم کی چیزوں پر فرض ہوتی ہے:

(۱) سونا (۲) چاندی (۳) روپیہ پیسہ (۴) تجارت کا سامان

اور صدقۂ فطر میں ان چار چیزوں کے علاوہ ضرورت سے زیادہ چیزوں کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ پس عید کے دن جس شخص کے پاس زکوٰۃ والا نصاب ہو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے اور اگر کسی شخص کے پاس زکوٰۃ والا نصاب نہ ہو لیکن ضرورت سے زیادہ مال یا سامان ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کے برابر ہو اس پر بھی صدقۂ فطر واجب ہے اگر چہ اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

(۴)...... عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ جب تک ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی نہ ہو تو اس پر کسی حال میں صدقۂ فطر واجب نہیں، حالانکہ وزن کا اعتبار اس صورت میں ہے کہ جب کسی کی ملکیت میں صرف سونا یا صرف چاندی ہو، تجارت کا سامان ذرا سا بھی نہ ہو، نقدی ایک پیسہ بھی نہ ہو، اور ضرورت سے زیادہ کوئی چیز نہ ہو (اور آج کل کچھ نہ کچھ نقدی اور فالتو سامان ہوتا ہی ہے) اور اگر کسی مرد یا عورت کی ملکیت میں دو یا زیادہ طرح کی چیزیں ہوں تو ہر ایک کا علیٰحدہ نصاب پورا ہونا ضروری نہیں، بلکہ اس صورت میں سب کی مالیت (ویلیو) ملا کر دیکھی جائے گی، اگر سب کی مالیت ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ ہو جائے تو صدقۂ فطر واجب ہے، چنانچہ بہت سی خواتین کے پاس کئی کئی تولے سونا، چاندی ہوتا ہے، کچھ نہ کچھ نقدی بھی ضرور ہوتی ہے

ضرورت سے زیادہ اور فالتو سامان کے ڈھیر ہوتے ہیں مگر وہ نہ زکوٰۃ ادا کرتی ہیں، نہ صدقۂ فطر، اس کی اصلاح ضروری ہے۔

(۵)......بعض خواتین پر صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے اس کے باوجود یہ سمجھتی ہیں کہ ہمارا صدقۂ فطر ہمارے شوہروں کے ذمہ لازم ہے اور اگر ان کے شوہر ادا نہ کریں تو وہ خود بھی ادا نہیں کرتیں، جبکہ عورت کے صاحبِ نصاب ہونے کی صورت میں اس کا صدقۂ فطر اس کے شوہر پر لازم نہیں، بلکہ عورت پر خود اپنے مال سے لازم ہے، خواہ اس کے لئے زیور وغیرہ کیوں نہ بیچنا پڑے۔ البتہ اگر کسی عورت کا شوہر اپنی رقم سے اس کی طرف سے بخوشی صدقۂ فطر ادا کردے تو جائز ہے۔ [1]

(۶)......بعض جگہ گھر کا سربراہ صرف اپنی طرف سے ایک صدقۂ فطر ادا کردے تو اسے سب افرادِ خانہ کی طرف سے کافی سمجھا جاتا ہے، حالانکہ سربراہ کے علاوہ گھر کا کوئی اور بالغ

---

[1] البتہ اگر میاں بیوی میں ناراضگی ہو، اور دونوں الگ الگ رہتے ہوں، تو ایسی صورت میں شوہر کا اپنی بیوی کی طرف سے اجازت لئے بغیر صدقۂ فطر ادا کرنے سے ادا نہ ہوگا، بلکہ اس کی اجازت ضروری ہوگی۔

(لاعن زوجته)وولده الكبير العاقل، ولو أدى عنهما بلا إذن أجزأ استحسانا للإذن عادة أى لو فى عياله وإلا فلا قهستانى عن المحيط فليحفظ (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

(قوله :ولو أدى عنهما) أى عن الزوجة والولد الكبير.

وقال فى البحر :وظاهر الظهيرية أنه لو أدى عمن فى عياله بغير أمره جاز مطلقا بغير تقييد بالزوجة والولد .اهـ .(قوله :أجزأ استحسانا) وعليه الفتوى خانية وأفاد بقوله للإذن عادة إلى وجود النية حكما وإلا فقد صرح فى البدائع بأن الفطرة لا تتأدى بدون النية تأمل (قوله :أى لو فى عياله) انظر هل المراد من تلزمه نفقته أو أعم؟ ظاهر ما مر عن البحر الثانى، وهو مفاد التعليل أيضا تأمل (ردالمحتار، ج۲ص ۳۶۳، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

وإذا أدى عن الزوجة والولد الكبير بغير إذنهما جاز وظاهر الظهيرية أنه لو أدى عمن فى عياله بغير أمره جاز مطلقا بغير تقييد بالزوجة والولد.(البحرالرائق، ج۲ص ۲۷۱، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر)

ولو أدى عنه بغير إذنه فالقياس عدم الإجزاء كالزكاة وفى الاستحسان الإجزاء لثبوت الأذن عادة ذكره العلامة نوح قوله" :وزوجته "لعدم الولاية الكاملة عليها ولو أدى عنها بلا إذن جاز استحسانا للأذن عادة كالولد الكبير وإن كان فى عياله وقيد به إشارة إلى أنه لو دفع عن الزوجة الناشزة والصغيرة التى لم تزف وعن الابن الكبير الذى لم يكن فى عياله لا يجوز عنهم إلا بالأمر كما يفيده القهستانى وهل حكم الأجنبى إذا كان فى عياله حكم الولد الكبير ومقتضى ما فى البحر عن الظهيرية الجواز كذا فى كتابة الدر(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص ۷۲۴،باب صدقة الفطر)

فرد یا افراد نصاب کے مالک ہوں تو ان پر الگ سے اپنا صدقۂ فطر واجب ہے، اور نابالغ اولاد کا تو ویسے بھی والد کے ذمہ واجب ہے ہی خواہ وہ نابالغ اولاد مالدار نہ بھی ہو۔

(۷)......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ زندگی میں ایک شخص کی طرف سے ایک دفعہ صدقۂ فطر ادا ہو جائے تو پھر صدقۂ فطر ادا کرنا واجب نہیں رہتا، یہ بھی غلط ہے۔

صدقۂ فطر ہر سال عید الفطر کے موقع پر واجب ہوتا ہے، جبکہ ہر سال صدقۂ فطر کے دنوں میں اس شخص کے اندر صدقۂ فطر واجب ہونے کی شرائط موجود ہوں۔

(۸)......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ شادی سے پہلے انسان پر اپنا صدقۂ فطر واجب نہیں ہوتا۔ حالانکہ صدقۂ فطر واجب ہونے کے لئے مرد یا عورت کا شادی شدہ ہونا ضروری نہیں کنوارے بالغ لڑکے، بالغ لڑکی، بلکہ بیوہ عورت پر بھی صدقۂ فطر واجب ہے جب کہ نصاب کے مالک ہوں۔

(۹)......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ صدقۂ فطر جب لازم ہوتا ہے جبکہ کوئی برسرِ روزگار ہو۔ حالانکہ صدقۂ فطر واجب ہونے کے لئے کسی شخص کا برسرِ روزگار ہونا ضروری نہیں۔ اگر کوئی شخص نصاب کا مالک ہے تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے اگر چہ وہ برسرِ روزگار نہ ہو۔

(۱۰)......بعض لوگ مستحق ہونے کے لئے صرف بیوہ، اپاہج یا بے روزگار ہونے کو دیکھتے ہیں خواہ وہ کتنا ہی مالدار ہو؛ یہ غلط فہمی پر مبنی ہے۔ [1]

(۱۱)......بعض لوگ پیشہ ور سائلوں کو مستحق سمجھتے ہیں اور جو سوال نہیں کرتے ان کو مستحق نہیں سمجھتے۔ حالانکہ آج کل عام طور پر پیشہ ور سائلین مستحق نہیں ہوتے بلکہ مالدار ہوتے ہیں، اور پیشہ ور سائلوں کو تو مانگنے پر ویسے بھی دینا جائز نہیں خواہ وہ مستحق ہی کیوں نہ ہوں، پیشہ ور سائل

---

[1] ویدل علی أن الصحیح الجسم جائز أن یعطی من الزکاة ؛ لأن اللہ تعالی أمر بإعطاء ہؤلاء القوم ، وکانوا من المہاجرین الذین کانوا یقاتلون مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم المشرکین ولم یکونوا مرضی ولا عمیانا .(احکام القرآن جصاص ، ج ۱ ص ۵۶۰، سورۃ البقرۃ،باب إعطاء المشرک من الصدقۃ)

سے مراد وہ شخص ہے جس نے اپنا پیشہ مانگنا، کھانا ہی بنا رکھا ہو۔

(۱۲)......اسی طرح بعض لوگ مستحق ہونے کے لئے عورت کا بیوہ ہونا، یا کسی شخص کا معذور ہونا یا کمانے سے قاصر ہونا کافی سمجھتے ہیں، حالانکہ مستحق ہونے کے لئے صرف یہ چیزیں کافی نہیں بلکہ غریب ہونا ضروری ہے، بعض اوقات یہ لوگ خود صاحبِ نصاب اور مالدار ہوتے ہیں، لہٰذا اگر کوئی بیوہ یا معذور مگر مالدار ہے یا ہاشمی وسید ہے تو اس کو صدقۂ فطر دینا جائز نہیں۔

(۱۳)......بعض علاقوں میں صدقۂ فطر مسجد کے مؤذنوں، خادموں، اماموں کو دے دیا جاتا ہے، جبکہ وہ مستحق بھی نہیں ہوتے اور اگر مستحق بھی ہوں تب بھی ان کی خدمات کے معاوضے اور اجرت میں صدقۂ فطر دینا جائز نہیں اگر پہلے سے ان کی خدمت کے معاوضے میں صدقۂ فطر دینا طے کر لیا گیا ہو تب تو اس کے معاوضہ ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں اور اگر طے تو نہ کیا گیا ہو مگر کسی علاقہ میں اس کا رواج ہو کہ صدقۂ فطر ان لوگوں کو دینا ضروری سمجھا جاتا ہو، اور یہ لوگ بھی صدقۂ فطر کو اپنا حق سمجھتے ہوں، اور اگر ان کو نہ دیا جائے تو اعتراض ہوتا ہو، اور ان خدمات کے لئے آمادہ نہ ہوتے ہوں، تب بھی یہ معاوضے اور اجرت میں داخل ہے، اور ناجائز ہے اور اس طرح صدقۂ فطر ادا نہیں ہوتا (لان المعروف کالمشروط)

(۱۴)...... عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ صدقۂ فطر آدھا صاع گندم یا اُس کی قیمت کے ساتھ خاص ہے، حالانکہ یہ بات تفصیل کے ساتھ پہلے گزر چکی ہے کہ شریعت کی طرف سے صدقۂ فطر آدھا صاع گندم یا اُس کی قیمت کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وزن کے اعتبار سے چار چیزوں میں سے کسی ایک چیز سے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم بیان فرمایا:

(۱) کشمش سے: ایک صاع (۲) کھجور سے: ایک صاع (۳) جَو یا اس کے آٹے سے: ایک صاع (۴) گندم یا اس کے آٹے سے: آدھا صاع۔

لہٰذا مذکورہ چار چیزوں میں سے کسی ایک چیز یا اُس کی قیمت کے ساتھ صدقۂ فطر ادا

کیا جاسکتا ہے، بلکہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے توفیق اور وُسعت دی ہو انہیں چاہیے کہ وہ ان چار چیزوں میں سے مالیت کے اعتبار سے اعلیٰ چیز (مثلاً کشمش، کھجور) کے ساتھ صدقۂ فطر ادا کر کے زیادہ ثواب حاصل کریں۔

(۱۵)......بعض لوگ صدقۂ فطر کی قیمت کی تعیین کے بارے میں تھوڑا بہت اختلاف یا فرق ہوجانے پر آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں، حالانکہ اگر کبھی قیمت میں تھوڑا بہت فرق ہو تو زیادہ دیدینے میں احتیاط ہے؛ کیونکہ زیادہ دیدینے کی صورت میں وہ نفلی صدقہ ہوکر نامۂ اعمال میں ذخیرہ بن جاتا ہے، اور کم ادائیگی کی صورت میں واجب ذمہ میں باقی رہ جاتا ہے۔

(۱۶)......آج کل بہت سے دنیا دار لوگوں نے ویلفیئر اور رفاہی عنوان سے ادارے قائم کر لیے ہیں، اور وہ صدقۂ فطر وغیرہ لوگوں سے حاصل اور اکٹھا کرتے ہیں، اولاً تو بعض لوگوں نے آج کل یہ ایک پیشہ اور کاروبار بنا لیا ہے، دوسرے ان لوگوں کو صدقۂ فطر کو شرعی طریقہ پر خرچ کرنے کے شرعی اُصول وقواعد بھی معلوم نہیں ہوتے، اس لیے ایسے غیر معتبر لوگوں اور اداروں کو صدقۂ فطر دے کر مطمئن ہوجانا درست نہیں، بلکہ احتیاط ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ اس قسم کی سب کوتاہیوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

شبِ عید یعنی چاند رات کے فضائل واحکام

کیونکہ شوال کا مہینہ بابرکت مہینہ ہے، لہٰذا اس مہینہ کی برکتوں کا آغاز اس مہینہ کے شروع ہوتے ہی پہلی رات سے ہوجاتا ہے، کیونکہ ہر رات آنے والے دن کے تابع ہوتی ہے اور شوال کی پہلی تاریخ کو عید الفطر ہوتی ہے اور عید الفطر کے فضائل بے بہا ہیں، اس وجہ سے عید کے دن کے تابع رات یعنی چاند رات کی بھی شریعت کی طرف سے فضیلت ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَإِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ الْفِطْرِ سُمِّيَتْ تِلْكَ اللَّيْلَةُ لَيْلَةَ الْجَائِزَةِ(شعب الإيمان)[1]

ترجمہ: پھر جب عیدُ الفطر کی رات ہوتی ہے تو اس کا نام (آسمانوں پر) لیلۃُ الجائزہ (یعنی انعام کی رات) رکھا جاتا ہے (ترجمہ ختم)

عید الفطر کی رات کے انعام کی رات ہونے کا مطلب یہ ہے کہ رمضان المبارک کی عبادت کا اجر وثواب اس رات میں طے کیا جاتا ہے۔

جس سے عید الفطر کی رات کی فضیلت معلوم ہوئی۔

اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَامَ لَيْلَتَيِ الْعِيْدَيْنِ مُحْتَسِبًا لِلّٰهِ لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ(سنن ابن ماجه)[2]

---

[1] كتاب الصيام، التماس ليلة القدر فى الوتر من العشر الأواخر من شهر رمضان، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض، وفضائل الاوقات للبيهقى رقم حديث١٠٧.
وسيأتى الكلام على سنده.

[2] حديث نمبر ١٧٨٢، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فى القنوت قبل الركوع وبعده.
قال المنذرى: رواه ابن ماجه ورواته ثقات إلا أن بقية مدلس وقد عنعنه(الترغيب والترهيب، ج٢ص٩٨، كتاب العيدين والأضحية الترغيب فى إحياء ليلتى العيدين)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے عیدین (یعنی عیدُ الفطر اور عیدُ الاضحیٰ) کی راتوں میں اللہ کی رضا اور ثواب کے حصول کی خاطر (عبادت کے ساتھ) قیام کیا، تو اُس کا دل اُس دن مُردہ نہیں ہوگا، جس دن (لوگوں کے) دل مُردہ ہوجائیں گے (ترجمہ ختم)

اس حدیث کی سند پر اگرچہ بعض محدثین کو کلام ہے، مگر اولاً تو اس کی تائید دیگر روایات سے ہوتی ہے، اور دوسرے ضعیف حدیث بعض شرائط کے ساتھ کسی عمل کی فضیلت کے لئے قابلِ قبول ہوتی ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ [1]

قیام سے مراد عبادت ہے، جس میں نماز بھی داخل ہے، اور اُس دن سے مراد قیامت کا دن ہے، کہ جس کی دہشت سے لوگوں کے دل مُردہ ہوجائیں گے۔ [2]

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ. يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارٰى وَمَا هُمْ بِسُكَارٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ

(سورة الحج، آيت ۱، ۲)

ترجمہ: اے لوگو اپنے رب سے ڈرو بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔

---

[1] قال الكناني:
هـذا إسناد ضعيف لتدليس بقية ورواته ثقات لكن لم ينفرد به بقية عن ثور بن يزيد فقد رواه الأصبهاني في كتاب الترغيب من طريق عمر بن هارون البلخي وهو ضعيف عن ثور به وله شاهد من حديث عبادة بن الصامت رواه الطبراني في الأوسط والكبير والأصبهاني من حديث معاذ بن جبل فيقوى بمجموع طرقه(مصباح الزجاجة في زوائد ابن ماجه، ج ۲ ص ۸۵، باب من قام ليلتي العيدين)

[2] قوله (من قام ليلتي العيدين)ظاهره أن يحيي كل الليلة بالعبادة والمرجو أن قيام التهجد يكفي. (يوم تموت القلوب)أي لكثرة الذنوب والمراد إن أدركه ذلك اليوم يكون هو مخصوصا من بين الناس بحياة القلب وفي الزوائد إسناده ضعيف لتدليس بقية والله تعالى أعلم (حاشية السندي على ابن ماجه، ج ۱ ص ۵۴۲، باب من قام ليلتي العيدين)

جس دن آپ اس (قیامت کے دن) کو دیکھو گے، بھول جائے گی ہر دودھ پلانے والی اس کو جس کو کہ اس نے دودھ پلایا تھا، اور ڈال دے گی ہر حمل والی اپنے حمل کو، اور آپ دیکھیں گے لوگوں کو نشہ کی حالت میں، حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہونگے، لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن کی دہشت اور ھیبت کی وجہ سے انسانوں پر یہ حالات پیش آئیں گے، اور لوگوں پر بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہوجائے گی۔ [1]

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَحيَا لَيْلَتَيِ الْعِيْدِ إِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ حَتّٰى تَمُوْتَ الْقُلُوْبُ (الترغيب والترهيب) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے عید (یعنی عیدُ الفطر اورعیدُ الاضحیٰ) کی راتوں کو ایمان اور اللہ کی رضا اور ثواب کے حصول کی خاطر زندہ رکھا، تو اس کا دل اس دن مُردہ نہیں ہوگا، جس دن (لوگوں کے) دل مُردہ ہوجائیں گے (ترجمہ ختم)

عیدین کی راتوں کو زندہ رکھنے سے مراد ان میں عبادت کرنا ہے۔

اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

---

[1] (يا أَيُّهَا الناس) يا أهل مكة وغيرهم (اتقوا رَبَّكُمُ) أى عقابه بأن تطيعوه (إِنَّ زَلْزَلَةَ الساعة) أى الحركة الشديدة للأرض التى يكون بعدها طلوع الشمس من مغربها الذى هو قرب الساعة (شَىْءٌ عَظِيمٌ) فى إزعاج الناس الذى هو نوع من العقاب .
(يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ) بسببها (كُلُّ مُرْضِعَةٍ) بالفعل (عَمَّا أَرْضَعَتْ) أى تنساه (وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ) أى حبلى (حَمْلَهَا وَتَرَى الناس سكارى) من شدّة الخوف (وَمَا هُم بسكارى) من الشراب (ولكن عَذَابَ الله شَدِيدٌ) فهم يخافونه (تفسير الجلالين، تحت آيت ۱، ۲ من سورة الحج)

[2] للاصبهانى، حديث نمبر ۳۷۳، ج ۱ ص ۲۴۸، فصل فى فضل ليلتى العيد، دار الحديث، القاهرة.
وفيه عمر بن هارون البلخى، وسيأتى الكلام عليه.

مَنْ قَامَ لَيْلَتَيِ الْعِيدَيْنِ لِلّٰهِ مُحْتَسِبًا لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ حِيْنَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ

(شعب الإيمان للبيهقي) [۱]

ترجمہ: جس شخص نے دونوں عیدوں (یعنی عیدُ الفطر اور عیدُ الاضحیٰ) کی راتوں میں اللہ کی رضا اور ثواب کی نیت سے قیام کیا، اس کا دل اس دن نہیں مرے گا جس دن لوگوں کے دل مرجائیں گے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ صَلّٰى لَيْلَةَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى، لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ (المعجم الاوسط) [۲]

---

[۱] حديث نمبر ۳۴۳۸، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض.

[۲] للطبراني، حديث نمبر ۱۵۹، دار الحرمين ، القاهرة.

قال الطبراني:

لَمْ يَرْوِ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ ثَوْرٍ إِلَّا عُمَرُ بْنُ هَارُونَ، تَفَرَّدَ بِهِ: جَرِيرٌ (المعجم الأوسط)

وقال ابن حجر:

عمر بن هارون بن يزيد الثقفي مولاهم البلخي متروك وكان حافظا من كبار التاسعة مات سنة أربع وتسعين (تقريب التهذيب ج ۱ ص ۴۲۷)

قد علم به ان عمر بن هارون كان حافظا الحديث واما متروكه فهو عندنا يعتبر اذا كان عليه الاجماع، ولا اجماع عليه .

قال يعقوب وقال لي أحمد مذهبي في الرجال اني لا أترك حديث محدث حتى يجتمع أهل مصر على ترك حديثه (تهذيب التهذيب، حرف العين، جزء ۵ صفحه ۳۳۰)

قلت: وعند بعض النقاد لا يترك حديث الراوي حتى يجتمع الجميع على ترك حديثه ، وعلى هذا فمن لم يتفق على ترك حديثه فهو عند هذه الطائفة صالح للاعتبار .

وهذه طريقة أحمد بن صالح المصري .قال يعقوب بن سفيان: سمعت أحمد بن صالح ، وذكر مسلمة بن علي ، قال ": لا يترك حديث رجل حتى يجتمع الجميع على ترك حديثه (تحرير علوم الحديث للجديع، جزء ۳ صفحه ۲۸۴؛ تأليف عبد الله بن يوسف الجُديع)

وقال الترمذي:

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ و سَمِعْت مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَعِيلَ يَقُولُ عُمَرُ بْنُ هَارُونَ مُقَارِبُ الْحَدِيثِ لَا أَعْرِفُ لَهُ حَدِيثًا لَيْسَ لَهُ أَصْلٌ أَوْ قَالَ يَنْفَرِدُ بِهِ إِلَّا هَذَا الْحَدِيث كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی رات میں نماز پڑھی (اور نفل عبادت کی) تو اس کا دل اس دن مُردہ نہیں ہوگا، جس دن (لوگوں کے) دل مُردہ ہوجائیں گے (ترجمہ ختم)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَسَلَّمَ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهِ مِنْ عَرْضِهَا وَطُولِهَا لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عُمَرَ بْنِ هَارُونَ وَرَأَيْتُهُ حَسَنَ الرَّأْيِ فِي عُمَرَ و سَمِعْت قُتَيْبَةَ يَقُولُ عُمَرُ بْنُ هَارُونَ كَانَ صَاحِبَ حَدِيثٍ وَكَانَ يَقُولُ الْإِيمَانُ قَوْلٌ وَعَمَلٌ قَالَ قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا وَكِيعُ بْنُ الْجَرَّاحِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ ثَوْرِ بْنِ يَزِيدَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصَبَ الْمَنْجَنِيقَ عَلَى أَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ قُتَيْبَةُ قُلْتُ لِوَكِيعٍ مَنْ هَذَا قَالَ صَاحِبُكُمْ عُمَرُ بْنُ هَارُونَ (ترمذی، بَاب مَا جَاءَ فِي الْأَخْذِ مِنْ اللِّحْيَةِ)

وان كان جرحه عليه بمرجئة،فان كان بالحنفية، فلايعتبر .

ولم يقبل جرح بعضهم فى الامام ابى حنيفة وشيخه حماد بن ابى سليمان وصاحبيه محمد وأبى يوسف وغيرهم من أهل الكوفة بانهم كانوا من المرجئة (الرفع والتكميل فى الجرح والتعديل صفحه ۲۱، مشموله: مجموعة رسائل اللكنوى جلد۵)

وقال الحاكم روى (اى عمر بن هارون)عن أبى جريج مناكير وقال فى التاريخ كان من أهل السنة والذابين عن أهلها وقال الخليلى يتفرد عن سليمان لكن الاجلاء رووا عنه روى عن ابن جريج حديثا لا يتابع عليه.(تهذيب التهذيب ج۷ص ۴۴۴)

وعمر بن هارون البلخى كان من شيوخ احمد، رواه احمد فى مسنده (راجع لمسند احمدحديث رقم ۱۶۹۷۷ حديث نواس بن سمعان الكلابى، و حديث رقم ۱۷۲۷۵ ،حديث يعلىٰ بن امية رضى الله عنه)

وقال المنذرى:

رواه أحمد عن شيخه عمر بن هارون وفيه خلاف وبقية رواته ثقات (الترغيب والترهيب للمنذرى، تحت حديث رقم ۴۴۵۹،كتاب الادب)

وقال الهيثمى:

رواه احمد عن شيخه عمر بن هارون وقد وثقه قتيبة وغيره وضعفه ابن معين وغيره (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۲۲)

وقال المزى:

عمر بن هارون بن يزيد بن جابر بن سلمة الثقفى ، مولاهم ، أبو حفص البلخى ......

روى عنه :إبراهيم بن الاشعث البخارى خادم الفضيل بن عياض وإبراهيم بن عيسى ، وإبراهيم بن هارون البلخى البزاز وأحمد بن حاتم الطويل ، وأحمد بن حنبل ، وأبو الطاهر أحمد بن عمرو بن السرح المصرى ، وأبو بكر أحمد بن محمد بن سهل البلخى ، وأحمد بن ناصح المصيصى ، وأبو الحسن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت کردوس سے مرسلاً مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَحْيَا لَيْلَتِي الْعِيْدِ وَلَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ (معرفة الصحابة)[1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الجعفی والد البخاری .... ذكره خليفة بن خياط فى الطبقة الخامسة من أهل خراسان .وقال محمد بن سعد :كتب الناس عنه كتابا كبيرا ، وتركوا حديثه.وقال البخارى :تكلم فيه يحيى بن معين .وقال أحمد بن على الابار ، عن أبى غسان محمد بن عمرو قال :عمر بن هارون :ألقيت من حديثى سبعين ألفا ، لابى جزء عشرين ألفا ولعثمان البرى كذا وكذا .قال :فقلت له :يا أبا غسان ما كان حاله ؟ قال :قال بهز : أرى يحيى بن سعيد حسده ، قال :أكثر عن ابن جريج .من لزم رجلا اثنى عشر سنة لا يريد أن يكثر عنه ؟ !قال أبو غسان :وبلغنى أن أمه كانت تعينه على الكتاب.

قال أبو بكر الخطيب :وذكر مسلم بن عبد الرحمن البلخى أن ابن جريج تزوج أم عمر بن هارون فمن هناك أكثر السماع منه .وقال أبو أحمد بن عدى :يقال :إنه لقى ابن جريج بمكة ، وكان حسن الوجه ، فسأله ابن جريج :ألك أخت ؟ قال :نعم .فتزوج بأخته ، فقال :لعل هذا الحسن يكون فى أخته كما هو فى أخيها ، فتفرد عن ابن جريج ، وروى عنه أشياء لم يروها غيره.

وقال أبو بكر بن أبى داود ، عن سعيد بن زنجل :سمعت صاحبا لنا يقال له :بور بن الفضل .قال :سمعت أبا عاصم ذكر عمر بن هارون .قال :كان عمر عندنا أحسن أخذا للحديث من ابن المبارك . وقال أحمد بن سيار المروزى :عمر بن هارون البلخى كان كثير السماع ، روى عنه عفان بن مسلم ، وقتيبة بن سعيد ، وغير واحد من أهل الحديث ويقال :إن مرجئة بلخ كانوا يقعون فيه وكان أبو رجاء ، يعنى قتيبة - يطريه ويوثقه .وذكر عن وكيع أنه قال :عمر بن هارون مربنا وبات عندنا وكان يزن بالحفظ ، وسمعت أبا رجاء يقال :كان عمر بن هارون شديدا على المرجئة ، وكان يذكر مساوئهم وبلاياهم .قال :وإنما كانت العداوة فيما بينه وبينهم من هذا السبب . قال :وكان من أعلم الناس بالقراء ات ، وكان القراء يقرؤن عليه ويختلفون إليه فى حروف القرآن .وسمعت أبا رجاء يقول :سألت عبد الرحمن بن مهدى ، فقلت :إن عمر ابن هارون قد أكثرنا عنه ، وبلغنا أنك تذكره .فقال :أعوذ بالله ما قلت فيه إلا خيرا .قال :وسمعت أبا رجاء يقول :قلت لعبد الرحمن :بلغنا أنك قلت أنه روى عن فلان ولم يسمع منه .فقال :يا سبحان الله ما قلت أنا ذاقط ، ولو روى ، ما كان عندنا بمتهم (تهذيب الكمال، ج ۲۱ ص ۵۲۰ تا ۵۲۵)

[1] لأبى نعيم، حديث نمبر ۵۹۰۸،دار الوطن للنشر -الرياض، واللفظ لهٗ، معجم ابن الاعرابى، حديث نمبر ۲۱۹۴.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے عیدین کی راتوں کو اور پندرہویں شعبان کی رات کو (عبادت کے ساتھ) زندہ رکھا، تو اس کا دل اس (قیامت کے) دن مُردہ نہیں ہوگا، جس دن کہ (لوگوں کے) دل مُردہ ہوجائیں گے (ترجمہ ختم)

اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

وَبَلَغَنَا أَنَّهُ كَانَ يُقَالُ :إِنَّ الدُّعَاءَ يُسْتَجَابُ فِيْ خَمْسِ لَيَالٍ فِيْ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ، وَلَيْلَةِ الْأَضْحٰى، وَلَيْلَةِ الْفِطْرِ، وَأَوَّلِ لَيْلَةٍ مِّنْ رَجَبٍ، وَلَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ ...... قَالَ الشَّافِعِيُّ :وَأَنَا أَسْتَحِبُّ كُلَّ مَا حَكَيْتُ فِيْ هٰذِهِ اللَّيَالِي مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّكُوْنَ فَرْضًا (کتاب الام) [1]

ترجمہ: اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ یہ کہا جاتا تھا کہ پانچ راتوں میں دعا (زیادہ) قبول کی جاتی ہے، جمعہ کی رات میں اور عید الاضحیٰ کی رات میں، اور عید الفطر کی رات میں، اور رجب کی پہلی رات میں، اور نصف شعبان کی رات میں (اس روایت کے بعد) امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے جو کچھ ان راتوں کے بارے میں بیان کیا ان سب کو میں مستحب سمجھتا ہوں، فرض نہیں سمجھتا (ترجمہ ختم)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بسندِ ضعیف روایت ہے کہ:

خَيْرُ مَايَمُوْتُ عَلَيْهِ الْعَبْدُ اَنْ يَّكُوْنَ قَافِلاً مِنْ حَجٍّ اَوْمُفْطِرًا مِّنْ رَّمَضَانَ (کنز العمال) [2]

---

[1] جزء ۱، صفحہ ۲۶۴، کتاب صلاۃ العیدین، بیان العبادۃ لیلۃ العیدین. واللفظ لہٗ، سنن البیھقی، تحت حدیث رقم ۶۲۹۳ باب عبادۃ لیلۃ العیدین من کتاب الصلوٰۃ ج ۳ ص ۴۴۵، معرفۃ السنن والأثار تحت حدیث رقم ۲۰۱۰، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للمناوی، ج ۶ ص ۳۸، تحت حدیث رقم ۸۳۴۲، اتحاف السادۃ المتقین فی مسائل العیدین للزبیدی ج ۳ ص ۴۱.

[2] جزء ۵، صفحہ ۶، حدیث نمبر ۱۱۷۹۸، الجامع الصغیر للسیوطی بحوالہ دیلمی فی مسند الفردوس، رقم حدیث ۶۶۷۲.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: بہترین موت بندے کی وہ ہے جو کہ حج کے سفر میں ہو یا رمضان کا افطار کرنے کے بعد ہو (ترجمہ ختم)

رمضان کا افطار کرنے کے بعد سے رمضان کے کسی بھی دن روزہ افطار کرنے کے بعد کا وقت بھی مراد ہوسکتا ہے اور یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ رمضان سے فارغ ہونے کے بعد شوال کا چاند نظر آنے کا وقت یعنی چاندرات ہو۔ ؎۱

اور جلیلُ القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

كَانُوا يَسْتَحِبُّوْنَ لِلْمُعْتَكِفِ أَنْ يَّبِيْتَ لَيْلَةَ الْفِطْرِ فِيْ مَسْجِدِهٖ ، حَتّٰى يَكُوْنَ غُدُوُّهٗ مِنْهُ (مُصنف ابن أبی شیبة) ؎۲

ترجمہ: صحابۂ کرام و تابعین اعتکاف کرنے والے کے لیے اس بات کو پسند کرتے تھے کہ وہ عیدُ الفطر کی رات اپنی (اعتکاف گاہ والی) مسجد میں گزارے، یہاں تک کہ وہ وہاں سے صبح کو جائے (ترجمہ ختم)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الالبانی: (خير ما يموت عليه العبد أن يكون قافلاً من حج، أو مفطراً من رمضان)ضعيف أخرجه الديلمی ۲/۱۱۴) من طريق أبی نعيم، عن سلمة بن سواية، عن ابن حدر الكلبی، عن أبی الزبير، عن جابر مرفوعاً.

قلت :وهذا إسناد ضعيف؛ أبو الزبير مدلس وقد عنعنه.وسلمة بن سواية .لم أعرفه . ومثله ابن حدر الكلبی .لكن ذكر المناوی أن فی إسناد الديلمی "أبو جناب الكلبی، ضعفه النسائی والدارقطنی ."فالظاهر أنه تحرف علی الناسخ، فكتب "ابن حدر"، وإنما هو "أبو جناب"(سلسلة الأحاديث الضعيفة، تحت رقم روايت ۳۵۸۳)

؎۱ (خير ما يموت عليه العبد أن يكون قافلا) أی راجعا (من حج) بعد فراغ أعماله (أو مفطرا من رمضان) يحتمل أن المراد عقب إفطاره فی يوم منه أی عند الغروب ويحتمل أن المراد عقب فراغ رمضان عند استهلال شوال.

(فر عن جابر) وفيه أبو جناب الكلبی أورده الذهبی فی الضعفاء وضعفه النسائی والدارقطنی ورواه عنه أيضا الطبرانی وعنه ومن طريقه أورده الديلمی مصرحا فلو عزاه المصنف للأصل لكان أولی(فيض القدير للمناوی، تحت حديث رقم ۲۶۷۲)

؎۲ حديث نمبر ۹۷۷۱، كتاب الصيام، من كان يُحِبُّ أَنْ يَغْدُوَ الْمُعْتَكِفُ كَمَا هُوَ مِنْ مَسْجِدِهٖ إِلَى الْمُصَلّٰى.

اس قسم کی روایت اور محدثین کے بارے میں بھی مروی ہے۔ [۱]

اس کی وجہ بھی بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ عید الفطر کی رات بابرکت اور مبارک رات ہے، اس لیے اس رات کو بھی معتکف عبادت میں خرچ کرے۔

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر حضرات سے عید کی رات میں تکبیر کہنے (یعنی اللہ اکبر وغیرہ کا ذکر کرنے) کا مستحب ہونا مروی ہے۔ [۲]

---

[۱] حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ أَبِي قِلاَبَةَ ؛ أَنَّهُ أُوتِيَ يَوْمَ الْفِطْرِ فِي مَسْجِدِ قَوْمِهِ ، وَاعْتَكَفَ فِيهِ بِجُوَيْرِيَةٍ مُزَيَّنَةٍ فَأَقْعَدَهَا فِي حِجْرِهِ ، ثُمَّ اعْتَنَقَهَا وَخَرَجَ إِلَى الْمُصَلَّى كَمَا هُوَ مِنَ الْمَسْجِدِ(مُصنف ابن أبی شيبة، حديث نمبر ۹۷۷۰، من كان يُحِبُّ أَنْ يَغْدُوَ الْمُعْتَكِفُ كَمَا هُوَ مِنْ مَسْجِدِهِ إِلَى الْمُصَلَّى)

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ عِمْرَانَ ، عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ ، قَالَ : بِتْ لَيْلَةَ الْفِطْرِ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي اعْتَكَفْتُ فِيهِ ، حَتَّى يَكُونَ غُدُوُّكَ إِلَى مُصَلَّاكَ مِنْهُ(مُصنف ابن أبی شيبة، حديث نمبر ۹۷۷۲، من كان يُحِبُّ أَنْ يَغْدُوَ الْمُعْتَكِفُ كَمَا هُوَ مِنْ مَسْجِدِهِ إِلَى الْمُصَلَّى)

[۲] حَدَّثَنِي يُونُسُ، قَالَ : أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ : قَالَ ابْنُ زَيْدٍ، كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ " حَقٌّ عَلَى الْمُسْلِمِينَ إِذَا نَظَرُوا إِلَى هِلَالِ شَوَّالٍ أَنْ يُكَبِّرُوا اللَّهَ حَتَّى يَفْرُغُوا مِنْ عِيدِهِمْ؛ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى ذِكْرُهُ يَقُولُ : (وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ)قَالَ ابْنُ زَيْدٍ: يَنْبَغِي لَهُمْ إِذَا غَدَوْا إِلَى الْمُصَلَّى كَبَّرُوا، فَإِذَا جَلَسُوا كَبَّرُوا، فَإِذَا جَاءَ الْإِمَامُ صَمَتُوا، فَإِذَا كَبَّرَ الْإِمَامُ كَبَّرُوا، وَلَا يُكَبِّرُونَ إِذَا جَاءَ الْإِمَامُ إِلَّا بِتَكْبِيرِهِ، حَتَّى إِذَا فَرَغَ وَانْقَضَتِ الصَّلَاةُ فَقَدِ انْقَضَى الْعِيدُ قَالَ يُونُسُ، قَالَ ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنِ زَيْدٍ وَالْجَمَاعَةُ عِنْدَنَا عَلَى أَنْ يَغْدُوا بِالتَّكْبِيرِ إِلَى الْمُصَلَّى(تفسير طبری، ج۳ص ۲۲۲، تحت سورة البقرة)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ، قَالَ : ثنا سُفْيَانُ، فِي قَوْلِهِ تَعَالَى :(وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ)قَالَ " : نَرْجُو أَنْ يَكُونَ التَّكْبِيرُ لَيْلَةَ الْفِطْرِ "وَزَعَمَ الْمَكِّيُّونَ أَنَّهُمْ رَأَوْا مَشَايِخَهُمْ يُكَبِّرُونَ لَيْلَةَ الْفِطْرِ إِلَى خُرُوجِ الْإِمَامِ يَوْمَ الْعِيدِ، وَيُظْهِرُونَ التَّكْبِيرَ، وَيَرَوْنَهُ سُنَّةً، وَهُمْ عَلَى ذَلِكَ الْيَوْمَ(اخبارِ مكة للفاكهی، حديث نمبر ۱۷۰۳)

قَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ : وَمِنَ السُّنَّةِ إِظْهَارُ التَّكْبِيرِ لَيْلَتَيِ الْعِيدَيْنِ، مُقِيمِينَ وَسَفْرًا فِي مَنَازِلِهِمْ، وَمَسَاجِدِهِمْ، وَأَسْوَاقِهِمْ، وَبَعْدَ الْغُدُوِّ فِي الطَّرِيقِ، وَبِالْمُصَلَّى إِلَى أَنْ يَحْضُرَ الإِمَامُ.

رُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَغْدُو إِلَى الْمُصَلَّى يَوْمَ الْفِطْرِ إِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ، فَيُكَبِّرُ حَتَّى يَأْتِيَ الْمُصَلَّى، ثُمَّ يُكَبِّرُ بِالْمُصَلَّى حَتَّى إِذَا جَلَسَ الإِمَامُ تَرَكَ التَّكْبِيرَ.

وَعَنِ ابْنِ الْمُسَيِّبِ، وَعُرْوَةَ، وَأَبِي سَلَمَةَ، وَأَبِي بَكْرٍ : يُكَبِّرُونَ لَيْلَةَ الْفِطْرِ فِي الْمَسْجِدِ يَجْهَرُونَ بِالتَّكْبِيرِ(شرح السنة، ج۴ص ۳۰۱، كتاب الجمعة،باب لا أذان ولا إقامة لصلاة العيد وتقديم الصلاة)

وفيه : استحباب التكبير يوم العيد، وكذا فی ليلته فی طريق المصلی(عمدة القاری، ج۶ص ۲۹۵، كتاب العيدين،باب حمل العنزة أو الحربة بين يدى الإمام يوم العيد)

ملحوظ رہے کہ عیدین کی راتوں کی فضیلت کے بارے میں بعض روایتوں کی سند ضعیف ہے، لیکن ایک تو ان روایات کے مختلف سندوں کے ساتھ مروی ہونے کی وجہ سے ضعف کسی درجہ میں دور ہوجاتا ہے، دوسرے محدثین وفقہاء کے راجح قول کے مطابق فضائلِ اعمال کے سلسلہ میں ضعیف حدیث بھی بعض شرائط کے ساتھ قابلِ عمل ہوجاتی ہے۔ [۱]

جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی ضعیف حدیث سے کسی عمل کی ترغیب وفضیلت ثابت ہو، اور اس کے خلاف اس سے کوئی قوی دلیل موجود نہ ہو، تو اس سے اس عمل کا مستحب ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔

لیکن اِس مستحب کا درجہ اُس مستحب سے کمزور ہوتا ہے، جس کا مستحب ہونا اس سے قوی (صحیح وحسن) حدیث سے ثابت ہو۔

البتہ ضعیف حدیث سے کسی عمل کے مستحب ہونے کے ثبوت کے لئے مجموعی طور پر چار شرائط ہیں۔

(۱)...... پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے خلاف اس سے کوئی قوی دلیل موجود نہ ہو (جیسا کہ پہلے گزرا)

---

[۱] ضعیف حدیث کے بارے میں اس سلسلہ میں تین قسم کے اقوال ہیں، ایک مطلقاً غیر معمول بہ ہونے کا، دوسرا مطلقاً معمول بہ ہونے کا، اور تیسرا بعض شرائط کے ساتھ فضائل میں معمول بہ ہونے کا، اور یہی قول راجح ہے۔

فتحصل ان فی العمل بالحدیث الضعیف ثلاثة مذاهب ،لایعمل به مطلقا، یعمل به مطلقا، یعمل به فی الفضائل بشروطه (الاجوبة الفاضلة عن الاسئلة العشره الکاملة،ص۱۰، مشمولة:مجموعه رسائل اللکنوی ،ج۴)

هذه العبارات ونحوها الواقعة فی کتب الثقات تشهد بتفرقهم فی ذلک ،فمنهم من منع العمل بالضعیف مطلقا،وهو مذهب ضعیف،ومنهم من جوزه مطلقا،وهو توسع سخیف،ومنهم من فصل وقید وهو المسلک المسدد (ایضاً ص ۱۱)

قال العلماء من المحدثین والفقهاء وغیرهم :یجوزویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترهیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوع (کتاب الاذکار للنووی ص ۷)

والاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع(فتح القدیر ج ۱ ص ۳۳، باب الجنائز، فصل فی الصلاة علی المیت)

(۲)......دوسری شرط یہ ہے کہ یہ حدیث شدید ضعیف نہ ہو، بایں طور کہ اس میں کوئی کذاب، اور فاحشُ الغلط وفاحشُ المغفل راوی نہ ہو۔

کیونکہ اس صورت میں یہ معدوم (موضوع ومخترع حدیث) کے درجہ میں ہوتی ہے، جس پر کسی حال میں عمل جائز نہیں۔ [1]

(۳)......تیسری شرط یہ ہے کہ اس ضعیف حدیث سے ثابت شدہ حکم شریعت کے اصولوں میں سے کسی اصول وقاعدے کے تحت داخل ہو، اور دینی قواعد کے خلاف نہ ہو۔

(۴)...... چوتھی شرط یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے والا اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھے، بلکہ صرف احتیاط کی وجہ سے اس پر عمل کرے۔ [2]

---

[1] تاہم اس میں اختلاف کی گنجائش ہے کہ ایک راوی بعض کے نزدیک شدید ضعیف ہو، اور بعض کے نزدیک شدید ضعیف نہ ہو، پس ایسی صورت میں کسی جرح کے مؤثر وغیر مؤثر ہونے میں اجتہادی طور پر اختلاف ممکن ہے۔ محمد رضوان۔

[2] والذی یظهر بعد التامل الصادق، هو قبول الضعیف فی ثبوت الاستحسان وجوازه، فاذا دل حدیث ضعیف علی استحباب شیئ او جوازه، ولم یدل دلیل آخر صحیح علیه، ولیس هناک مایعارضه ورجح علیه، قبل ذلک الحدیث وجاز العمل بما افاده واقول باستحباب مادل علیه او جوازه.

غایة مافی الباب ان یکون مثل هذا الاستحباب والجواز ادون رتبة من الاستحباب والجواز الثابت بالاحادیث الصحیحة والحسنة ویشترط قبوله بشروط:

احدها: ما اشرنا الیه من فقدان دلیل آخر اقوی منه معارضا له، فان دل حدیث صحیح او حسن، علی کراهة عمل او حرمته، والضعیف علی استحبابه وجوازه ، فالعمل یکون بالاقوی ، والقول بمفاده احری.

وثانیها: ان لایکون الحدیث شدید الضعف ، بان تفرد بروایته شدید الضعف ، کالکذاب، وفاحش الغلط، والمغفل، وغیر ذلک، او کثرت طرقه، لکن لم یخل طریق من طرقه عن شدة الضعف، وذلک لان کون السند شدید الضعف، مع عدم مایجبر به نقصانه ، یجعله فی حکم العدم ، ویقربه الی الموضوع والمخترع، الذی لایجوز العمل به بحال .

وثالثها: ان یکون ماثبت به داخلا تحت اصل کلی من الاصول الشرعیة غیر مخالف للقواعد الدینیة، لئلا یلزم اثبات مالم یثبت شرعا به، فانه اذا کان مادل علیه داخلا فی الاصول الشرعیة، غیر مناقض لها، فنفس جوازه ثابت بها.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور یہ تفصیل اعمال کی فضیلت کے بارے میں ہے۔

جہاں تک حلال وحرام اور عقائد، نیز اللہ تعالیٰ کی صفات کا معاملہ ہے، تو ان میں ضعیف

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والحديث الضعيف الدال عليه يكون مؤكدا عله، كذا الاستحباب، فان الجائزات تصير بحسن النية عبادة، فكيف اذا وجدمافيه شبهة ثبوت الاستحباب.

ورابعها: ان لايعتقد العامل به ثبوته بل الخروج عن العهدة بيقين، فانه ان كان صحيحا فى نفس الامر فذاك، والا لم يترتب على العمل به فساد شرعي.

وقس عليه اذا دليل الحديث الضعيف على كراهة عمل، لم يدل على استحبابه دليل آخر، فيؤخذ به ويعمل بمفاده احتياطا، فان ترك المكروه مستحب، وترك المباح لابأس فيه شرعا.

وبهذا كله يظهر لك دفع الاشكال الذى تصدى للجواب عنه الدواني والخفاجي، وسلك كل منهما مسلكا مغايرا لمسلك الآخر.

وخلاصة الكلام، الرافع للاوهام، هو ان ثبوت الاستحباب، او الكرهة التى هى فى قوة الاستحباب، او الجواز بالحديث الضعيف مع الشروط المتقدمة: لاينافى قولهم: انه لايثبت الاحكام الشرعية، فان الحكم باستحباب شيئ دل عليه الضعيف او كراهته: احتياطى، والحكم بجواز شيئ دل عليه تاكيد لما ثبت بدلائل اخر، فلا يلزم منه ثبوت شيئ من الاحكام فى نفس الامر، ومن حيث الاعتقاد.

نعم لو لم تلاحظ الشروط المتقدمة، لزم الاشكال البتة (ظفر الأماني فى مختصر الجرجاني فى مصطلح الحديث، ص۹۸ ا تا۲۰۰، لمولانا عبدالحيي اللكنوى رحمه الله)

فالحق فى هذا المقام: انه اذا لم يثبت ندب شيئ او جوازه بخصوصه بحديث صحيح، وورد بذلك حديث ضعيف ليس شديد الضعف، يثبت استحبابه وجوازه به، بشرط ان يكون مندرجا تحت اصل شرعي، ولا يكون مناقضا للاصول الشرعية والادلة الصحيحة.

وما احسن كلام المحقق جلال الدين الدواني فى رسالته "انموذج العلوم" التى جمع فيها الفوائد المتفرقة حيث قال فى صدرها: المسألة الاولىٰ فى اصول الحديث: اتفقوا على ان الحديث الضعيف لايثبت به الاحكام الشرعية، ثم ذكروا انه يجوز بل يستحب العمل بالاحاديث الضعيفة فى فضائل الاعمال، وممن صرح به النووى فى كتبه لاسيما كتاب "الاذكار" وفيه اشكال، لان جواز العمل واستحبابه كلاهما من الاحكام الخمسة الشرعية، فاذا استحب العمل بمقتضى الحديث الضعيف كان ثبوته بالحديث الضعيف، وذلك ينافى ما تقرر من عدم ثبوت الاحكام بالاحاديث الضعيفة. وقد حاول بعضهم التفصى عن ذلك وقال: ان مراد النووى انه اذا ثبت حديث صحيح او حسن فى فضيلة عمل من الاعمال تجوز رواية الحديث الضعيف فى هذا الباب.

ولايخفى ان هذا لايرتبط بكلام النووى فضلا عن ان يكون مراده ذلك، فكم من فرق بين جواز العمل واستحبابه، وبين مجرد نقل الحديث، على انه لولم يثبت الحديث الصحيح او الحسن فى فضيلة عمل من الاعمال يجوز نقل الحديث الضعيف فيها، لاسيما مع التنبيه على ضعفه، ومثل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حدیث معتبر نہیں ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ذلک فی کتب الحدیث وغیرہ کثیر شائع، یشھد به من تتبع ادنی تتبع.

والذی یصلح للتعویل : انه اذا وجد حدیث ضعیف فی فضیلة عمل من الاعمال ، ولم یکن ھذا العمل مما یحتمل الحرمة او الکراھة فانه یجوز العمل به ویستحب، لانه مامون الخطر ومرجو النفع، اذ ھو دائر بین الاباحة والاستحباب، فالاحتیاط العمل به رجاء الثواب.

واما اذا دار بین الحرمة والاستحباب فلا وجه لاستحباب العمل به.

واما اذا دار بین الکراھة والاستحباب، فمجال النظر فیه واسع ، اذ فی العمل دغدغة الوقوع فی المکروہ، وفی الترک مظنة الترک المستحب. فلینظر.

ان کان خطر الکراھة اشد بان تکون الکراھة المحتملة شدیدة، والاستحباب المحتمل ضعیفا، فحینئذ یرجح الترک علی العمل، فلا یستحب العمل به.

وان کان خطر الکراھة اضعف بان تکون الکراھة علی تقدیر وقوعھا کراھة ضعیفة دون مرتبة ترک العمل علی تقریر استحبابه ، فالاحتیاط العمل به.

وفی صورة المساواة یحتاج الی نظر تام، والظن انه یستحب ایضا، لان المباحات تصیر بالنیة عبادة، فکیف مافیه شبھة الاستحباب لاجل الحدیث الضعیف.(......وبعد اسطر......)

وحاصل الجواب، ان الجواز معلوم من خارج والاستحباب ایضا معلوم من القواعد الشرعیة الدالة علی استحباب الاحتیاط فی امر الدین ، فلم یثبت شیئ من الاحکام بالحدیث الضعیف ، بل اوقع الحدیث الضعیف شبھة الاستحباب ، فصار الاحتیاط ان یعمل به، واستحباب الاحتیاط معلوم من قواعد الشرع ، انتھیٰ کلام الدوانی (الاجوبة الفاضلة عن الاسئلة العشرہ الکاملة،ص ۱۳ ، ۱۴ ، مشمولة:مجموعه رسائل اللکنوی ، ج۴)

اقول :قال فی البنایة :

> ثم إن تزیین المسجد لما دار مرة بین الاستحباب وبین الکراھة، قال أصحابنا بالجواز، ولم یقولوا بالاستحباب کما قال به بعضھم(البنایة شرح الھدایة ج۲ ص ۴۷۱، کتاب الصلاة، باب احکام المساجد)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ضعیف حدیث سے ثابت شدہ استحباب کا درجہ احتیاطی ہے اور یہ اُس استحباب سے کم ہوتا ہے، جو حسن وصحیح حدیث سے ثابت ہو۔

اور پھر یہ استحباب بھی اُن شرعی قواعد کے ماتحت ہو کر ثابت ہوتا ہے، جو کہ قوی دلائل سے ثابت ہیں۔

لہٰذا ضعیف حدیث سے اس تفصیل کے مطابق استحباب ثابت ہونے پر یہ شبہ نہیں ہوتا کہ ضعیف حدیث سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا، جبکہ کسی چیز کا مستحب ہونا بھی شرعی حکم ہی کی ایک قسم ہے۔

[1] (لافی صفات اللہ) فان وجد حدیث ضعیف دل علی صفة من صفات اللہ تعالیٰ ولم یثبت ذلک بدلیل معتبر ، لم یعتبر به، فان صفات اللہ واسماء ہ لایجترأ علی القول بھا بدون دلالة دلیل معتمد، لانھا من باب العقائد لا من باب الاعمال، ویلتحق بھا جمیع العقائد الدینیة ، فلا تثبت الا بحدیث صحیح او حسن لذاته او لغیرہ. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور عیدین کی راتوں اوران میں نفلی عبادت کی فضیلت کے سلسلہ میں مندرجہ بالا شرائط پائی جاتی ہیں۔

اس لیے عیدین کی راتوں میں نفلی عبادت مستحب ہے۔

جیسا کہ متعدد فقہاء ومحدثین نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

چنانچہ صحیح مسلم کے شارح امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اِتَّفَقُوا عَلٰى اِسْتِحْبَابِ إِحْيَاءِ لَيْلَتَيِ الْعِيْدَيْنِ(شرح النووی) [1]

ترجمہ: (ہمارے) فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عیدین کی راتوں میں (عبادت کے لئے) جاگنا مستحب ہے(ترجمہ ختم)

اورایک مقام پرفرماتے ہیں کہ:

وَاتَّفَقَ أَصْحَابُنَا عَلٰى إِحْيَاءِ لَيْلَتَيِ الْعِيْدَيْنِ(المجموع) [2]

ترجمہ: ہمارے اصحاب کا عیدین کی راتوں میں جاگنے پر اتفاق ہے(ترجمہ ختم)

اورایک مقام پرفرماتے ہیں کہ:

اِعْلَمْ أَنَّهُ يُسْتَحَبُّ إِحْيَاءُ لَيْلَتَيِ الْعِيْدَيْنِ فِيْ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَالصَّلَاةِ، وَغَيْرِهِمَا مِنَ الطَّاعَاتِ، لِلْحَدِيْثِ الْوَارِدِ فِيْ ذٰلِكَ "مَنْ أَحْيَا لَيْلَتَيِ الْعِيْدَيْنِ، لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ" وَرُوِيَ "مَنْ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كيف وقد صرحوا بان اخبار الآحاد وان كان صحيحة ، لاتكفى فى باب العقائد، فما بالك بالضعيفة منها؟ والمراد بعدم كفايتها انها لاتفيد القطع ، فلايعتبر بها مطلقا فى العقائد التى كلف الناس بالاعتقاد الجازم فيها، لاانها لاتفيد الظن ايضا، ولا انها لاعبرة بها رأسا فى العقائد مطلقا، كما توهمه من ابناء عصرنا.............(واحكام الحلال والحرام) فلايثبت بالحديث الضعيف تحريم شيئ ولا تحليله (ظفر الأمانى فى مختصر الجرجانى فى مصطلح الحديث،لمولانا عبدالحيئ اللكنوى ، ص ۲۰۰ تا ۲۰۴ ،ملخصاً)

[1] على مسلم، ج۸ص ۷۱،باب صوم عشر ذى الحجة، دار إحياء التراث العربى -بيروت.

[2] شرح المهذب،ج۴ ص۴۵، باب صلاة التطوع، دارالفكر، بيروت.

قَامَ لَيْلَتَيِ الْعِيْدَيْنِ لِلّٰهِ مُحْتَسِبًا لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ" هٰكَذَا جَاءَ فِيْ رِوَايَةِ الشَّافِعِيّ وَابْنِ مَاجَةَ، وَهُوَ حَدِيْثٌ ضَعِيْفٌ رَوَيْنَاهُ مِنْ رِوَايَةِ أَبِيْ أُمَامَةَ مَرْفُوْعًا وَمَوْقُوْفًا، وَكِلَاهُمَا ضَعِيْفٌ، لٰكِنْ أَحَادِيْثُ الْفَضَائِلِ يُتَسَامَحُ فِيْهَا، كَمَا قَدَّمْنَاهُ فِيْ أَوَّلِ الْكِتَابِ.
وَاخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي الْقَدْرِ الَّذِيْ يَحْصُلُ بِهِ الْإِحْيَاءُ، فَالْأَظْهَرُ أَنَّهُ لَا يَحْصُلُ إِلَّا بِمُعَظَّمِ اللَّيْلِ، وَقِيْلَ: يَحْصُلُ بِسَاعَةٍ (الاذكار النووية، ۱۷۱) [1]

ترجمہ: یہ بات جان لینی چاہئے کہ عیدین کی راتوں میں جاگ کر اللہ تعالیٰ کے ذکر میں اور نماز اور دوسرے نیک اعمال (توبہ واستغفار وغیرہ) میں مشغول رہنا مستحب ہے، اس حدیث کی وجہ سے، جو اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہے کہ جس نے عیدین کی راتوں کو زندہ رکھا، اس کا دل اس دن مردہ نہیں ہوگا، جس دن (لوگوں کے) دل مُردہ ہوجائیں گے، اور یہ بھی مروی ہے کہ جس نے عیدین کی راتوں میں اللہ کی رضا اور ثواب کے حصول کی خاطر قیام کیا، تو اس کا دل اس دن مردہ نہیں ہوگا، جس دن (لوگوں کے) دل مردہ ہوجائیں گے، اسی طرح امام شافعی اور ابنِ ماجہ کی روایت میں آیا ہے، اور یہ حدیث ضعیف ہے، جس کو ہم نے ابوامامہ کی روایت سے مرفوعاً اور موقوفاً روایت کیا ہے، اور یہ دونوں ضعیف ہیں، لیکن فضائل کی احادیث میں چشم پوشی اختیار کی جاتی ہے، جیسا کہ ہم شروع کتاب میں ذکر کرچکے ہیں۔

اور علماء کا اس مقدار کے بارے میں اختلاف ہے، جس کے ذریعہ سے رات کو زندہ رکھنے کی فضیلت حاصل ہوتی ہے، زیادہ راجح یہ ہے کہ یہ رات کے بڑے حصہ کے ذریعہ سے ہی حاصل ہوتی ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک ساعت

---

[1] كتاب الاذكار فی صلوات مخصوصة، باب الأذكار المشروعة فی العيدين، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت -لبنان.

کے ذریعہ سے بھی حاصل ہو جاتی ہے (ترجمہ ختم)

اور امام نووی رحمہ اللہ ایک مقام پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

قَالَ أَصْحَابُنَا: يُسْتَحَبُّ إِحْيَاءُ لَيْلَتَيِ الْعِيْدَيْنِ بِصَلَاةٍ أَوْ غَيْرِهَا مِنَ الطَّاعَاتِ وَاحْتَجَّ: لَهُ أَصْحَابُنَا بِحَدِيْثِ أَبِيْ أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم "مَنْ أَحْيَا لَيْلَتَيِ الْعِيدِ لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ "وَفِيْ رِوَايَةِ الشَّافِعِيِّ وَابْنِ مَاجَةَ "مَنْ قَامَ لَيْلَتَيِ الْعِيْدَيْنِ مُحْتَسِبًا لِلّٰهِ تَعَالٰى لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ حِيْنَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ "رَوَاهُ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ مَوْقُوْفًا، وَرُوِيَ مِنْ رِوَايَةِ أَبِيْ أُمَامَةَ مَوْقُوْفًا عَلَيْهِ وَمَرْفُوْعًا كَمَا سَبَقَ، وَأَسَانِيْدُ الْجَمِيْعِ ضَعِيْفَةٌ، قَالَ الشَّافِعِيُّ فِي الْأُمِّ: وَبَلَغَنَا أَنَّهُ كَانَ يُقَالُ: إِنَّ الدُّعَاءَ يُسْتَجَابُ فِيْ خَمْسِ لَيَالٍ: فِيْ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ، وَلَيْلَةِ الْأَضْحٰى، وَلَيْلَةِ الْفِطْرِ، وَأَوَّلِ لَيْلَةٍ فِيْ رَجَبٍ، وَلَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ قَالَ الشَّافِعِيُّ: وَأَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: رَأَيْتُ مَشْيَخَةً مِّنْ خِيَارِ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ يَظْهَرُوْنَ عَلٰى مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْعِيْدَيْنِ فَيَدْعُوْنَ وَيَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰى، حَتّٰى تَذْهَبَ سَاعَةٌ مِّنَ اللَّيْلِ، قَالَ الشَّافِعِيُّ: وَبَلَغَنَا أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُحْيِيْ لَيْلَةَ النَّحْرِ، قَالَ الشَّافِعِيُّ: وَأَنَا أَسْتَحِبُّ كُلَّ مَا حَكَيْتُ فِيْ هٰذِهِ اللَّيَالِيْ مِنْ غَيْرِ أَنْ تَكُوْنَ فَرْضًا هٰذَا آخِرُ كَلَامِ الشَّافِعِيِّ، وَاسْتَحَبَّ الشَّافِعِيُّ وَالْأَصْحَابُ الْإِحْيَاءَ الْمَذْكُوْرَ، مَعَ أَنَّ الْحَدِيْثَ ضَعِيْفٌ، لِمَا سَبَقَ فِيْ أَوَّلِ الْكِتَابِ أَنَّ أَحَادِيْثَ الْفَضَائِلِ يُتَسَامَحُ فِيْهَا، وَيُعْمَلُ عَلٰى وَفْقِ ضَعِيْفِهَا وَالصَّحِيْحُ أَنَّ فَضِيْلَةَ هٰذَا الْإِحْيَاءِ لَا تَحْصُلُ إِلَّا بِمُعْظَمِ اللَّيْلِ، وَقِيْلَ تَحْصُلُ بِسَاعَةٍ، وَيُؤَيِّدُهُ مَا سَبَقَ فِيْ

نَقْلِ الشَّافِعِيِّ عَنْ مَشْيَخَةِ الْمَدِيْنَةِ، وَنَقَلَ الْقَاضِي حُسَيْنٌ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ إِحْيَاءَ لَيْلَةِ الْعِيْدِ أَنْ يُّصَلِّيَ الْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ، وَيَعْزِمَ أَنْ يُّصَلِّيَ الصُّبْحَ فِيْ جَمَاعَةٍ وَالْمُخْتَارُ مَا قَدَّمْتُهُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ (المجموع) [1]

ترجمہ: ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ عیدین کی راتوں کو نماز اور دوسرے نیک اعمال کے ذریعہ سے زندہ رکھنا مستحب ہے، اور اس کے لئے ہمارے اصحاب نے حضرت ابوامامہ کی حدیث سے حجت پکڑی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے عید کی راتوں کو زندہ رکھا، تو اس کا دل اس دن مُردہ نہیں ہوگا، جس دن لوگوں کے دل مردہ ہوجائیں گے، اور امام شافعی اور ابنِ ماجہ کی روایت میں یہ ہے کہ جس نے عیدین کی راتوں میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کے حصول کی خاطر قیام کیا، تو اس کا دل اس دن مُردہ نہیں ہوگا، جس دن لوگوں کے دل مردہ ہوجائیں گے، اس کو ابوالدرداء سے موقوفاً روایت کیا ہے، اور حضرت ابوامامہ کی موقوف روایت بھی اس سلسلہ میں مروی ہے، اور مرفوع بھی، جیسا کہ پہلے گزرا، اور تمام روایتوں کی سندیں ضعیف ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ نے کتابُ الام میں فرمایا کہ اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ یہ کہا جاتا تھا کہ پانچ راتوں میں دعا (زیادہ) قبول کی جاتی ہے، جمعہ کی رات میں اور عیدالاضحیٰ کی رات میں، اور عیدالفطر کی رات میں، اور رجب کی پہلی رات میں، اور نصف شعبان کی رات میں، اور ہمیں ابراہیم بن محمد نے خبر دی کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے مدینہ کے نیک لوگوں میں سے مشائخ کو دیکھا کہ وہ مسجدِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں عیدین کی راتوں میں حاضر ہوتے تھے، پھر دعائیں کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے، یہاں تک کہ رات کا ایک حصہ گزر جاتا تھا، امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمیں یہ

---

[1] شرح المهذب، ج۵ص،۴۲،۴۳، باب صلاة العيدين،فرع فى مسائل تتعلق بالعيدين، دارالفكر، بيروت.

بات بھی پہنچی ہے کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ عیدالاضحیٰ کی رات میں عبادت کرتے تھے (اس کے بعد) امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے جو کچھ ان راتوں کے بارے میں بیان کیا ان سب کو میں مستحب سمجھتا ہوں، فرض نہیں سمجھتا، یہ امام شافعی کا آخری کلام تھا۔

اور امام شافعی، اور اُن کے اصحاب نے مذکورہ راتوں میں عبادت کو مستحب قرار دیا ہے، باوجودیکہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ کتاب کے شروع میں یہ بات گزر چکی ہے کہ فضائل کی احادیث میں چشم پوشی سے کام لیا جاتا ہے، اور اُس کے ضعیف ہونے کے موافق اس پر عمل کیا جاتا ہے۔

اور صحیح بات یہ ہے کہ ان راتوں میں جاگنے کی فضیلت رات کے بڑے حصہ ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوسکتی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک ساعت کے لئے جاگ لینے سے بھی حاصل ہوجاتی ہے، اور اس کی تائید امام شافعی کی اس نقل کردہ روایت سے بھی ہوتی ہے، جو انہوں نے مدینہ کے مشائخ کے بارے میں نقل کی ہے، اور قاضی حسین نے ابنِ عباس سے نقل کیا ہے کہ عید کی رات کو زندہ رکھنا یہ ہے کہ عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے، اور یہ پختہ ارادہ رکھے کہ وہ فجر کی نماز بھی جماعت کے ساتھ پڑھے گا، اور مختار وہ ہے، جو میں نے پہلے بیان کیا (یعنی رات کا بڑا حصہ جاگنے سے پوری فضیلت حاصل ہوگی) واللہ اعلم (ترجمہ ختم)

اور امام زکریا بن محمد بن زکریا انصاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَالدُّعَاءُ فِيهِمَا وَفِيْ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ وَلَيْلَتَيْ أَوَّلِ رَجَبٍ وَنِصْفِ شَعْبَانَ مُسْتَجَابٌ فَيُسْتَحَبُّ (أسنى المطالب) [1]

[1] ج ۱ ص ۲۸۲، كتاب صلاة العيدين ،فصل احياء ليلتى العيد بالعبادة.

ترجمہ: اور عیدین کی راتوں میں اور جمعہ کی رات میں اور رجب کی پہلی رات میں اور نصف شعبان کی رات میں دعا مستحب ہے (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابنِ حاج مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

إِحْيَاءُ اللَّيْلَتَيْنِ الشَّرِيْفَتَيْنِ بِعِبَادَةِ الْمَوْلٰى سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى الْمَنْدُوْبِ إِلٰى إِحْيَائِهِمَا كَمَا هُوَ مَعْلُوْمٌ مَشْهُوْرٌ (المدخل لابن الحاج) [1]

ترجمہ: عیدین کی مبارک راتوں کو مولیٰ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عبادت کے ساتھ زندہ رکھنا مستحب ہے، جن میں عبادت کرنے کا معاملہ معلوم اور مشہور ہے (ترجمہ ختم)

اور ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن محمد طرابلسی مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَقَالَ ابْنُ الْفُرَاتِ: أُسْتُحِبَّ إِحْيَاءُ لَيْلَةِ الْعِيْدِ بِذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالصَّلَاةِ وَغَيْرِهَا مِنَ الطَّاعَاتِ لِلْحَدِيْثِ مَنْ أَحْيَا لَيْلَةَ الْعِيْدِ لَمْ يَمُتْ قَلْبُهٗ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ وَرُوِيَ مَرْفُوْعًا وَمَوْقُوْفًا وَكِلَاهُمَا ضَعِيْفٌ لٰكِنَّ أَحَادِيْثَ الْفَضَائِلِ يُتَسَامَحُ فِيْهَا (مواهب الجليل) [2]

ترجمہ: اور ابنِ فرات نے فرمایا کہ عید کی رات کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز اور اس کے علاوہ دوسرے نیک اعمال کے ذریعے سے زندہ رکھنا مستحب ہے، اس حدیث کی وجہ سے کہ جس نے عید کی رات کو زندہ رکھا، تو اس کا دل اس دن مردہ نہیں ہوگا، جس دن (لوگوں کے) دل مردہ ہوجائیں گے، یہ مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح سے مروی ہے، اور دونوں ضعیف ہیں، لیکن فضائل کی احادیث میں چشم پوشی سے کام لیا جاتا ہے (ترجمہ ختم)

اور فقہ حنبلی کے مشہور فقیہ علامہ شیخ منصور بن یونس بہوتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

---

[1] جلد ا، صفحة ٢٨٩، الموسم الثاني عيد الفطر، دار التراث، بيروت.

[2] في شرح مختصر الخليل، ج٢ ص١٩٣، كتاب الصلاة، فصل صلاة العيدين، دار الفكر، بيروت.

(وَفِیْ اِسْتِحْبَابِ قِیَامِهَا) اَیْ لَیْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ (مَافِیْ)اِحْیَاءِ (لَیْلَةِ الْعِیْدِ)(کشاف القناع عن متن الاقناع) [۱]

ترجمہ: اور نصف شعبان کی رات کی عبادت کا مستحب ہونا عیدین کی رات کی طرح ہے (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابنِ نجیم مصری حنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ:

وَمِنَ الْمَنْدُوْبَاتِ اِحْیَاءُ لَیَالِي الْعَشْرِمِنْ رَمَضَانَ وَلَیْلَتَي الْعِیْدَیْنِ وَلَیَالِي عَشْرِذِی الْحِجَّةِ وَلَیْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ کَمَا وَرَدَتْ بِهِ الْاَحَادِیْثُ(البحرالرائق شرح کنزالدقائق) [۲]

ترجمہ: اور مستحبات میں سے ہے رمضان کی آخری دس راتوں میں، اور عیدین کی راتوں میں اور ذی الحجہ کی پہلی دس راتوں میں اور شعبان کی پندرہویں رات میں شب بیداری (اور بکثرت عبادت) کرنا جیسا کہ احادیث میں آیا ہے (ترجمہ ختم)

اور علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۸۸ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:

وَمِنَ الْمَنْدُوْبَاتِ ...... اِحْیَآءُ لَیْلَةِالْعِیْدَیْنِ وَالنِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَالْعَشْرِالْاَخِیْرِ مِنْ رَمَضَانَ وَالْاَوَّلِ مِنْ ذِی الْحِجَّةِ (الدرالمختار) [۳]

ترجمہ: اور مستحبات میں سے ہے ......عیدین کی رات میں اور شعبان کی پندرہویں رات میں اور رمضان کے آخری عشرہ میں اور ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں عبادت کرنا (ترجمہ ختم)

اور علامہ بدرُالدین عینی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

---

[۱] ج ۱ ص ۴۴۴، کتاب الصلاۃ ، باب صلاۃ التطوع، فصل صلاۃ الضحیٰ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت.

[۲] ج ۲ ص ۵۶، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل .

[۳] مع شرح ردالمحتار ج ۲ ص ۲۴، ۲۵، دارالفکر، بیروت.

وَيُسْتَحَبُّ إِحْيَاءُ لَيْلَتِي الْعِيدَيْنِ(البناية شرح الهداية) [1]

ترجمہ: اور عیدین کی راتوں کو (عبادت کے ساتھ) زندہ رکھنا مستحب ہے (ترجمہ ختم)

اور علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی مصری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَنُدِبَ إِحْيَاءُ لَيَالِي الْعَشْرِ الْأَخِيرِ مِنْ رَمَضَانَ وَإِحْيَاءُ لَيْلَتَي الْعِيدَيْنِ وَلَيَالِي عَشْرِ ذِي الْحَجَّةِ(نور الإيضاح) [2]

ترجمہ: اور رمضان کے آخری عشرہ کی راتوں کو اور عیدین کی راتوں کو اور ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کی راتوں کو (عبادت کے ساتھ) زندہ رکھنا مستحب ہے (ترجمہ ختم)

خلاصہ یہ کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی راتیں مبارک راتیں ہیں، اور ان راتوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہنا چاہیئے، نفل نماز، ذکر، تلاوت، تسبیح، دعا واستغفار کی کثرت اور منکَرات اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہیئے، اور اہل وعیال کے ساتھ انس ومحبت سے پیش آنا چاہیئے۔

غرضیکہ خیر کے کاموں میں یہ رات گزارنی چاہیئے، اگر زیادہ عبادت کی توفیق اور ہمت نہ ہو سکے تو کم از کم عشاء اور فجر کی نماز اپنے اپنے وقت پر پڑھ لی جائے اور درمیان میں کوئی گناہ نہ کیا جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم واحکم

---

[1] ج۲ص ۱ ۵۲، کتاب الصلاة،باب النوافل، دار الكتب العلمية، بيروت.

[2] ص ۸۰،فصل فی تحية المسجد وصلاة الضحى وإحياء الليالی، المكتبة العصرية، بيروت.

عید کی رات کی مروّجہ خرابیاں اور اس کو ضائع کرنے کی صورتیں

عید کی رات بڑی اہم اور فضیلت والی رات ہے مگر افسوس کہ آج عام طور پر لوگوں نے اپنے آپ کو ان سب فضیلتوں سے محروم کیا ہوا ہے اور نہ صرف محروم بلکہ اس مبارک رات کو طرح طرح کی لغویات، فضولیات، سیر وتفریح، گانے بجانے، بے پردگی اور بدنظری وغیرہ جیسی خرافات کی نظر کر کے ''نیکی برباد گناہ لازم'' کا مصداق کیا ہوا ہے۔ [1]

(۱)...... بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہیں اس رات کی عظمت وفضیلت ہی معلوم نہیں اس لئے وہ اپنی لاعلمی اور نادانی سے بیسیوں راتیں فضول گنوا چکے ہیں اور ان کی اس لاعلمی نے انہیں آخرت کے عظیم ثواب سے محروم کیا ہوا ہے، جو محرومی کی بات ہے۔

(۲)......بعض لوگ اس رات کی عظمت اور فضیلت کو تو جانتے ہیں لیکن وہ بھی اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور سمجھتے ہیں کہ اس رات میں عبادت فرض وواجب نہیں؟ بے شک اس رات میں عبادت فرض، واجب تو نہیں لیکن ان لوگوں کو سوچنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا ترغیبات فضول اور اس قابل ہیں کہ انھیں غیر فرض قرار دے کر رد کر دیا جائے، آخر یہ ترغیبات کن کے لئے ہیں؟ اور ان کا کون مکلّف ہے؟

(۳)......بعض لوگ اس مبارک رات میں آتش بازی اور اسلحہ چلا کر خوشی کا اظہار کرتے ہیں جبکہ آتش بازی یا اسلحہ سے خوشی کا اظہار کرنا بذاتِ خود گناہ ہے اور اس سے دوسروں کو ایذاء وتکلیف بھی ہوتی ہے اور بعض اوقات جانی یا مالی نقصان بھی ہو جاتا ہے، لہٰذا اس طرزِ عمل سے بچنا چاہیے۔

---

[1] وفی ليلتی العيدين من البدع سهر بعض الناس فيهما، أو فی بعضهما لا لعبادة، بل للشغل بزخارف الدنيا وما شاكلها وإضاعة المال بصقل القماش الذی يفضی إلی تقطيعه وترک إحياء الليلتين الشريفتين بعبادة المولی سبحانه وتعالی المندوب إلی إحيائهما كما هو معلوم مشهور، وقد تقدم فی عيد الأضحی ما فيه من بنات العيد، وزيارة القبور، وتأخير الرجوع إلی البيوت وتفرقة اللحم بتلک المقاصد الذميمة، فكل ذلک موجود هنا، فتفرقة الكعک هاهنا مقابلة لتفرقة اللحم فی الأضحی(المدخل لابن الحاج، ج ا ص ۲۸۹، الموسم الثانی عيد الفطر)

(۴)......بعض لوگ عین اس مبارک رات میں عید کی تیاریوں میں مشغول ہوجاتے ہیں اوّل تو آج کل جن بے شمار فضول خرچیوں کے سیلاب کو عید کے لوازمات میں سے سمجھ لیا گیا ہے، اس کا دین وشریعت سے تعلق نہیں، دوسرے شریعت کی حد میں رہتے ہوئے تیاری خاص اس رات سے پہلے بھی کی جاسکتی ہے۔

(۵)......بعض لوگ یہ مبارک رات مختلف کھیلوں میں مصروف ہوکر گذار دیتے ہیں، مثلاً شطرنج، لوڈو، کیرم بورڈ اور دیگر جدید ہار جیت والے کھیلوں میں، جن میں شطرنج تو گناہ ہے ہی، اور باقی کھیلوں میں بھی شرعی حدود کی رعایت نہیں ہوتی، بالفرض اگر کوئی کھیل جائز بھی ہوتب بھی یہ مبارک رات لہوولعب کے لئے نہیں، عبادت وطاعت کے لئے ہے، اس کو عبادت ہی میں مشغول رکھنا چاہئے، اور جائز اور مباح کھیلوں سے بھی بچنا چاہئے۔

(۶)...... بہت سے لوگ اس مبارک رات میں ٹی وی کے پروگرام دیکھنے میں مصروف رہتے ہیں حالانکہ موجودہ شکل میں ٹی وی بہت سے گناہوں اور کئی خرابیوں کا مجموعہ ہے، جس کی وجہ سے اس کو دیکھنا منع ہے، پھر اس مقدس رات میں مبتلا ہونا اس کے گناہ کو اور بھی سخت کردیتا ہے، اس لئے ٹی وی دیکھنے سے عام دنوں میں اور خاص کر اس مبارک رات میں بچنا چاہیے۔

(۷)......بعض لوگ اس مبارک رات میں بازاروں کی سجاوٹ، چمک دمک، خریداروں کی کثرت اور نامحرم عورتوں کو دیکھنے جیسے گناہوں میں گھوم پھر کر رات کا قیمتی وقت ضائع کردیتے ہیں، جبکہ بازار اکثر بڑے بڑے گناہوں کا مرکز ہیں، مثلاً عورتوں کا بن سنور کر بے پردہ خرید وفروخت کرنا اور بازاروں میں گھومنا، گانا بجانا عام ہونا، دھوکہ فریب، جھوٹ، غیبت، گالی گلوچ، لڑائی جھگڑا ہونا، کم تولنا اور ناپنا، ملاوٹ وغیرہ کرنا، اس لئے بازار میں تو تمام گناہوں سے حتی الامکان بچتے ہوئے ضرورت کے وقت بقدرِ ضرورت ہی جانا چاہیے، بلاضرورت بازاروں میں تفریح کرنے والے بھی طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہوجاتے

ہیں، اس طرح اس مبارک رات میں بجائے کچھ حاصل کرنے کے اپنے آپ کو اور گناہوں میں مشغول کرنا، اور بازار جیسی گناہوں کی جگہ میں بلاضرورت جانا اپنے آپ کو حق تعالیٰ کی رحمت ومغفرت سے محروم کرنے والی بات ہے۔

(۸)......بعض لوگ اس مبارک رات میں ہوٹلوں میں بیٹھ کر کھانے پینے اور فضول گوئی میں وقت ضائع کردیتے ہیں، جو محرومی کی بات ہے، اور گناہوں کا وبال الگ ہے۔

(۹)......بعض خواتین وحضرات گھروں میں بیٹھ کر ہی ادھر ادھر کی باتوں میں وقت گنوادیتے ہیں اور خاص طور پر خواتین کھانے پینے کی تیاریوں میں پوری پوری رات تک گذار دیتی ہیں اور اس رات کی فضیلت حاصل کرنے کا کوئی اہتمام نہیں کرتیں، خواتین کو بھی چاہئے کہ کم از کم کام میں مصروف رہتے ہوئے کچھ نہ کچھ ذکر وفکر تو کرلیا کریں۔

(۱۰)......بعض تاجر بھی اس مبارک رات میں دنیوی مصروفیات کو کم کرنے کے بجائے بڑھا لیتے ہیں اور اس میں اس قدر منہمک ومصروف ہوجاتے ہیں کہ بعض اوقات نمازیں تک ضائع کردیتے ہیں، جو کہ جائز نہیں، ایسے تاجر اگر کاروباری مصروفیت کم نہیں کرسکتے اور اس رات کو ذکر وتلاوت اور عبادت وطاعت میں نہیں گزار سکتے تو کم از کم فجر اور عشاء کی نماز باجماعت ادا کرکے اور نظر وزبان اور دیگر اعضاء کی حفاظت کرتے ہوئے چلتے پھرتے ذکرودعا کے ذریعہ کسی نہ کسی درجہ میں وہ بھی اس رات کی فضیلت حاصل کرسکتے ہیں۔

بات اصل میں فکر وطلب اور قدر وقیمت کی ہے، جس کے دل میں اس کی اہمیت ہے اور فکر ہے، وہ مشغولیت میں بھی اس فضیلت کو حاصل کرنے کا کوئی نہ کوئی راستہ نکال لے گا اور جس کو طلب نہیں، دنیا اور دنیاوی منافع ہی اس کی نظر میں اصل مقصود ہیں تو اس کا نفس طرح طرح کے حیلے بہانے پیش کرکے بالآخر اس کو اس رات کی برکات سے محروم کردے گا۔

(۱۱)......بعض لوگ اس کے برعکس وہ ہیں جو اس رات کی فضیلت معلوم ہونے پر تمام رات جاگنا ضروری سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ اگر کوئی اس رات میں گناہوں سے بچتے

ہوئے اور دنوں کی بہ نسبت تھوڑی سی زیادہ عبادت کرلے اس کو بھی اس رات کی فضیلت کا حصہ حاصل ہوجائے گا، کیونکہ اللہ تعالی کے یہاں گھنٹے شمار نہیں ہوتے بلکہ اخلاص دیکھا جاتا ہے اگر اخلاص کے ساتھ چند لمحات بھی اللہ تعالی کے خاص دربار میں میسر آ گئے تو وہ بہت بڑی نعمت اور دولت ہیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ(مسلم) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا؛ آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرلی تو گویا کہ اس نے آدھی رات کے قیام کا ثواب پالیا اور جس نے صبح کی نماز بھی جماعت سے ادا کرلی تو گویا کہ اس نے پوری رات جاگ کر عبادت کرنے کا ثواب حاصل کرلیا (ترجمہ ختم)

رات کو گناہ سے بچ کر آرام کرنا اور فجر کی نماز باجماعت پڑھنا حکمی عبادت ہے اور جاگ کر عبادت کرنا حقیقی عبادت ہے۔

بعض لوگ عید کی رات کی فضیلت سن کر فرض نماز تو پڑھتے نہیں اور اس رات کی عشاء اور فجر باجماعت کا اہتمام تو درکنار وہ سرے سے فرض نماز ہی چھوڑ دیتے ہیں اور رات بھر کسی نہ کسی طرح جاگ کر خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے اس رات کی فضیلت کو حاصل کرلیا، جو کہ سراسر لاعلمی کی بات ہے۔

(۱۲)......آج کل بعض مقامات پر عید کی رات اور دوسری مبارک راتوں میں مسجدوں یا کسی گھر وغیرہ میں اجتماعی انداز میں شب گذاری اور جاگنے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور اس کے لئے

---

[1] حديث نمبر ٦٥٦، كتاب الصلاة، باب فضل صلاة العشاء والصبح فى جماعة، دار إحياء التراث العربى -بيروت.

لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے۔

بعض جگہ وقفہ وقفہ سے چائے اور قہووں کا دور چلتا ہے اور ادھر ادھر کی غپ شپ ہوتی ہے جس میں اکثر لطف اندوزی اور مزے اڑانا اور عبادت کا صرف بہانہ کرنا ہی مقصد ہوتا ہے۔

یہ بھی دین پر زیادتی ہے، اس طرح اجتماعی انداز میں جاگنے کا اہتمام ثواب کے بجائے گناہ ہے، اس رات میں عبادت نفلی درجہ رکھتی ہے، اور نفل عبادت کے لئے اجتماع اور اس کے لئے مساجد یا دوسری جگہوں کا انتخاب، نیز اس غرض کے لئے لوگوں کو بلانا یہ تمام کام شریعت پر زیادتی ہیں۔

شریعت کا مزاج یہ ہے کہ اس رات کی عبادت تنہا اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرائض اور واجبات کے علاوہ نفلی عبادت عموماً گھر میں ادا فرمایا کرتے تھے باوجودیکہ آپ کا حجرہ مبارک بہت چھوٹا تھا، مگر مبارک راتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفلی عبادت گھر سے متصل مسجد میں تشریف لا کر کرنا ثابت نہیں۔

اسی وجہ سے کئی فقہائے کرام نے فضیلت کی راتوں میں عبادت کرنے کی غرض سے مسجدوں میں جمع ہونے کو مکروہ اور بدعت فرمایا ہے۔ [۱]

---

[۱] ویکرہ الاجتماع علی احیاء لیلة من هذه اللیالی فی المساجد (البحرالرائق ج ۲ ص ۵۶، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

(ویکرہ الاجتماع علی احیاء لیلة من هذه اللیالی)المتقدم ذکرها (فی المساجد) وغیرها لانه لم یفعله النبی صلی الله علیه وسلم ولااصحابه فانکره اکثر العلماء من اهل الحجاز منهم عطاء وابن ابی ملیکة وفقهاء اهل المدینة واصحاب مالک وغیرهم وقالوا ذالک کله بدعة (مراقی الفلاح شرح نورالایضاح، ص ۱۵۱، کتاب الصلاة، باب فی النوافل)

والثانی انه یکره الاجتماع فیها فی المساجد للصلٰوة والقصص والدعاء ولایکره ان یصلی الرجل فیها لخاصة نفسه وهذا قول الاوزاعی امام اهل الشام وفقیههم وعالمهم وهذاهو الاقرب ان شاء الله تعالٰی (لطائف المعارف ص۱۳۷، وظائف شهر شعبان، المجلس الثانی فی نصف شعبان)

ویحصل القیام بالصلاة نفلا فرادی من غیر عدد مخصوص، وبقراءة القرآن، والأحادیث وسماعها، وبالتسبیح والثناء، والصلاة والسلام علی النبی -صلی الله علیه وسلم -الحاصل ذلک فی معظم اللیل وقیل بساعة منه(ردالمحتار، ج۲ص۲۶، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

پس صحیح طریقہ یہی ہے کہ اپنے یہاں رہ کر تنہائی میں جتنی عبادت اخلاص کے ساتھ ہو جائے، کر لینی چاہیے۔

(۱۴۳)......بعض مسجدوں میں معتکف حضرات عید کی رات کو بھی سنت اعتکاف میں شامل کر لیتے ہیں، یعنی یہ لوگ عید کا چاند نظر آنے پر اپنے سنت اعتکاف سے نکلنے کو ناجائز سمجھتے ہیں اور یہ رات مسجد میں گزار کر صبح اپنے گھروں کو جانا ضروری سمجھتے ہیں۔

اس بارے میں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ سنت اعتکاف شوال کا چاند نظر آنے یا تیسویں رمضان کو غروب ہونے پر ختم ہو جاتا ہے، اس کے بعد اگر کوئی اپنی مرضی سے مسجد میں ٹھہرنا چاہے تو یہ نفلی اعتکاف کے طور پر تو ہو سکتا ہے مگر اس کو سنت اعتکاف سمجھنا یا سنت اعتکاف کا حصہ سمجھنا یا گھر جانے کو ناجائز سمجھنا غلط ہے۔

خلاصہ یہ کہ زندگی کے لمحات کو غنیمت جانتے ہوئے اس مبارک رات کی قدر کرنی چاہئے اور لغو و لایعنی اور بدعت و گناہ کے کاموں میں مشغول ہونے کے بجائے شرعی حدود میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت میں لگنا چاہئے۔

زیادہ عبادت اس رات میں کوئی نہ کر سکے تو کم از کم عشاء باجماعت پڑھ کر جتنی دیر عبادت کر سکے کر لے پھر سو جائے اور فجر باجماعت اٹھ کر ادا کر لے یہ بھی غنیمت ہے، عید کے دن اکثر لوگ عموماً فجر کی نماز باجماعت نہیں پڑھتے بلکہ بہت سے مَردوں اور عورتوں کی نماز قضاء تک ہو جاتی ہے اور اس طرح عید کی ایک اہم اور پہلی سنت یعنی صبح سویرے اٹھنا بھی فوت ہو جاتی ہے، اس طرزِ عمل سے بچنے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

e

چاند کے بارے میں چند مسائل واحکام

اسلامی مہینے کے آغاز کا معیار اور چند متعلّقہ مسائل

شرعی اعتبار سے مہینے کے آغاز واختتام کا تعلق چاند کے نظام پر مبنی ہے، اوراسی وجہ سے چاند کے مہینے اور تاریخوں کو یادرکھنے کی کوشش کرنا انتہائی ضروری ہے۔

مگر آج کل بہت سے لوگوں کی یہ حالت ہے کہ انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ چاند کا کونسا مہینہ چل رہا اور کونسا آنے والا ہے، بلکہ عیدین اور رمضان وغیرہ کی تعیین اور پہچان کے لئے بھی انگریزی وعیسوی تاریخوں اور مہینوں کو بنیاد بنایا جاتا ہے کہ رمضان فلاں عیسوی مہینہ کی فلاں تاریخ سے شروع ہورہا ہے اور عید عیسوی مہینہ کی فلاں تاریخ میں آرہی ہے وغیرہ وغیرہ۔ چاند کی تاریخوں اور مہینوں سے اتنی غفلت بہت افسوس ناک بات ہے۔

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ جَعَلَ هٰذِهِ الْأَهِلَّةَ مَوَاقِيْتَ لِلنَّاسِ، صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ، وَأَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَتِمُّوا الْعِدَّةَ (مسند أحمد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ عزوجل نے اس چاند کو لوگوں کے لئے اوقات پہچاننے کا ذریعہ بنایا ہے، تم چاند کو دیکھ کر روزہ رکھو (یعنی رمضان شروع کرو) اور چاند کو دیکھ کر ہی افطار کرو (یعنی عیدُ الفطر مناؤ) پھر اگر تم پر اَبر آلود ہو جائے، تو تم (تیس کی) تعداد پوری کرو (ترجمہ ختم)

---

[1] حديث نمبر ١٦٢٩٤، مؤسسة الرسالة، بيروت.
في حاشية مسند احمد: حديث صحيح لغيره.

اسی قسم کی حدیث حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی مہینوں کا آغاز واختتام چاند کے نظام پر مبنی ہے۔

اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

أَحْصُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ وَلَا تُقَدِّمُوْا الشَّهْرَ بِصَوْمٍ،فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَصُوْمُوْا وَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَأَفْطِرُوْا،فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوْا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ أَفْطِرُوْا فَإِنَّ الشَّهْرَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا (سنن الدار قطنی) [2]

ترجمہ: تم رمضان کے لیے شعبان کے دِنوں کو صحیح شمار کر کے رکھو، اور تم رمضان کا مہینہ شروع ہونے سے پہلے روزہ نہ رکھو، پس جب تم چاند دیکھ لو، تو روزہ رکھو، اور جب (اس کے بعد اگلا) چاند دیکھ لو، تو روزے رکھنے چھوڑ و، اور اگر تم پر موسم اَبر آلود ہو جائے (جس کی وجہ سے چاند نہ دیکھا جا سکے) تو تم تیس دن پورے کر لو، پھر اس کے بعد روزے رکھنے چھوڑ دو، کیونکہ مہینہ اس طرح اور اس طرح اور اس طرح ہوتا ہے (ترجمہ ختم)

مہینہ اس طرح اور اس طرح اور اس طرح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے، اور کبھی تیس دن کا، اگر شرعی اصولوں کے مطابق انتیس کو چاند کی رؤیت ہو جائے، تو انتیس دن کا، ورنہ تیس دن کا ہوتا ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] عن نافع ، عن ابن عمر ، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : إن الله جعل الأهلة مواقيت للناس ، فصوموا لرؤيته ، وأفطروا لرؤيته ، فإن غم عليكم فعدوا ثلاثين يوما (حديث ابن عمر فی ترائی الهلال للخطيب البغدادی،حديث نمبر ۱۸ ، ص ۲۶)

[2] حديث نمبر ۲۱۷۶، كتاب الصيام، مؤسسة الرسالة، بيروت.
وفيه الواقدی. وهو فی الحديث ضعيف ،ولكن له شواهد كثيرة.

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَحْصُوْا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ وَلَا تَخْلِطُوْا بِرَمَضَانَ إِلَّا أَنْ يُّوَافِقَ ذٰلِكَ صِيَامًا كَانَ يَصُوْمُهُ أَحَدُكُمْ وَصُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَأَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَإِنَّهَا لَيْسَتْ تُغْمَى عَلَيْكُمُ الْعِدَّةُ (سنن دارقطنی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم شعبان کے چاند کو رمضان کے لیے محفوظ کرو (تا کہ رمضان کی ابتداء میں دشواری اور گڑ بڑ نہ ہو) اور تم (شعبان کے آخر میں روزہ رکھ کر) رمضان کے ساتھ خلط ملط نہ کرو، مگر یہ کہ یہ دن کسی کے اُس روزے کے موافق ہو جائے کہ تم میں سے کوئی اُس دن کا (نفلی) روزہ رکھتا تھا، اور تم چاند دیکھ کر روزہ رکھو (یعنی رمضان کو شروع کرو) اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑو (یعنی شوال کو شروع کرو) پھر اگر تم پر موسم اَبر آلود ہو جائے (جس کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے) تو تم پر تعداد غائب نہیں ہوئی (یعنی تم کو تیس دن پورے کرنا مشکل نہیں) (ترجمہ ختم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے روزوں کو شعبان کا مہینہ ختم ہونے کے بعد رمضان کا مہینہ شروع ہونے پر مقرر فرمایا ہے، اور رمضان کے مہینے کے شروع ہونے کی پوری وضاحت بھی اس طرح فرمادی ہے کہ ایک تو یہ قاعدہ مقرر فرمادیا کہ اسلامی مہینہ کبھی انتیس دن کا اور کبھی تیس دن کا ہوتا ہے، نہ تیس سے زیادہ ہوتا، اور نہ انتیس سے کم، اور اسلامی مہینہ کے انتیس دن گزرنے کے بعد غروب ہونے پر (تیسویں رات میں) چاند کی معتبر رؤیت ہونے پر اگلے مہینے کا آغاز ہوتا ہے، ورنہ بصورتِ دیگر تیس دنوں کی تعداد پوری کی جاتی ہے۔

---

[1] حدیث نمبر ۲۱۷۴، کتاب الصیام، مؤسسة الرسالة، بیروت.

قال الالبانی:

الحدیث حسن .و الله أعلم(السلسلة الصحیحة الکاملة، تحت حدیث رقم ۵۶۵)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کا مہینہ شروع ہونے، بلکہ شعبان کے اختتام سے پہلے ہی رجب کا مہینہ ختم ہونے کے وقت شعبان کے آغاز پر چاند کی حفاظت کے اہتمام کا حکم فرمادیا، تاکہ شعبان کے مہینہ کے دنوں کی تعداد اور رمضان کے مہینے کا چاند دیکھنے اور رمضان کے مہینے کے دنوں کی تعداد اور پھر شوال کا چاند دیکھنے یا شوال کے مہینے کے آغاز میں دشواری پیدا نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کردہ یہ طریقہ انتہائی منظّم و مستحکم ہے، جس پر عمل کرنے سے ہر قسم کے فتنوں اور دشواریوں سے حفاظت ہوجاتی ہے۔

پس اگر رمضان کے انتیس دن پورے ہونے پر چاند کی معتبر رؤیت ہوجائے، تو شوال کے مہینے کا آغاز سمجھا جائے گا، ورنہ تیس دن پورے کئے جائیں گے۔

مگر یہ اس وقت ہے کہ جب کہ پہلے سے (شعبان ورمضان) کے مہینوں کا آغاز شرعی قواعد کے مطابق ہوا ہو۔

اور شرعی قواعد کو نظر انداز کر کے اپنی طرف سے تعداد پوری کر لینے کا اعتبار نہیں۔

اور اسی وجہ سے جس طرح شوال کا چاند دیکھنے کی کوشش کرنا ضروری ہے، اسی طرح اس سے پہلے شعبان اور رمضان کا چاند دیکھنے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔

اگر کوئی بھی کوشش نہ کرے گا تو سب گناہ گار ہوں گے۔ [1]

---

[1] (قولـه ويجب التماس الهلال إلخ) هـو واجب على الكفاية .اهـ .فتـح (حاشية الشِّلْبِی على تبيين الحقائق، ج ا ص۳۱۷، كتاب الصوم)

(قَـوْلُهُ وَيَنْبَغِي لِلنَّاسِ أَنْ يَلْتَمِسُوا الْهِلَالَ فِي الْيَوْمِ التَّاسِعِ وَالْعِشْرِينَ مِنْ شَعْبَانَ) أَیْ يَجِبُ وَكَذَا يَنْبَغِي أَنْ يَلْتَمِسُوا هِلَالَ شَعْبَانَ أَيْضًا فِي حَقِّ إتْمَامِ الْعِدَّةِ (الجوهرة النيرة، ج ا ص۱۳۷، كِتَابُ الصَّوْمِ)

يـجـب أن يلتمس الناس الهلال فی التاسع والعشرين من شعبان وقت الغروب فإن رأوه صاموه وإن غم أكملوه ثلاثين يوما كذا فی الاختيار شرح المختار وكذا ينبغی أن يلتمسوا هلال شعبان أيضا فی حق إتمام العدد (الفتاوی الهندية، ج ا ص۱۹۷، كتاب الصوم، الباب الثانی فی رؤية الهلال)

ويـلتـمـس هـلال شوال فی التاسع والعشرين من رمضان (المختار للفتوىٰ مع شرحه الاختيار لتعليل المختار، ج ا ص۱۳۰، كتاب الصوم)

اور اس کی وجہ یہی ہے کہ انتیسواں دن گزرنے کے بعد چاند نظر آنے پر اگلے مہینے کا آغاز، اور بصورتِ دیگر تیس دنوں کی تعداد پر عمل اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک پہلے مہینے کا آغاز شریعت کے قاعدے پر نہ ہو۔

مگر افسوس ہے کہ آج کل بہت سے لوگ شعبان کا چاند دیکھنے کا ذرا اہتمام نہیں کرتے، اور پھر انتیس یا تیس شعبان ہی کو یکم رمضان قرار دے کر رمضان کے روزے شروع کر دیتے ہیں، اور پھر اس کے بعد انتیس یا تیس رمضان کو عید بھی منا لیتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

احادیث میں کیونکہ چاند کی رؤیت کا ذکر ہے، جس سے معلوم ہوا کہ قمری مہینے کے شروع اور ختم ہونے کا معیار فلکیات وغیرہ کے حساب پر نہیں بلکہ رؤیت پر ہے، جبکہ وہ معتبر اور صحیح ہو اور رؤیت یا تو انتیس دن کے بعد ہوتی ہے یا پھر تیس دن مکمل ہونے پر شرعاً معتبر سمجھی جاتی ہے، اس لئے شرعاً مہینے کے ثبوت کے لئے اصل اعتماد رؤیتِ ہلال پر ہوگا، البتہ فلکی حسابات اور فلکی رصد گاہوں سے مدد حاصل کی جا سکتی ہے، تاکہ احادیثِ نبوی پر بھی عمل ہو، اور سائنسی حقائق کی بھی رعایت ہو سکے (جدہ فقہ اکیڈمی کی قراردادیں اور سفارشات صفحہ ۴۹)

فلکیات کے فن سے اس میں اتنی مدد تو لی جا سکتی ہے کہ آج چاند ہونے کا امکان ہے یا نہیں، لیکن جب تک رؤیت کے ذریعے چاند ہونے کا ثبوت نہ ہو جائے، محض فلکیات کے حساب سے چاند ہونے کا فیصلہ نہیں ہو سکتا (آپ کے مسائل اور ان کا حل، جلد سوم، صفحہ ۲۶۱)

شوال کے چاند کا معاملہ انتہائی نازک ہے، اگر شرعی قواعد کے مطابق انتیس دن گزرنے کے بعد کوئی چاند دیکھنے کی گواہی دے، اور موسم بھی صاف ہو، تو اتنی بڑی مختلف لوگوں کی تعداد کی گواہی ضروری ہے کہ جس سے قاضی یا مجاز حاکم کو اطمینان حاصل ہو جائے۔ [۱]

---

[۱] وأما الثاني: وهو بيان ما يعرف به وقته، فإن كانت السماء مصحية يعرف برؤية الهلال، وإن كانت متغيمة يعرف بإكمال شعبان ثلاثين يوما، لقول النبي -صلى الله عليه وسلم-: صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته فإن غم عليكم فأكملوا شعبان ثلاثين يوما ثم صوموا.

وكذلك إن غم على الناس هلال شوال أكملوا عدة رمضان ثلاثين يوما، لأن الأصل بقاء الشهر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

رمضان اور عیدین وغیرہ کا معاملہ چونکہ ایک اجتماعی حیثیت رکھتا ہے جس میں انتظامی مضبوطی اور فیصلے کی بھی ضرورت ہے۔

لہٰذا شریعت نے مسلمان حاکم یا قاضی (یا اس کے قائم مقام) کو چاند کی گواہی لینے کے بعد شرعی اصولوں کے مطابق فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے پس جہاں اس کا انتظام ہو وہاں اس کے فیصلے کو ہی اجتماعی اعتبار سے معیار قرار دیا جائے گا (مگر یہ کہ وہ فیصلہ ہی شرعی اصولوں کے خلاف ہو، جس کی تحقیق اہلِ علم حضرات کا کام ہے)

آج کل پاکستان میں ''مرکزی رویت ہلال کمیٹی'' کو یہ ذمہ داری سپرد کی گئی ہے (اور اہلِ علم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وكماله، فلا يترك هذا الأصل إلا بيقين على الأصل المعهود، أن ما ثبت بيقين لا يزول إلا بيقين مثله، فإن كانت السماء مصحية ورأى الناس الهلال صاموا وإن شهد واحد برؤية الهلال لا تقبل شهادته ما لم تشهد جماعة يقع العلم للقاضي بشهادتهم، في ظاهر الرواية ولم يقدر في ذلك تقديرا(بدائع الصنائع، ج۲ ص۸۰، كتاب الصوم، فصل شرائط انواع الصيام)

یادر ہے کہ رمضان کے علاوہ شوال اور دوسرے ہلالوں کے متعلق شہادت ضروری ہے، اور شہادت کے لئے قاضی (جج) کے روبرو گواہی دینا ضروری ہے، اور قاضی کا فیصلہ ہی اُس کی حدود ولایت میں عوام وعلماء تمام رعایا پر (جس میں حاکم کے خلاف فیصلہ واعلان کرنے اور گواہی دینے والے حضرات بھی داخل وشامل ہیں) حجتِ ملزمہ ہے۔

اس کے مقابلہ میں کسی دوسرے کا شہادت سُننا اور اعلان کرنا خبر کی حیثیت رکھتا ہے، جو حجتِ ملزمہ نہیں اور ایسا کرنا شرعاً جائز بھی نہیں، قاضی کے لیے صاحبِ حکومت ہونا قضاء کا رُکن ہے اور صاحبِ حکومت مسلمان قاضی کے مقابلے میں دوسروں کے فیصلے کو قضاء کا درجہ نہیں دیا جاسکتا (کمافی حاشیۃ امدادالاحکام جلد۴ صفحہ۹۴)

بدائع الصنائع میں ہے کہ:

الشهادة لاتصير حجة ملزمة الا بقضاء القاضي فتختص بمجلس القضاء (بدائع الصنائع ج۶ ص۲۷۷، كتاب الشهادت، فصل في شرائط ركن الشهادة)

مبسوط سرخسی میں ہے کہ:

الشهادةلم تكن ملزمة بدون القضاء (المبسوط ج۱۰ ص۱۷۸، كتاب الاستحسان)

حاشیہ تبیین الحقائق للشرنبلالیۃ میں ہے کہ:

اما الشهادة في غيرمجلس القاضي غيرملزمة كذاقاله قاضيخان (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق ج۴ ص۲۱۴، كتاب الشهادت، باب مايشترط للشهادة)

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

شہادت معتبر ہونے کے لیے مجلسِ قضا بھی شرط ہے (امدادالاحکام جلد۴ صفحہ۶۵، کتاب الدعویٰ والشہادات والقضاء)

حضرات کے فتوے کی رو سے عموماً اس کمیٹی کا فیصلہ شرعی اصولوں کے مطابق ہوتا ہے) پاکستان کی موجودہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی جو رمضان وعیدین اور دیگر قمری مہینوں کے چاند کے نظر آنے کا فیصلہ کرتی ہے، اس کی حیثیت قضاءِ قاضی کی ہے جو ملک کے باشندگان کے لئے حجتِ شرعیہ ہے، اس لئے اس کے برخلاف باشندگانِ ملک کا انفراداً یا کسی متوازی کمیٹی کے فیصلے کی بنیاد پر چاند کی رؤیت کا عمومی فیصلہ صادر کرنا بالخصوص عید کروا کر روزہ چھڑانا درست نہیں ہے۔ [1]

ملحوظ رہے کہ اگر کسی نے رمضان کا چاند دیکھا مگر اس کی گواہی قاضی یا مجاز حاکم نے قبول نہیں کی تھی اور اب اس کے حساب سے اکتیسواں روزہ ہے تو وہ اکتیسواں روزہ رکھے گا اور حاکم کے فیصلے کے مطابق دوسروں کے ساتھ ہی عید کرے گا۔

اسی طرح اگر کسی نے انتیس رمضان کو عید کا چاند دیکھا لیکن اس کی گواہی کسی شرعی وجہ سے قبول نہیں کی گئی تو اس کو دوسروں کے ساتھ تیس تاریخ کا روزہ رکھنا پڑے گا۔ [2]

---

[1] حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

(۱)......رؤیتِ ہلال کمیٹی اہلِ علم پر مشتمل ہے، یہ حضرات ثبوتِ رؤیت کے مسائل ہم سے تو بہرحال زیادہ ہی جانتے ہیں، اس لیے ہمیں ان پر اعتماد کرنا چاہیے (آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد سوم، صفحہ ۲۵۶)

(۲)...... جہاں تک مجھے معلوم ہے رؤیتِ ہلال کا فیصلہ شرعی قواعد کے مطابق ہوتا ہے، اور یہ پورے ملک کے لیے واجبُ العمل ہے، اور جب تک یہ کام لائق اعتماد ہاتھوں میں رہے اور وہ شرعی قواعد کے مطابق فیصلے کریں، ان کے اعلان کے مطابق عمل لازم ہے (ایضاً صفحہ ۲۵۷)

(۳)......مردان وغیرہ علاقوں میں ایک دو دن پہلے رؤیت کیسے ہو جاتی ہے؟

یہ معمہ ہماری سمجھ میں بھی نہیں آیا؛ بہرحال جب ملک میں رؤیتِ ہلال کمیٹی مقرر ہے اور سرکاری طور پر مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کو چاند ہونے یا نہ ہونے کے فیصلے کا اختیار دیا گیا ہے، تو مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلے کے خلاف کسی عالم کا فیصلہ شرعاً حجت ملزمہ نہیں، اس لیے ان علاقوں کے لوگوں کا فرض ہے کہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلے کی پابندی کریں اور ان علاقوں میں چاند نظر آجائے تو باضابطہ شہادت مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی یا اس کے نامزد کردہ نمائندہ کے سامنے پیش کر کے اس کے فیصلے کی پابندی کریں (ایضاً ۲۵۷)

[2] اگر ایک شخص کا رمضان مثلاً سعودی عرب میں موجود ہوتے ہوئے شروع ہوا، اور رمضان کے درمیان وہ شخص مثلاً پاکستان یا ہندوستان میں آگیا۔

اور سعودی عرب میں رمضان کا آغاز ایک یا دو دن پہلے ہو چکا تھا، اب یہاں پر آنے کے بعد یہاں والوں کے ساتھ روزے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چاند کے بڑا دکھائی دینے یا دیر تک باقی رہنے کی حیثیت

حضرت ابوالبختری سے روایت ہے کہ:

خَرَجْنَا لِلْعُمْرَةِ، فَلَمَّا نَزَلْنَا بِبَطْنِ نَخْلَةَ قَالَ: تَرَاءَ يْنَا الْهِلَالَ، فَقَالَ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

رکھے گا (خواہ اس کے روزے اکتیس ہوجائیں) اور فاضل روزے نفلی شمار ہونگے۔ اگر کوئی اس کے برعکس رمضان میں سعودی عرب چلا گیا تو وہ وہاں کے اعتبار سے عید کرے گا اور باقی ماندہ روزہ کی بعد میں قضاء بھی کرے گا (احسن الفتاویٰ، ج۴ ص۴۳۳؛ خیر الفتاوی ج۴ ص۴۵؛ آپ کے مسائل اوران کا حل ج۳ ص۳۲۷)

(رأى) مكلف (هلال رمضان أو الفطر ورد قوله) بدليل شرعي (صام) مطلقا وجوبا وقيل ندبا (فإن أفطر قضى فقط) فيهما لشبهة الرد(الدر المختار)

(قوله رأى مكلف) أي مسلم بالغ عاقل ولو فاسقا كما في البحر عن الظهيرية، فلا يجب عليه لو صبيا أو مجنونا، وشمل ما لو كان الرائي إماما فلا يأمر الناس بالصوم، ولا بالفطر إذا رآه وحده ويصوم هو كما في الإمداد، وأفاد الخير الرملي أنه لو كانوا جماعة وردت شهادتهم لعدم تكامل الجمع العظيم فالحكم فيهم كذلك (قوله :بدليل شرعي) هو إما فسقه أو غلطه نهر وفي القهستاني بفسقه لو السماء متغيمة أو تفرده لو كانت مصحية (قوله :صام) أي صوما شرعيا؛ لأنه المراد حيث أطلق شرعا، ويدل عليه ما بعده وفيه إشارة إلى رد قول الفقيه أبي جعفر إن معناه في هلال الفطر لا يأكل ولا يشرب، ولكن ينبغي أن يفسده؛ لأنه يوم عيد عنده وإلى رد قول بعض مشايخنا من أنه يفطر فيه سرا كما في البحر وإليه أشار الشارح بقوله :مطلقا أي في هلال رمضان والفطر.(تنبيه) : لو صام رائي هلال رمضان وأكمل العدة لم يفطر إلا مع الإمام لقوله -عليه الصلاة والسلام -صومكم يوم تصومون وفطركم يوم تفطرون رواه الترمذي وغيره والناس لم يفطروا في مثل هذا اليوم فوجب أن لا يفطر نهر.(قوله وجوبا وقيل ندبا) قال في البدائع المحققون قالوا :لا رواية في وجوب الصوم عليه، وإنما الرواية أنه يصوم وهو محمول على الندب احتياطا .اهـ.

قال في التحفة :يجب عليه الصوم .وفي المبسوط عليه صوم ذلك اليوم وهو ظاهر استدلالهم في هلال رمضان بقوله تعالى (فمن شهد منكم الشهر فليصمه) (البقرة:١٨٥) وفي العيد بالاحتياط نهر وما في البدائع مخالف لما في أكثر المعتبرات من التصريح بالوجوب نوح.

قلت :والظاهر أن المراد بالوجوب المصطلح لا الفرض؛ لأن كونه من رمضان ليس قطعيا ولذا ساغ القول بندب صومه وسقطت الكفارة بفطره ولو كان قطعيا للزم الناس صومه .على أن الحسن وابن سيرين وعطاء قالوا لا يصوم إلا مع الإمام كما نقله في البحر فافهم (قوله :قضى فقط) أي بلا كفارة (قوله :لشبهة الرد) علة لما تضمنه قوله فقط من عدم لزوم الكفارة أي أن القاضي لما رد قوله بدليل شرعي أورث شبهة وهذه الكفارة تندرء بالشبهات هداية، ولا يخفى أن هذه علة لسقوط الكفارة في هلال رمضان .أما في هلال الفطر فلكونه يوم عيد عنده كما في النهر وغيره وكأنه تركه لظهوره(ردالمحتار، ج٢ ص٣٨٤، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان)

بَعْضُ الْقَوْمِ: هُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ، وَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: هُوَ ابْنُ لَيْلَتَيْنِ، قَالَ: فَلَقِيْنَا ابْنَ عَبَّاسٍ، فَقُلْنَا: إِنَّا رَأَيْنَا الْهِلَالَ، فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: هُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ، وَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: هُوَ ابْنُ لَيْلَتَيْنِ، فَقَالَ: أَيَّ لَيْلَةٍ رَأَيْتُمُوْهُ؟ قَالَ فَقُلْنَا: لَيْلَةَ كَذَا وَكَذَا، فَقَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ مَدَّهُ لِلرُّؤْيَةِ، فَهُوَ لِلَيْلَةٍ رَأَيْتُمُوْهُ (مسلم)[1]

ترجمہ: ہم عمرہ کے لئے نکلے، پس جب ہم وادیٔ نخلہ میں آئے، تو ہمیں چاند دکھائی دیا، تو بعض لوگوں نے کہا کہ یہ تیسری رات کا چاند ہے، اور بعض نے کہا کہ دوسری رات کا چاند ہے، پھر ہماری حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، ہم نے ان سے عرض کیا کہ ہم نے چاند دیکھا تھا، بعض لوگوں نے کہا کہ یہ تیسری رات کا چاند ہے، اور بعض لوگوں نے کہا کہ دوسری رات کا چاند ہے، تو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے معلوم کیا کہ تم نے کس رات میں چاند دیکھا تھا؟ تو ہم نے کہا کہ فلاں فلاں رات میں دیکھا تھا، تو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس (چاند) کو دیکھنے کے لئے لمبا کر دیا، پس وہ اسی رات کا ہے جس میں تم نے دیکھا ہے (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ پہلی رات کے چاند کو بعض اوقات اللہ تعالیٰ دیکھنے کے لئے زیادہ وقت تک ظاہر فرماتے ہیں۔

لہٰذا چاند کے کچھ بڑا نظر آنے یا کچھ دیر تک باقی رہنے کی صورت میں اس پر دوسری یا تیسری رات کے چاند کا حکم لگانا درست نہیں۔

نیز اس حدیث میں رات کے وقت چاند دیکھنے کی قید ہے، جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مہینے

---

[1] حديث نمبر ۱۰۸۸، كتاب الصيام، باب بيان أنه لا اعتبار بكبر الهلال وصغره، وأن الله تعالى أمده للرؤية فإن غم فليكمل ثلاثون، داراحياء التراث العربى، بيروت.

کے آغاز کی بنیاد رات کو (یعنی سورج کے غروب ہونے کے بعد) چاند دیکھنے پر ہے، دن میں دیکھنے پر نہیں، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ اِنْتِفَاخُ الْأَهِلَّةِ، حَتّٰى يُرَى الْهِلَالُ لِلَيْلَتِهِ، فَيُقَالُ: هُوَ لِلَيْلَتَيْنِ (المعجم الاوسط للطبرانی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی چاند کا بڑا دِکھائی دینا ہے، یہاں تک کہ چاند اسی رات کا نظر آئے گا، مگر یہ کہا جائے گا کہ وہ دو راتوں کا ہے (ترجمہ ختم)

اس قسم کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [3]

---

[1] واستفيد منه قوله لليلة رأيتموه أن لا عبرة برؤية الهلال قبل الغروب، وإنه لو رؤى ليلة ثلاثين شعبان أو رمضان نهارا قبل الزوال أو بعده لم يحكم لليلة الماضية ولا المستقبلة، فلا يفطره من رمضان ولا يمسكه من شعبان، بل إن رؤى بعد الغروب حكم به للمستقبلة، وإلا فلا للخبر السابق: "صوموا لرؤيته (مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۳۸۰، كتاب الصوم، باب رؤية الهلال)

[2] حديث نمبر ۲۸۶۴، دارالحرمين، القاهرة، واللفظ لهٗ، المعجم الصغير للطبرانی، حديث نمبر ۸۷۷، مسند الشاميين للطبرانی، حديث نمبر ۳۳۵۲.

قال الالبانی: الحديث صحيح عندى على كل حال ، فإن له شواهد تقويه (السلسلة الصحيحة للالبانی، تحت حديث رقم ۲۲۹۲)

[3] عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مِنِ اقْتِرَابِ السَّاعَةِ انْتِفَاخُ الْأَهِلَّةِ (المعجم الكبير للطبرانی، حديث نمبر ۱۰۴۵۱)

عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبد اللَّهِ، قَال: قَال رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنِ اقْتِرَابِ السَّاعَةِ انْتِفَاخُ الأَهِلَّةِ (الكامل لابن عدى، ج۵ص ۵۱۳، تحت ترجمة عبدالرحمن بن واقد ابومسلم الواقدى)

عن أبى الوداک، عن أبى سعيد الخدرى، قال: من اقتراب الساعة انتفاخ الأهلة ,يراه الرجل لليلة يحسبه لليلتين (السنن الواردة فى الفتن للدانى، حديث نمبر ۳۹۷)

عن أنس بن مالک، -رفعه إلى النبى صلى الله عليه وسلم -قال: من اقتراب الساعة أن يرى الهلال قبلا، فيقال: لليلتين، وأن تتخذ المساجد طرقا، وأن يظهر موت الفجاءة لم يرو هذا الحديث عن العباس بن ذريح إلا شريک، تفرد به عبد الكبير بن المعافى (المعجم الاوسط للطبرانی، حديث نمبر ۹۳۷۶)

خلاصہ یہ کہ چاند کے بڑا دکھائی دینے یا دیر تک نظر آنے پر اس کو دوسری یا تیسری رات کا چاند قرار دینا درست نہیں۔

اور آج کل بعض لوگ جو چاند کو دیکھ کر یہ کہتے ہیں کہ چاند بہت بڑا ہے کل کا معلوم ہوتا ہے۔ ایسا کہنا شریعت کی نظر میں بُرا ہے۔

چاند نظر آنے کا اعتبار غروب کے بعد ہے، نہ کہ دن میں

دن کے وقت (یعنی صبح صادق کے بعد سے لے کر سورج غروب ہونے سے پہلے تک) چاند نظر آنے کا اعتبار نہیں، بلکہ سورج غروب ہونے کے بعد ہی نظر آنے کا اعتبار ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

أَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَائِمًا صُبْحَ ثَلَاثِيْنَ يَوْمًا فَرَأٰى هِلَالَ شَوَّالٍ نَهَارًا فَلَمْ يُفْطِرْ حَتّٰى أَمْسٰى (سنن الدارقطنی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (رمضان کے) تیسویں دن کا روزہ رکھ کر صبح کی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دن میں شوال کا چاند دیکھا، تو شام ہونے تک روزہ افطار نہیں کیا (ترجمہ ختم)

اور امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

أَنَّ الْهِلَالَ رُئِيَ فِيْ زَمَانِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ بِالْعَشِيِّ، فَلَمْ يُفْطِرْ عُثْمَانُ حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ (معرفة السنن والآثار للبيهقي) [2]

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں زوال کے بعد چاند دیکھا گیا، تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے روزہ افطار نہیں کیا، جب تک کہ سورج غروب نہیں ہوگیا (ترجمہ ختم)

---

[1] حديث نمبر ٢٢١٩، كتاب الصيام، باب الشهادة على رؤية الهلال، مؤسسة الرسالة، بيروت.

[2] حديث نمبر ٨٦١٦، كتاب الصيام، باب الهلال يرى بالنهار، دار الوفاء، قاهرة.

اور حضرت عبدالرحمٰن بن حرملہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّاسَ رَأَوْا هِلَالَ الْفِطْرِ حِيْنَ زَاغَتِ الشَّمْسُ ، فَأَفْطَرَ بَعْضُهُمْ ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِسَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، فَقَالَ: رَآهُ النَّاسُ فِيْ زَمَنِ عُثْمَانَ فَأَفْطَرَ بَعْضُهُمْ ، فَقَامَ عُثْمَانُ فَقَالَ: أَمَّا أَنَا فَمُتِمٌّ صِيَامِيْ إِلَى اللَّيْلِ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

ترجمہ: لوگوں نے زوال کے بعد عید الفطر کا چاند دیکھ لیا، تو بعض لوگوں نے روزہ افطار کرلیا، میں نے اس بات کا حضرت سعید بن مسیّب سے ذکر کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (دن میں) چاند دیکھا تھا، پھر بعض لوگوں نے روزہ افطار کرلیا تھا، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں تو اپنے روزہ کو رات تک پورا کروں گا (ترجمہ ختم)

اور حضرت یحییٰ بن ابی اسحاق فرماتے ہیں کہ:

رَأَيْتُ الْهِلَالَ ، هِلَالَ الْفِطْرِ قَرِيْبًا مِّنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ ، فَأَفْطَرَ نَاسٌ ، فَأَتَيْنَا أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ ، فَذَكَرْنَا لَهُ رُؤْيَةَ الْهِلَالِ وَإِفْطَارَ مَنْ أَفْطَرَ ، قَالَ: وَأَمَّا أَنَا فَمُتِمٌّ يَوْمِيْ هٰذَا إِلَى اللَّيْلِ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [2]

ترجمہ: میں نے عید الفطر کا چاند ظہر کی نماز کے قریب دیکھ لیا، تو بعض لوگوں نے روزہ افطار کرلیا، پھر ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اور ان سے دن میں چاند دیکھنے کا ذکر کیا، اور جنہوں نے روزہ افطار کیا، ان کا بھی ذکر کیا، تو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو اپنے اس دن کا روزہ رات تک پورا کروں گا (ترجمہ ختم)

ان احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ دن میں چاند نظر آنے کا اعتبار نہیں، اور اسی وجہ سے

---

[1] حديث نمبر ۹۵۴۵، كتاب الصيام، باب فِي الْهِلَالِ يُرَى نَهَارًا ، أَيُفْطِرُ أَمْ لاَ ؟

[2] حديث نمبر ۹۵۴۲، كتاب الصيام، باب فِي الْهِلَالِ يُرَى نَهَارًا ، أَيُفْطِرُ أَمْ لاَ ؟

اگر انتیس یا تیس رمضان کو دن میں چاند نظر آ جائے، تو روزہ افطار نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت سالم سے روایت ہے کہ:

كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ: إِنَّ نَاسًا يُفْطِرُوْنَ إِذَا رَأَوُا الْهِلَالَ نَهَارًا، وَإِنَّهُ لَا يَصْلُحُ لَكُمْ أَنْ تُفْطِرُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ لَيْلًا مِنْ حَيْثُ يُرٰى (سنن البيهقى) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ (بعض) لوگ دن میں چاند دیکھ کر روزہ افطار کر لیتے ہیں، حالانکہ تمہارے لئے یہ بات درست نہیں کہ تم روزہ افطار کرلو، جب تک کہ تم چاند کو رات کے وقت اس جگہ سے نہ دیکھ لو، جہاں سے چاند نظر آیا کرتا ہے (یعنی مغرب سے) (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

رُئِیَ هِلَالُ شَوَّالٍ نَهَارًا فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تُفْطِرُوْا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ مِنْ حَيْثُ يُرٰى (سنن الدارقطنى) [2]

ترجمہ: شوال کا چاند دن میں دیکھ لیا گیا، تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ تم روزہ افطار کرو، یہاں تک کہ تم چاند کو اس جگہ سے دیکھ لو، جہاں سے نظر آیا کرتا ہے (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ أُنَاسًا رَأَوُا هِلَالَ الْفِطْرِ نَهَارًا فَأَتَمَّ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ صِيَامَهُ إِلَى اللَّيْلِ وَقَالَ: لَا، حَتّٰى يُرٰى مِنْ حَيْثُ يُرٰى بِاللَّيْلِ (سنن البيهقى) [3]

ترجمہ: لوگوں نے عید کا چاند دن میں دیکھ لیا، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

---

[1] حديث نمبر ۷۹۸۷، كتاب الصيام، باب الهلال يرى بالنهار، دارالكتب العلمية، بيروت.

[2] حديث نمبر ۲۲۲۰، كتاب الصيام، باب الشهادة على رؤية الهلال، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ، مصنف ابنِ ابى شيبة، حديث نمبر ۹۵۴۳، كتاب الصيام، باب فِي الْهِلَالِ يُرَى نَهَارًا، أَيُفْطِرُ أَمْ لَا؟

[3] حديث نمبر ۷۹۸۶، كتاب الصيام، باب الهلال يرى بالنهار، دارالكتب العلمية، بيروت.

نے اپنا روزہ رات تک پورا کیا، اور فرمایا کہ تم اس دن کے چاند کا اعتبار نہ کرو، جب تک کہ اس کو اس جگہ سے نہ دیکھ لیا جائے، جہاں سے رات کو دیکھا جاتا ہے (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ جب تک رات کے وقت اپنے مقام سے چاند نظر نہ آئے، اس وقت تک اس کا اعتبار نہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شرعاً مہینہ شروع ہونے کے لئے جس طرح رات کے وقت چاند نظر آنے کا اعتبار ہے، اسی طرح چاند کے اپنے مخصوص مقام سے بھی نظر آنے کا اعتبار ہے۔ اور اسی وجہ سے قاضی یا گواہی قبول کرنے والے مجاز حاکم کو چاند دیکھنے والے سے اس کے نظر آنے کے مقام کا فنی تزکیہ کرنا بھی شریعت کی نظر میں معتبر ہے۔

اور حضرت نافع سے مروی ہے کہ:

أَنَّ هِلَالَ شَوَّالٍ رُئِيَ مِنَ النَّهَارِ وَلَمْ يُفْطِرْ عَبْدُ اللّٰهِ حَتّٰى أَمْسٰى، وَخَرَجُوْا إِلَى الْمُصَلّٰى مِنَ الْغَدِ (الفوائد الشهير بالغيلانيات) [1]

ترجمہ: شوال کا چاند دن میں دیکھ لیا گیا، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے شام ہونے تک روزہ افطار نہیں کیا، اور اگلے دن عید کی نماز کے لئے تشریف لے گئے (ترجمہ ختم)

اور حضرت قاسم بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

إِذَا رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ نَهَارًا فَلَا تُفْطِرُوْا، فَإِنَّ مَجْرَاهُ فِي السَّمَآءِ، لَعَلَّهُ أَنْ يَّكُوْنَ أَهَلَّ سَاعَتَئِذٍ (مصنف ابن ابی شيبة) [2]

---

[1] لابی بکر الشافعی، حدیث نمبر ۱۹۹، باب رؤية الهلال لشهر رمضان، دار ابن الجوزی - السعودية / الرياض.

[2] حدیث نمبر ۹۵۴۶، کتاب الصیام، باب فِي الْهِلَالِ يُرَى نَهَارًا، أَيُفْطِرُ أَمْ لَا؟

ترجمہ: جب تم چاند کو دن میں دیکھو، تو روزہ افطار نہ کرو، کیونکہ چاند آسمان میں اپنے چلنے کی جگہ (یعنی اپنے مدار اور اپنی منزل) میں ہوتا ہے، شاید وہ اسی وقت میں پیدا ہوا ہو (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ شرعی اعتبار سے دن کے وقت چاند دیکھنے کا اعتبار نہیں، اور دن کے وقت چاند نظر آنے کی فنی وجہ یہ ہے کہ چاند اس وقت بھی اپنے مدار میں ہوتا ہے، اور پیدائش کے بعد اس کے نظر آنے کا امکان ہوتا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم فلکیات کے فن سے بقدرِ ضرورت واقف تھے۔

اور حضرت زبرقان سے مروی ہے کہ:

فَأَتَيْتُ أَبَا وَائِلٍ ، فَقُلْتُ :إِنِّيْ رَأَيْتُ الْهِلَالَ نِصْفَ النَّهَارِ ، فَقَالَ: (أَتِمُّوْا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ) (مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

ترجمہ: میں حضرت ابووائل رحمہ اللہ کے پاس آیا، اور میں نے کہا کہ میں نے چاند کو دوپہر کے وقت میں دیکھ لیا ہے، تو حضرت ابووائل نے فرمایا کہ تم روزہ کو رات تک پورا کرو (ترجمہ ختم)

اور حضرت حسن بن عبیداللہ سے مروی ہے کہ:

رَأَيْتُ الْهِلَالَ قَبْلَ نِصْفِ النَّهَارِ ، فَأَتَيْتُ أَبَا بُرْدَةَ ، فَأَمَرَنِيْ أَنْ أُتِمَّ صَوْمِيْ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [2]

ترجمہ: میں نے دوپہر سے پہلے چاند دیکھ لیا، تو میں حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، تو انہوں نے مجھے اپنے روزہ کو مکمل کرنے کا حکم فرمایا (ترجمہ ختم)

اور حضرت شقیق سے مروی ہے کہ:

---

[1] حدیث نمبر ۹۵۴۴، کتاب الصیام، باب فِی الْهِلَالِ يُرَى نَهَارًا ، أَيُفْطِرُ أَمْ لاَ ؟

[2] حدیث نمبر ۹۵۵۲، کتاب الصیام، باب فِی الْهِلَالِ يُرَى نَهَارًا ، أَيُفْطِرُ أَمْ لاَ ؟

كُنَّا مَعَ عُتْبَةَ بْنِ فَرْقَدٍ السُّلَمِيِّ فِيْ أُنَاسٍ بِالْجَبَلِ، فَرَأَيْنَا هِلَالَ شَوَّالٍ نَهَارًا، فَأَفْطَرْنَا، وَكُتِبَ إِلٰى عُمَرَ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فِيْ ذٰلِكَ، فَكَتَبَ عُمَرُ: اَنَّ الْأَهِلَّةَ بَعْضَهَا أَعْظَمُ مِنْ بَعْضٍ، فَإِذَا أَصْبَحْتُمْ صِيَامًا، فَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰى تُمْسُوْا، إِلَّا أَنْ يَّشْهَدَ رَجُلَانِ مُسْلِمَانِ يَشْهَدَانِ أَنَّ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، أَنَّهُمَا أَهَلَّاهُ بِالْأَمْسِ عَشِيًّا(تهذيب الآثار للطبرى) [1]

ترجمہ: ہم حضرت عتبہ بن فرقد سلمی اور چند لوگوں کے ساتھ پہاڑ پر موجود تھے، تو ہم نے شوال کا چاند دن میں دیکھ لیا، اور ہم نے روزہ افطار کرلیا، اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس واقعہ کو تحریر کرکے بھیجا گیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ بعض (مرتبہ کا) چاند بعض (مرتبہ کے) چاند سے بڑا ہوتا ہے، پس جب تم روزہ رکھ کر صبح کرو، تو (دن میں چاند دیکھنے سے) روزہ افطار نہ کرو، یہاں تک کہ شام نہ ہوجائے، مگر یہ کہ دو مسلمان جو اس بات کی گواہی دیتے ہوں کہ ''لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ وان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ'' وہ یہ گواہی دیں کہ انہوں نے اس چاند کو گزشتہ شام دیکھا ہے (ترجمہ ختم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ حضرت ابووائل سے بھی مروی ہے۔ [2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے واضح ہوا کہ ہر مہینہ میں چاند کی ایک کیفیت نہیں ہوتی، بلکہ بعض اوقات اس کی عمر زیادہ اور بڑی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اس کی ولادت

---

[1] حديث نمبر ۱۱۳۰، ج۲ص ۷۶۳، مطبعة المدنى -القاهرة.

[2] عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ :جَاءَنَا كِتَابُ عُمَرَ وَنَحْنُ بِخَانِقِينَ :إِنَّ الْأَهِلَّةَ بَعْضُهَا أَكْبَرُ مِنْ بَعْضٍ " ,فَإِذَا رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ نَهَارًا فَلَا تُفْطِرُوا حَتَّى تُمْسُوا، إِلَّا أَنْ يَشْهَدَ رَجُلَانِ مُسْلِمَانِ أَنَّهُمَا أَهَلَّاهُ بِالْأَمْسِ عَشِيَّةً "(سنن البيهقى، حديث نمبر ۷۹۸۲، واللفظ لهٗ، معرفة السنن والآثار للبيهقى، حديث نمبر ۲۵۹۶، مصنف ابنِ ابى شيبة، حديث نمبر ۹۵۵۳، كتاب الصيام، باب فِي الْهِلَالِ يُرَى نَهَارًا ، أَيُفْطِرُ أَمْ لاَ ؟)

جلدی ہوجاتی ہے، اوراس کے دن میں نظر آنے کا بھی امکان ہوتا ہے، مگر شریعت کی نظر میں دن کے وقت چاند کے نظر آنے کا اعتبار نہیں ہے۔

البتہ اگر گزشتہ شام (مثلاً تیسویں شب) کو نظر آنا معتبر اور ثقہ گواہوں سے ثابت ہوجائے، تو اس کا معاملہ الگ ہے۔ [1]

اور حضرت معاذ بن محمد انصاری سے مروی ہے کہ:

سَأَلْتُ الزُّهْرِيَّ عَنْ هِلَالِ شَوَّالٍ إِذَا رُؤِيَ بَاكِرًا قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيِّبِ يَقُوْلُ: إِنْ رُؤِيَ هِلَالُ شَوَّالٍ بَعْدَ أَنْ طَلَعَ الْفَجْرُ إِلَى الْعَصْرِ أَوْ إِلَى أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَهُوَ مِنَ اللَّيْلَةِ الَّتِيْ تَجِيْءُ (سنن الدارقطنی) [2]

ترجمہ: میں نے حضرت زہری سے شوال کے چاند کے بارے میں سوال کیا، جب کہ وہ (غروب سے پہلے) جلدی نظر آجائے، تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت سعید بن مسیّب سے سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر شوال کا چاند طلوعِ فجر سے عصر تک یا سورج غروب ہونے تک نظر آئے، تو وہ آنے والی رات کا ہوتا ہے (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ اگر مہینے کے تیسویں دن نظر آئے، تو وہ آنے والی رات کا چاند ہے، اور اگر

---

[1] (أو عشية) : فی النهاية :العشی ما بعد الزوال إلى المغرب .وفی القاموس :العشی والعشية آخر النهار(مرقاة المفاتيح، ج٦ ص ۲۵۱۵، كتاب الجهاد، باب آداب السفر)
قلت وقد يراد بالعشی الليل لمكان العشاء وهی الظلمة وبه فسر قول الشاعر هيفاء عجزاء خريد بالعشی *تضحک عن ذی أشر عذب نقی أراد المبالغة فی استحيائها لان الليل قد يعدم فيه الرقباء أی إذا كان ذلک مع عدم هؤلاء فما ظنک بتجردها نهار أو يجوز أن يريد استحياء ها عند المباعلة لانها أكثر ما تكون ليلا (تاج العروس، فصل العين)
والعَشِیُّ والعَشِيَّةُ :آخر النهار، يقال جئته عَشِيَّةً وعَشِيَّةَ، حكى الأخيرة سيبويه(المحكم والمحيط الاعظم لابنِ سيده ، باب العين والشين والواو)

[2] حديث نمبر ۲۲۲۱، كتاب الصيام، باب الشهادة على رؤية الهلال، مؤسسة الرسالة، بيروت.

انتیسویں دن نظر آئے، تو شام ہونے پر نظر آنے کا اعتبار ہوگا۔

اور حضرت ابنِ جریج سے مروی ہے کہ:

كَانَ عَطَاءٌ يَقُوْلُ: إِنْ رُئِيَ هِلَالُ شَوَّالٍ نَهَارًا، فَلَا تُفْطِرُوْا، وَيَتْلُوْ (ثُمَّ أَتِمُّوْا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ) (مصنف ابن ابی شیبة) [1]

ترجمہ: حضرت عطاء یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر شوال کا چاند دن میں نظر آجائے، تو تم روزہ افطار نہ کرو، اور (دلیل میں یہ آیت) تلاوت فرماتے تھے کہ "**ثُمَّ أَتِمُّوْا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ**" یعنی تم روزہ کو رات تک پورا کرو (ترجمہ ختم)

اس قسم کی احادیث وروایات سے استدلال کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سمیت متعدد فقہائے کرام کا یہ قول ہے کہ دن میں چاند نظر آنے کا اعتبار نہیں، خواہ چاند زوال سے پہلے نظر آئے یا زوال کے بعد، پھر اگر مہینہ کا انتیسواں دن ہے، تو غروب کے بعد چاند دیکھنے کی کوشش کی جائے گی، اگر نظر آ گیا تو فبہا، ورنہ تیس دن پورے کیے جائیں گے (جیسا کہ شریعت کا اُصول ہے)

اور دلائل کے لحاظ سے یہی راجح ہے، جیسا کہ گزشتہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا۔ [2]

---

[1] حدیث نمبر ۹۵۵۱، كتاب الصيام، باب فِي الْهِلَالِ يُرَى نَهَارًا ، أَيُفْطِرُ أَمْ لاَ ؟

[2] مطلب فی رؤیة الهلال نهارا (قوله :ورؤيته بالنهار لليلة الآتية مطلقا) أى سواء رئى قبل الزوال أو بعده (وقوله على المذهب) : أى الذى هو قول أبى حنيفة ومحمد قال فى البدائع فلا يكون ذلك اليوم من رمضان عندهما وقال أبو يوسف إن كان بعد الزوال فكذلك وإن كان قبله فهو لليلة الماضية ويكون اليوم من رمضان.

وعلى هذا الخلاف هلال شوال فعندهما يكون للمستقبلة مطلقا ويكون اليوم من رمضان وعنده لو قبل الزوال يكون الماضية ويكون اليوم يوم الفطر؛ لأنه لا يرى قبل الزوال عادة إلا أن يكون لليلتين فيجب فى هلال رمضان كون اليوم من رمضان، وفى هلال شوال كونه يوم الفطر، والأصل عندهما أنه لا تعتبر رؤيته نهارا، وإنما العبرة لرؤيته بعد غروب الشمس لقوله -صلى الله عليه وسلم- صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته أمر بالصوم والفطر بعد الرؤية ففيما قاله أبو يوسف مخالفة النص اهـ ملخصا.

وفى الفتح :أوجب الحديث سبق الرؤية على الصوم والفطر، والمفهوم المتبادر منه الرؤية عند

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چاند دیکھنے کے وقت کی مسنون دعائیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چاند دیکھنے کے وقت کی کئی دعائیں منقول ہیں۔

چاند نظر آنے کا وقت دعاء کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے، اس لیے چاند دیکھنے کے وقت ان دعاؤں میں سے کسی بھی دعا کو پڑھ لینا چاہیے۔

اگر عربی میں نہ ہو سکے تو اردو میں ان کا ترجمہ پڑھ لے، یا کوئی اور اسی قسم کی دعاء کر لے۔

چاند دیکھنے کے وقت کی چند مسنون دعائیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱)......اَللّٰھُمَّ أَھِلَّہُ عَلَیْنَا بِالْیُمْنِ وَالْإِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْإِسْلَامِ رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ.

ترجمہ: یا اللہ! اس چاند کو ہم پر برکت، ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ ظاہر فرمایئے (اے چاند) میرا اور تیرا رب اللہ ہی ہے (مسند احمد) [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عشیة آخر کل شهر عند الصحابة والتابعين ومن بعدهم بخلاف ما قبل الزوال من الثلاثين والمختار قولهما اهـ. .... وأما عندهما فلا يكون للماضية مطلقا بل هو للمستقبلة وليس كونه للمستقبلة ثابتا برؤيته نهارا؛ لأنه لا عبرة عندهما برؤيته نهارا وإنما ثبت بإكمال العدة؛ ....

وقد صرحت أئمة المذاهب الأربعة بأن الصحيح أنه لا عبرة برؤية الهلال نهارا وإنما المعتبر رؤيته ليلا وأنه لا عبرة بقول المنجمين (ردالمحتار، ج۲ص ۳۹۲، ۳۹۳، ملخصاً، کتاب الصوم)

یسئلونک عن الأهلة قل هی مواقیت للناس والحج مع قوله تعالی وجعلنا اللیل والنهار آیتین فمحونا آیة اللیل وجعلنا آیة النهار مبصرة لتبتغوا فضلاً من ربکم ولتعلموا عدد السنین والحساب والمراد بآیة اللیل هی القمر وبآیة النهار الشمس الا نور فدل ذلک علی ان القمر انما هو آیة اللیل لا آیة النهار فلا عبرة برویته بالنهار وأن کونه مواقیت للناس والحج والصیام وغیرها وعلم عدد السنین والحساب وغیرها انما هو إذا اطلع فی اللیلة لا فی غیرها الأمر الرابع أن المذهب والمختار وظاهر الروایة علی مافی عامة الکتب الحنفیة هو عدم عبرة الرویة النهاریة مطلقاً عشیاً کانت أو صباحاً (الفلک الدوار فی رأیة الهلال بالنهار للکنوی، ص۱۸)

[۱] حدیث نمبر۱۳۹۷ ،مؤسسة الرسالة، بیروت،ترمذی، حدیث نمبر ۳۴۵۱، الدعوات الکبیر للبیهقی، حدیث نمبر ۵۱۸، مسند ابویعلیٰ الموصلی، حدیث نمبر ۶۶۱، مسند عبد بن حمید، حدیث نمبر ۱۰۴ .عن طلحة بن عبیدالله .

حسن لشواهده(حاشیة مسند احمد)

(۲)......اَللّٰھُمَّ أَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِیْمَانِ، وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ، وَالتَّوْفِیْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی، رَبُّنَا وَرَبُّکَ اللّٰہُ.

ترجمہ: یااللہ! اس چاند کو ہم پر امن اور ایمان، اور سلامتی اور اسلام کے ساتھ اور اس چیز کی توفیق کے ساتھ جسے آپ پسند کرتے ہیں، اور آپ راضی ہوتے ہیں، ظاہر فرمایئے (اے چاند) ہمارا اور آپ کا رب اللہ ہی ہے (صحیح ابن حبان) [۱]

(۳)......اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ ھٰذَا الشَّھْرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ الْقَدْرِ وَمِنْ سُوْٓءِ الْحَشْرِ.

ترجمہ: اللہ سب سے بڑا ہے، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، اللہ کے علاوہ کوئی طاقت اور قدرت نہیں ہے، اے اللہ میں آپ سے اس مہینہ کی خیر اور بھلائی کو چاہتا ہوں اور تقدیر کے شر سے اور قیامت کے دن کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں (مسند احمد) [۲]

(۴)...... ھِلَالُ خَیْرٍ وَرُشْدٍ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ ھٰذَا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ ھٰذَا الشَّھْرِ وَخَیْرِ الْقَدْرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّہٖ .

---

[۱] حدیث نمبر ۸۸۸، ج۳ص ۱۷۱، باب الادعیة، عن ابنِ عمر، مؤسسة الرسالة، بیروت.
قال شعیب الارنؤوط: حدیث صحیح لغیرہ (حاشیة صحیح ابن حبان)

[۲] حدیث نمبر ۲۲۷۹۱، مؤسسة الرسالة، بیروت، واللفظ لہٗ، مصنف ابنِ ابی شیبة، حدیث نمبر ۹۸۲۰، السنة لابنِ ابی عاصم حدیث نمبر ۳۸۷. عن عبادة بن الصامت .
قال الالبانی:
وھذا إسناد رجاله كلهم ثقات رجال الشیخین ؛ غیر تابعیه ؛ فإنه لم یسم ، فھو مجھول ، غیر أن الراوی عنه ذکر أنه غیر متھم عندہ ، والله أعلم (سلسلة الاحادیث الضعیفة للالبانی حدیث نمبر ۳۵۰۲)

ترجمہ: یہ خیر اور ہدایت کا چاند ہے، اے اللہ! بے شک میں تجھ سے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ! بے شک میں تجھ سے اس مہینے اور تقدیر کی خیر کا سوال کرتا ہوں، اور تقدیر کے شر سے پناہ چاہتا ہوں (المعجم الکبیر للطبرانی) [۱]

یہ دعا تین مرتبہ پڑھے تو بہتر ہے۔

اور بعض اہلِ علم حضرات نے عید کا چاند نظر آنے کے بعد سے لے کر رات میں حسبِ موقع تکبیر کہنے کو مستحب قرار دیا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چاند نظر آنے پر شریعت نے دعا وذکر کی تعلیم دی ہے۔

مگر آج کل بعض لوگ چاند نظر آنے (یا چاند کا اعلان ہونے پر) مسنون دعاؤں کے بجائے آتش بازی یا اسلحہ سے چاند کا اعلان یا خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔

یہ طرزِ عمل گناہ ہے۔

نیز چاند دیکھتے وقت بلاضرورت اس کی طرف اشارہ کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ یہ زمانۂ جاہلیت کے عمل کے مشابہ ہے۔ [۲]

---

[۱] حديث نمبر ۴۴۰۹، عن رافع بن خديج. مكتبة ابنِ تيمية، القاهرة.

قال الهيثمي:

رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ ، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ (مَجْمَعُ الزَّوَائِدِ ج۱۰ ص ۱۳۹، باب ما يقول إذا رأى الهلال)

[۲] وتكره الإشارة إلى الهلال عند رؤيتها (المحيط البرهاني، ج۵ ص۴۰۷، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الثاني والثلاثون في المتفرقات)

ويكره الإشارة إلى الهلال عند رؤيته لأنه من عادة الجاهلية كانوا يفعلونه تعظيما له .أما إذا أشار إليه ليريه صاحبه فلا بأس به (الاختيار لتعليل المختار، ج۴ ص ۱۷۹، كتاب الكراهية)

وتكره الإشارة عند رؤية الهلال تحرزا عن التشبه بأهل الجاهلية (البحر الرائق، ج۲ ص ۲۸۴، كتاب الصوم)

وتكره الإشارة إلى الهلال عند رؤيته لأنه فعل أهل الجاهلية .ا هـ .فتح (حاشية الشلبي على التبيين الحقائق، ج ۱ ص ۳۲۲، باب مايفسد الصوم ومالا يفسد)

عیدُ الفطر کے فضائل واحکام

شوّال کے مہینہ کے پہلے دن کا آغاز ’’عید الفطر‘‘ کے ساتھ ہوتا ہے، اور ’’عید الفطر‘‘ دو لفظوں کا مجموعہ ہے:

(۱)......عید (۲)......الفطر

اور عید الفطر کے جملہ میں عید کی نسبت فطر کی طرف ہو رہی ہے۔

فطر کے معنٰی ’’افطار کرنے‘‘ کے ہیں جس سے یہاں مراد روزوں کی فرضیت کے بعد افطار یعنی روزے نہ رکھنے کی اجازت مل جانا ہے کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں جو روزے رکھنے کی پابندی تھی وہ شوال کے آغاز پر ختم ہو جاتی ہے۔

’’عید‘‘ عربی کا لفظ ہے، جس کے عربی میں کئی معنٰی آتے ہیں۔ ایک معنٰی خوشی کے ہیں اور کیونکہ عیدین کے دِنوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشی کا موقع حاصل ہوتا ہے اس لئے اس کو عید کہا جاتا ہے۔ اور عید کے ایک معنٰی لوٹ کر آنے والی چیز کے ہیں، اور کیونکہ عیدین کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر سال بندوں پر مختلف قسم کے احسانات لوٹ کر آتے ہیں مثلاً روزے میں کھانے پینے کی ممانعت کے بعد افطار کی اجازت، صدقۂ فطر، بڑی عید پر حج کی عبادت اور قربانی کا گوشت وغیرہ اس لئے ان تہواروں کا نام عید رکھا گیا۔

اس کے علاوہ اور وجوہات بھی عید کا نام رکھنے کی بیان کی گئی ہیں۔ [۱]

---

[۱] أی :الفطر والأضحی .قیل :إنما سمی العید عیدا لأنه یعود کل سنة، وهو مشتق من العود، فقلبت الواو یاء لسکونها وانکسار ما قبلها .وفی الأزهار :کل اجتماع للسرور، فهو عند العرب عید لعود السرور بعوده .وقیل :لأن الله تعالی یعود علی العباد بالمغفرة والرحمة، ولذا قیل :لیس العید لمن لبس الجدید، إنما العید لمن أمن الوعید، وجمعه أعیاد وإن کان أصله الواو لا الیاء للزومها فی الواحد، أو للفرق بینه وبین أعواد الخشب(مرقاة المفاتیح، ج۳ص۱۰۶۰ ،باب صلاة العیدین)
سمی العید بهذا الاسم لأن للّٰه تعالٰی فیه عوائد الاحسان ای انواع الاحسان العائدة علی عباده فی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہر قوم اور ملّت میں سال کے کچھ دن خوشی کا جشن منانے کے لئے مقرر ہوتے ہیں، جنہیں عام بول چال میں تہوار کہا جاتا ہے، تہوار منانے کے لئے ہر قوم کا مزاج و مذاق، انداز اور طور طریقے مختلف ہو سکتے ہیں، لیکن ان سب میں ایک بات مشترک طور پر پائی جاتی ہے اور وہ ''خوشی منانا'' ہے۔

اسلام میں بھی سال میں دو دن اس غرض کے لئے دوسری قوموں سے علیٰحدہ عبادت کے طور پر مقرر کئے گئے ہیں۔

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اس وقت شروع ہوتی ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے، عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دونوں تہواروں کا سلسلہ بھی اسی وقت سے شروع ہوا ہے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمَدِیْنَۃَ وَلَھُمْ یَوْمَانِ یَلْعَبُوْنَ فِیْھِمَا، فَقَالَ: مَا ھٰذَانِ الْیَوْمَانِ؟ قَالُوْا: کُنَّا نَلْعَبُ فِیْھِمَا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰہَ قَدْ أَبْدَلَکُمْ بِھِمَا خَیْرًا مِّنْھُمَا: یَوْمَ الْأَضْحٰی، وَیَوْمَ الْفِطْرِ (ابوداؤد) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

کل عام : منهاالفطر بعد المنع عن الطعام وصدقة الفطر واتمام الحج بطواف الزيارة ولحوم الاضاحی وغير ذلک ، ولان العادة فيه الفرح والسرور والنشاط والحبور غالباً بسبب ذلک . اوتفاؤلا ای بعوده علی من ادرکه کماسميت القافلة قافلة تفاؤلا بقفولها أی رجوعها بحر(ردالمحتار ج ۲ ص ۱۶۵ و ۱۶۶ ،باب العيدين)

سمی العيد عيدا لأنه يعود ويتكرر لأوقاته وقيل يعود به الفرح على الناس وكلاهما متقارب المعنى وقيل تفاؤلا لأن يعود ثانية على الإنسان(مشارق الانوار على صحاح الآثار، ج۲ ص ۱۰۵ ، حرف العين،مادة ع و د)

[1] حديث نمبر ۱۱۳۴ ، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، المكتبة العصرية، بيروت، واللفظ لهٔ، سنن نسائی، حديث نمبر ۱۵۵۶ ، مسنداحمد، حديث نمبر ۱۲۸۲۷ .

فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين من جهة يزيد بن هارون، وأما متابعه سهل بن يوسف، فمن رجال البخاری وأصحاب السنن.

ترجمہ: رسول صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر) مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینے کے لوگ (جن میں بہت سے لوگ پہلے ہی سے اسلام قبول کر چکے تھے) دو دنوں میں کھیل کود کیا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ یہ دو دن کیا ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم جاہلیت میں (اسلام سے پہلے) ان دو دنوں میں کھیل کود کیا کرتے تھے (بس وہی رواج اب تک چل رہا ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اِن دو دنوں کے بدلے میں اِن سے بہتر دو دن عطا فرما دیئے ہیں (اب وہی تمہارے قومی اور مذہبی تہوار ہیں) ایک عید الاضحیٰ کا دن، اور دوسرا عید الفطر کا دن (ترجمہ ختم)

وہ دو دن جن میں مدینہ کے لوگ کھیل کود کیا کرتے تھے ان کے نام ''نیروز'' اور ''مہرجان'' تھے۔

چنانچہ اسلام نے ان دو دِنوں کے بدلے میں پورے سال میں اُمَّتِ مسلمہ کے لئے عید کے یہ دو دن مقرر کئے ہیں، ایک عیدُ الاضحیٰ کا دن اور دوسرے عید الفطر کا دن۔

اور دوسری قوموں کے تہواروں کے منانے سے اسلام نے منع فرما دیا۔

بلکہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں اسلامی عید کے دن مقرر فرمائے، اور اسی وجہ سے مسلمانوں کو عیدین کے دن منانا عبادت ہے، اور کافروں کے مذہبی تہواروں میں شرکت گناہ ہے۔[1]

---

[1] آج کل بہت سے مسلمان غیر قوموں کے مذہبی تہوار (مثلاً کرسمس ڈے، بسنت، ہولی دیوالی وغیرہ) مناتے ہیں یا ان میں کسی حیثیت سے شرکت کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو اپنے دین کی حفاظت کی فکر کرنی چاہیے۔

(عن أنس قال :قدم النبی -صلی اللہ علیہ وسلم -المدینة) أی :من مکة بعد الھجرة .(ولھم) قال الطیبی :أی :لأھل المدینة، ولولا استدعاء الراجع من الحال أعنی :ولھم لکانت لنا مندوحة عن التقدیر اھ .یعنی :ولقلنا للأنصار أو للأصحاب .(یومان یلعبون فیھما) : وھما :یوم النیروز، ویوم المھرجان .کذا قالہ الشراح .وفی القاموس :النیروز :أول یوم السنة معرب نوروز .قدم إلی علی -رضی اللہ عنہ -شیء من الحلاوی فسأل عنہ فقالوا :للنیروز .فقال :نیروزنا کل یوم، وفی المھرجان قال :مھرجاننا کل یوم اھ .والنوروز مشھور، وھو أول یوم تتحول الشمس فیہ إلی برج الحمل، وھو أول السنة الشمسیة، کما أن غرة شھر المحرم أول السنة القمریة .وأما مھرجان،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فالظاهر بحكم مقابلته بالنيروز أن يكون أول يوم الميزان، وهما يومان معتدلان في الهواء ، لا حر ولا برد، ويستوى فيهما) الليل والنهار، فكان الحكماء المتقدمين المتعلقين بالهيئة اختاروهما للعيد في أيامهم، وقلدهم أهل زمانهم ;لاعتقادهم بكمال عقول حكمائهم، فجاء الأنبياء ، وأبطلوا ما بنى عليه الحكماء .(فقال :ما هذان اليومان؟ قالوا :كنا نلعب فيهما أى :في اليومين .(في الجاهلية) أى :في زمن الجاهلية قبل أيام الإسلام .(فقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قد) للتحقيق .(أبدلكم الله بهما خيرا) : الباء هنا داخلة على المتروك، وهو الأفصح أى :جعل لكم بدلا عنهما خيرا .(منهما) أى :في الدنيا والأخرى، وخيرا ليست أفعل تفضيل ;إذ لا خيرية في يوميهما .(يوم الأضحى ويوم الفطر) : وقدم الأضحى ;فإنه العيد الأكبر قاله الطيبي .نهى عن اللعب والسرور فيهما أى :في النيروز والمهرجان، وفيه نهاية من اللطف، وأمر بالعبادة ;لأن السرور الحقيقي فيها .قال الله تعالى :(قل بفضل الله وبرحمته فبذلك فليفرحوا) (يونس58 :) قال المظهر :فيه دليل على أن تعظيم النيروز والمهرجان وغيرهما أى :من أعياد الكفار منهى عنه . قال أبو حفص الكبير الحنفي :من أهدى في النيروز بيضة إلى مشرك تعظيما لليوم فقد كفر بالله تعالى، وأحبط أعماله .وقال القاضي أبو المحاسن :الحسن بن منصور الحنفي :من اشترى فيه شيئا لم يكن يشتريه في غيره، أو أهدى فيه هدية إلى غيره فإن أراد بذلك تعظيم اليوم كما يعظمه الكفرة فقد كفر، وإن أراد بالشراء التنعم والتنزه، وبالإهداء التحاب جريا على العادة، لم يكن كفرا لكنه مكروه كراهة التشبه بالكفرة، حينئذ فيحترز عنه اهـ.

وأما أهل مكة فيجعلون أيضا أيام دخول الكعبة عيدا، وليس داخلا في النهي، إلا أن يوم عاشوراء فيه تشبه بالخوارج، بإظهار السرور، كما أن إظهار آثار الحزن من شيم الروافض، وإن كان الثاني أهون من الأول، ولكن الأولى تركهما ;فإنهما من البدع الشنيعة، ظهرت في أيام مناصب النواصب، وزمان غلبة الشيعة، وأهل مكة بحمد الله غافلون عنهما، غير عالمين بأحوالهما، وشاركت الرافضة المجوسية أيضا في تعظيم النيروز ;معللين بأن في مثل هذا اليوم قتل عثمان، وتقررت الخلافة لعلي -رضي الله عنهما -، وإنما ذكرت هذا مع ما فيه من الشناعة للاحتراز والاحتراس عن الشباهة، قال ابن حجر :قد وقع في هذه الورطة أهل مصر ونحوهم، فإن لمن بها من اليهود والنصارى تعظيما خارجا عن الحد في أعيادهم، وكثير من أهلها يوافقونهم على صور تلك التعظيمات، كالتوسع في المأكول، والزينة على طبق ما يفعله الكفار، ومن ثم أعلن النكير عليهم في ذلك ابن الحاج المالكي في مدخله، وبين تلك الصور، وكيفية موافقة المسلمين لهم فيها، بل قال :إن بعض علمائها قد تحكم عليه زوجته في أن يفعل لها نظير ما يفعله الكفار في أعيادهم فيطيعها، ويفعل ذلك(مرقاة المفاتيح، ج۳ص ۱۰۶۹، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

وكذلك كثير من مسلمي الهند، يوافقون اهل الاوثن من الهنود في اعيادهم ويفعلون مايفعلون فالى الله المشتكى وانالله وانا اليه راجعون (بذل المجهود في حل ابوداؤد ج ۲ ص ۲۰۰)

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنْ صَوْمِ هٰذَيْنِ الْيَوْمَيْنِ، أَمَّا يَوْمُ الْفِطْرِ فَفِطْرُكُمْ مِنْ صَوْمِكُمْ وَعِيْدٌ لِلْمُسْلِمِيْنَ، وَأَمَّا يَوْمُ الْأَضْحٰى فَكُلُوْا مِنْ لُحُوْمِ نُسُكِكُمْ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے ان دو دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا، عید الفطر کا دن تو روزے کے افطار کا دن ہے، اور مسلمانوں کی عید ہے، اور عید الاضحیٰ کا دن تمہاری قربانیوں کے گوشت کھانے کا دن ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَهٰى عَنْ صَوْمِ خَمْسَةِ أَيَّامٍ فِي السَّنَةِ: يَوْمِ الْفِطْرِ وَيَوْمِ النَّحْرِ وَثَلَاثَةِ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ (سنن الدارقطنی) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سال میں پانچ دنوں کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا، ایک عید الفطر کے دن کا، اور دوسرے عید الاضحیٰ کے دن کا، اور تین دن ایامِ تشریق (یعنی گیارہ، بارہ، تیرہ ذی الحجہ) کا (ترجمہ ختم)

اور بعض روایتوں میں عید کے دن سمیت ایامِ تشریق (یعنی گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ) کو کھانے پینے کے دن قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد

---

[1] حدیث نمبر ۷۷۱، ابواب الصوم، باب ما جاء فی کراھیة الصوم یوم الفطر والنحر، شرکة مکتبة ومطبعة مصطفی البابی الحلبی -مصر.
قال الترمذی: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ.

[2] حدیث نمبر ۲۴۰۹، کتاب الصیام، باب طلوع الشمس بعد الافطار، مؤسسة الرسالة، بیروت، واللفظ لهٗ، مسند ابی یعلیٰ، حدیث نمبر ۲۹۱۳، وحدیث نمبر ۴۱۱۷، الحجة علی اھل المدینة، ج ۱، ص ۳۹۰، کتاب الصیام، بَاب الرجل ینسی صِيَام ثَلاثَة ایام فِی الْحَج وَقد وَجب عَلَيْهِ.
وله شواھد کثیرة فلایضر الضعف فی بعض الاسناد .

مروی ہے کہ:

وَهِيَ أَيَّامُ أَكْلٍ وَّشُرْبٍ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: اور یہ کھانے اور پینے کے دن ہیں (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَلَا وَإِنَّ هٰذِهِ الْأَيَّامَ أَيَّامُ أَكْلٍ وَّشُرْبٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (ابوداؤد) [2]

ترجمہ: خبردار ہوجاؤ، یہ دن کھانے پینے اور اللہ عزوجل کے ذکر کے دن ہیں (ترجمہ ختم)

ملحوظ رہے کہ بعض روایات میں عرفہ (نو ذی الحجہ) کے دن کو بھی کھانے پینے کا دن قرار دیا گیا ہے، اور اس دن میں روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے، تو اس بارے میں سمجھ لینا چاہیے کہ یہ حکم حجاجِ کرام کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ وہ اپنے حج کے اعمال میں مشغول ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے انہیں عرفہ کے دن یعنی نو ذی الحجہ کو روزہ رکھنے کی وجہ سے اپنے حج کے اعمال ومناسک انجام دینے میں مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔

جہاں تک غیر حجاجِ کرام کا معاملہ ہے، تو ان کے لئے نو ذی الحجہ کو روزہ رکھنے میں کوئی حرج

---

[1] حدیث نمبر ۷۷۳، ابواب الصوم، باب ما جاء فی كراهية الصوم فی أيام التشريق، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابی الحلبی -مصر.

قال الترمذی: وَفِي البَابِ عَنْ عَلِيٍّ، وَسَعْدٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَجَابِرٍ، وَنُبَيْشَةَ، وَبِشْرِ بْنِ سُحَيْمٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ حُذَافَةَ، وَأَنَسٍ، وَحَمْزَةَ بْنِ عَمْرٍو الأَسْلَمِيِّ، وَكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، وَعَائِشَةَ، وَعَمْرِو بْنِ العَاصِ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو :.وَحَدِيثُ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ: يَكْرَهُونَ الصِّيَامَ أَيَّامَ التَّشْرِيقِ.

[2] حديث نمبر ۲۸۱۳، كتاب الضحايا، باب فی حبس لحوم الأضاحی، المكتبة العصرية، بيروت.

قال الالبانی:

قلت :إسناده صحيح على شرط مسلم، وكذا قال الحاكم، ووافقه الذهبی، وصححه الترمذی وابن خزيمة وابن حبان والحاكم والذهبی(صحيح ابی داوٗد، تحت حديث رقم ۲۰۹۰)

نہیں، بلکہ عظیم ثواب ہے۔ ؎[1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَإِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ الْفِطْرِ سُمِّيَتْ تِلْكَ اللَّيْلَةُ لَيْلَةَ الْجَائِزَةِ، فَإِذَا كَانَتْ غَدَاةَ الْفِطْرِ يَبْعَثُ اللهُ الْمَلَائِكَةَ فِيْ كُلِّ بِلَادٍ فَيَهْبِطُوْنَ إِلَى الْأَرْضِ فَيَقُوْمُوْنَ عَلٰى أَفْوَاهِ السِّكَكِ، فَيُنَادُوْنَ بِصَوْتٍ يَسْمَعُ مَنْ خَلَقَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا الْجِنَّ وَالْإِنْسَ فَيَقُوْلُوْنَ :يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ، اُخْرُجُوْا إِلٰى رَبٍّ كَرِيْمٍ يُعْطِي الْجَزِيْلَ، وَيَعْفُوْ عَنِ الذَّنْبِ الْعَظِيْمِ، فَإِذَا بَرَزُوْا

---

[1] حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا حَوْشَبُ بْنُ عُقَيْلٍ، عَنْ مَهْدِيٍّ الْهَجَرِيِّ، حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ، قَالَ :كُنَّا عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ، فِي بَيْتِهِ فَحَدَّثَنَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ بِعَرَفَةَ(ابوداؤد، حدیث نمبر ۲۴۴۰)

(وعن أبي هريرة أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -نهى) أي نهي تنزيه (عن صوم يوم عرفة بعرفة) أي في عرفات لئلا يضعف عن الدعاء ولئلا يسيء خلقه مع الرفقاء ، وفي معناه من يكون مثله، ولو من أهل الحضر، قال ابن الملك :وليس هذا نهي تحريم، روى عن عائشة أنها كانت تصوم، وقال عطاء :أصومه في الشتاء ولا أصومه في الصيف (رواه أبو داود) وقال الحاكم :إنه على شرط البخاري، وأقره الذهبي وصححه ابن خزيمة(مرقاة، ج۴ص۱۴۲۴، باب صيام التطوع)

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ، إِنِّي أَحْتَسِبُ عَلَى اللَّهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ :.حَدِيثُ أَبِي قَتَادَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَقَدِ اسْتَحَبَّ أَهْلُ العِلْمِ صِيَامَ يَوْمِ عَرَفَةَ، إِلَّا بِعَرَفَةَ(ترمذی، حدیث نمبر ۷۴۹)

وقد جاء تسمية عيدا من حديث مرفوع خرجه أهل السنن من حديث عقبة بن عامر، عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال " :يوم عرفة ويوم النحر وأيام التشريق عيدنا أهل الإسلام، وهي أيام أكل وشرب "

وقد أشكل وجهه على كثير من العلماء ؛ لأنه يدل على أن يوم عرفة يوم عيد لا يصام، كما روى ذلك عن بعض المتقدمين، وحمله بعضهم على أهل الموقف وهو الأصح لأنه اليوم الذي فيه أعظم مجامعهم ومواقفهم بخلاف أهل الأمصار فإن اجتماعهم يوم النحر، وأما أيام التشريق فيشارك أهل الأمصار أهل الموسم فيها؛ لأنها أيام ضحاياهم وأكلهم من نسكهم .هذا قول جمهور العلماء .
وقال عطاء :إنما هي أعياد لأهل الموسم، فلا ينهى أهل الأمصار عن صيامها .وقول الجمهور أصح (فتح الباری لابنِ رجب، ج ۱ ص ۱۷۳)

لِمُصَلَّاهُمْ، يَقُوْلُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ لِلْمَلَائِكَةِ :مَا جَزَاءُ الْأَجِيْرِ إِذَا عَمِلَ عَمَلَهُ ؟ قال:فَتَقُولُ الْمَلَائِكَةُ :إِلٰهَنَا وَسَيِّدَنَا جَزَاؤُهُ أَنْ تُوَفِّيَهُ أَجْرَهُ، قَالَ :فَيَقُوْلُ :فَإِنِّي أُشْهِدُكُمْ يَا مَلَائِكَتِيْ أَنِّي قَدْ جَعَلْتُ ثَوَابَهُمْ مِنْ صِيَامِهِمْ شَهْرَ رَمَضَانَ وَقِيَامَهُ رِضَائِيْ وَمَغْفِرَتِيْ، وَيَقُوْلُ :يَا عِبَادِيْ، سَلُوْنِيْ فَوَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَا تَسْأَلُوْنِيْ الْيَوْمَ شَيْئًا فِيْ جَمْعِكُمْ لِآخِرَتِكُمْ إِلَّا أَعْطَيْتُكُمْ، وَلَا لِدُنْيَاكُمْ إِلَّا نَظَرْتُ لَكُمْ فَوَعِزَّتِيْ لَأَسْتُرَنَّ عَلَيْكُمْ عَثَرَاتِكُمْ مَا رَاقَبْتُمُوْنِيْ، فَوَعِزَّتِيْ لَا أُخْزِيْكُمْ وَلَا أَفْضَحُكُمْ بَيْنَ يَدَيْ أَصْحَابِ الْحُدُوْدِ، انْصَرِفُوْا مَغْفُوْرًا لَكُمْ قَدْ أَرْضَيْتُمُوْنِيْ وَرَضِيْتُ عَنْكُمْ، فَتَفْرَحُ الْمَلَائِكَةُ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِمَا يُعْطِي اللهُ عَزَّ وَجَلَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ إِذَا أَفْطَرُوْا مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ (شعب الإيمان للبيهقي) [1]

ترجمہ: پھر جب عیدُ الفطر کی رات ہوتی ہے تو اس کا نام (آسمانوں پر) لیلۃُ الجائزہ (یعنی انعام کی رات) رکھا جاتا ہے، اور جب عید کی صبح ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو تمام شہروں میں بھیجتے ہیں وہ زمین پر اُتر کر تمام گلیوں (راستوں) کے سروں پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور ایسی آواز سے جس کو جنات وانسان کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے پکارتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس کریم رب کی (بارگاہ) کی جانب چلو جو بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے اور بڑے سے بڑے قصور کو معاف فرمانے والا ہے پھر جب لوگ عیدگاہ (یعنی عید کی نماز پڑھنے

---

[1] حدیث نمبر ۳۶۹۵، کتاب الصیام ،التماس لیلة القدر فی الوتر من العشر الأواخر من شهر رمضان، مکتبة الرشد للنشر والتوزیع بالریاض،واللفظ لهٗ،فضائل الاوقات للبیهقی حدیث نمبر ۱۰۷ ،تاریخ مدینة دمشق، تحت ترجمة، محمد بن الحسن بن أحمد بن الصباح بن عبد الحمید أبو بکر المعروف بابن أبی الذیال الثقفی الأصبهانی الجواربی الزاهد.

والے مقام) کی طرف نکلتے ہیں تو اللہ عزوجل فرشتوں سے دریافت فرماتے ہیں کیا بدلہ ہے اس مزدور کا جو اپنا کام پورا کر چکا ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ ہمارے معبود اور ہمارے مالک! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی مزدوری پوری پوری دے دی جائے، تو اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ ان کو رمضان کے روزوں اور اس کے قیام (یعنی تراویح) کے بدلہ میں اپنی رضا اور مغفرت عطا کردی، اور بندوں سے خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے بندو! مجھ سے مانگو، میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم! آج کے دن اپنے اس اجتماع میں مجھ سے اپنی آخرت کے بارے میں جو سوال کرو گے عطا کروں گا اور دنیا کے بارے میں جو سوال کرو گے اس میں تمہاری مصلحت پر نظر کروں گا، میری عزت کی قسم! کہ جب تک تم میرا (یعنی میرے احکام کا) خیال رکھو گے میں تمہاری لغزشوں کی ستاری کرتا رہوں گا (اور ان کو چھپاتا رہوں گا) میری عزت کی قسم اور میرے جلال کی قسم! میں تمہیں مجرموں (اور کافروں) کے سامنے رسوا اور فضیحت نہیں کروں گا، بس اب بخشے بخشائے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ، تم نے مجھے راضی کردیا اور میں تم سے راضی ہوگیا، پس فرشتے اس اجر وثواب کو دیکھ کر جو اس امت کو رمضان کے مہینے کے افطار (یعنی عیدُ الفطر) کے دن ملتا ہے خوشیاں مناتے ہیں اور کِھل جاتے ہیں (ترجمہ ختم)

(اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ)

اس حدیث کا مضمون تھوڑے بہت فرق کے ساتھ مختلف سندوں سے مروی ہے، اور بعض سندوں میں اگرچہ ضعف پایا جاتا ہے، لیکن مجموعی طور پر فی نفسہٖ قابلِ اعتبار ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ بیہقی کی سند درجِ ذیل ہے:

أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، أخبرنا أَبُو الْحُسَيْنِ عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَلِيِّ بْنِ مُكْرَمٍ الْبَزَّارُ، بِبَغْدَادَ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ يُوسُفَ الْقَزْوِينِيُّ، حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ الْحَكَمِ الْعُرَنِيُّ، حَدَّثَنَا هِشَامُ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت عبیداللہ بن محصن انصاری رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا كَانَ يَوْمُ الْفِطْرِ وَقَفَتِ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

بْنُ الْوَلِيدِ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سُلَيْمَانَ السَّدُوسِيِّ، شَيْخٍ لَنَا يُكَنَّى أَبَا الْحَسَنِ، عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ مُزَاحِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ(شعب الإيمان،رقم حديث ۳۶۹۵،فضائل الاوقات للبيهقي رقم حديث۱۰۷)

اور ابنِ عساکر کی سند درج ذیل ہے:

أخبرنا أبو الحسن الفرضي حدثنا عبد العزيز بن أحمد حدثنا الحسن بن علي بن إبراهيم حدثنا عمر بن داود الأنطرطوسي حدثنا أبو بكر محمد بن الحسن بن أبي الذيال الأصبهاني المعروف بالجواربي حدثنا أبو عبد الله محمد بن إسحاق الشعار حدثنا سلمة ابن شبيب حدثنا القاسم بن الحكم حدثنا هشام بن الوليد حدثنا حماد بن سليمان السدوسي عن الضحاك بن مزاحم عن عبد الله بن عباس انه سمع النبي (صلى الله عليه وسلم)(تاريخ مدينة دمشق، تحت ترجمة، محمد بن الحسن بن أحمد بن الصباح بن عبد الحميد أبو بكر المعروف بابن أبي الذيال الثقفي الأصبهاني الجواربي الزاهد)

امام منذری رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

رواه الشيخ بن حبان في كتاب الثواب،والبيهقي واللفظ له وليس في اسناده من اجمع على ضعفه(الترغيب والترهيب ج ۲ ص ۶۱تا۶۲)

مگر بیہقی کی مندرجہ بالا حدیث کو ابن جوزی نے غیر صحیح کہا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

وهذا حديث لا يصح قال يحيى بن سعيد الضحاك عندنا ضعيف وقال أبوحاتم الرازي والقاسم بن الحكم مجهول وقال أبن حبان لا يجوز الإحتجاج بالعلاء بن عمرو(العلل المتناهية ج۲ص۵۳۵ تحت حديث رقم ۸۸۰)

لیکن اولاً تو ابن جوزی جرح کے معاملے میں متشدد شمار کئے جاتے ہیں، جو جارح کی جرح کے معتبر ہونے کے لئے مانع ہے، دوسرے جن وجوہات کی بنا پر انہوں نے اس حدیث کو غیر صحیح قرار دیا ہے وہ بھی واقعہ کے مطابق نہیں چنانچہ اس حدیث میں ضحاک بن مزاحم ہیں، جن کو متعدد حضرات نے ثقہ اور صدوق قرار دیا ہے، لیکن ساتھ ہی مدلس بھی قرار دیا ہے جو کہ ہمارے نزدیک مضر نہیں، اور ابنِ جوزی کا قاسم بن حکم کو مجہول قرار دینا بھی صحیح نہیں، کیونکہ ان کو متعدد حضرات نے ثقہ قرار دیا ہے، اور رہا علاء بن عمر کا معاملہ تو وہ اس روایت میں موجود نہیں ہیں۔

البتہ اس قسم کی دوسری روایت میں ہیں، جو اس وقت ہمارے زیرِ بحث نہیں۔

قال الذهبي:

(الضحاك بن مزاحم) الهلالي، أبو محمد، وقيل أبو القاسم، صاحب التفسير.

كان من أوعية العلم، وليس بالمجود لحديثه، وهو صدوق في نفسه، وكان له أخوان :

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

الْمَلَائِكَةُ فِيْ أَفْوَاهِ الطُّرُقِ، فَيُنَادُوْنَ: يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ، اُغْدُوْا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

محمد ومسلم، وكان يكون ببلخ وبسمرقند .(سير اعلام النبلاء تحت ترجمة نمبر ۲۳۸، ج۴ص۵۹۸)

وقال ابن حبان :

الضحاك بن مزاحم الهلالي من بني هلال بن عامر بن صعصعة كنيته أبو القاسم وقد قيل أبو محمد لقي جماعة من التابعين ولم يشافه أحدا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ومن زعم أنه لقي بن عباس فقد وهم(ثقات ابن حبان ، ج۶ص ۴۸۰)

وقال المزي:

قال عبد الله بن أحمد بن حنبل ، عن أبيه :ثقة ، مأمون.وقال أبو بكر بن أبي خيثمة عن يحيى بن معين ، وأبو زرعة ثقة.قال زيد بن الحباب ، عن سفيان الثوري :خذوا التفسير من أربعة :سعيد بن جبير ، ومجاهد ، وعكرمة ، والضحاك.(تهذيب الكمال؛ ج۱۳ ص ۲۹۱،تحت رقم الترجمة ۲۹۲۸)

وقال ابن حجر:

وقال العجلي ثقة وليس بتابعي قال الدارقطني ثقة(تهذيب التهذيب ج۴ص۳۹۷، تحت رقم الترجمة ۷۹۴)

وقال الصفدي:

وثقه أحمد بن حنبل وابن معين، وضعفه يحيى القطان وغيره، واحتج به النسائي وغيره وكان مدلساً(الوافي بالوفيات؛تحت ترجمة الضحاك بن مزاحم)

وقال ابن حجر في تقريب التهذيب:

القاسم بن الحكم بن كثير العرني بضم المهملة وفتح الراء بعدها نون أبو أحمد الكوفي قاضي همذان صدوق فيه لين من التاسعة مات سنة ثمان ومائتين(تقريب التهذيب، ج۲ص۱۸)

وقال في تهذيب التهذيب:

وقال عبدالله بن علي بن الجارود حدثنا أبو صالح أحمد ابن خلف قال حدثنا القاسم بن الحكم وسألت أحمد ويحيى وأبا خيثمة وخلف بن سالم ومحمد بن عبدالله بن نمير عنه فقالوا ثقة وقال النسائي ثقة وقال أبو زرعة صدوق وقال أبو حاتم محله الصدق يكتب حديثه ولا يحتج به وذكره ابن حبان في الثقات وقال مستقيم الحديث (تهذيب التهذيب، ج۸ص ۲۸۰،تحت رقم الترجمة ۵۶۵)

بہرحال اس حدیث کو زیادہ سے زیادہ ضعیف کہا جاسکتا ہے، اور موضوع کہنا مشکل ہے، اور اس حدیث کے مضامین کی تائید دوسری روایات سے ہوتی ہے، اور فضائل کے باب میں کسی قدر ضعف قابلِ تحمل ہوتا ہے، جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

إِلٰى رَبٍّ رَّحِيمٍ، يَمُنُّ بِالْخَيْرِ وَيُثِيْبُ عَلَيْهِ الْجَزِيْلَ، أَمَرَكُمْ بِصِيَامِ النَّهَارِ، فَصُمْتُمْ وَأَطَعْتُمْ رَبَّكُمْ، فَاقْبَضُوْا جَوَائِزَكُمْ، فَإِذَا صَلَّوْا الْعِيْدَ نَادٰى مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ اِرْجِعُوْا إِلٰى مَنَازِلِكُمْ رَاشِدِيْنَ، فَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ، وَيُسَمّٰى ذٰلِكَ الْيَوْمُ يَوْمَ الْجَائِزَةِ (معرفة الصحابة ،لابی نعیم حدیث نمبر ۷۱۷۴،باب الیاء من باب العین،دار الوطن للنشر -الریاض)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عیدالفطر کا دن ہوتا ہے، تو فرشتے راستوں کے منہ (سروں وکناروں) پر کھڑے ہوجاتے ہیں، پھر وہ یہ آواز لگاتے ہیں کہ اے مسلمانو کی جماعت! ربِ رحیم کی (عبادت کی) طرف جلدی چلو، جو خیر کے کاموں پر انعام واحسان فرمائیں گے، اوراس پر پائیدار اجر وثواب عطا فرمائیں گے، تمہیں دن میں روزوں کا حکم دیا گیا، تو تم نے روزہ رکھا، اوراپنے رب کی اطاعت کی، لہٰذا تم اپنے انعامات کو حاصل کرو، پھر جب مسلمان عید کی نماز پڑھ لیتے ہیں، تو آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ اپنے گھروں کی طرف ہدایت یافتہ ہوکر لوٹ جاؤ، اللہ نے تمہارے گناہوں کو معاف فرمادیا، اوراس دن کا نام یوم الجائزہ (یعنی انعام کا دن) رکھا جاتا ہے (ترجمہ ختم)

اس حدیث کا مضمون بھی پہلی حدیث کے مطابق ہے۔ [۱]

---

[۱] اس حدیث کی سند درج ذیل ہے:

حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ، مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْغِطْرِيفِيُّ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ طَاهِرِ بْنِ أَبِي الدُّمَيْكِ، ثنا سُلَيْمَانُ بْنُ الْفَضْلِ الزُّهْرِيُّ، ثنا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي شُمَيْلَةَ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ :

اوراس حدیث کی سند کے راویوں کا حال بالترتیب درجِ ذیل ہے۔

(۱)...... الغطريفی أبو أحمد محمد بن أحمد بن حسين،الإمام، الحافظ، المجود، الرحال، مسند وقته، أبو أحمد محمد بن أحمد بن حسين بن القاسم بن السری بن الغطريف بن الجهم العبدی، الغطريفی الجرجانی، الرباطی، الغازی.........وكان مع علمه وحفظه صواما قواما متعبدا، صنف (الصحيح على المسانيد)، وعمر دهرا .حدث عنه:أبو نعيم الحافظ، وحمزة السهمی، ورضی بن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورحضرت سعید بن اوس انصاری اپنے والدحضرت اوس بن ثابت انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا كَانَ غَدَاةُ الْفِطْرِ ، وَقَفَتِ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

إسحاق النصرى، وأبو العلاء السرى بن إسماعيل بن الإمام الإسماعيلى، والقاضى أبو الطيب الطبرى، وآخرون(سير اعلام النبلاء ج۱۶ ص ۳۵۴، ۳۵۵)

(۲)...... محمد بن طاهر بن خالد بن البخترى، أبو العباس المعروف بابن أبى الدميك .
سمع عبد الله بن محمد بن عائشة، وإبراهيم بن زياد سبلان، وعلى بن المدينى، وسليمان بن الفضل الزيدى .روى عنه :جعفر بن محمد الخالدى، وعبد العزيز بن جعفر الخرقى، وعمر بن نوح البجلى، ومخلد بن جعفر، ومحمد بن المظفر، وكان ثقة.
أخبرنا على بن محمد بن عبد الله المعدل، أخبرنا جعفر بن محمد بن نصير، حدثنا أبو العباس محمد بن طاهر بن أبى الدميك، حدثنا سليمان بن الفضل الزيدى، حدثنا عبد الله بن المبارك، عن همام، عن قتادة، عن أنس :أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :من حسن عبادة المرء حسن ظنه .بلغنى أن ابن أبى الدميك مات فى يوم الثلاثاء لسبع خلون من جمادى الآخرة سنة خمس وثلاثمائة(تاريخ بغداد ج۲ ص ۴۵۳)

(۳)...... سليمان بن الفضل الزيدى ليس بمستقيم الحديث(الكامل لابنِ عدى، ج۳ص ۲۹۱)

(۴)...... مروان بن معاوية بن الحارث الفزارى(ع)ابن عثمان بن أسماء بن خارجة بن حصن بن حذيفة بن بدر، الإمام، الحافظ، الثقة، أبو عبد الله الفزارى، الكوفى، ثم الدمشقى......روى :أبو بكر الأسدى، عن أحمد بن حنبل، قال :ثبت، حافظ .وروى :أبو داود، عن أحمد، قال :ما كان أحفظه ! كان يحفظ حديثه،وروى :عثمان الدارمى، عن يحيى :ثقة.وكذا وثقه :النسائى، وغير واحد .وقال على بن المدينى :ثقة فيما روى عن المعروفين، وضعفه فيما روى عن المجهولين .قلت :إنما الضعف من قبلهم، كان يروى عن كل ضرب، وقد كان سفيان الثورى مع جلالته يفعل كذلك .وقال على بن الحسين بن الجنيد :قال ابن نمير :كان مروان يلتقط الشيوخ من السكك.وقال العجلى :ثقة، ثبت، ما حدث عن المعروفين، وما حدث عن المجهولين ففيه ما فيه، وليس بشىء .وقال أبو حاتم :صدوق، لا يدفع عن صدق، وتكثر روايته عن الشيوخ المجهولين(سيراعلام النبلاء ج۹ ص ۵۱ تا ۵۳ ملخصاً)

(۵)...... عبد الرحمن بن أبى شميلة الأَنْصارِىّ المدنى القبائى ،رَوَى عَن :سَعِيد الصراف (صد) ، وسلمة بن عُبَيد الله بن محصن الأَنْصارِىّ الخطمى (بخ ت ق)رَوَى عَنه :حماد بن زيد (صد) ، ومروان بن معاوية الفزارى (بخ ت ق)قال على بن المدينى :لا أعلم أحدًا روى عنه غيرهما .وَقَال عَباس الدُّورِيُّ عن يحيى بن مَعِين :مشهور.وَقَال أبو حاتم : مشهور برواية حماد بن زيد عنه.وذكره ابنُ حِبَّان فى كتاب "الثقات"روى له البخارى فى كتاب"الأدب "، وأبو داود فى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

الْمَلَائِكَةُ فِي أَفْوَاهِ الطُّرُقِ، فَنَادَوْا: يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ اُغْدُوْا إِلٰى رَبٍّ رَّحِيمٍ يَمُنُّ بِالْخَيْرِ، وَيُثِيبُ عَلَيْهِ الْجَزِيْلَ، أُمِرْتُمْ بِصِيَامِ النَّهَارِ فَصُمْتُمْ، وَأَطَعْتُمْ رَبَّكُمْ، فَاقْبِضُوْا جَوَائِزَكُمْ، فَإِذَا صَلَّوُا الْعِيْدَ نَادٰى مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ: اِرْجِعُوْا إِلٰى مَنَازِلِكُمْ رَاشِدِيْنَ، قَدْ غَفَرْتُ ذُنُوْبَكُمْ كُلَّهَا، وَيُسَمّٰى ذٰلِكَ الْيَوْمُ فِي السَّمَاءِ يَوْمَ الْجَائِزَةِ (المعجم الكبير للطبراني) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عید الفطر کی صبح ہوتی ہے تو فرشتے راستوں کے سروں پر کھڑے ہوجاتے ہیں، پھر پکارتے ہیں کہ اے مسلمانو کی جماعت! صبح سویرے اپنے ربِّ کریم کی طرف چلو، جو تمہارے اوپر خیر اور بھلائی کے عظیم احسانات فرمائیں گے، اور پھر اس پر لامحدود اور پائیدار ثواب بخشیں گے، تمہیں (رمضان کے) دنوں میں روزوں کا حکم دیا گیا، تو تم نے روزہ رکھا اور اپنے رب کی اطاعت کی، لہٰذا تم اپنے انعامات کو حاصل کرو، اور جب بندے عید کی نماز پڑھ کر فارغ ہوتے ہیں تو آسمان سے ایک پکارنے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

"فضائل الانصار"، والتِّرمِذِيّ، وابن ماجة، وقد كتبنا حديثيه في ترجمة شيخيه (تهذيب الكمال ج۱۷ ص۱۷۵، ۱۷۶)

(۶)...... سلمة بن عَبد الله، ويُقال: ابن عُبَيد الله بن محصن الأَنصارِيّ الخطمي المدني روى عن: أبيه (بخ ت ق) ويُقال: له صحبة. رَوَى عَنه: عبد الرحمن بن أَبي شميلة الأَنصارِيّ (بخ ت ق) ذكره ابن حبان في كتاب "الثقات" روى له البخاري في كتاب "الأدب"، والتِّرمِذِيّ، وابن ماجة حديثًا واحدًا (تهذيب الكمال ج۱۱ ص۲۹۶)

اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کی سند میں سلیمان بن فضل، ابنِ عدی کے بقول ضعیف ہیں، اور یہ حدیث فی نفسہٖ ضعیف ہے، جو دوسری سندوں کے ساتھ مل کر قابلِ تحسین ہوسکتی ہے، بالخصوص جبکہ فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث بھی اپنی شرائط کے ساتھ قابلِ قبول ہوتی ہے، جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ محمد رضوان۔

[1] حديث نمبر ۶۱۸، مكتبة ابنِ تيمية، القاهرة، واللفظ لهٗ، وحديث نمبر ۶۱۷، معرفه الصحابة لابی نعيم، حديث نمبر ۹۹۴، وحديث نمبر ۹۹۵، وحديث نمبر ۹۹۶.

والا پکارتا ہے کہ تم اپنے گھروں کی طرف ہدایت یافتہ ہو کر لوٹ جاؤ، بے شک تمہارے رب نے تمہارے سب (صغیرہ) گناہ معاف فرمادیئے، اور اس دن کا نام آسمان میں ''یومُ الجائزۃ'' (یعنی انعام والا دن) رکھا جاتا ہے (ترجمہ ختم)

حضرت اوس بن ثابت کی یہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے، اور گزشتہ روایات اس کی مؤید ہیں، اور یہ مسئلہ بابُ الفضائل سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے بعض راویوں پر محدثین کا کلام نقصان دہ نہیں ہے۔ [1]

---

[1] معجم کبیر طبرانی کی ایک سند میں عمرو بن شمر اور جابر جعفی ہیں، جن کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔
قال المنذری:

رواه الطبرانی فی الکبیر من روایة جابر الجعفی وتقدم فی الصیام ما یشهد له(الترغیب والترهیب، ج۲ص۹۸)

وقال الهیثمی:

رواه الطبرانی فی الکبیر وفیه جابر الجعفی وثقه الثوری وروی عنه هووشعبة وضعفه الناس وهومتروک (مجمع الزوائد ج۲ رقم ۳۲۲۵ ابواب العیدین ،باب فضل یوم العید)

اور معجم کبیر طبرانی کی دوسری سند، اور معرفۃ الصحابہ کی سند میں مسلم بن سالم، یا سَلم بن سالم ہیں، جن پر محدثین نے جرح فرمائی ہے، لیکن ابنِ عدی نے ان کے بارے میں ''لابأس بہ'' فرمایا ہے، مگر معرفۃ الصحابہ کی دوسری سند میں یہ راوی موجود نہیں ہیں۔

سلم بن سالم البلخی الزاهد............ قال ابن عدی :أرجو أنه لا بأس به(میزان الاعتدال، ج۲ص۱۸۵، تحت رقم الترجمة، ۳۳۷۱)

اور سعید بن اوس اور ان کے والد اوس بن ثابت کو بعض حضرات کا مجہول سمجھنا درست نہیں، جیسا کہ جناب ناصر الدین البانی صاحب نے سلسلۃ الضعیفہ میں سعید بن اوس کے بارے میں فرمایا ہے، کہ ان پر کلام نہیں ملا۔

ومدار الطریقین علی سعید بن أوس الأنصاری ، ولم أجد من ترجمه (سلسلة الأحادیث الضعیفة للالبانی، تحت حدیث رقم ۵۴۷۰)

علامہ ذہبی اور امام مزی، اور ابنِ ابی حاتم کا ان پر کلام درجِ ذیل ہے۔

البتہ اس روایت کو مرسل قرار دیا جاسکتا ہے۔

أبو زید الأنصاری سعید بن أوس *(د، ت)الإمام، العلامة، حجة العرب، أبو زید سعید بن أوس بن ثابت بن بشیر ابن صاحب رسول الله -صلی الله علیه وسلم -أبی زید الأنصاری، البصری، النحوی، صاحب التصانیف......قال ابن أبی حاتم :سمعت أبی یجمل القول فیه، ویرفع شأنه، ویقول :هو صدوق.وقال صالح جزرة :ثقة(سیراعلام النبلاء ج۹ص۴۹۴، ۴۹۵ملخصاً)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک لمبی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

فَإِذَا اسْتَهَلَّ شَهْرُ شَوَّالٍ نُودِيَ الْمُؤْمِنُونَ: أَنِ اغْدُوْا إِلٰى جَوَائِزِكُمْ، فَإِنَّهُ يَوْمُ جَائِزَةٍ، فَأَقَلُّ مَا يُجَازٰى بِهِ الرَّجُلُ أَنْ يُكْتَبَ لَهُ أَلْفُ أَلْفُ حَسَنَةٍ، وَيُمْحٰى عَنْهُ أَلْفُ أَلْفُ سَيِّئَةٍ (مجلس من امالی ابن فنجویه فی فضل رمضان، حدیث نمبر ۴)

ترجمہ: پھر جب شوال کا چاند نظر آتا ہے، تو مومنوں کو ندا دی جاتی ہے کہ تم اپنے انعامات حاصل کرنے کی طرف صبح صبح چلو، کیونکہ یہ انعام کا دن ہے، پس سب سے کم آدمی کو جو انعام دیا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ ہزار ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اور ہزار ہزار برائیاں معاف کی جاتی ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوجعفر سے ایک لمبی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

حَتّٰى إِذَا كَانَ يَوْمُ الْفِطْرِ نَادٰى مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ، الْيَوْمُ يَوْمُ الْجَائِزَةِ، فَاغْدُوْا فَبَادِرُوْا خُذُوْا جَوَائِزَكُمْ (فضائل رمضان لابنِ ابی الدنیا) [1]

ترجمہ: یہاں تک کہ جب عیدالفطر کا دن ہوتا ہے، تو آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ یہ دن انعام کا دن ہے، پس تم صبح سویرے نکلو، اور جلدی کرو، اپنے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

د ت :سَعِيد بن أوس بن ثابت بن بشير بن أَبي زيد ، أبو زيد الأَنصارِيّ ، النحوى ، البَصْرِيّ ......
قال الحسين بن الحسن الرازى ، عن يحيى بن مَعِين :كان صدوقا .وَقَال صالح بن محمد البغدادى :ثقة .وَقَال عبد الرحمن بن أَبي حاتم :سمعت أبي يجمل القول فيه ويرفع شأنه ويقول :هو صدوق .(تهذيب الكمال ج١٠ ص٣٣٠تا ٣٣١ ملخصاً)

اوس بن ثابت الانصارى والد ابى زيد النحوى روى عن حكيم بن عقال القرشى روى عنه شعبة وحماد بن سلمة سمعت ابى يقول ذلك .حدثنا عبد الرحمن قال ذكره ابى عن اسحاق بن منصور عن يحيى بن معين انه قال :اوس بن ثابت الانصارى ثقة(الجرح والتعديل،لا بن أبي حاتم، تحت رقم الترجمة، ١١٣٨)

[1] ص ٤٦، حديث نمبر ٢٠،دار السلف، الرياض -السعودية.

انعامات کو حاصل کرو (ترجمہ ختم)

عید کے دن اور عید کی نماز کے کتنے عظیم الشان فضائل ہیں، یہ فضائل اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جبکہ عید کے دن اور عید کی نماز کو شریعت کے مطابق گناہوں سے بچ کر بجالایا جائے۔

عید الفطر کا دن مسلمانوں کے لئے بڑی مسرت اور خوشی کا دن ہے اور یہ خوشی اس بناء پر ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے رمضان شریف کے روزے رکھنے کی توفیق بخشی اور شب میں تراویح ادا کرنے اور اس میں کلام الٰہی پڑھنے اور سننے کی سعادت عطا فرمائی۔

عید کے دن میں ایک طرف انسانی نفسیات کے تقاضے (خوشی منانے) کی رعایت ہے، اور ساتھ ساتھ اس کے مقرر کرنے اور اس کو منانے کے انداز میں بہت سے عملی سبق بھی ہیں۔

عید کا دن مسلمانوں کے لئے عیسائیوں، یہودیوں یا دوسری قوموں کے تہواروں کی طرح کا صرف ایک تہوار نہیں، بلکہ یہ دن مسلمانوں کی عبادت کا دن بھی ہے اور خوشی کا دن بھی، ان خوشیوں کا افتتاح ایک خاص شان کی عبادت عید کی نماز سے کیا جاتا ہے، جسے تمام مسلمان مل کر اپنے رب کے سامنے ایک ساتھ ادا کرتے ہیں مسلمانوں کی یہ اجتماعی عبادت جہاں اللہ تعالیٰ کے حضور شکرانے کے طور پر ادا کی جاتی ہے وہاں یہ عبادت اسلامی بھائی چارے کا بھی سبق دیتی ہے کہ تمام مسلمان رنگ ونسل سے بالاتر ہو کر علاقائیت، قومیت اور تعصُّب کے تصورات کو چھوڑ کر ایک صف میں شانہ بشانہ اپنے ربّ کریم کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں عید کے دن مسلمانوں کا یہ عظیمُ الشّان اجتماع اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ مسلمان ایک قوم ہیں ان کے اندر رنگ ونسل اور علاقائیت وقومیت کی کوئی تفریق نہیں اور تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔

قوموں کے تہوار دراصل ان کے عقائد وتصورات اور ان کی تاریخ وروایات کے ترجمان اور ان کے قومی مزاج کے آئینہ دار ہوتے ہیں، اس لئے ظاہر ہے کہ اسلام سے پہلے اپنی جاہلیت کے دور میں اہلِ مدینہ جو دو تہوار مناتے تھے وہ جاہلی مزاج وتصورات اور جاہلی

روایات ہی کے آئینہ دار ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ حدیث کے صریح الفاظ کے مطابق خود اللہ تعالیٰ نے ان پرانے تہواروں کو ختم کرا کے ان کی جگہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ دو تہوار اس امت کے لئے مقرر فرما دیئے جو اس کے توحیدی مزاج اور اصولِ حیات کے عین مطابق اور اس کی تاریخ وروایات اور عقائد وتصورات کے پوری طرح آئینہ دار ہیں۔

کاش اگر مسلمان اپنے ان تہواروں ہی کو صحیح طور پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت وتعلیم کے مطابق منائیں تو اسلام کی روح اور اس کے پیغام کو سمجھنے سمجھانے کے لئے صرف یہ دو تہوار ہی کافی ہو سکتے ہیں۔

پھر عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے یہ دو دن ایسے وقت پر مقرر کئے گئے جن میں پوری امت ایک ایسی اجتماعی عبادت مکمل کر کے فارغ ہوتی ہے جو سال میں ایک ایک بار ہی انجام دی جاتی ہے۔

> عید الفطر رمضان المبارک کے ختم ہونے پر یکم شوال کو منائی جاتی ہے، جب مسلمان رمضان المبارک میں نہ صرف روزوں کی تکمیل کرتے ہیں، بلکہ اس مقدس مہینے کے ایک تربیتی دَور سے گذر کر اپنی روحانیت کو تازگی بخشتے ہیں۔
>
> رمضانُ المبارک دینی وروحانی حیثیت سے سال کے بارہ مہینوں میں سب سے مبارک مہینہ ہے۔ اسی مہینہ میں لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر قرآن مجید نازل ہوا، اسی پورے مہینے کے روزے امتِ مسلمہ پر فرض کئے گئے، اس کی راتوں میں مستقل نمازِ تراویح کا اضافہ کیا گیا اور ہر طرح کی نیکیوں میں اضافہ کی ترغیب دی گئی، الغرض یہ پورا مہینہ خواہشات کی قربانی اور مجاہدہ کا اور ہر طرح کی طاعات وعبادات کی کثرت کا مہینہ قرار دیا گیا۔
>
> ظاہر ہے کہ اس مہینہ کے خاتمہ پر جو دن آئے ایمانی اور روحانی برکتوں کے لحاظ

سے وہی سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کو اس امت کے جشن ومسرت کا دن اور تہوار بنایا جائے، چنانچہ اسی دن کو عید الفطر قرار دیا گیا۔

اور عید الاضحیٰ اس وقت منائی جاتی ہے جب ایک دوسری سالانہ عبادت یعنی حج کی تکمیل ہوتی ہے اور لاکھوں مسلمان عرفات کے میدان میں اپنے پروردگار سے مغفرت کی دعائیں اور توبہ کر کے ایک نئی زندگی کا آغاز کر چکے ہوتے ہیں اور جو لوگ براہِ راست حج میں شریک نہیں ہوسکے وہ قربانی کی عبادت انجام دیتے ہیں۔

۱۰/ ذی الحجہ وہ مبارک تاریخی دن ہے جس میں امتِ مسلمہ کے مؤسس ومورثِ اعلیٰ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی دانست میں اللہ تعالیٰ کا حکم واشارہ پا کر اپنے لختِ جگر سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو ان کی رضا مندی سے قربانی کے لئے اللہ کے حضور میں پیش کر کے اور ان کے گلے پر چھری رکھ کر اپنی سچی وفاداری اور کامل تسلیم ورضا کا ثبوت دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے محبت وجانثاری اور قربانی کے اس امتحان میں ان کو کامیاب قرار دے کر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو زندہ سلامت رکھ کر ان کی جگہ ایک جانور کی قربانی قبول فرمائی تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سر پر ’’اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ‘‘ کا تاج رکھ دیا تھا، اور ان کی اس ادا کی نقل کو قیامت تک کے لئے نمونہ قرار دیا تھا۔

پس اگر کوئی دن کسی عظیم تاریخی واقعہ کی یادگار کی حیثیت سے تہوار قرار دیا جاسکتا ہے تو اس امتِ مسلمہ کے لئے جو ملتِ ابراہیمی کی وارث اور اسوۂ خلیلی کی نمائندہ ہے ۱۰/ ذی الحجہ کے دن کے مقابلے میں کوئی دوسرا دن اس کا مستحق نہیں ہوسکتا، اس لئے دوسری عید ۱۰/ ذی الحجہ کو قرار دی گئی جس ’’وَادِیْ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ ‘‘ (بیابان جنگل) میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا یہ واقعہ پیش آیا تھا اسی

وادی میں پورے عالمِ اسلام کا حج کا سالانہ اجتماع اور اس کے مناسک قربانی وغیرہ اس واقعہ کی گویا اصل اور اول درجے کی یادگار ہیں، اور ہر اسلامی شہر اور بستی میں عید الاضحیٰ کی تقریبات نماز اور قربانی وغیرہ بھی اسی کی گویا نقل اور دوم درجہ کی یادگار ہیں۔

بہر حال ان دونوں دِنوں (یعنی یکم شوال اور دس ذی الحجہ) کی ان خصوصیات کی وجہ سے ان کو یوم العید اور امتِ مسلمہ کا تہوار قرار دیا گیا ہے۔

عید کے دن اللہ پاک کی مہمانی کے دن ہیں۔ اسی وجہ سے ان دنوں میں روزہ رکھنا حرام اور کھانا پینا عبادت ہے۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مہمان کو میزبان کی طرف سے جو جو سہولیات دی جائیں، ان سے فائدہ اُٹھانا چاہیے، اور جو اُصول ٹھہرنے اور کھانے پینے وغیرہ کے مقرر کیے جائیں، اُن کی پابندی کرنی چاہیے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اپنی میزبانی کے دِنوں میں صحیح مہمان بننے اور باری تعالیٰ کے دربار کے آداب بجالانے کی توفیق عطا فرمائیں؛ اور ہر ایسے طرزِ عمل سے بچائیں جو اللہ تعالیٰ کے مہمان بننے کے آداب کے خلاف ہے۔ آمین۔

p

عید کے دن مسنون ومستحب اعمال

عید کا دن چونکہ عبادت اور خوشی کے مجموعے کا دن ہے، اس لیے شریعت کی طرف سے اس دن ایسے کام عبادت قرار دیے گئے ہیں جو ان دونوں عناصر کو شامل ہوں؛ یعنی ان میں عبادت کا پہلو بھی ہو، اور خوشی ومسرت کا پہلو بھی ہو۔

چنانچہ احادیث وروایات سے چند اعمال کا سنت ومستحب ہونا معلوم ہوتا ہے، جن کا خلاصہ یہ ہے:

(۱)......عید کی رات میں حسبِ توفیق نفلی عبادت وذکر کرنا، اور بطورِ خاص گناہوں سے بچنا۔

(۲)......عید کے دن صبح کو سویرے اُٹھنا، اور فجر کی نماز اپنے وقت پر ادا کرنا، اور مرد حضرات کو فجر کی نماز مسجد میں باجماعت پڑھنا۔

(۳)......شریعت کے موافق طہارت و نظافت اور صفائی ستھرائی اور زیب وزینت اختیار کرنا۔

(۴)...... خوب اہتمام کے ساتھ میل کچیل دور کرکے غسل کرنا۔

(۵)......خاص اہتمام کے ساتھ مرد وعورت سب کو مسواک کرنا۔

(۶)...... فاضل (یعنی زیرِ ناف وبغلوں اور مونچھوں کے) بال اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کے ناخن وغیرہ کاٹنا۔

(۷)...... پاک وصاف عمدہ لباس جو میسر ہو پہننا۔

(۸)......خوشبو لگانا (مگر خواتین تیز خوشبو لگانے سے پرہیز کریں)

(۹)......صدقۂ فطر ادا نہ کیا ہو، تو عید کی نماز سے پہلے پہلے ادا کر دینا۔

(۱۰)......عید کی نماز کے لئے جلدی پہنچنا۔

(۱۱)......کوئی عذر نہ ہو تو عید کی نماز ادا کرنے کے لیے پیدل جانا۔

(۱۲)......کوئی عذر نہ ہو تو عید کی نماز، عید گاہ میں ادا کرنا۔

(۱۳)......عید کی نماز کے لیے جاتے ہوئے راستے میں تکبیر کہنا، اور تکبیر ان الفاظ میں کہنا بہتر ہے:

”اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ“

(۱۴)......عید الفطر کی نماز کے لئے جانے سے پہلے کچھ کھالینا۔

(۱۵)...... جس راستہ سے عید کی نماز کے لئے جائیں اس کے علاوہ سے واپس آنا۔

(۱۶)......اپنی وسعت وحیثیت کے مطابق صحیح مستحقین ومساکین کو صدقہ کرنا۔

(۱۷)......حسبِ حیثیت اپنے اہل وعیال اور گھر والوں کی ضروریات (لباس، اور کھانے پینے وغیرہ) میں وسعت وفراخی کرنا۔

(۱۸)......گھر والوں، عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا۔

آگے ان امور کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

(۱)......عید کی رات میں حسبِ توفیق نفلی عبادت کرنا

عید کی رات میں حسبِ توفیق نفلی عبادت وذکر کرنا، اور بطورِ خاص گناہوں سے بچنا سنت ومستحب ہے۔

(جس کی تفصیل ”شبِ عید یعنی چاند رات کے فضائل واحکام“ کے ذیل میں گزر چکی ہے)

(۲)......صبح سویرے اُٹھنا اور فجر کی نماز وقت پر ادا کرنا

عید کے دن صبح کو سویرے اُٹھنا چاہیے، اور فجر کی نماز اپنے وقت پر ادا کرنی چاہیے، اور مرد حضرات کو فجر کی نماز مسجد میں باجماعت پڑھنی چاہیے۔

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

کیونکہ عید کا دن عبادت کا دن ہے، اور اس دن کا آغاز عبادت کے ساتھ ہونا چاہیے۔

صحابۂ کرام کے حالات میں بھی یہ چیز ملتی ہے۔

بلکہ کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تو فجر کی نماز سے پہلے ہی تیاری کر کے فجر کی نماز کے لیے مسجد میں پہنچ جاتے تھے، اور فجر کی نماز کے بعد وہیں سے ہی عید گاہ تشریف لے جاتے تھے۔

چنانچہ حضرت یزید بن ابی عبید فرماتے ہیں کہ:

خَرَجْتُ أَقُوْدُ سَلَمَةَ بْنَ الْأَكْوَعِ يَوْمَ عِيْدٍ فَشَهِدَ صَلَاةَ الصُّبْحِ مَعَ الْإِمَامِ فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، ثُمَّ خَرَجْنَا إِلَى الْمُصَلّٰى (أحكام العيدين للفريابى) [1]

ترجمہ: میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے پیچھے عید کے دن نکلا، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں فجر کی نماز میں امام کے ساتھ شریک ہوئے، پھر ہم عید گاہ کی طرف نکلے (ترجمہ ختم)

اور حضرت محمد بن زیاد فرماتے ہیں کہ:

رَأَيْتُ أَبَا أُمَامَةَ الْبَاهِلِيَّ وَرِجَالاً مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا صَلَّوُا الْفَجْرَ فِى الْعِيْدَيْنِ مَعَ الْجَمَاعَةِ، فَسَلَّمَ الْإِمَامُ، عَجَّلُوا الْخُرُوْجَ حَتّٰى يَقْعُدُوْا قَرِيْبًا مِّنَ الْمِنْبَرِ (أحكام العيدين للفريابى) [2]

ترجمہ: میں نے حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ جب وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن جماعت کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ لیتے تھے، تو وہ (عید کی نماز کے لئے) جلدی نکلا کرتے تھے، تا کہ منبر (یعنی امام) کے قریب بیٹھیں (ترجمہ ختم)

---

[1] حديث نمبر ٣٣، باب وقت الخروج الى العيدين، مكتبة العلوم والحكم -المدينة المنورة.

[2] حديث نمبر ٢٨، باب وقت الخروج الى العيدين، مكتبة العلوم والحكم -المدينة المنورة، واللفظ لهٗ، شرح السنة، تحت حديث رقم ١١٠٣.

اور حضرت نافع سے روایت ہے کہ:

كَانَ ابْنُ عُمَرَ يُصَلِّي الصُّبْحَ فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ يَغْدُوْ كَمَا هُوَ إِلَى الْمُصَلّٰى (مصنف ابن أبي شيبة) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں فجر کی نماز پڑھتے تھے، پھر اسی حال میں عیدگاہ کی طرف نکل پڑتے تھے (ترجمہ ختم)

لہٰذا عید کے دن صبح سویرے اُٹھنا چاہیے، اور فجر کی نماز اپنے وقت پر اور مرد حضرات کو باجماعت ادا کرنی چاہیے۔ [2]

(۳)......طہارت ونظافت اور زیب وزینت اختیار کرنا

عید کے دن شریعت کے موافق طہارت ونظافت اور صفائی ستھرائی اور زیب وزینت اختیار کرنا سنت ومستحب ہے، کیونکہ شریعت کی طرف سے عید کے دن کے ساتھ صفائی ستھرائی کا بھی خاص تعلق ہے۔

اور اسی وجہ سے جمعے کے دن بھی اس قسم کے بہت سے کام سنت ومستحب ہیں۔

چنانچہ حضرت ابن ُالسباق سے مرسلاً روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ هٰذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عِيْدًا لِلْمُسْلِمِيْنَ فَاغْتَسِلُوْا وَمَنْ كَانَ عِنْدَهٗ طِيْبٌ فَلَا يَضُرُّهٗ اَنْ يَّمُسَّ مِنْهُ وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ (مؤطا امام محمد) [3]

---

[1] حديث نمبر ٥٦٥٦، كتاب الصلاة، باب السَّاعَةُ الَّتِي يَتَوَجَّهُ فِيهَا إِلَى الْعِيدِ ، أَيُّ سَاعَةٍ هِيَ ؟

[2] بعض اہلِ علم حضرات نے عید کے دن فجر کی نماز کو اپنے محلے کی مسجد میں پڑھنا مستحب قرار دیا ہے، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محلّہ کی قید، عیدگاہ سے احتراز کرنے کے لیے ہے، کہ کہیں تبکیر کی فضیلت کو حاصل کرنے کے لیے لوگ فجر کی نماز بھی عیدگاہ میں جا کر نہ پڑھنے لگیں، جو کہ شریعت کی نظر میں پسندیدہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد رضوان۔

ومن المندوبات صلاة الصبح فی مسجد حية (رد المحتار ج۲ ص ۱۶۹ ،باب العيدين)

[3] رقم حديث ۵۹، باب الاغتسال يوم الجمعة، دار القلم، دمشق، واللفظ لهٗ؛ موطا امام مالک، حديث نمبر ۲۱۳.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ تعالیٰ نے اس دن کو مسلمانوں کے لئے عید بنا دیا ہے لہٰذا تم (اس دن) غسل کرو اور جس کو خوشبو (عطر) میسّر ہو تو اس کو بھی استعمال کرے اور تم مسواک کا بھی اہتمام کرو (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اِنَّ هٰـذَا يَوْمُ عِيْدٍ جَعَلَهُ اللّٰهُ لِلْمُسْلِمِيْنَ فَمَنْ جَاءَ اِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ وَاِنْ كَانَ طِيْبٌ فَلْيَمَسَّ مِنْهُ وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ (ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اس دن کو مسلمانوں کے لئے عید بنا دیا ہے لہٰذا جو جمعہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال البيهقى:

هذاهوالصحيح مرسل، ولايصح وصله(السنن الكبرىٰ للبيهقى ج۳ص ۳۴۵، تحت حديث رقم ۵۹۵۹)

قال احمد هذامرسل(معرفة السنن والآثار ج۴ص ۴۱۲،باب الهيئة للجمعة)

وقال الهيثميى:

رواه مسدد والبيهقى مرسلا بسند رجاله ثقات ،رواه البيهقى مرفوعا من حديث ابى هريرة ومن حديث انس وقال الصحيح انه مرسل (اتحاف الخيرة المهمرة،ج۲ص ۲۷٦،كتاب الجمعة، باب الزينة والطيب والسواك يوم الجمعة)

وقال ابن عبدالبر:

ابن السباق هذا عبيد روى عنه ابن شهاب وابنه سعيد بن عبيد بن اسباق وهو من ثقات التابعين ومن اشرافهم من بنى عبدالدار بن قصى (التمهيد لابن عبدالبر ، ج ۱۱ ص ۲۰۹،باب الميم)

[1] حديث نمبر ۱۰۹۸،كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فى الزينة يوم الجمعة، واللفظ لهٗ،معجم اوسط للطبرانى حديث نمبر ۷۳۵۵.

قال المنذرى:

رواه ابن ماجه بإسناد حسن وستأتى أحاديث تدل لهذا الباب فيما يأتى من الأبواب إن شاء الله تعالى (الترغيب والترهيب، تحت حديث نمبر ۱۰۵۸، كتاب الجمعة، الترغيب فى صلاة الجمعة والسعى إليها وما جاء فى فضل يومها وساعتها)

(وعید) کی نماز کے لئے آئے تو اسے چاہئے کہ غسل کرے اور اگر خوشبو (عطر) میسر ہو تو اس کو بھی استعمال کرے اور تم مسواک کا بھی اہتمام کرو (ترجمہ ختم)

یہ حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعے کو عید کا دن قرار دیا ہے، کیونکہ عید اور جمعے کے کئی احکام مشترک اور ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔

چنانچہ عیدُ الفطر اور عیدُ الاضحیٰ کے دنوں میں دو رکعت اجتماعی انداز میں بڑے بڑے مجمعوں کے ساتھ ادا کی جاتی ہے، اسی طرح جمعہ کی نماز بھی ادا کی جاتی ہے۔

اور عیدین کی نماز دو رکعت ہے، اسی طرح جمعہ کی نماز بھی دو رکعت فرض ہے۔

اور عیدین کی نماز کے ساتھ خطبہ پڑھا جاتا ہے، اسی طرح جمعہ کی نماز کے ساتھ بھی خطبہ پڑھا جاتا ہے (پہلے اور بعد کے فرق کے ساتھ)

اور عیدین کی نماز شہروں اور قصبات میں ادا کی جاتی ہے، دیہات اور عام گاؤں میں عیدین کی نماز کا حکم نہیں، یہی حکم جمعہ کی نماز کا بھی ہے۔

اور عیدین کی نماز کے لئے جلدی جانا سنت ہے، اسی طرح جمعہ کی نماز کے لئے بھی جلدی جانا سنت ہے۔

اور عیدین کی نماز پڑھنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور مغفرت

---

[1] عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي جُمُعَةٍ مِنَ الْجُمَعِ مَعَاشِرَ الْمُسْلِمِينَ إِنَّ هَذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللَّهُ لَكُمْ عِيدًا فَاغْتَسِلُوا وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ لَمْ يَرْوِهِ عَنْ مَالِكٍ إِلَّا يَزِيدُ بْنُ سَعِيدٍ وَمَعْنُ بْنُ عِيسَى (المعجم الصغير للطبرانی، حديث نمبر ۳۵۸)

عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِي مَنْ، لَا أَتَّهِمُ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي جُمُعَةٍ مِنَ الْجُمَعِ :يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ إِنَّ هَذَا يَوْمَ عِيدٍ، جَعَلَهُ اللَّهُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ، فَاغْتَسِلُوا بِالْمَاءِ، وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ طِيبٌ فَلَا يَضُرُّهُ أَنْ يَمَسَّ مِنْهُ، وَعَلَيْكُمْ بِهَذَا السِّوَاكِ (مسند الشاميين للطبرانی، حديث نمبر ۱۸۲۴)

اور مختلف انعامات عطا کئے جانے کا ذکر ہے، اسی طرح جمعہ کی نماز پڑھنے والوں کے لئے بھی ہے، اور جمعہ کے دن بھی بے شمار لوگوں کی مغفرت ہوتی ہے۔

اور عیدین کی راتیں مبارک راتیں ہیں، اسی طرح جمعہ کی رات بھی مبارک رات ہے۔

اور عیدین کے دنوں میں غسل کرنا، مسواک کرنا اور اچھا لباس پہننا، صفائی ستھرائی اختیار کرنا اور فاضل بال وناخن وغیرہ کاٹنا سنت ومستحب ہے، اسی طرح جمعہ کے دن بھی یہ اعمال سنت ومستحب ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعے کے دن غسل اور مسواک اور خوشبو کا حکم فرماتے وقت اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ عید کا دن ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ جمعے کا دن جزوی اعتبار سے عید کا دن ہے۔

جس سے عید کے دن بدرجۂ اولیٰ ان چیزوں کا شریعت کی طرف سے حکم ہونا ثابت ہوا۔ [۱]

---

[۱] قولہ هذا يوم جعله الله عيدا يقتضى ظاهره أنه شرع فيه الغسل لأنه عيد وهذا يدخل فيه كل ما يقع عليه هذا الاسم فى الحكم وذلك أن الأعياد مشروع فيها التجمل والمباهاة والنظافة من أفضل التجمل (المنتقىٰ شرح الموطا، تحت حديث رقم ١٣١، كتاب الطهارة، باب ماجاء فى السواک)

ومن روى عنه الغسل للعيد -أيضا -من الصحابة :على بن أبى طالب، وابن عباس، وسلمة بن الأكوع، والسائب بن يزيد .وقال ابن المسيب :هو سنة الفطر .وروى مالک، عن الزهرى، عن عبيد بن السباق، أن رسول الله -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -قال فى جمعة من الجمع(يا معشر المسلمين، إن هذا اليوم جعله الله عيدا، فاغتسلوا، ومن كان عنده طيب فلا يضره أن يمس منه، وعليكم بالسواک) . وهذا تنبيه على أن ذلک مأمور به فى كل عيد للمسلمين (فتح البارى لابن رجب، ج٨ص٤١٦، أبواب العيدين، باب فى العيدين والتجمل فيهما)

ثم يستحب لصلاة العيد ما يستحب للجمعة من الاغتسال والاستياک والتطيب ولبس احسن الثياب والتكبير الى المصلى لانه يوم اجتماع للعبادة كالجمعة فيستحب التنظيف واظهار النعمة والمسارعة وذكر السروجى على الجواهرى قال يغتسل بعد الفجر فان فعلهٗ قبلهٗ اجزأه ويتطيب بازالة الشعر وقلم الاظفار ومس الطيب وقال المالكية والشافعية يستوى فى ذالک الذاهب الى الصلاة والقاعد لانهم يوم الزينة بخلاف الجمعة قال السروجى وهٰذا صحيح (حلبى كبير صفحه ٥٦٦،فصل فى صلاة العيد)

(۴)......اہتمام کے ساتھ غسل کرنا

عید کے دن خوب اہتمام کے ساتھ میل کچیل دور کر کے غسل کرنا سنت ومستحب ہے۔

چنانچہ حضرت زاذان سے روایت ہے کہ:

سَأَلَ رَجُلٌ عَلِيًّا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ عَنِ الْغُسْلِ؟ فَقَالَ اِغْتَسِلْ كُلَّ يَوْمٍ اِنْ شِئْتَ فَقَالَ اَلْغُسْلُ الَّذِیْ هُوَ الْغُسْلُ، قَالَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَوْمَ عَرَفَةَ وَيَوْمَ النَّحْرِ وَيَوْمَ الْفِطْرِ (مسند الشافعی) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے غسل کے بارے میں سوال کیا؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ اگر آپ چاہیں تو ہر دن غسل کر سکتے ہیں (یعنی ہر روز غسل کرنا جائز ہے) پھر اس نے کہا کہ جو غسل کہ (شریعت کی نظر میں ثواب والا) غسل ہے (میں اس غسل کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن، اور عید الاضحیٰ کے دن اور عید الفطر کے دن (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ان الفاظ میں مروی ہے کہ:

اَلْغُسْلُ يَوْمَ الْأَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ (مصنف ابن أبی شیبة) [2]

ترجمہ: عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن غسل (ثواب) ہے (ترجمہ ختم)

معلوم ہوا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کرنا سنت ومستحب ہے۔ [3]

اور حضرت محمد بن علی بن حسین سے روایت ہے کہ:

---

[1] حدیث نمبر ۹۸۸، باب غسل یوم عرفة ویوم النحر، شرکة غراس للنشر والتوزیع، الکویت.
قال الالبانی: وسنده صحیح (ارواء الغلیل، تحت حدیث رقم ۱۴۶)

[2] کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۵۸۲۲، فی الْغُسْلِ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ.

[3] (کان یغتسل یوم الجمعة ویوم الفطر ویوم النحر ویوم عرفة) فیه أنه یندب الاغتسال فی هذه الأیام ولهذه الأربعة وعلیه الإجماع (فیض القدیر للمناوی، تحت حدیث رقم ۷۱۱۷)

أَنَّ عَلِيًّا كَانَ يَغْتَسِلُ يَوْمَ الْعِيْدَيْنِ وَيَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَوْمَ عَرَفَةَ وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُّحْرِمَ (مسند الشافعی) [۱]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن، اور جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن اور احرام شروع کرنے کا ارادہ کرتے وقت غسل کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت نافع سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ؛ أَنَّهُ كَانَ يَغْتَسِلُ فِي الْعِيْدَيْنِ (مصنف ابن أبي شيبة) [۲]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ؛ أَنَّهُ كَانَ يَغْتَسِلُ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ أَنْ يَّغْدُوَ (موطأ امام محمد) [۳]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن صبح نکلنے سے پہلے غسل کیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اَلْغُسْلُ يَوْمَ الْعِيْدِ حَسَنٌ وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ وَهُوَ قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ (موطأ امام محمد) [۴]

ترجمہ: جمعہ کے دن غسل کرنا مستحسن عمل ہے، واجب نہیں ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے (ترجمہ ختم)

---

[۱] حديث نمبر ۷۸۵، ج۲ص ۱۸۲، باب الغسل والطيب للاحرام .

[۲] حديث نمبر ۵۸۲۵، وحديث نمبر ۵۸۲۳، كتاب الصلاة، في الْغُسْلِ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ.

[۳] حديث نمبر ۷۰، ابواب الصلاة، باب الاغتسال يوم العيدين، واللفظ لهٗ، دار القلم، دمشق؛ احكام العيدين للفريابي، روايت نمبر ۱۳ .

[۴] حديث نمبر ۷۰، ابواب الصلاة، باب الاغتسال يوم العيد، دار القلم، دمشق .

اور جلیل القدر تابعی حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ:

كَانُوا يَسْتَحِبُّونَ أَنْ يَغْتَسِلُوا يَوْمَ الْأَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ (مصنف ابن أبی شيبة) [1]

ترجمہ: صحابۂ کرام عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن غسل کرنے کو مستحب (وپسندیدہ عمل) قرار دیتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابراہیم تیمی اپنے والد حضرت یزید بن شریک کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

أَنَّهُ كَانَ يَسْتَحِبُّ الْغُسْلَ لِلْجُمُعَةِ وَالْعِيدَيْنِ (مُصنف ابن أبی شيبة) [2]

ترجمہ: حضرت یزید بن شریک جمعہ اور عیدین کے دن غسل کو مستحب (وباعثِ ثواب) قرار دیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

حضرت یزید بن شریک صحابۂ کرام کے شاگردوں میں سے ہیں۔ [3]

اور حضرت سعید بن مسیّب کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

اَلْإِغْتِسَالُ يَوْمَ الْأَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ حَقٌّ (مُصنف ابن أبی شيبة، حديث نمبر ۵۸۲۹، كتاب الصلاة، فی الْغُسْلِ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ)

ترجمہ: عیدُ الاضحیٰ اور عیدُ الفطر کے دن (عید الفطر کی نماز کے لیے) نکلنے سے پہلے غسل کرنا حق ہے (ترجمہ ختم)

حق ہونے سے مراد سنت ومستحب ہونا ہے۔

---

[1] حديث نمبر ۵۸۲۸، كتاب الصلاة، فی الْغُسْلِ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ.

[2] حديث نمبر ۵۸۳۲، كتاب الصلاة، فی الْغُسْلِ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ.

[3] يزيد بن شَرِيك بن طارق التَّيْمِيّ، تيم الرباب الكوفی، والد إبراهيم التَّيْمِيّ. رَوَى عَن: حذيفة بن اليمان (م)، وأبی معمر عَبد الله بن سخبرة الأزدی، وعَبد الله بن مسعود، وعلي بن أَبي طالب (خ م د ت س)، وعُمَر بن الخطاب (بخ)، وأبی ذر الغفاری (ع)، وأبی مسعود الأَنْصارِيّ (م د ت. (رَوَى عَنه: ابنه إبراهيم التَّيْمِيّ (ع)، وإبراهيم النخعی، وجواب التَّيْمِيّ (ر عس)، والحكم بن عتيبة (س)، وهمام بن عَبد الله التَّيْمِيّ: الكوفيون. قال إسحاق بن منصور، عن يحيى بن مَعِين: ثقة. وذكره ابنُ حِبَّان فی كتاب "الثقات" روى له الجماعة (تهذيب الكمال، جزء ۳۲، صفحه ۱۶۰)

اس کے علاوہ دیگر صحابہ وتابعین اور جلیل القدر محدثین سے بھی اسی قسم کی روایات مروی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کرنا سنت و مستحب عمل ہے۔ [۱]

اصل میں تو عید کے دن غسل کرنا سنت ہے، اور اس کو مستحب اس معنیٰ میں کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ واجب یا تاکیدی درجے کی سنت نہیں۔ [۲]

---

[۱] أخبرنا إبراهيم بن محمد بن أبي يحيى الأسلمي أخبرني يزيد بن أبي عبيد مولى سلمة بن الأكوع عن سلمة بن الأكوع أنه كان يغتسل يوم العيد (مسند الشافعي، روایت نمبر ۴۷۲)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ :اغْتَسَلَ فِي الْعِيدَيْنِ (مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ۵۸۲۴، في الْغُسْلِ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ)

عَنْ أَبِي بَكْرٍ ؛ أَنَّ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللهِ كَانَ يَغْتَسِلُ لِلْعِيدِ (مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ۵۸۳۰، في الْغُسْلِ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ)

عن سعيد بن المسيب أنه قال : سنة الفطر ثلاث :المشي إلى المصلى ، والأكل قبل الخروج ، والاغتسال (أحكام العيدين للفريابي، حديث نمبر ۱۷)

عَنْ يَزِيدَ ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى ، قَالَ :الْغُسْلُ يَوْمَ الأَضْحَى وَيَوْمَ الْفِطْرِ(مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ۵۸۲۱، في الْغُسْلِ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ)

عَنِ الْحَسَنِ ؛ أَنَّهُ كَانَ يَغْتَسِلُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ النَّحْرِ (مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ۵۸۲۶، في الْغُسْلِ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ)

عَنِ الْحَسَنِ ، وَمُحَمَّدٍ ؛ أَنَّهُمَا كَانَا يَغْتَسِلاَنِ يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ النَّحْرِ (مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ۵۸۲۷، في الْغُسْلِ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ)

عَنْ أَبِي بَكْرٍ ، قَالَ :سَمِعْتُ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَأْمُرُ بِالْغُسْلِ لِلْعِيدَيْنِ (مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ۵۸۳۱، في الْغُسْلِ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ)

عَنْ مُحَمَّدٍ ؛ أَنَّهُ كَانَ يَغْتَسِلُ يَوْمَ الْعِيدِ قَبْلَ أَنْ يَغْدُوَ (مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ۵۸۳۳، في الْغُسْلِ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ)

[۲] (قَوْلُهُ وَنُدِبَ يَوْمُ الْفِطْرِ إلَخْ) النَّدْبُ قَوْلُ الْبَعْضِ وَعَدَّ الْمُصَنِّفُ الْغُسْلَ سَابِقًا مِنْ السُّنَنِ وَالصَّحِيحُ أَنَّ الْكُلَّ سُنَّةٌ لِخُصُوصِ الرِّجَالِ قُهُسْتَانِيٌّ عَنْ الزَّاهِدِيِّ ط وَزَادَ فِي الْبَحْرِ عَنْ الْمُجْتَبَى وَإِنَّمَا سَمَّاهُ مُسْتَحَبًّا لِاشْتِمَالِ السُّنَّةِ عَلَى الْمُسْتَحَبِّ قَالَ نُوحٌ أَفَنْدِي وَحَاصِلُهُ تَجْوِيزُ إطْلَاقِ اسْمِ الْمُسْتَحَبِّ عَلَى السُّنَّةِ وَعَكْسُهُ وَلِهَذَا أَطْلَقَ فِي الْهِدَايَةِ اسْمَ الْمُسْتَحَبِّ عَلَى الْغُسْلِ ثُمَّ قَالَ فَيُسَنُّ فِيهِ الْغُسْلُ اهـ وَفِي الْقُهُسْتَانِيِّ أَيْضًا أَنَّ هَذِهِ الْأُمُورَ مَنْدُوبَةٌ قَبْلَ الصَّلَاةِ وَمِنْ آدَابِهَا لَا مِنْ آدَابِ الْيَوْمِ كَمَا فِي الْجَلَّابِيِّ لَكِنْ فِي التُّحْفَةِ أَنَّ فِي غُسْلِهِ اخْتِلَافَ الْجُمُعَةِ .اهـ. (ردالمحتار، جزء۲، صفحه ۱۶۸، باب العيدين، مَطْلَبٌ يُطْلَقُ الْمُسْتَحَبُّ عَلَى السُّنَّةِ وَبِالْعَكْسِ)

قلت:اختلفت عبارات المشايخ، ففي بعضها جعله مستحبا، وفي بعضها سنة والصحيح أنه سنة، وسماه مستحبا لاشتمال السنة على المستحب (البناية شرح الهداية، ج۳، ص ۱۰۰، باب صلاة العيدين)

مسئلہ:...... اگر عید اور جمعہ کا دن ایک ساتھ جمع ہو جائے یا کسی پر غسل فرض ہو تو دونوں کے لئے ایک ہی غسل کافی ہے، اور بہتر یہ ہے کہ ایک غسل میں سب کی نیت کر لی جائے، تاکہ ثواب پورا پورا حاصل ہو۔ [1]

مسئلہ:...... اس بارے میں اہلِ علم حضرات کا اختلاف ہے کہ عید کے دن غسل کرنا عید کے دن کی سنت ہے، یا عید کی نماز کی سنت ہے۔

اور بہتر یہ ہے کہ عید کا غسل صبح صادق کے بعد کیا جائے اور اس کے بعد وضو ٹوٹنے سے پہلے اسی غسل سے عید کی نماز ادا کی جائے (تاکہ عید کے دن اور عید کی نماز کے لیے سنت ہونے کے دونوں قولوں پر عمل ہو جائے)

اور جو شخص (کسی عذر یا عید کی نماز واجب نہ ہونے کی وجہ سے جیسا کہ عورت اور نابالغ بچہ) عید کی نماز ادا نہ کرے اس کو بھی غسل کر لینا بہتر ہے، کیونکہ یہ دن صفائی اور زینت کا بھی ہے

(فتاویٰ رحیمیہ مبوب، جلد ۶ صفحہ ۱۷۲، باب الجمعۃ والعیدین)

آج کل مرد حضرات تو عید کی نماز سے پہلے غسل اور شرعی طریقہ پر صفائی وغیرہ کر کے فارغ ہو جاتے ہیں، مگر خواتین اس میں کوتاہی کرتی ہیں، اور اگر کہیں آنا جانا ہوتا ہے، تو اس غرض سے غسل وصفائی کر لیتی ہیں، ورنہ نہیں کرتیں؛ حالانکہ یہ اُمور عید کے دن کی وجہ سے عبادت ہیں، کسی کو دکھانے کی غرض سے نہیں اور اگر نامحرموں کو دکھانا مقصود ہو تو یہ مستقل گناہ ہے۔ [2]

---

[1] وَيَكْفِي غُسْلٌ وَاحِدٌ لِعِيدٍ وَجُمُعَةٍ اجْتَمَعَا مَعَ جَنَابَةٍ كَمَا لِفَرْضَيْ جَنَابَةٍ وَحَيْضٍ (وَ) لِأَجْلِ (إحْرَامٍ وَ) فِي جَبَلِ (عَرَفَةَ) بَعْدَ الزَّوَالِ (الدر المختار مع شرحه ردالمحتار، جزء ۱، صفحه ۱۶۹، كتاب الطهارة، سنن الغسل)

(قَوْلُهُ :اجْتَمَعَا مَعَ جَنَابَةٍ) أَقُولُ :وَكَمَا لَوْ كَانَ مَعَهُمَا كُسُوفٌ وَاسْتِسْقَاءٌ، وَهَذَا كُلُّهُ إذَا نَوَى ذَلِكَ لِيَحْصُلَ لَهُ ثَوَابُ الْكُلِّ تَأَمَّلْ (ردالمحتار، جزء ۱، صفحه ۱۶۹، سنن الغسل)

وَلَوْ اتَّفَقَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَيَوْمُ الْعِيدِ أَوْ عَرَفَةَ وَجَامَعَ ثُمَّ اغْتَسَلَ يَنُوبُ عَنْ الْكُلِّ كَذَا فِي مِعْرَاجِ الدِّرَايَةِ (البحر الرائق، جزء ۱، صفحه ۶۸، احكام الغسل)

[2] (وَسُنَّ لِصَلَاةِ جُمُعَةٍ وَ) لِصَلَاةِ (عِيدٍ) هُوَ الصَّحِيحُ كَمَا فِي غُرَرِ الْأَذْكَارِ وَغَيْرِهِ .وَفِي الْخَانِيَّةِ لَوْ اغْتَسَلَ بَعْدَ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ لَا يُعْتَبَرُ إجْمَاعًا (الدر المختار)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:...... سنت کے مطابق غسل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک تین مرتبہ دھوئیں، اس کے بعد اپنی دونوں شرمگاہوں والے حصوں کو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(قَوْلُهُ :هُوَ الصَّحِيحُ) أَىْ كَوْنُهُ لِلصَّلَاةِ هُوَ الصَّحِيحُ، وَهُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ .ابْنُ كَمَالٍ :وَهُوَ قَوْلُ أَبِى يُوسُفَ .وَقَالَ الْحَسَنُ بْنُ زِيَادٍ :إنَّهُ لِلْيَوْمِ، وَنُسِبَ إلَى مُحَمَّدٍ وَالْخِلَافُ الْمَذْكُورُ جَارٍ فِى غُسْلِ الْعِيدِ أَيْضًا كَمَا فِى الْقُهُسْتَانِىِّ عَنْ التُّحْفَةِ، وَأَثَرُ الْخِلَافِ فِيمَنْ لَا جُمُعَةَ عَلَيْهِ لَوْ اغْتَسَلَ وَفِيمَنْ أَحْدَثَ بَعْدَ الْغُسْلِ وَصَلَّى بِالْوُضُوءِ نَالَ الْفَضْلَ عِنْدَ الْحَسَنِ لَا عِنْدَ الثَّانِى .قَالَ فِى الْكَافِى :وَكَذَا فِيمَنْ اغْتَسَلَ قَبْلَ الْفَجْرِ وَصَلَّى بِهِ يَنَالُ عِنْدَ الثَّانِى لَا عِنْدَ الْحَسَنِ؛ لِأَنَّهُ اشْتِرَاطُ إيقَاعِهِ فِيهِ إظْهَارًا لِشَرَفِهِ وَمَزِيدِ اخْتِصَاصِهِ عَنْ غَيْرِهِ كَمَا فِى النَّهْرِ، قِيلَ وَفِيمَنْ اغْتَسَلَ قَبْلَ الْغُرُوبِ .وَاسْتَظْهَرَ فِى الْبَحْرِ مَا ذَكَرَهُ الشَّارِحُ عَنْ الْخَانِيَّةِ مِنْ أَنَّهُ لَا يُعْتَبَرُ إجْمَاعًا؛ لِأَنَّ سَبَبَ مَشْرُوعِيَّتِهِ دَفْعُ حُصُولِ الْأَذَى مِنْ الرَّائِحَةِ عِنْدَ الِاجْتِمَاعِ وَالْحَسَنُ وَإِنْ قَالَ هُوَ لِلْيَوْمِ، لَكِنْ بِشَرْطِ تَقَدُّمِهِ عَلَى الصَّلَاةِ، وَلَا يَضُرُّ تَخَلُّلُ الْحَدَثِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْغُسْلِ عِنْدَهُ .وَعِنْدَ أَبِى يُوسُفَ يَضُرُّ .اهـ .وَلِسَيِّدِى عَبْدِ الْغَنِىِّ النَّابُلُسِىِّ هُنَا بَحْثٌ نَفِيسٌ ذَكَرَهُ فِى شَرْحِ هَدِيَّةِ ابْنِ الْعِمَادِ .حَاصِلُهُ أَنَّهُمْ صَرَّحُوا بِأَنَّ هَذِهِ الِاغْتِسَالَاتِ الْأَرْبَعَةَ لِلنَّظَافَةِ لَا لِلطَّهَارَةِ مَعَ أَنَّهُ لَوْ تَخَلَّلَ الْحَدَثُ تَزْدَادُ النَّظَافَةُ بِالْوُضُوءِ ثَانِيًا، وَلَئِنْ كَانَتْ لِلطَّهَارَةِ أَيْضًا فَهِىَ حَاصِلَةٌ بِالْوُضُوءِ ثَانِيًا مَعَ بَقَاءِ النَّظَافَةِ فَالْأَوْلَى عِنْدِى الْإِجْزَاءُ وَإِنْ تَخَلَّلَ الْحَدَثُ؛ لِأَنَّ مُقْتَضَى الْأَحَادِيثِ الْوَارِدَةِ فِى ذَلِكَ طَلَبُ حُصُولِ النَّظَافَةِ فَقَطْ .اهـ .أَقُولُ :وَيُؤَيِّدُهُ طَلَبُ التَّبْكِيرِ لِلصَّلَاةِ، وَهُوَ فِى السَّاعَةِ الْأُولَى أَفْضَلُ وَهِىَ إلَى طُلُوعِ الشَّمْسِ، فَرُبَّمَا يَعْسُرُ مَعَ ذَلِكَ بَقَاءُ الْوُضُوءِ إلَى وَقْتِ الصَّلَاةِ وَلَا سِيَّمَا فِى أَطْوَلِ الْأَيَّامِ، وَإِعَادَةُ الْغُسْلِ أَعْسَرُ -(وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ) (الحج:۷۸)وَرُبَّمَا أَدَّاهُ ذَلِكَ إلَى أَنْ يُصَلِّيَ حَاقِنًا وَهُوَ حَرَامٌ، وَيُؤَيِّدُهُ أَيْضًا مَا فِى الْمِعْرَاجِ :لَوْ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْخَمِيسِ أَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ اسْتَنَّ بِالسُّنَّةِ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ وَهُوَ قَطْعُ الرَّائِحَةِ اهـ .(ردالمحتار ج ۱ ص ۱۶۹، کتاب الطهارة، سنن الغسل)

ثم يستحب لصلاة العيد ما يستحب للجمعة من الاغتسال والاستياک والتطيب ولبس احسن الثياب والتكبير الى المصلى لانه يوم اجتماع للعبادة كالجمعة فيستحب التنظيف واظهار النعمة والمسارعة وذكر السروجى على الجواهرى قال يغتسل بعد الفجر فان فعلهٔ قبلهٔ اجزأه ويتطيب بازالة الشعر وقلم الاظفار ومس الطيب وقال المالكية والشافعية يستوى فى ذالک الذاهب الى الصلاة والقاعد لانهم يوم الزينة بخلاف الجمعة قال السروجى وهٰذا صحيح (حلبى كبير صفحه ۵۶۲ ،فصل فى صلاة العيد)

قوله " :وتقدم أنه للصلاة "ذكر السرخسى عن الجواهر يغتسل بعد الفجر فإن فعل قبله أجزأه ويستوى فى ذلک الذاهب إلى الصلاة والقاعد لأنه يوم زينة واجتماع بخلاف الجمعة قال السروجى وهذا صحيح وبه قالت المالكية والشافعية كما فى الحلبى واختار فى الدرر أيضا كون الغسل والنظافة فيه لليوم فقط وعلله فى النهر بأن السرور فيه عام فيندب فيه التنظيف لكل قادر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دھوئیں (اگرچہ ان پر بظاہر کوئی ناپاکی نہ لگی ہو) اس کے بعد اگر بدن پر کہیں ناپاکی لگی ہو تو اس کو دھوئیں، اور اس کے بعد سنت کے مطابق پورا وضو کریں (اگر اُس نہانے والی جگہ پر نیچے جہاں پاؤں موجود ہیں، پانی جمع ہے تو پیروں کو بعد میں اُس جگہ سے ہٹ کر دھوئیں) اس کے بعد سر پر پانی ڈالیں، پھر جسم کے دائیں حصے پر اور اس کے بعد بائیں حصے پر پانی ڈالیں، اور اس عمل کو تین مرتبہ دہرائیں، تاکہ تین مرتبہ پورے جسم پر پانی بہہ جائے۔

ویسے جس طرح بھی پورے جسم پر پانی بہالیا جائے، اور کلّی کرلی جائے اور ناک میں پانی ڈال لیا جائے، تو غسل کے فرائض ادا ہوجاتے ہیں، مگر اس میں سنت کے مطابق غسل کرنے کا ثواب نہیں ملتا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

علیہ صلی أم لا اھ وفی السید عن الأنھر الأصح أنہ سنة وسماہ مندوبا بالاشتمال السنة علیہ (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، جزء ۱، صفحہ ۵۲۹، باب الجمعة)

وَنُدِبَ أحیاء لَیْلَتِهِ وَغُسْلٌ بَعْدَ الصُّبحِ وَتَطَیُّبٌ وَتَزَیُّنٌ وَإِنْ لِغَیْرِ مُصَلٍّ وَمَشْیٌ فی ذَهَابِهِ وَفِطْرٌ قَبْلَهُ فی الْفِطْرِ وَتَأْخِیرُهُ فی النَّحْرِ (الفواکه الدوانی، جزء ۱، صفحہ ۲۷۵، بَابٌ فی الْكَلَامِ علی صَلَاةِ الْعِیدَیْنِ)

قوله :(وسن غسل للعیدین) ولو لغیر ممیز فیغسله ولیه ، کما قیل به فی غسل إسلام الکافر الصغیر تبعا لأبیه .

قوله :(لأنه یوم زینة) مقتضاه أنه یطلب من الحائض والنفساء کما فی غسل الإحرام ، وهو کذلک اھ (حاشیة البجیرمی علی الخطیب، جزء ۲ صفحہ ۲۲۲، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة العیدین)

ووقت الغسل بعد طلوع الفجر فی ظاهر کلام الخرقی لقوله فاذا اصبحوا تطهروا قال القاضی والآمدی ان اغتسل قبل الفجر لم یصب سنة الاغتسال لانه غسل الصلاة فی الیوم فلم یجز قبل الفجر کغسل الجمعة وقال ابن عقیل المنصوص عن احمد انه قبل الفجر وبعده لان زمن العید اضیق من وقت الجمعة فلو وقف علی الفجر ربما فات ولان المقصود منه التنظیف وذلک یحصل بالغسل فی اللیل لقربه من الصلاة والافضل ان یکون بعد الفجر لیخرج من الخلاف ویکون ابلغ فی النظافةلقربه من الصلاة وقول الخرقی : تطهر والم یخص به الغسل بل هو ظاهر فی الوضوء وهو غیر مختص بما بعد الفجر (المغنی لابن قدامه ج ۲ ص ۲۲۹)

(۵)......مسواک کرنا

عید کا دن چونکہ ذکر وعبادت اور صفائی ونظافت کا بھی دن ہے، اور مسواک عبادت اور صفائی ونظافت کا ذریعہ ہے۔

اس لیے عید کے دن خاص اہتمام کے ساتھ مسواک کرنا سنت ومستحب ہے، اور مسواک خواتین کے لیے بھی سنت ہے۔ [۱]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

اَلسِّوَاکُ مِطْهَرَةٌ لِلْفَمِ، وَمَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ (سنن نسائی) [۲]

ترجمہ: مسواک منہ کی صفائی اور رب تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ ہے (ترجمہ ختم)

اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اِسْتَاكُوْا وَتَنَظَّفُوْا (مصنف ابنِ ابی شیبة) [۳]

ترجمہ: مسواک کرو، اور نظافت وصفائی حاصل کرو (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ هٰذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللّٰهُ لَكُمْ عِيدًا فَاغْتَسِلُوْا وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ (المعجم الصغير للطبرانی) [۴]

---

[۱] ويستحب يوم الفطر للرجل الاغتسال والسواک ولبس أحسن ثيابه، كذا فی القنية جديدا كان أو غسيلا، كذا فی محيط السرخسی(الفتاویٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۴۹ ، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر فی صلاة العيدين)

[۲] حديث نمبر ۵، كتاب الطهارة، باب الترغيب فی السواک،مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب،واللفظ لهٗ، مسند احمد، حديث نمبر ۲۴۲۰۳ .

فی حاشية مسند احمد:حديث صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن (تحت حديث نمبر ۲۴۲۰۳)

[۳] حديث نمبر ۱۸۱۷ ، كتاب الطهارة،باب فی أی ساعة يستحب السواک ؟ المعجم الاوسط للطبرانی حديث نمبر ۷۴۴۲.

[۴] حديث نمبر ۳۵۸،مكتبة ابنِ تيمية، القاهرة، واللفظ لهٗ، معجم ابن المقرى، حديث نمبر ۳۹۰.

قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط والصغير، ورجاله ثقات(مجمع الزوائد، ج ۲ ص ۱۷۳)

ترجمہ: اس دن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے عید بنا دیا ہے، لہٰذا تم غسل کرو اور تم مسواک کا بھی اہتمام کرو (ترجمہ ختم)

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ فِي السِّوَاكِ يَوْمَ الْعِيدِ كَهَيْئَتِهِ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ (مصنف عبد الرزاق)[1]

ترجمہ: عید کے دن کی ایک سنت مسواک کرنا بھی ہے، جس طرح سے کہ جمعہ کے دن مسواک کرنا سنت ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

اَلسِّوَاكُ فِي يَوْمِ الْعِيدِ سُنَّةٌ (مصنف عبد الرزاق)[2]

ترجمہ: عید کے دن مسواک کرنا سنت ہے (ترجمہ ختم)

لہٰذا عید کے دن مرد وعورت سب کو اور خاص طور پر مرد حضرات کو عید کی نماز سے پہلے مسواک کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اور مسواک کی سنت ادا کرنے کے لیے اگر مسواک موجود نہ ہو تو عید کا دن آنے سے پہلے ہی اس کا انتظام کر لینا چاہیے۔

(۶)......فاضل بال وناخن کاٹنا

عید کا دن چونکہ صفائی ونظافت کا بھی دن ہے (جیسا کہ پہلے گزرا) اس لیے عید کے دن فاضل (یعنی زیرِ ناف وبغلوں اور مونچھوں کے) بال اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کے ناخن وغیرہ کاٹنا بھی سنت ومستحب عمل ہے۔

---

[1] حدیث نمبر ۵۷۴۵، کتاب صلاۃ العیدین، باب الاستنان، المکتب الاسلامی، بیروت.

[2] حدیث نمبر ۵۷۴۴، کتاب صلاۃ العیدین، باب الاستنان، المکتب الاسلامی، بیروت.

کیونکہ یہ چیزیں بھی شرعاً صفائی ونظافت میں داخل ہیں۔ [1]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ أُمِرْتُ بِيَوْمِ الْأَضْحٰى عِيْدًا جَعَلَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ، فَقَالَ الرَّجُلُ أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ أَجِدْ إِلَّا مَنِيْحَةً أُنْثٰى أَفَأُضَحِّيْ بِهَا؟ قَالَ لَا، وَلٰكِنْ تَأْخُذُ مِنْ شَعْرِکَ، وَتُقَلِّمُ أَظْفَارَکَ، وَتَقُصُّ شَارِبَکَ، وَتَحْلِقُ عَانَتَکَ، فَذٰلِکَ تَمَامُ أُضْحِيَّتِکَ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (سنن نسائی) [2]

---

[1] ویتطیب بازالة الشعر وقلم الاظفار ومس الطیب وقال المالکیة والشافعیة یستوی فی ذالک الذاهب الی الصلاة والقاعد لانهم یوم الزینة بخلاف الجمعة قال السروجی وهٰذا صحیح (حلبی کبیر، صفحه ۵۶۶،فصل فی صلاة العید)

ویستحب إزالة الشعر والظفر والریح الکریهة (حاشیة البجیرمی علی الخطیب، جزء۲، صفحه ۲۲۲، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة العیدین)

(قَوْلُهُ وَإِزَالَةُ نَحْوِ شَعْرٍ إلَخْ) أَیِّ شَعْرٍ تُطْلَبُ إزَالَتُهُ کَالْعَانَةِ وَالْإِبِطِ فَلَوْ لَمْ یَکُنْ بِبَدَنِهِ شَعْرٌ فَالظَّاهِرُ بَلْ الْمُتَعَیِّنُ أَنَّهُ لَا یُسَنُّ لَهُ إمْرَارُ الْمُوسَی عَلَی بَدَنِهِ؛ لِأَنَّ إزَالَةَ الشَّعْرِ لَیْسَتْ هُنَا مَطْلُوبَةً لِذَاتِهَا بَلْ لِلتَّنْظِیفِ وَبِهَذَا یُفَرَّقُ بَیْنَ مَا هُنَا وَبَیْنَ تَحَلُّلِ الْمُحْرِمِ ع ش (حاشیة الشروانی علی تحفة المحتاج فی شرح المنهاج، جزء۳، صفحه ۴۷، باب صلاة العیدین)

[2] حدیث نمبر ۴۳۶۵، کتاب الضحایا، باب من لم یجد الاضحیة،مکتب المطبوعات الإسلامیة -حلب، واللفظ لهٗ؛ صحیح ابنِ حبان، حدیث نمبر ۵۹۱۴؛ مستدرک حاکم، حدیث نمبر ۷۵۲۹؛ مسند احمد، حدیث نمبر ۶۵۷۵.

قال الحاکم: هَذَا حَدِیثٌ صَحِیحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ یُخَرِّجَاهُ

وقال الذهبی فی التلخیص: هذا حدیث صحیح.

وفی حاشیة ابنِ حبان:

إسناده صحیح عیسی بن هلال الصدفی :وثقه المؤلف، وروی عنه جمع، وباقی رجاله ثقات رجال مسلم غیر یزید -وهو ابنُ خالد بن یزید بن موهب -فقد روی له أبو داود والنسائی وابن ماجه، وهو ثقة .وأخرجه النسائی ۷/۲۱۲، ۲۱۳فی الضحایا :باب من لم یجد الأضحیة، والدارقطنی ۲/۲۸۲، والحاکم ۲/۲۲۳، والبیهقی۹/۲۶۳من طریقین عن ابن وهب، بهذا الإسناد .وصححه الحاکم، ووافقه الذهبی .وأخرجه أحمد۲/۱۶۹،وأبو داود "۲۷۸۹ "فی لأضاحی :باب ما جاء فی إیجاب الأضاحی، من طریق أبی عبد الرحمن عبد الله بن یزید، عن سعید بن أبی أیوب، به .وأخرجه الدارقطنی ۴/۲۸۲،والحاکم ۴/۲۲۳، والبیهقی ۹/۲۶۳،۲۶۴من طیقین عن عیاش بن عباس، به.والمنیحة:هی الناقة أو الشاة تعار لینتفع بلبنها، وتعاد إلی صاحبها (حاشیه ابنِ حبان)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو فرمایا کہ مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) حکم دیا گیا ہے بقرعید کے دن عید منانے کا جو اللہ عزوجل نے اس امت کے لیے مقرر فرمائی ہے، اس آدمی نے عرض کیا کہ اگر میرے پاس کچھ بھی موجود نہ ہو (یعنی قربانی کے مطابق نصاب موجود نہ ہو) سوائے ایک مادہ (بکری یا اونٹنی) کے، جو کہ دوسرے کی میرے پاس امانتاً ہو (اور میں اس کا مالک نہ ہوں) تو کیا میں اس کی قربانی کروں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں (آپ اس کی قربانی نہ کریں) بلکہ آپ اپنے بال اور ناخن کاٹ لیں، اور مونچھوں کے بال کاٹ لیں، اور اپنے زیرِ ناف بال کاٹ لیں، پس اللہ عزوجل کے نزدیک یہی آپ کی پوری قربانی ہے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ عید کے دن ناخن کاٹنا اور فاضل بال یعنی زیرِ ناف اور مونچھوں کے بال اور بغلوں کے بال کاٹنا سنت ومستحب ہے۔ [1]

اور ایک حدیث میں داڑھی بڑھانے، مونچھیں اور ناخن کاٹنے اور زیرِ ناف وزیرِ بغل بالوں کے صاف کرنے کو فطرت اور سنت کے کاموں میں شمار کیا گیا ہے۔ [2]

---

[1] وهذا يشعر باستحباب هذه الطهارات فى الأعياد كلها، وأنها من تمام النسک المشروع فيها، والجمعة من جملة الأعياد، وهى عيد الأسبوع، كما أن عيد الفطر والأضحى عيد العام (فتح البارى لابنِ رجب، ج۸ص۱۱۳، كتاب الجمعة، باب الدهن للجمعة)

[2] حدثنا قتيبة بن سعيد، وأبو بكر بن أبى شيبة، وزهير بن حرب، قالوا :حدثنا وكيع، عن زكريا بن أبى زائدة، عن مصعب بن شيبة، عن طلق بن حبيب، عن عبد الله بن الزبير، عن عائشة، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :عشر من الفطرة :قص الشارب، وإعفاء اللحية، والسواک، واستنشاق الماء، وقص الأظفار، وغسل البراجم، ونتف الإبط، وحلق العانة، وانتقاص الماء "قال زكريا :قال مصعب :ونسيت العاشرة إلا أن تكون المضمضة زاد قتيبة، قال وكيع ": انتقاص الماء :يعنى الاستنجاء (مسلم، حديث نمبر ۲۶۱، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة)

أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِى بِشْرٍ، عَنْ طَلْقِ بْنِ حَبِيبٍ قَالَ " :عَشْرَةٌ مِنَ السُّنَّةِ: السِّوَاکُ، وَقَصُّ الشَّارِبِ، وَالْمَضْمَضَةُ، وَالِاسْتِنْشَاقُ، وَتَوْفِيرُ اللِّحْيَةِ، وَقَصُّ الْأَظْفَارِ، وَنَتْفُ الْإِبْطِ، وَالْخِتَانُ، وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَغَسْلُ الدُّبُرِ (نسائى، حديث نمبر ۵۰۴۲، كتاب الزينة، من السنن الفطرة)

مگر یہ بات یاد رکھیے کہ عید الاضحیٰ کے موقع پر جس شخص کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو، اُس کے لیے بہتر ہے کہ عید الاضحیٰ کا چاند نظر آنے کے بعد سے لے کر قربانی ہونے تک ناخن نہ کاٹے، اور جسم کے کسی حصے کے بال بھی نہ کاٹے۔ [1]

(۷)...... پاک صاف عمدہ لباس پہننا

عید کے دن پاک وصاف عمدہ لباس جو میسر ہو، پہننا سنت ہے۔

مگر شرعی حدود کی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہئے، مثلاً مرد ریشمی لباس نہ پہنیں، اور تکبر اور فخر کی نیت نہ ہو اور اس معاملہ میں حد سے نہ بڑھا جائے نہ ہی اس کے لئے قرض وغیرہ لیا جائے، بلکہ اپنی حیثیت کے مطابق میانہ روی ہو۔ [2]

---

[1] عن أم سلمة، أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال :إذا رأیتم هلال ذی الحجة، وأراد أحدکم أن یضحی، فلیمسک عن شعره وأظفاره (مسلم،حدیث نمبر ۱۹۷۷، کتاب الصیدوالذبائح، باب نهی من دخل علیه عشر ذی الحجة وهو مرید التضحیة أن یأخذ من شعره، أو أظفاره شیئا)

عن عمر بن مسلم بن عمار بن أکیمة اللیثی، قال :سمعت سعید بن المسیب، یقول : سمعت أم سلمة، زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم تقول :قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :من کان له ذبح یذبحه فإذا أهل هلال ذی الحجة، فلا یأخذن من شعره، ولا من أظفاره شیئا حتی یضحی (مسلم،۱۹۷۷، کتاب الصید والذبائح، باب نهی من دخل علیه عشر ذی الحجة وهو مرید التضحیة أن یأخذ من شعره، أو أظفاره شیئا)

ویندب لمن أراد أن یضحی تأخیر تقلیم الأظفار وحلق الرأس (منیة المصلی وغنیة المبتدی،ص ۳۰۶)

[2] (قوله ولو غیر أبیض) قال فی البحر :وظاهر کلامهم تقدیم الأحسن من الثیاب فی الجمعة والعیدین وإن لم یکن أبیض، والدلیل دال علیه فقد روی البیهقی أنه -علیه الصلاة والسلام -کان یلبس یوم العید بردة حمراء وفی الفتح الحلة الحمراء عبارة عن ثوبین من الیمن فیهما خطوط حمر وخضر لا أنها أحمر بحت فلیکن محمل البردة أحدهما اهـ أی أحد الثوبین اللذین هما الحلة أی فلا یعارض ذلک حدیث النهی عن لبس الأحمر.

والقول مقدم علی الفعل والحاظر علی المبیح إذا تعارضا فکیف إذا لم یتعارضا بالحمل المذکور اهـ بزیادة وسیأتی إن شاء اللہ تعالی تمام الکلام علی لبس الأحمر فی کتاب الحظر والإباحة (ردالمحتار، جزء۲، صفحہ ۱۶۸، باب العیدین)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَخَذَ عُمَرُ جُبَّةً مِّنْ إِسْتَبْرَقٍ تُبَاعُ فِي السُّوْقِ، فَأَخَذَهَا، فَأَتٰى بِهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اِبْتَعْ هٰذِهٖ تَجَمَّلْ بِهَا لِلْعِيْدِ وَالْوُفُوْدِ، فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا هٰذِهٖ لِبَاسُ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهٗ (بخاری) [1]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ریشمی جبہ لیا جو بازار میں فروخت ہو رہا تھا، اور اس کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ اسے خرید لیجئے، اور عید کے دن اور وفود کے آنے کے موقع پر اسے پہن کر اپنے کو آراستہ کیا کیجئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اُس شخص کا لباس ہے جس کا (آخرت میں) کوئی حصہ نہیں ہے (ترجمہ ختم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید کے دن اچھے لباس سے آراستہ ہونا سنت ہے، اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عید کے موقع پر آراستہ ہونے کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والتزين بأحسن ثيابه ، وأفضلها البيض إلا أن يكون غيرها أحسن فهو أفضل منها هنا لا فى الجمعة ؛ والفرق أن المراد هنا إظهار النعم وثم إظهار التواضع.

وهل التزين هنا أفضل منه فى الجمعة أو هو فيها أفضل أو يستويان ؟ فيه نظر ، والأقرب تفضيل ما هنا على الجمعة ؛ بدليل أنه طلب هنا أعلى الثياب قيمة وأحسنها منظرا ولم يختص،التزين فيه بمريد الحضور بل طلب حتى من النساء فى بيوتهن كما فى ع ش على م ر (حاشية البجيرمى على الخطيب، جزء٢، صفحه ٢٢٢، كتاب الصلاة، فصل فى صلاة العيدين)

والسنة :أن يغتسل يوم العيد، روى عن على، أنه كان يغتسل يوم العيد، ومثله عن ابن عمر، وسلمة بن الأكوع .وأن يلبس أحسن ما يجد ويتطيب، روى أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يلبس برد حبرة فى كل عيد .وقال نافع :كان ابن عمر يغتسل فى يوم العيد، كغسله من الجنابة، ثم يمس من الطيب، إن كان عنده، ويلبس أحسن ثيابه، ثم يخرج حتى يأتى المصلى، فإذا صلى الإمام رجع (شرح السنة للبغوى، ج٤ص ٣٠١، ٣٠٢، كتاب الجمعة، باب لا أذان ولا إقامة لصلاة العيد وتقديم الصلاة)

[1] حديث نمبر ٩٤٨،كتاب الجمعة، باب فى العيدين والتجمل فيه، دارطوق النجاة، بيروت.

لئے یہ لباس پیش کیا۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اچھے لباس سے آراستہ ہونے کے لئے شرعی حدود کا لحاظ ضروری ہے، اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جبہ کے ریشمی ہونے کی وجہ سے اس کو لینے سے منع فرمادیا، کیونکہ مرد کو ریشمی لباس منع ہے۔ [1]

اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَلْبَسَ أَجْوَدَ مَا نَجِدُ، وَأَنْ نَتَطَيَّبَ بِأَجْوَدِ مَا نَجِدُ، وَأَنْ نُضَحِّيَ بِأَسْمَنِ مَا نَجِدُ، وَالْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ، وَالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ، وَأَنْ نُظْهِرَ التَّكْبِيْرَ، وَعَلَيْنَا السَّكِيْنَةُ وَالْوَقَارُ (شعب الإيمان للبيهقى) [2]

---

[1] ومن فوائده :استحباب التجمل بالثياب فى أيام الأعياد والجمع، وملاقاة الناس، ولهذا لم ينكر الشارع إلا كونها حريرا، وهذا على خلاف بعض المتقشفين(عمدة القارى للعينى، ج٦ص٢٦٧ ، كتاب العيدين،باب فى العيدين والتجمل فيه)

وقد دل هذا الحديث على التجمل للعيد، وأنه كان معتادا بينهم.وقد تقدم حديث لبس النبى - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -فى العيدين برده الأحمر .وإلى هذا ذهب الأكثرون، وهو قول مالك والشافعي وأصحابنا وغيرهم. وقال ابن المنذر :كان ابن عمر يصلى الفجر وعليه ثياب العيد. وقال مالك :سمعت أهل العلم يستحبون الزينة والطيب فى كل عيد. واستحبه الشافعى.وخرج البيهقى بإسناد صحيح، عن نافع، أن ابن عمر كان يلبس فى العيدين أحسن ثيابه (فتح البارى لابن رجب، ج٨ص٤١٣،٤١٤ ، أبواب العيدين،باب فى العيدين والتجمل فيهما)

[2] حديث نمبر ٣٤٤٢،فِي لَيْلَةِ الْعِيدَيْنِ وَيَوْمِهِمَا، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض، واللفظ لهٗ، فضائل الاوقات للبيهقى، حديث نمبر ٢٠٩،المعجم الكبير للطبرانى، حديث نمبر ٢٧٥٦،مستدرک حاکم، حديث نمبر ٧٥٦٠.

قال الحاكم: لَوْلَا جَهَالَةُ إِسْحَاقَ بْنِ بُزُرْجٍ لَحَكَمْتُ لِلْحَدِيثِ بِالصِّحَّةِ.

وقال ابن الملقن:

قلت لَيْسَ بِمَجْهُول فقد ضعفه الْأَزْدِيّ وَوَثَّقَهُ ابْن حبَان (تحفة المحتاج إلى أدلة المنهاج لابن الملقن،ج ١ ص ٥٤٤، باب صلاة العيدين)

وقال ابن حجر:

إسحاق بن بزرج شيخ لليث بن سعد :له حديث فى التجمل للعيد .ضعفه الأزدى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرمایا کہ ہم اپنی حیثیت کے مطابق اچھا لباس پہنیں، اور اپنی حیثیت کے مطابق اچھی خوشبو لگائیں، اور اپنی حیثیت کے مطابق موٹی تازی قربانی کریں، گائے (بھینس) سات افراد کی طرف سے، اور اونٹ سات افراد کی طرف سے، اور یہ کہ ہم تکبیر کہیں، اور ہم سکینہ اور وقار کو لازم پکڑیں (ترجمہ ختم)

سکینہ سے مراد فضول اور بے کار حرکات سے بچنا ہے، اور وقار سے مراد نظر اور زبان وغیرہ کی حفاظت کرنا ہے۔

جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عید کے دن بے کار، اور فضول حرکات سے بچنا اور نظر اور زبان اور دیگر اعضاء کی حفاظت کا اہتمام بھی کرنا چاہیے۔ [1]

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ يَوْمَ الْعِيْدِ بُرْدَةً حَمْرَآءَ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

انتهى. وزاد ابن يونس: أنه طوسي مولى أم حبيبة وأنه روى عنه أيضاً ابن لهيعة. وقال الأزدي: وى عن الحسن بن علي " :أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نلبس أحسن ما نجد . "وذكر في الطيب والأضحية يجب أن نظهر التكبير وعلينا الوقار . وهو عن أبي صالح كاتب الليث. وقد ذكره ابن حبان في الثقات وقال: يروى عن أبي سعيد والحسن بن علي. وذكره ابن أبي حاتم بروايته عن الحسن ورواية الليث عنه فلم يذكر فيه جرحاً. وأخرج الحاكم حديثه في مستدركه وقال: لولا جهالة إسحاق لحكمت بصحته انتهى كلامه(لسان الميزان،لابن حجر العسقلاني،ج،١ ص١٤٧)

[1] ثم عطف السكينة للتأكيد والبيان كما قال القرطبي بناء على ترادفهما، وقال المصنف بعد ذكر الجامع بينهما: الظاهر أن بينهما فرقاً، فالسكينة: التأني في الحركات واجتناب العبث، والوقار في الهيئة كغضّ البصر وخفض الصوت وعدم الالتفات. ورجح بأن التأسيس خير من التوكيد وأن الأصل في العطف التغاير قال: قال بعض شراح الجامع الصغير: ويرجع الأول بالاكتفاء بالسكينة عنه هنا في رواية فذلك ظاهر في ترادفهما. إلا أن يقال إن الفرق بينهما على القول به عند اجتماعهما، أما عند افتراقهما فأحدهما يغني عن الآخر كالفقير والمسكين (دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، تحت حديث رقم ١٧٠٤، كتاب الادب، باب الندب)

(المعجم الاوسط للطبرانی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن سرخ دھاری دار لباس پہنا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یمن کے علاقہ سے خوبصورت دھاری دار لباس آتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کے موقع پر اس کو زیب تن فرماتے تھے۔ [2]

اور حضرت نافع سے روایت ہے کہ:

أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَلْبَسُ فِي الْعِيدَيْنِ أَحْسَنَ ثِيَابِهِ (سنن البیهقی) [3]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ عیدُ الفطر اور عیدُ الاضحیٰ کے دن اچھا اور عمدہ ترین لباس پہنا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

---

[1] حدیث نمبر ۷۶۰۹،دار الحرمین، القاهرة، واللفظ لهٗ،أخلاق النبی لأبی الشیخ الأصبهانی ، حدیث نمبر ۲۷۸ ،معرفة السنن والآثار للبیهقی، حدیث نمبر ۱۸۹۷ .

قال الهیثمی:

رواه الطبرانی فی الأوسط ورجاله ثقات(مجمع الزوائد،ج۲ص۱۹۸ ،باب اللباس یوم العید)

وقال الالبانی:

قلت :و هذا إسناد جید و رجاله كلهم ثقات معروفون غیر سعد بن الصلت و هو البجلی مولاهم ترجمه ابن أبی حاتم(۲/۱/۸۶)من روایة جماعة آخرین عنه و لم یذكر فیه جرحا و لا تعدیلا ، و هو فی "ثقات ابن حبان(السلسلة الصحیحة،تحت حدیث رقم ۱۲۷۹)

[2] واعلم أن الحلة الحمراء عبارة عن ثوبین من الیمن، فیهما خطوط حمر وخضر، لا أنه أحمر بحت فلیكن محمل البردة أحدهما اهـ .والحبرة علی وزن العنبة ضرب من برود الیمن، ویحرک، كذا فی القاموس(مرقاة المفاتیح، ج۳ص۱۰۷۰ ، كتاب الصلاة، باب صلاة العیدین)

ویندب للرجال وكان للنبی صلی الله علیه وسلم جبة فنک یلبسها فی الجمع والاعیاد (حاشیة الطحطاوی علی المراقی صفحه ۲۸۹ ،باب احکام العیدین)

[3] حدیث نمبر ۶۱۴۳،كتاب صلاة العیدین، باب الزینة للعید،دار الكتب العلمیة، بیروت.

قال ابن حجر:

روی ابن أبی الدنیا والبیهقی بإسناد صحیح(فتح الباری لابنِ حجر، ج۲ص۴۳۹،قوله باب فی العیدین والتجمل فیه)

اور حضرت محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ:

قُلْتُ لِنَافِعٍ كَيْفَ كَانَ بْنُ عُمَرَ يَصْنَعُ يَوْمَ الْعِيدِ قَالَ كَانَ يَشْهَدُ صَلاةَ الْفَجْرِ مَعَ الْإِمَامِ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلٰى بَيْتِهٖ فَيَغْتَسِلُ غُسْلَهٗ مِنَ الْجَنَابَةِ وَيَلْبَسُ أَحْسَنَ ثِيَابِهٖ وَيَتَطَيَّبُ بِأَطْيَبَ مَا عِنْدَهٗ ثُمَّ يَخْرُجُ حَتّٰى يَأْتِيَ الْمُصَلّٰى فَيَجْلِسُ فِيهِ حِيْنَ يَجِيْءُ الْإِمَامُ فَإِذَا جَاءَ الْإِمَامُ صَلّٰى مَعَهٗ ثُمَّ يَرْجِعُ فَيَدْخُلُ مَسْجِدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُصَلِّيْ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَأْتِيْ بَيْتَهٗ (بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث) [1]

ترجمہ: میں نے حضرت نافع سے کہا کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ عید کے دن کیا عمل کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ فجر کی نماز میں امام کے ساتھ شریک ہوتے تھے، پھر اپنے گھر میں لوٹ جاتے تھے، پھر جنابت کے غسل کی طرح اہتمام سے غسل کیا کرتے تھے، اور عمدہ لباس پہنتے تھے، اور اپنے پاس موجود عمدہ خوشبو لگایا کرتے تھے، پھر گھر سے باہر نکلتے تھے، یہاں تک کہ عیدگاہ میں تشریف لاتے تھے، پھر امام کے آنے کی جگہ کے قریب بیٹھ جاتے تھے، پھر جب امام آتا تھا، تو اس کے ساتھ عید کی نماز پڑھتے تھے، پھر واپس لوٹتے تھے، اور مسجدِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوتے تھے، پھر اس میں دو رکعت (نفل) پڑھتے تھے، پھر اپنے گھر میں آجایا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

---

[1] حديث نمبر ۲۰۷، باب ما جاء فى العيد، مركز خدمة السنة والسيرة النبوية -المدينة المنورة.

قال البوصيرى:

رواه الحارث بن أبى أسامة ورجاله ثقات، والبيهقى مختصرًا قال :وروينا فى ذلك عن سلمة بن الأكوع، ثم عن ابن المسيب وعروة بن الزبير(اتحاف الخيرة المهرة ، ج۲ ص ۳۲۴، كتاب صلاة العيدين،باب الغسل والزينة للعيدين)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي الْفَجْرَ يَوْمَ الْعِيدِ وَعَلَيْهِ ثِيَابُ الْعِيدِ (الاوسط لابن المنذر) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عید کے دن فجر کی نماز پڑھتے تھے، اور آپ عید کا لباس پہنے ہوئے ہوتے تھے (ترجمہ ختم)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ بعض اوقات فجر کی نماز کے بعد غسل وغیرہ کرتے، اور لباس پہنتے، پھر عید کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے، اور بعض اوقات یہ کام فجر کی نماز سے پہلے ہی کرلیا کرتے تھے، اور فجر کی نماز کے بعد وہاں سے ہی عید کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔

لہٰذا دونوں قسم کی روایات میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔

اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

سَمِعْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ يَسْتَحِبُّونَ الزِّينَةَ وَالتَّطَيُّبَ فِي كُلِّ عِيدٍ (الاوسط لابن المنذر) [2]

ترجمہ: میں نے اہلِ علم سے سنا، کہ وہ عید کے دن زینت اور خوشبو کو مستحب (وثواب کا باعث) قرار دیتے تھے (ترجمہ ختم)

لہٰذا عید کے دن اچھا لباس پہننا سنت ہے، اور سنت کی نیت سے ہی اچھا لباس پہننا چاہئے، شہرت اور دکھلاوے وغیرہ کی نیت سے نہیں پہننا چاہئے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا أَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ أَلْهَبَ فِيهِ نَارًا (ابن ماجه) [3]

---

[1] حديث نمبر ۲۱۳۲، ج۴ص ۲۶۴، كتاب العيدين، دار طيبة -الرياض -السعودية.

[2] حديث نمبر ۲۱۳۲، ج۴ص ۲۶۴، كتاب العيدين، دار طيبة -الرياض -السعودية.

[3] حديث نمبر ۳۶۰۷، كتاب اللباس، باب من لبس شهرة من الثياب، واللفظ لهٗ، مسند احمد، حديث نمبر ۵۶۶۴.

فی حاشية مسند احمد: حديث حسن.

ترجمہ: جس نے دنیا میں شہرت کا لباس پہنا تو اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائیں گے، پھر اس ذلت کے لباس میں آگ بھڑکائیں گے (ترجمہ ختم)

اسی طرح خواتین کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اجنبی اور نامحرموں کے سامنے اپنی زیب وزینت کا اظہار کریں۔

البتہ شریعت کی طرف سے خواتین کو اپنے شوہروں کے سامنے حسن وجمال کے اظہار کو جائز بلکہ شوہروں کے لئے زیب وزینت اختیار کرنے کو عبادت قرار دیا گیا ہے۔

(۸)......خوشبو لگانا

عید کے دن خوشبو لگانا بھی سنت ومستحب ہے۔

مگر خواتین کو تیز خوشبو لگانا منع ہے، اس لیے ان کو ہلکی خوشبو لگانی چاہیے، تاکہ نامحرموں تک ان کی لگائی ہوئی خوشبو نہ پہنچے۔ [۱]

عید کے دن خوشبو لگانے کے متعلق کئی احادیث وروایات پہلے گزر چکی ہیں، جن میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی ہے کہ:

---

[۱] وأما بيان ما يستحب في يوم العيد فيستحب فيه أشياء منها ما قال أبو يوسف :إنه يستحب أن يستاك، ويغتسل، ويطعم شيئا، ويلبس أحسن ثيابه، ويمس طيبا، ويخرج فطرته قبل أن يخرج، أما الاغتسال والاستياك ومس الطيب ولبس أحسن الثياب -جديدا كان أو غسيلا -؛ فلما ذكرنا في الجمعة(بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۲۷۹، فصل بيان ما يستحب في يوم العيد)

وهي واجبة وهو الأصح، هكذا في محيط السرخسي، ويستحب يوم الفطر للرجل الاغتسال والسواك ولبس أحسن ثيابه، كذا في القنية جديدا كان أو غسيلا، كذا في محيط السرخسي.

ويستحب التختم والتطيب والتبكير وهو سرعة الانتباه والابتكار وهو المسارعة إلى المصلى وأداء صدقة الفطر قبل الصلاة وصلاة الغداة في مسجد حيه (الفتاویٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۴۹، كتاب الصلاة،الباب السابع عشر في صلاة العيدين)

ويندب التطيب للذكر بأحسن ما يجده عنده من الطيب (حاشية البجيرمي على الخطيب، ج ۲، ص ۲۲۲، كتاب الصلاة، فصل في صلاة العيدين)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَلْبَسَ أَجْوَدَ مَا نَجِدُ، وَأَنْ نَتَطَيَّبَ بِأَجْوَدِ مَا نَجِدُ (شعب الإيمان للبيهقی) [1]

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرمایا کہ ہم اپنی حیثیت کے مطابق اچھا لباس پہنیں، اور اپنی حیثیت کے مطابق اچھی خوشبو لگائیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت نافع سے روایت ہے کہ:

أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَغْتَسِلُ وَيَتَطَيَّبُ يَوْمَ الْفِطْرِ (احکام العیدین للفریابی) [2]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ عیدالفطر کے دن غسل کرتے تھے، اور خوشبو لگاتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ خَيْرَ طِيْبِ الرَّجُلِ مَا ظَهَرَ رِيْحُهُ وَخَفِيَ لَوْنُهُ، وَخَيْرَ طِيْبِ النِّسَاءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهُ وَخَفِيَ رِيْحُهُ (ترمذی) [3]

ترجمہ: مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد کی بہترین خوشبو وہ ہے، کہ جس کی خوشبو ظاہر (وغالب) ہو، اور اس کا رنگ مخفی (ومغلوب) ہو، اور عورتوں کی بہترین خوشبو وہ ہے کہ جس کا رنگ ظاہر (وغالب) ہو، اور خوشبو مخفی (ومغلوب) ہو (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: طِيْبُ الرِّجَالِ مَا ظَهَرَ رِيْحُهُ،

---

[1] حدیث نمبر ۳۴۴۲، فی لیلة العیدین ویومهما، مکتبة الرشد للنشر والتوزیع بالریاض.

[2] حدیث نمبر ۱۷، ج ۱ ص ۸۳، باب ماروی فی الاغتسال للفطر، مکتبة العلوم والحکم - المدینة المنورة.

[3] حدیث نمبر ۲۷۸۸، ابواب الادب، باب ما جاء فی طیب الرجال والنساء، شرکة مکتبة ومطبعة مصطفی البابی الحلبی -مصر.

وَخَفِيَ لَوْنُهُ، وَطِيْبُ النِّسَآءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهُ، وَخَفِيَ رِيْحُهُ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَردوں کی خوشبو وہ ہے کہ جس کی خوشبو ظاہر اور رنگ مغلوب ہو، اور عورتوں کی خوشبو وہ ہے کہ جس کا رنگ ظاہر اور خوشبو مغلوب ہو (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو ایسی خوشبو استعمال کرنی چاہئے کہ جس کی وجہ سے پسینے وغیرہ کی بو ختم ہو جائے، اور خوشبو دوسرے نامحرم تک نہ پہنچے۔

اس کی خلاف ورزی کر کے نامحرموں تک اپنی خوشبو پہنچانے والی عورت کو احادیث میں سخت گناہ گار قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

كُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ، وَالمَرْأَةُ إِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَا وَكَذَا يَعْنِي زَانِيَةً (ترمذی) [2]

ترجمہ: ہر آنکھ زنا کرتی ہے، اور جو عورت خوشبو لگا کر کسی مجلس سے گزرتی ہے، تو وہ ایسی ویسی یعنی زانیہ ہے (ترجمہ ختم)

(۹)......صدقۂ فطر ادا نہ کیا ہو، تو عید کی نماز سے پہلے ادا کر دینا

اگر کسی نے عید الفطر کی نماز سے پہلے صدقۂ فطر ادا نہ کیا ہو، تو عید کی نماز سے پہلے صدقۂ فطر ادا کر دینا سنت ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] حدیث نمبر ۴۱۱۷، کتاب الزینة، باب الفصل بین طیب الرجال، وطیب النساء، المکتبة العصریة، بیروت، واللفظ لهٔ، ترمذی، حدیث نمبر ۲۷۸۷، بَاب مَا جَاءَ فِي طِيبِ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ.

[2] حدیث نمبر ۲۷۸۶، ابواب الادب، باب ما جاء فی کراهیة خروج المرأة متعطرة، شرکة مکتبة ومطبعة مصطفى البابی الحلبی -مصر، واللفظ لهٔ، ابوداؤد، حدیث نمبر ۴۱۷۳، سنن نسائی، حدیث نمبر ۵۱۲۶، مسند احمد، حدیث نمبر ۱۹۵۷۸.

قال الترمذی: وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِزَكَاةِ الْفِطْرِ قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر لوگوں کے عید کی نماز کی طرف نکلنے سے پہلے ادا کرنے کا حکم فرمایا (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ:

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ، وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ، مَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ، فَهِيَ زَكَاةٌ مَقْبُوْلَةٌ، وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَهِيَ صَدَقَةٌ مِّنَ الصَّدَقَاتِ (سنن أبی داؤد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃِ فطر (یعنی صدقۂ فطر) روزے داروں کو بے کار اور بے ہودہ باتوں سے پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے اور مساکین کو کھلانے (یعنی ان کی مدد وتعاون کرنے) کے لئے مقرر فرمایا، جس نے (عید کی) نماز سے پہلے ادا کر دیا تو یہ مقبول صدقۂ فطر ہے اور جس نے عید کی نماز کے بعد ادا کیا تو پھر یہ صدقوں میں سے ایک صدقہ ہے (ترجمہ ختم)

ان جیسی احادیث کی روشنی میں اہلِ علم حضرات نے عید کی نماز کے لئے جانے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کر دینے کو سنت ومستحب قرار دیا ہے۔ [3]

---

[1] حدیث نمبر ۱۵۰۹، کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ قبل العید، دارطوق النجاۃ، بیروت، واللفظ لہٗ، مسلم، حدیث نمبر ۹۸۶، ترمذی، حدیث نمبر ۶۷۷.

[2] حدیث نمبر ۱۶۰۹، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الفطر، المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت، واللفظ لہٗ، مستدرک حاکم، حدیث نمبر ۱۴۸۸.
قال الحاکم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ".
وقال الذهبی فی التلخیص: علی شرط البخاری

[3] قال الترمذی: هذا حدیث حسن صحیح غریب، وهو الذی یستحبه أهل العلم: أن یخرج الرجل صدقة الفطر قبل الغدو إلی الصلاة (سنن الترمذی، ابواب الزکاة، باب ما جاء فی تقدیمها قبل الصلاة)

(۱۰)......عید کی نماز کے لئے جلدی پہنچنا

عید کی نماز کے لئے فجر کی نماز کے بعد جتنی جلدی ممکن ہو، پہنچنا سنت ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْدُوْ إِلَى الْمُصَلّٰى (بخاری) [۱]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ کی طرف صبح (جلدی) تشریف لے جاتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت محمد بن زیاد فرماتے ہیں کہ:

رَأَيْتُ أَبَا أُمَامَةَ الْبَاهِلِيَّ ، وَرِجَالاً مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا صَلَّوُا الْفَجْرَ فِي الْعِيْدَيْنِ مَعَ الْجَمَاعَةِ، فَسَلَّمَ الْإِمَامُ، عَجَّلُوا الْخُرُوْجَ حَتّٰى يَقْعُدُوْا قَرِيْبًا مِّنَ الْمِنبَرِ (أحكام العيدين للفريابي) [۲]

ترجمہ: میں نے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ جب وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن جماعت کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ لیتے تھے، تو وہ جلدی نکلا کرتے تھے، تاکہ منبر (یعنی عید کی نماز پڑھانے والے امام) کے قریب بیٹھیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت نافع سے روایت ہے کہ:

كَانَ ابْنُ عُمَرَ يُصَلِّي الصُّبْحَ فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ يَغْدُوْ كَمَا هُوَ إِلَى الْمُصَلّٰى (مصنف ابن أبي شيبة) [۳]

---

[۱] حديث نمبر ۹۷۳، كتاب الجمعة، باب حمل العنزة أو الحربة بين يدى الإمام يوم العيد، دارطوق النجاة، بيروت.

[۲] حديث نمبر ۲۸، ص۱۰۴، مكتبة العلوم والحكم -المدينة المنورة، واللفظ لهٗ، شرح السنة، تحت حديث رقم ۱۱۰۳.

[۳] حديث نمبر ۵۶۵۶، كتاب الصلاة، باب السَّاعَةُ الَّتِي يَتَوَجَّهُ فِيهَا إِلَى الْعِيدِ ، أَيُّ سَاعَةٍ هِيَ ؟

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں فجر کی نماز پڑھتے تھے، پھر اسی حال میں عیدگاہ کی طرف نکل پڑتے تھے (ترجمہ ختم)

اور بعض اوقات حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ فجر کی نماز کے بعد غسل وغیرہ فرما کر عید کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔

چنانچہ حضرت نافع کی یہ روایت پہلے گزر چکی ہے، کہ جس میں ہے کہ:

كَانَ يَشْهَدُ صَلاةَ الْفَجْرِ مَعَ الْإِمَامِ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلٰى بَيْتِهٖ فَيَغْتَسِلُ غُسْلَهٗ مِنَ الْجَنَابَةِ وَيَلْبَسُ أَحْسَنَ ثِيَابِهٖ وَيَتَطَيَّبُ بِأَطْيَبَ مَا عِنْدَهٗ ثُمَّ يَخْرُجُ حَتّٰى يَأْتِيَ الْمُصَلّٰى فَيَجْلِسُ فِيْهِ حِيْنَ يَجِيْءُ الْإِمَامُ فَإِذَا جَاءَ الْإِمَامُ صَلّٰى مَعَهٗ (بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ (عید کے دن) فجر کی نماز میں امام کے ساتھ شریک ہوتے تھے، پھر اپنے گھر میں لوٹ جاتے تھے، پھر جنابت کے غسل کی طرح اہتمام سے غسل کیا کرتے تھے، اور عمدہ لباس پہنتے تھے، اور اپنے پاس موجود عمدہ خوشبو لگایا کرتے تھے، پھر گھر سے باہر نکلتے تھے، یہاں تک کہ عیدگاہ میں تشریف لاتے تھے، پھر امام کے آنے کی جگہ کے قریب بیٹھ جاتے تھے، پھر جب امام آ تا تھا، تو اس کے ساتھ عید کی نماز پڑھتے تھے (ترجمہ ختم)

اس کے علاوہ جلیل القدر تابعین ومحدثین کے بارے میں بھی اسی طرح کی روایات مروی ہیں۔ [2]

---

[1] حديث نمبر ۲۰۷، كتاب الصلاة، باب ما جاء في العيد، مركز خدمة السنة والسيرة النبوية - المدينة المنورة.

[2] عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَرْمَلَةَ ؛ أَنَّهُ كَانَ يَنْصَرِفُ مَعَ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ مِنَ الصُّبْحِ حِينَ يُسَلِّمُ الإِمَامُ فِي يَوْمِ عِيدٍ ، حَتَّى يَأْتِيَ الْمُصَلَّى عِنْدَ دَارِ كَثِيرِ بْنِ الصَّلْتِ ، فَيَجْلِسُ عِنْدَ الْمِصْرَاعَيْنِ (مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ۵۶۵۷، السَّاعَةُ الَّتِي يَتَوَجَّهُ فِيهَا إِلَى الْعِيدِ ، أَيُّ سَاعَةٍ هِيَ ؟)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس عید کی نماز کے لیے فجر کی نماز پڑھ کر جتنی جلدی ہو سکے جانا چاہیے، اور امام کے قریب والی جگہ بیٹھنا چاہیے، تاکہ زیادہ سے زیادہ ثواب وانعام حاصل کیا جاسکے۔

(۱۱)......عید کی نماز کے لئے پیدل جانا

کوئی عذر نہ ہو تو عید کی نماز ادا کرنے کے لیے پیدل جانا سنت ومستحب ہے۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

مِنَ السُّنَّةِ أَنْ تَخْرُجَ إِلَى الْعِيدِ مَاشِيًا، وَأَنْ تَأْكُلَ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ

(ترمذی) [۱]

ترجمہ: سنت یہ ہے کہ آپ عید کے دن (نمازِ عید کے لئے) پیدل نکلیں، اور آپ نکلنے سے پہلے کچھ کھالیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ ، قَالَ :صَلَّيْتُ الْفَجْرَ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ فِي يَوْمِ فِطْرٍ ، فَإِذَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، وَعَبْدُ اللهِ بْنُ مَعْقِلٍ ، فَلَمَّا قَضَيَا الصَّلاَةَ خَرَجَا ، وَخَرَجْتُ مَعَهُمَا إِلَى الْجَبَّانَةِ(مُصنف ابن أبی شيبة،حديث نمبر۵۶۵۸،السَّاعَةُ الَّتِي يَتَوَجَّهُ فِيهَا إِلَى الْعِيدِ ، أَيُّ سَاعَةٍ هِيَ ؟)

عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، قَالَ :كَانُوا يُصَلُّونَ الْفَجْرَ وَعَلَيْهِمْ ثِيَابُهُمْ ، يَعْنِي يَوْمَ الْعِيدِ(مُصنف ابن أبی شيبة،حديث نمبر ۵۶۵۹،السَّاعَةُ الَّتِي يَتَوَجَّهُ فِيهَا إِلَى الْعِيدِ ، أَيُّ سَاعَةٍ هِيَ ؟)

عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ ، قَالَ :لِيَكُنْ غَدُوُّك يَوْمَ الْفِطْرِ مِنْ مَسْجِدِكَ إِلَى مُصَلاَّكَ(مُصنف ابن أبی شيبة،حديث نمبر ۵۶۶۰،السَّاعَةُ الَّتِي يَتَوَجَّهُ فِيهَا إِلَى الْعِيدِ ، أَيُّ سَاعَةٍ هِيَ ؟)

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، قَالَ :كَانَ عُرْوَةُ لاَ يَأْتِي الْعِيدَ حَتَّى تَسْتَقِلَّ الشَّمْسُ .(مُصنف ابن أبی شيبة،حديث نمبر ۵۶۶۱،السَّاعَةُ الَّتِي يَتَوَجَّهُ فِيهَا إِلَى الْعِيدِ ، أَيُّ سَاعَةٍ هِيَ ؟)

[۱] حديث نمبر ۵۳۰،ابواب العيدين، باب ماجاء فی المشی يوم العيد، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابی الحلبی -مصر.

قال الترمذی: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ .وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا الحَدِيثِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ :يَسْتَحِبُّونَ أَنْ يَخْرُجَ الرَّجُلُ إِلَى العِيدِ مَاشِيًا، وَأَنْ لَا يَرْكَبَ إِلَّا مِنْ عُذْر.

(حكم الألبانی) حسن.

سُنَّةُ الْفِطْرِ ثَلَاثٌ اَلْمَشْيُ إِلَى الْمُصَلّٰى، وَالْأَكْلُ قَبْلَ الْخُرُوْجِ، وَالْاِغْتِسَالُ (أحكام العيدين للفريابي) [1]

ترجمہ: عیدالفطر کے دن یہ تینوں کام سنت ہیں، عید کی نماز پڑھنے کی جگہ کی طرف پیدل جانا، اور نکلنے سے پہلے کچھ کھالینا، اور غسل کرنا (ترجمہ ختم)

اس قسم کی اور بھی روایات مروی ہیں، جن سے عید کی نماز کے لئے پیدل جانے کا سنت ومستحب ہونا معلوم ہوتا ہے۔ [2]

اس لئے عید کی نماز کے لئے پیدل جانے کی کوشش کرنی چاہیے، البتہ اگر کوئی عذر ہو، تو سواری پر جانے میں بھی حرج نہیں۔ [3]

---

[1] حديث نمبر ٢٦، باب ما روى أن السنة المشى إلى العيدين، مكتبة العلوم والحكم -المدينة المنورة.

قال الالبانی: وإسناده صحيح (ارواء الغليل، تحت حديث رقم ٦٣٦)

[2] عن الزهرى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يركب فى جنازة قط، ولا فى خروج أضحى ولا فطر (أحكام العيدين للفريابى، حديث نمبر ٢٦)

قال الالبانی:

قلت: وهذا سند صحيح رجاله كلهم ثقات ,ولكنه مرسل (ارواء الغليل، تحت حديث رقم ٦٣٦)

عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ زِرٍّ، قَالَ: خَرَجَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِي يَوْمِ فِطْرٍ، أَوْ فِي يَوْمِ أَضْحَى، خَرَجَ فِي ثَوْبِ قُطْنٍ مُتَلَبِّبًا بِهِ، يَمْشِي (مصنف ابن أبى شيبة، حديث نمبر ٥٦٥٣، فِي الرُّكُوبِ إِلَى الْعِيدَيْنِ وَالْمَشْيِ)

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ بُرْقَانَ، قَالَ: كَتَبَ إِلَيْنَا عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ: مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَأْتِيَ الْعِيدَ مَاشِيًا فَلْيَفْعَلْ (مصنف ابن أبى شيبة، حديث نمبر ٥٦٥١، فِي الرُّكُوبِ إِلَى الْعِيدَيْنِ وَالْمَشْيِ)

عَنْ إِبْرَاهِيمَ؛ أَنَّهُ كَرِهَ الرُّكُوبَ إِلَى الْعِيدَيْنِ وَالْجُمُعَةِ (مصنف ابن أبى شيبة، حديث نمبر ٥٦٥٤، فِي الرُّكُوبِ إِلَى الْعِيدَيْنِ وَالْمَشْيِ)

[3] عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي حَفْصَةَ، قَالَ: رَأَيْتُ الْحَسَنَ يَأْتِي الْعِيدَ رَاكِبًا (مصنف ابن أبى شيبة، حديث نمبر ٥٦٥٥، فِي الرُّكُوبِ إِلَى الْعِيدَيْنِ وَالْمَشْيِ)

عَنْ: سَعِيدِ بْنِ أَشْوَعَ ,عَنْ حَنَشِ بْنِ الْمُعْتَمِرِ ,قَالَ: رَأَيْتُ عَلِيًّا أَتَى بِبَغْلَةٍ يَوْمَ الْأَضْحَى فَرَكِبَهَا ,فَلَمْ يَزَلْ يُكَبِّرُ حَتَّى أَتَى الْجَبَّانَةَ (شرح معانى الآثار، حديث نمبر ٥٣٣٥)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۱۲)......اگر عذر نہ ہو تو عید کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا

کوئی عذر نہ ہو تو عید کی نماز، عیدگاہ میں ادا کرنا سنت ہے۔

البتہ عذر کی صورت میں مسجد یا آبادی کے اندر کسی مقام پر پڑھنے میں بھی حرج نہیں، خاص طور پر ضعفاء اور کمزور لوگوں کے لئے آبادی کے اندر یا اپنے محلّہ میں پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ [1]

چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى إِلَى الْمُصَلّٰى (بخاری) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن عیدگاہ میں تشریف لے جایا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَالْخُرُوجُ إِلَى الْمُصَلَّى مَاشِيًا وَالرُّجُوعُ فِي طَرِيقٍ آخَرَ، كَذَا فِي الْقُنْيَةِ . وَلَا بَأْسَ بِالرُّكُوبِ فِي الْجُمُعَةِ وَالْعِيدَيْنِ وَالْمَشْيُ أَفْضَلُ فِي حَقِّ مَنْ يَقْدِرُ عَلَيْهِ، كَذَا فِي الظَّهِيرِيَّةِ (الهندية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر فى صلاة العيدين)

[1] اگر کسی عیدگاہ کے امام کا عقیدہ یا عمل صحیح نہ ہو، تو یہ بھی عذر میں داخل ہے۔ کما سیأتی۔

(والخروج إليها) أى الجبانة لصلاة العيد (سنة وإن وسعهم المسجد الجامع) هو الصحيح (الدرالمختار)

(قوله :هو الصحيح) قال فى الظهيرية .وقال بعضهم :ليس بسنة وتعارف الناس ذلك لضيق المسجد وكثرة الزحام والصحيح هو الأول .اهـ.

وفى الخلاصة والخانية السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، ويستخلف غيره ليصلى فى المصر بالضعفاء بناء على أن صلاة العيدين فى موضعين جائزة بالاتفاق، وإن لم يستخلف فله ذلك .اهـ. نوح (ردالمحتار، جزء۲، صفحه ۱۶۸، باب العيدين)

[2] حديث نمبر ۹۵۶، كتاب الجمعة، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، دارطوق النجاة، بيروت.

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْدُوْ إِلَى الْمُصَلّٰى فِيْ يَوْمِ الْعِيْدِ، وَالْعَنَزَةُ تُحْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَإِذَا بَلَغَ الْمُصَلّٰى، نُصِبَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَيُصَلِّيْ إِلَيْهَا، وَذٰلِكَ أَنَّ الْمُصَلّٰى كَانَ فَضَاءً، لَيْسَ فِيْهِ شَيْءٌ يُسْتَتَرُ بِهٖ (سنن ابن ماجه) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن کی صبح، عیدگاہ میں تشریف لے جاتے تھے، اور آپ کے ساتھ نیزہ بھی لے جایا جاتا تھا، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں پہنچتے، تو نیزہ آپ کے سامنے گاڑ دیا جاتا تھا، پھر آپ اس کے سامنے کھڑے ہوکر (اور اس نیزے کو سُترہ بنا کر) نماز پڑھایا کرتے تھے، اور یہ اس وجہ سے تھا کہ عیدگاہ خالی میدان تھا، اس میں کوئی آڑ کی چیز نہیں تھی (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس عیدگاہ میں عید کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے، وہ آبادی سے باہر خالی میدان تھی۔

اور حضرت عبدالرحمٰن بن عابس سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، قِيْلَ لَهٗ أَشَهِدْتَ الْعِيْدَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ نَعَمْ، وَلَوْلَا مَكَانِيْ مِنَ الصِّغَرِ مَا شَهِدْتُهٗ حَتّٰى أَتَى الْعَلَمَ الَّذِيْ عِنْدَ دَارِ كَثِيْرِ بْنِ الصَّلْتِ، فَصَلّٰى، ثُمَّ خَطَبَ (بخاری) [2]

ترجمہ: میں نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے سنا، ان سے یہ کہا گیا کہ کیا آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید کی نماز میں حاضر ہوئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ بے شک! اور اگر میرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی رشتہ نہ ہوتا، تو میں (کم عمری کی وجہ سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر نہ ہوسکتا

---

[1] حدیث نمبر ۱۳۰۴، کتاب اقامه الصلاة والسنة فیها، باب ما جاء فی الحربة یوم العید، واللفظ لهٗ، بخاری، حدیث نمبر ۹۷۳.

[2] حدیث نمبر ۹۷۷، کتاب الجمعة، باب العلم الذی بالمصلی، دارطوق النجاة، بیروت.

تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس نشان کے پاس آئے جو کثیر بن صلت کے مکان کے پاس ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عید کی نماز پڑھی، پھر خطبہ دیا (ترجمہ ختم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عیدگاہ میں آبادی نہیں تھی، جیسا کہ پہلی روایت میں گزرا، اور کثیر بن صلت کا گھر بعد میں تعمیر ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عیدگاہ میں صرف نشان نصب تھا۔ [1]

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أَضْحٰى إِلَى الْبَقِيعِ، فَصَلّٰى

---

[1] تقدم فى باب الخروج إلى المصلى بغير منبر التعريف بمكان المصلى وأن تعريفه بكونه عند دار كثير بن الصلت على سبيل التقريب للسامع وإلا فدار كثير بن الصلت محدثة بعد النبى صلى الله عليه وسلم وظهر من هذا الحديث أنهم جعلوا لمصلاه شيئا يعرف به وهو المراد بالعلم وهو بفتحتين الشيء الشاخص قوله ولولا مكانى من الصغر ما شهدته أى حضرته وهذا مفسر للمراد من قوله فى باب وضوء الصبيان ولولا مكانى منه ما شهدته فدل هذا على أن الضمير فى قوله منه يعود على غير مذكور وهو الصغر ومشى بعضهم على ظاهر ذلك السياق فقال إن الضمير يعود على النبى صلى الله عليه وسلم والمعنى ولولا منزلتى من النبى صلى الله عليه وسلم ما شهدت معه العيد وهو متجه لكن هذا السياق يخالفه وفيه نظر لأن الغالب أن الصغر فى مثل هذا يكون مانعا لا مقتضيا فلعل فيه تقديما وتأخيرا ويكون قوله من الصغر متعلقا بما بعده فيكون المعنى لولا منزلتى من النبى صلى الله عليه وسلم ما حضرت لأجل صغرى ويمكن حمله على ظاهره (فتح البارى لابنِ حجر، ج۲ ص۴۶۵، ۴۶۶، قوله باب العلم الذى بالمصلى)

والعلم الذى عند دار كثير بن الصلت، ودار كثير بن الصلت، الظاهر أن ذلك كله محدث، أحدث بعد النبى -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فى مكان المصلى.

وقد تقدم أن المصلى كان فضاء، ليس فيه سترة؛ فلذلك كانَ النَّبيّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- تحمل لهُ الحربة؛ ليصلى إليها (فتح البارى لابن رجب، ج۹ ص۴۳، ابواب العيدين، باب خروج الصبيان إلى المُصلى)

فالعلم كان قبل اتخاذ مسجدا ليعرف به المحل ودار كثير كانت قبلة للوليد ثم اشتهرت بكثير وهو تابعى فوقع التعريف بذلك ليقرب إلى ذهن المخاطب فهمه لقول ابن شبة أتخذ الوليد بن عقبة بن أبى معيط الدار التى صلى إليها النبى صلى الله عليه وسلم العيد وهو يصلى إليها اليوم لآل كثير بن الصلت الكندى فجلد عثمان الوليد فى الشراب فحلف لا يساكنه إلا وبينهما بطن واد فعارض كثير بن الصلت بداره هذه إلى دار كثير بشفير وادى بطحان العدوة الغربية (خلاصة الوفا بأخبار دار المصطفى، للسمهودى، الباب الخامس فى مصلى الأعياد ومساجدها النبوية ومقابرها وفضل أحد الشهداء به)

رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ، وَقَالَ إِنَّ أَوَّلَ نُسُكِنَا فِيْ يَوْمِنَا هٰذَا، أَنْ نَبْدَأَ بِالصَّلَاةِ، ثُمَّ نَرْجِعَ، فَنَنْحَرَ، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ وَافَقَ سُنَّتَنَا، وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ ذٰلِكَ، فَإِنَّمَا هُوَ شَيْءٌ عَجَّلَهُ لِأَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِيْ شَيْءٍ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ کے دن بقیع کی طرف نکلے، پھر دو رکعتیں پڑھائیں، پھر ہماری طرف رُخ کر کے متوجہ ہوئے، اور فرمایا کہ ہمارا اس دن کا سب سے پہلا عمل یہ ہے کہ ہم (عید کی) نماز پڑھیں، پھر ہم لوٹیں اور قربانی کریں، پس جس نے اس طرح کیا، تو اس نے ہمارے طریقہ کی موافقت کی، اور جس نے اس (عید کی نماز) سے پہلے ذبح کر لیا، تو وہ ایسی چیز ہے، جو اس نے اپنے گھر والوں کے لئے جلدی کر لی (یعنی گھر والوں کے لئے عام کھانے کا گوشت ہے) اس کا قربانی سے تعلق نہیں (ترجمہ ختم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیع کے قریب میدان میں نماز پڑھی تھی، اس کو بقیع کہہ دیا گیا۔ [2]

اور بعض نے فرمایا کہ بقیع سے مراد عیدگاہ کا قطعہ ہے۔ [3]

---

[1] حدیث نمبر ۹۷۶، کتاب الجمعة، باب استقبال الإمام الناس فی خطبة العید، دارطوق النجاة، بیروت.

[2] فی هذا الحدیث :أن خروجه وصلاته کانت بالبقیع، ولیس المراد به :أنه صلی فی المقبرة، وإنما المراد :أنه صلی فی الفضاء المتصل بها، واسم البقیع یشمل الجمیع. وقد ذکر ابن زبالة، بإسناد له، أن النبی -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- صلی العید خارج المدینة فی خمسة مواضع، حتّٰی استقر من صلاته فی الموضع الذی عرف به، وصلی فیه الناس بعده(فتح الباری لابنِ رجب، ج۹ ص ۴۴، ابواب العیدین، باب استقبال الإمام الناس فی خطبة العید)

[3] فالمراد بقیع المصلی وبقیع السوق لما سبق فی الفصل قبله لا یقبع الغرقد کما سبق لبعض الأوهام حیث حمل الرجم بالمصلی علی بقیع الغرقد وقد أشتهر المصلی فی الأشعار قال أبو قطیفةرج رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم أضحی إلی البقیع فصلی الحدیث فالمراد بقیع المصلی وبقیع السوق لما سبق فی الفصل قبله لا یقبع الغرقد کما سبق لبعض الأوهام حیث حمل الرجم بالمصلی علی بقیع الغرقد(خلاصة الوفا بأخبار دار المصطفی، للسمهودی، الباب الخامس فی مصلی الأعیاد ومساجدها النبویة ومقابرها وفضل أحد الشهداء به، الفصل السادس عشر، الاول فی مصلی الاعیاد)

اور حضرت حارث سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

اَلْجَهْرُ فِيْ صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ مِنَ السُّنَّةِ وَالْخُرُوْجُ فِي الْعِيدَيْنِ إِلَى الْجَبَّانَةِ مِنَ السُّنَّةِ (السنن الکبری للبیهقی) [1]

ترجمہ: عیدین کی نماز میں بلند آواز سے قرأت کرنا سنت ہے، اور عیدین کے دِنوں میں عیدگاہ کی طرف نکلنا سنت ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

مِنَ السُّنَّةِ أَنْ يَمْشِيَ الرَّجُلُ إِلَى الْمُصَلّٰى قَالَ وَالْخُرُوْجُ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ مِنَ السُّنَّةِ، وَلَا يَخْرُجُ إِلَى الْمَسْجِدِ إِلَّا ضَعِيفٌ أَوْ مَرِيضٌ (السنن الکبری للبیهقی) [2]

ترجمہ: سنت یہ ہے کہ آدمی عیدگاہ کی طرف پیدل چل کر جائے، اور عیدین کے دن عیدگاہ میں جانا سنت ہے، اور مسجد میں ضعیف اور مریض ہی نماز پڑھیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو اسحاق سے مروی ہے کہ:

أَنَّ عَلِيًّا، أَمَرَ رَجُلاً أَنْ يُّصَلِّيَ بِضَعَفَةِ النَّاسِ يَوْمَ الْعِيدِ فِي الْمَسْجِدِ رَكْعَتَيْنِ (معرفة السنن والآثار للبیهقی) [3]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم فرمایا کہ وہ کمزور لوگوں کو عید کے دن مسجد میں (عید کی) دو رکعت پڑھائے (ترجمہ ختم)

اس قسم کی احادیث اور روایات کی روشنی میں فقہائے کرام نے فرمایا کہ عیدین کی نماز عیدگاہ

---

[1] حدیث نمبر ۶۱۹۶، کتاب صلاة العیدین، باب الجهر بالقراءة فی العیدین، دار الکتب العلمیة، بیروت.

[2] حدیث نمبر ۶۲۶۱، کتاب صلاة العیدین، باب الإمام یأمر من یصلی بضعفة الناس العید فی المسجد، دار الکتب العلمیة، بیروت.

[3] حدیث نمبر ۶۹۷۴، کتاب صلاة العیدین، دار الوفاء، قاهرة.

میں پڑھنا سنت ہے، مگر یہ کہ عیدگاہ میں جانے یا عیدگاہ میں پڑھنے میں کوئی عذر ہو۔ ۱؎
اور عیدگاہ کا آبادی سے باہر، مگر آبادی کے متصل بنانا سنت ہے۔ ۲؎

۱؎ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، حَدَّثَنَا رَجُلٌ مِنَ الْفَرَوِيِّينَ، وَسَمَّاهُ الرَّبِيعُ فِي حَدِيثِهِ عِيسَى بْنَ عَبْدِ الْأَعْلَى بْنِ أَبِي فَرْوَةَ، سَمِعَ أَبَا يَحْيَى عُبَيْدَ اللَّهِ التَّيْمِيَّ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ أَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِي يَوْمِ عِيدٍ، فَصَلَّى بِهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعِيدِ فِي الْمَسْجِدِ(سنن أبی داود،حدیث نمبر ۱۱٦۰)
فی .(شرح السنة) : السنة أن يخرج الإمام لصلاة العيدين إلا من عذر، فيصلى فی المسجد، أی مسجد داخل البلد .قال ابن الهمام :والسنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، ويستخلف من يصلی بالضعفاء فی المصر، بناء على أن صلاة العيد فی الموضعين جائزة بالاتفاق .قال ابن حجر : والكلام كله فی غير مسجدی مكة وبيت المقدس، وأما هما فهی فيهما أفضل مطلقا تبعا للسلف والخلف، ولشرفهما مع اتساعهما(مرقاة، ج۳ص ۱۰٦۰، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین)
۲؎ (والخروج إليها) أی الجبانة لصلاة العيد (سنة وإن وسعهم المسجد الجامع) هو الصحيح(الدر المختار)
(قوله المصلى العام) أی فی الصحراء بحر عن المغرب (قوله والواجب مطلق التوجه) أی لا التوجه المترتب على ما ذكر ولا التوجه المقيد بالمشی، ولا التوجه إلى خصوص الجبانة، وهذا تكملة الجواب عن السؤال المقدر (قوله :هو الصحيح) قال فی الظهيرية .وقال بعضهم :ليس بسنة وتعارف الناس ذلک لضيق المسجد وكثرة الزحام والصحيح هو الأول .اهـ.
وفی الخلاصة والخانية السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، ويستخلف غيره ليصلی فی المصر بالضعفاء بناء على أن صلاة العيدين فی موضعين جائزة بالاتفاق، وإن لم يستخلف فله ذلک .اهـ.
نوح(رد المحتار علی الدر المختار، ج۲ص ۱٦۹، کتاب الصلاة،باب العیدین)
والخروج إلى الجبانة لصلاة العيد سنّة، وإن كان يسعهم المسجد الجامع على هذا عامة المشايخ.
وبعضهم قالوا :الخروج إلى الجبانة ليس سنّة، وإنما تعارف الناس ذلک لضيق المسجد، والصحيح ما عليه عامة المشايخ :أنهم لا يخرجون عن المصر، بل يقيمونها فی فناء المصر؛ لأن المصر شرط جواز هذه الصلاة وفناء المصر من المصر.
ألا ترى أن أفنية البيوت كأجوافها فكذا فناء المصر كجوفه، أما ما زاد على فناء المصر ليس من المصر، فلهذا قال يقيمونها فی فناء المصر ثم إذا خرج الإمام إلى الجبانة، لصلاة العيد وإن استخلف رجلاً يصلی بالضعفة فی الجامع، فحسن كما فعل علی رضی الله عنه، فإنه روی أنه لما قدم الكوفة استخلف أبا موسى الأشعری رضی الله عنه ليصلی بالضعفة صلاة العيد فی الجامع، وخرج إلى الجبانة مع خمسين شيخاً يمشی ويمشون، ولأنه راعى حق الأقوياء ، فيراعی حق الضعفاء بأن يستخلف عليهم من يصلی بهم فی الجامع كيلا تفوتهم صلاة العيد، وإن لم يفعل ذلک فلا شیء عليه؛ لأنه لم ينقل عن رسول الله عليه السلام أنه فعل ذلک.
وتجوز إقامة صلاة العيد فی موضعين نص على هذا فی الأصل ، وهذا لما ذكرنا أن السنّة فی صلاة العيد أن تقام خارج المصر بالجبانة، ولا يمكن للضعفاء الخروج إليها إلا بحرج عظيم، فجوزنا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن اسی کے ساتھ آبادی کے اندر بھی کمزور اور معذور لوگوں کے لئے عید کی نماز کا انتظام کرنا چاہئے۔ ۱

اور آج کل بڑے بڑے شہروں میں آبادی سے باہر نکل کر عید کی نماز ادا کرنا عام طور پر مشکل ہوتا ہے، یہ بھی ایک طرح سے عذر میں داخل ہے۔

ایسے حالات میں آبادی کے اندر متعدد مقامات پر عیدین کی نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الإقامة فی موضعین دفعاً للحرج.

وأما إقامتها فی ثلاث مواضع، فعلی قول محمد یجوز وعلی قول أبی یوسف لا یجوز(المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی، ج۲ص ۱۰۰، ۱۰۱ ،الفصل السادس والعشرون فی صلاة العیدین)

امدادالاحکام میں ہے کہ:

> اگر کوئی عیدگاہ آبادی کے اندر آجائے تو قواعد کا مقتضاء یہ ہے کہ اگر وہ عیدگاہ خاص نمازِ عید کے لئے وقف نہ ہو بلکہ کسی اور غرض کے لئے مثلاً مصالح عامہ کے لئے وقف ہو تب تو اس کو چھوڑ کر آبادی سے باہر عید کی نماز پڑھنا سنت ہوگا اور اگر وہ جگہ خاص عید کی نماز ادا کرنے کے لئے وقف شدہ ہو تو (آبادی سے باہر عیدین کی نماز پڑھنے کے ساتھ ساتھ۔ناقل) اس میں بھی عید کی نماز پڑھنا ترک نہ کیا جاوے گا۔لان تحفظ الوقف واجب واتیان الواجب اهم من فعل السنة (کذا فی امدادالاحکام ج۱ص۷۸۸)

۱ (ومنها) أنه یستحب للإمام إذا خرج إلی الجبانة لصلاة العید أن یخلف رجلا یصلی بأصحاب العلل فی المصر صلاة العید؛ لما روی عن علی -رضی الله عنه -أنه لما قدم الکوفة استخلف أبا موسی الأشعری لیصلی بالضعفة صلاة العید فی المسجد، وخرج إلی الجبانة مع خمسین شیخا یمشی ویمشون؛ ولأن فی هذا إعانة للضعفة علی إحراز الثواب فکان حسنا، وإن لم یفعل لا بأس بذلک؛ لأنه لم ینقل ذلک عن رسول الله -صلی الله علیه وسلم -ولا عن الخلفاء الراشدین سوی علی -رضی الله عنه -؛ ولأنه لا صلاة علی الضعفة، ولکن لو خلف کان أفضل(بدائع الصنائع، ج۱ص۲۸۰، کتاب الصلاة ،فصل صلاة العیدین)

امدادالاحکام میں ہے کہ:

> ”نمازِ عیدین کا عیدگاہ میں پڑھنا سنت ہے، بلاوجہ اس سنت کا چھوڑنا بُرا ہے، لیکن اگر کوئی جماعت شہر ہی میں عید کی نماز بلاعذر پڑھ لے، تو اس کو بھی ملامت نہ کرنا چاہیئے، کیونکہ صلوٰۃ عید کا متعدد مواقع میں پڑھنا بالاتفاق جائز ہے اور اگر کوئی جماعت بستی میں عید کی نماز اس لئے پڑھے کہ مثلاً عیدگاہ کا امام جاہل یا فاسق ہے تو یہ جماعت اس فعل میں معذور ہے۔
>
> (وبعد اسطرٍ) اگر کوئی غرض محمود ہو تو (عیدگاہ کے علاوہ صرف۔ناقل) بستی میں بھی عید کی نماز جائز ہے“ (امدادالاحکام ج۱ص۷۳۳، فصل فی الجمعۃ والعیدین)

لیکن اسی کے ساتھ کوشش کرنی چاہئے کہ جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے اجتماعات منعقد نہ کئے جائیں۔ [1]

(۱۳)......عید کی نماز کے لئے جاتے ہوئے تکبیر کہنا

عید کا دن کیونکہ اللہ عزوجل کے ذکر کا بھی دن ہے، اس لئے عیدُ الفطر کی نماز کے لیے جاتے ہوئے راستے میں بلکہ بعض حضرات کے نزدیک عیدگاہ پہنچ کر امام کی آمد سے پہلے بھی تکبیر کہنا سنت ہے، اور دلیل کے لحاظ سے راجح یہ ہے کہ عیدالفطر کے دن بھی عیدالاضحیٰ کی طرح جہراً تکبیر کہنا سنت ومستحب ہے۔ [2]

---

[1] بیان استنباط الأحکام وهوعلی وجوه :الأول :فیه استحباب خروج الإمام مع القوم إلی مصلی العید فی الجبانة لأجل صلاة العید، ولم یزل الصدر الأول کانوا یفعلون ذلک، ثم ترکه أکثرهم لکثرة الجوامع، ومع هذا فإن أهل بلاد شتی لم یترکوا ذلک(عمدة القاری للعینی، ج۳ص ۲۷۲، کتاب الحیض، باب ترک الحائض الصوم)

[2] وهو قول الصاحبین والطحاوی رحمهم الله. ویأتی الدلائل بهذا القول .

السنة فی الأضحی التکبیر فی الطریق کما سیأتی فافهم(رد المحتار علی الدر المختار، ج۲ص ۱۶۹، کتاب الصلاة ،باب العیدین)

ومنها أن یغدو إلی المصلی جاهرا بالتکبیر فی عید الأضحی، فإذا انتهی إلی المصلی ترک؛ لما روی عن النبی -صلی الله علیه وسلم -أنه کان یکبر فی الطریق .

وأما فی عید الفطر فلا یجهر بالتکبیر عند أبی حنیفة، وعند أبی یوسف ومحمد یجهر، وذکر الطحاوی أنه یجهر فی العیدین جمیعا(بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۲۷۰، کتاب الصلاة، فصل بیان مایستحب فی یوم العید)

قلت :هذا خلاف ما مر عنه آنفا أنه یکبر، وقال أبو جعفر :والذی عندنا أنه لا ینبغی أن یمنع العامة من ذلک لقلة رغبتهم فی الخیرات، وقال :وبه نأخذ(البنایة شرح الهدایة، ج۳ص ۱۰۴، کتاب الصلاة ،باب صلاة العیدین)

وقال الفقیه ابوجعفر :والذی عندنا انه لاینبغی ان تمنع العامة عن ذلک لقلة رغبتهم فی الخیرات ، وبه ناخذ ، یعنی انهم اذا منعوا عن الجهر به لایفعلونه سرا، فینقطعون عن الخیر بخلاف العالم الذی یعلم ان الاسرار هو الافضل ، ثم قیل یقطع التکبیر اذا انتهی الی المصلی سواء فی الفطر ای علی القول بالجهر او الاضحی ، وقیل لایقطعه مالم یفتتح الصلاة (غنیة المستملی فی شرح منیة المصلی ، المعروف بشرح الکبیر ص۵۶۷، صلاة العید)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ:

أَ لاَ وَإِنَّ هٰذِهِ الْأَيَّامَ أَيَّامُ أُكُلٍ وَشُرُبٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (ابوداؤد)[1]

ترجمہ: خبردار ہو جاؤ، یہ دن کھانے پینے اور اللہ عزوجل کے ذکر کے دن ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت زہری سے مرسلاً روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ فَيُكَبِّرُ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وبقولهما قالت الأئمة الثلاثة ، وهو قول علي وأبي أمامة الباهلي وعمر بن عبد العزيز والنخعي وابن أبي ليلى وابن جبير وأبان بن عثمان والحكم وإسحاق وأبي ثور وحماد قال الطحاوي وبه نأخذ ، ثم ما أول وقت التكبير ؟ اختلف فيه فذهب سعيد بن المسيب وابن سلمة وعروة وزيد بن أسلم والشافعي إلى أن أول وقته إذا غربت الشمس ليلة العيد وقال جمهور الصحابة والتابعين والأئمة الثلاثة ابتداؤه عند الغدو إلى الصلاة لا قبلها واختاره النووي -والله سبحانه أعلم -قال الكمال الخلاف في الجهر بالتكبير في الفطر لا في أصله ؛ لأنه داخل في عموم ذكر الله تعالى فعندهما يجهر به كالأضحى وعنده لا يجهر وعن أبي حنيفة كقولهما ، وفي الخلاصة ما يفيد أن الخلاف في أصل التكبير وليس بشيء إذ لا يمنع من ذكر الله تعالى بسائر الألفاظ في شيء من الأوقات بل من إيقاعه على وجه البدعة فقال أبو حنيفة رفع الصوت بالذكر بدعة تخالف الأمر من قوله تعالى (واذكر ربك في نفسك تضرعا وخيفة ودون الجهر من القول) (الأعراف 205 :) فيقتصر فيه على مورد الشرع وقد ورد به في الأضحى ، وهو قوله تعالى (واذكروا الله في أيام معدودات) (البقرة:۲۰۳) جاء في التفسير أن المراد التكبير في هذه الأيام والأولى الاكتفاء فيه بالإجماع عليه اهـ .(قوله وقال أبو جعفر إلخ) يحتمل أن يراد بأبي جعفر هذا الإمام الطحاوي وأن يكون الفقيه الهندواني إذ في غاية السروجي قال الطحاوي والذي عندنا أنه لا ينبغي أن يمنع العامة من ذلك لقلة رغبتهم في الخيرات قال :وبه نأخذ ، وفي الفتاوى الظهيرية وعن الفقيه أبي جعفر أنه كان يقول سمعت أن مشايخنا كانوا يرون التكبير في الأسواق في الأيام العشر ، وفي المجتبى وذكر أبو الليث أن إبراهيم بن يوسف كان يفتي بالتكبير في الأسواق في الأيام العشر قال الهندواني وعندي : لا ينبغي أن تمنع العامة من ذلك لقلة رغبتهم في الخيرات وبه نأخذ هذا في جمع التفاريق قيل لأبي حنيفة ينبغي لأهل الكوفة وغيرها أن يكبروا أيام التشريق في الأسواق والمساجد قال نعم اهـ كذا نقلته من خط العلامة ابن أمير حاج(حاشية الشلبي على التبيين الحقائق، ج ۱ ص ۲۲۴، باب صلاة العيدين، مندوبات عيدالفطر)

[1] حديث نمبر ۲۸۱۳،كتاب الضحايا، باب في حبس لحوم الاضاحي، المكتبة العصرية، بيروت.
(حكم الألباني): صحيح.

حَتّٰی یَأْتِیَ الْمُصَلّٰی، وَحَتّٰی یَقْضِیَ الصَّلَاةَ، فَإِذَا قَضَی الصَّلَاةَ قَطَعَ التَّكْبِيْرَ (مصنف ابن أبی شیبة) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن عیدگاہ اور عید کی نماز پڑھنے تک تکبیر کہتے ہوئے تشریف لے جاتے تھے، پھر جب نماز پڑھ لیتے، تو تکبیر ختم فرمادیتے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْرُجُ فِي الْعِيْدَيْنِ مَعَ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ، وَالْعَبَّاسِ، وَعَلِيٍّ، وَجَعْفَرٍ، وَالْحَسَنِ، وَالْحُسَيْنِ، وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، وَزَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ، وَأَيْمَنَ بْنِ أُمِّ أَيْمَنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ رَافِعًا صَوْتَهُ بِالتَّهْلِيْلِ وَالتَّكْبِيْرِ، فَيَأْخُذُ طَرِيْقَ الْحَدَّادِيْنَ حَتّٰی يَأْتِيَ الْمُصَلّٰی، وَإِذَا فَرَغَ رَجَعَ عَلَى الْحَذَّائِيْنَ حَتّٰی يَأْتِيَ مَنْزِلَهُ (السنن الکبری للبیهقی) [2]

---

[1] حدیث نمبر ۵۶۶۷، کتاب الصلاة، فِی التَّكْبِيرِ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْعِيد.

قال الالبانی:

وهذا سند صحيح مرسلا ,ومن هذا الوجه أخرجه المحاملی (۱۴۲/۲)وقد روی من وجه آخر عن ابن عمر مرفوعا(إرواء الغليل فی تخريج أحاديث منار السبيل،باب صلاة العيدين،تحت حديث رقم ۶۵۰)

قلت :وهذا إسناد صحيح لولا أنه مرسل لكن له شاهد موصول يتقوى به، أخرجه البيهقی (سلسلة الأحاديث الصحيحة،تحت حديث رقم ۱۷۱)

[2] حدیث نمبر ۶۱۳۰، کتاب صلاة العیدین، باب التکبیر لیلة الفطر ویوم الفطر الخ، دارالکتب العلمیة، بیروت، واللفظ لهٗ، صحیح ابنِ خزیمة، حدیث نمبر ۱۴۳۱، شعب الایمان للبیهقی، حدیث نمبر ۳۴۴۱.

قال الالبانی:

قلت :ورجاله كلهم ثقات رجال مسلم، غير أن عبد الله بن عمر وهو العمری المكبر، قال الذهبی " :صدوق فی حفظه شیء ."قلت :فمثله مما يصلح للاستشهاد به، لأن ضعفه لم يأت من تهمة فی نفسه، بل من حفظه، فضعفه يسير، فهو شاهد قوی لمرسل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن فضل بن عباس، اور عبداللہ، اور عباس، اور علی اور جعفر، اور حسن اور حسین اور اسامہ بن زید، اور زید بن حارثہ اور ایمن بن امِ ایمن رضی اللہ عنہم کے ساتھ بلند آواز سے تہلیل اور تکبیر کہتے ہوئے نکلتے تھے، اور حدَّادین (نامی علاقہ) کے راستے عیدگاہ تک پہنچتے تھے، اور جب (عید کی نماز سے) فارغ ہوجاتے تو حذَّائین (نامی علاقہ) کے راستے سے اپنے گھر میں تشریف لاتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت نافع سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ، وَيَوْمَ الْأَضْحٰى يُكَبِّرُ، يَرْفَعُ بِذٰلِكَ صَوْتَهُ حَتّٰى يَجِيْءَ الْمُصَلّٰى (شرح مشكل الآثار للطحاوى) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن بلند آواز سے تکبیر کہتے ہوئے نکلتے تھے، یہاں تک کہ عیدگاہ میں پہنچ جاتے تھے (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا غَدَا يَوْمَ الْأَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ يَجْهَرُ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الزهرى، وبذلك يصير الحديث صحيحا كما تقتضيه قواعد هذا العلم الشريف(سلسلة الأحاديث الصحيحة،تحت حديث رقم ١٧١)

وقال البيهقى " :هذا أمثل من الوجه المتقدم .

قلت :ورجاله ثقات رجال مسلم غير عبد الله بن عمر ,وهو العمرى المكبر ,قال الذهبى " :صدوق فى حفظه شىء ."ورمز له هو وغيره بأنه من رجال مسلم ,فمثله يستشهد به ,فهو شاهد صالح لمرسل الزهرى فالحديث صحيح عندى موقوفا ومرفوعا والله أعلم(إرواء الغليل فى تخريج أحاديث منار السبيل،باب صلاة العيدين،تحت حديث رقم ٦٥٠)

[1] ج١٤ ص٣٨، باب بيان مشكل ما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من إظهار التكبير فى العيد، وفى أى حال يكون من الطريق إليه، أم بعد الجلوس فيه، واللفظ لهٗ،مُصنف ابن أبى شيبة، حديث نمبر ٥٦٦٥.

بِالتَّكْبِيرِ حَتّٰى يَأْتِيَ الْمُصَلّٰى ثُمَّ يُكَبِّرُ حَتّٰى يَأْتِيَ الْإِمَامُ (سنن الدارقطنی) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کے دن صبح کو بلند آواز سے تکبیر کہتے ہوئے نکلتے تھے، پھر (عیدگاہ میں بیٹھ کر بھی) امام کے تشریف لانے تک تکبیر کہتے تھے (ترجمہ ختم)

دیگر صحابہ وتابعین کے بارے میں بھی اس طرح کی کئی روایات مروی ہیں۔ [2]

---

[1] حدیث نمبر ۱۷۱۶، کتاب العیدین، مؤسسة الرسالة، بیروت، واللفظ لهٗ، وحدیث نمبر ۱۷۱۲.

قال الالبانی:

وقد صح من طريق نافع عن ابن عمر موقوفا مثله .ولا منافاة بينه وبين المرفوع لاختلاف المخرج، كما هو ظاهر، فالحديث صحيح عندى مرفوعا وموقوفا.ولفظ الموقوف ":كان يجهر بالتكبير يوم الفطر إذا غدا إلى المصلى حتى يخرج الإمام، فيكبر بتكبيره (أخرجه الفريابى فى "كتاب أحكام العيدين "(ق ۱/۱۲۹)بسند صحيح، ورواه الدارقطنى ۱۸۰ وغيره بزيادة " :ويوم الأضحى ."وسنده جيد(سلسلة الأحاديث الصحيحة،تحت حديث رقم ۱۷۱)

[2] عَنْ حَنَشِ بْنِ الْمُعْتَمِرِ، قَالَ :رَأَيْتُ عَلِيًّا يَوْمَ أَضْحَى لَمْ يَزَلْ يُكَبِّرُ حَتَّى أَتَى الْجَبَّانَةَ(سنن الدارقطنى، حديث نمبر ۱۷۱۱، واللفظ لهٗ،مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۵۶۷۱،فِي التَّكْبِيرِ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْعِيدِ)

عن أبى جميلة ، قال :رأيت عليا خرج من منزله يوم العيد فلم يزل يكبر حتى انتهى إلى الجبانة ، ثم نزل فصلى ثم خطب على راحلته(الاوسط لابن المنذر، حديث نمبر ۲۰۷۲)

عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ ، قَالَ :أُرَاهُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ ؛ أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ كَانَ يُكَبِّرُ يَوْمَ الْعِيدِ وَيَذْكُرُ اللَّهَ .(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۵۶۲۶،فِي التَّكْبِيرِ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْعِيدِ)

عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ ,عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ ,قَالَ : كَانُوا فِي التَّكْبِيرِ فِي الْفِطْرِ أَشَدَّ مِنْهُمْ فِي الْأَضْحَى(سنن الدارقطنى،،حديث نمبر ۱۷۱۳)

عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ ، قَالَ :خَرَجْتُ مَعَ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، وَابْنِ مَعْقِلٍ ، فَكَانَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ يُكَبِّرُ ، يَرْفَعُ صَوْتَهُ بالتَّكْبِيرِ ، وَكَانَ ابْنُ مَعْقِلٍ يَقُولُ :لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ .(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۵۶۲۸،فِي التَّكْبِيرِ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْعِيدِ)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر حضرات سے عید کی رات میں بھی تکبیر کہنے کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عَنْ عَطَاءٍ ، قَالَ :إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ أَنْ يُكَبِّرَ يَوْمَ الْعِيدِ.(مُصنف ابن أبی شيبة،حديث نمبر ۵۶۷۲،فِي التَّكْبِيرِ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْعِيد)

عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ ، قَالَ :خَرَجْتُ مَعَ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ ، وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى فَلَمْ يَزَالاَ يُكَبِّرَانِ ، وَيَأْمُرَانِ مَنْ مَرَّا بِهِ بِالتَّكْبِيرِ .(مُصنف ابن أبی شيبة،حديث نمبر ۵۶۶۹،فِي التَّكْبِيرِ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْعِيد،واللفظ لهٗ، احكام العيدين للفريابی، حديث نمبر ۵۵)

عَنْ شُعْبَةَ ، قَالَ :قُلْتُ لِلْحَكَمِ ، وَحَمَّادٍ :أُكَبِّرُ إِذَا خَرَجْتُ إِلَى الْعِيدِ ؟ قَالاَ : نَعَمْ.(مُصنف ابن أبی شيبة،حديث نمبر ۵۶۷۳،فِي التَّكْبِيرِ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْعِيد)

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ؛ أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يُكَبِّرُ يَوْمَ الْعِيدِ.(مُصنف ابن أبی شيبة،حديث نمبر ۵۶۷۴،فِي التَّكْبِيرِ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْعِيد)

عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، قَالَ :كَانَ النَّاسُ يُكَبِّرُونَ فِي الْعِيدِ ، حِينَ يَخْرُجُونَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ حَتَّى يَأْتُوا الْمُصَلَّى ، وَحَتَّى يَخْرُجَ الإِمَامُ ، فَإِذَا خَرَجَ الإِمَامُ سَكَتُوا ، فَإِذَا كَبَّرَ كَبَّرُوا.(مُصنف ابن أبی شيبة،حديث نمبر ۵۶۷۵،فِي التَّكْبِيرِ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْعِيد)

عَنِ الأَعْمَشِ ، قَالَ :كُنْتُ أَخْرُجُ مَعَ أَصْحَابِنَا ؛ إِبْرَاهِيمَ وَخَيْثَمَةَ ، وَأَبِي صَالِحٍ يَوْمَ الْعِيدِ فَلاَ يُكَبِّرُونَ.(مُصنف ابن أبی شيبة،حديث نمبر ۵۶۷۰،فِي التَّكْبِيرِ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْعِيد)

قلت : لعلهم يكبرون سرا، كما هو قول ابی حنيفة رحمه الله.

عَنْ شُعْبَةَ ، قَالَ :كُنْتُ أَقُودُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَوْمَ الْعِيدِ ، فَسَمِعَ النَّاسَ يُكَبِّرُونَ ، فَقَالَ :مَا شَأْنُ النَّاسِ ؟ قُلْتُ :يُكَبِّرُونَ ، قَالَ :يُكَبِّرُونَ ؟ قَالَ :يُكَبِّرُ الإِمَامُ ؟ قُلْتُ :لاَ ، قَالَ :أَمَجَانِينُ النَّاسُ ؟.(مُصنف ابن أبی شيبة،حديث نمبر ۵۶۷۶،فِي التَّكْبِيرِ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْعِيد)

فقال قائل فقد روى عن عبد الله بن عباس ما يخالف ما فى هذه الآثار فذكر ما قد حدثنا بكار بن قتيبة حدثنا أبو عامر العقدى حدثنا ابن أبى ذئب عن شعبة مولى ابن عباس قال كنت أقود ابن عباس إلى المصلى فيسمع الناس يكبرون فيقول ما شأن الناس أيكبر الإمام فأقول لا فيقول أمجانين الناس فكان جوابنا له فى ذلك أنه قد يحتمل أن يكون التكبير الذى أنكره ابن عباس لما سمعه كان تكبير من فى المصلى وليس ذلك بموضع تكبير فقال من أجل ذلك ما قال إن ذلك الموضع إنما يكبر الناس فيه بعد دخولهم فى الصلاة لعيدهم ولتكبير الإمام التكبير الذى يكبره فيها مما يكبر الناس بتكبيره فيها وهو أولى ما حمل عليه ما قد روى عنه من هذا حتى لا يكون خارجا عما رويناه عما سواه فى هذا الباب فقال قائل فقد روى عن إبراهيم ما يدل على كراهته كان لذلك فذكر ما قد حدثنا أحمد بن داود حدثنا محمد بن يحيى بن أبى عمر حدثنا سفيان عن على بن حى عن إبراهيم النخعى أنه سئل عن التكبير يوم الفطر فقال إنما يفعله الحواكون فكان جوابنا له فى ذلك أن ما روينا فى هذا الباب مما تقدمت روايتنا إياه فيه عمن روينا عنه فيه أولى أن يؤخذ به مما رويناه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مستحب ہونا مروی ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن إبراهيم مما يخالفه وإن كان غير متصل به في إسناده لأن على بن حى لم يلقه ولم يسمع منه وقد روى فى تأويل قول الله عز وجل ؟(ولتكبروا الله على ما هداكم) ؟ البقرة ١٨٥ ما يدل على ما روى خلاف ذلك مما قد ذكرناه قبله في هذا الباب كما حدثنا ابن أبى داود حدثنا عبد الله بن محمد بن أسماء حدثنا عبد الله بن المبارك عن داود بن قيس قال سمعت زيد بن أسلم يقول ؟(ولتكملوا العدة ولتكبروا الله على ما هداكم) ؟ البقرة ١٨٥ قال التكبير يوم الفطر وقد روى عن عطاء بن أبى رباح أن التكبير فى العيد سنة.

كما حدثنا أبو أمية قال حدثنا عبد الرحمن بن قيس الضبى قال حدثنا ابن جريج عن عطاء فى التكبير يوم العيد قال سنة وفيما قد ذكرنا فى هذا الباب مما يوجب التكبير فى يوم العيد فى الطريق إلى المصلى مما يجب التمسك به وترك خلافه وبالله التوفيق(شرح مشكل الآثار،باب بيان مشكل ما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من إظهار التكبير فى العيد وفى أى حال يكون من الطريق إليه أم بعد الجلوس فيه)

۱؎ حَدَّثَنِي يُونُسُ، قَالَ :أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ :قَالَ ابْنُ زَيْدٍ، كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ " حَقٌّ عَلَى الْمُسْلِمِينَ إِذَا نَظَرُوا إِلَى هِلَالِ شَوَّالٍ أَنْ يُكَبِّرُوا اللَّهَ حَتَّى يَفْرُغُوا مِنْ عِيدِهِمْ؛ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى ذِكْرُهُ يَقُولُ :(وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ)قَالَ ابْنُ زَيْدٍ: يَنْبَغِي لَهُمْ إِذَا غَدَوْا إِلَى الْمُصَلَّى كَبَّرُوا، فَإِذَا جَلَسُوا كَبَّرُوا، فَإِذَا جَاءَ الْإِمَامُ صَمَتُوا، فَإِذَا كَبَّرَ الْإِمَامُ كَبَّرُوا، وَلَا يُكَبِّرُونَ إِذَا جَاءَ الْإِمَامُ إِلَّا بِتَكْبِيرِهِ، حَتَّى إِذَا فَرَغَ وَانْقَضَتِ الصَّلَاةُ فَقَدِ انْقَضَى الْعِيدُ قَالَ يُونُسُ، قَالَ ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ زَيْدٍ وَالْجَمَاعَةُ عِنْدَنَا عَلَى أَنْ يَغْدُوا بِالتَّكْبِيرِ إِلَى الْمُصَلَّى(تفسير طبرى، ج۳ص ۲۲۲، تحت سورة البقرة)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ، قَالَ :ثنا سُفْيَانُ، فِي قَوْلِهِ تَعَالَى :(وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ)قَالَ " :نَرْجُو أَنْ يَكُونَ التَّكْبِيرُ لَيْلَةَ الْفِطْرِ "وَزَعَمَ الْمَكِّيُّونَ أَنَّهُمْ رَأَوْا مَشَايِخَهُمْ يُكَبِّرُونَ لَيْلَةَ الْفِطْرِ إِلَى خُرُوجِ الْإِمَامِ يَوْمَ الْعِيدِ، وَيُظْهِرُونَ التَّكْبِيرَ، وَيَرَوْنَهُ سُنَّةً، وَهُمْ عَلَى ذَلِكَ الْيَوْمَ(اخبار مكة للفاكهى، حديث نمبر ۱۷۰۳)

قَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ :وَمِنَ السُّنَّةِ إِظْهَارُ التَّكْبِيرِ لَيْلَتَيِ الْعِيدَيْنِ، مُقِيمِينَ وَسَفْرًا فِي مَنَازِلِهِمْ، وَمَسَاجِدِهِمْ، وَأَسْوَاقِهِمْ، وَبَعْدَ الْغُدُوِّ فِي الطَّرِيقِ، وَبِالْمُصَلَّى إِلَى أَنْ يَحْضُرَ الْإِمَامُ.

رُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَغْدُو إِلَى الْمُصَلَّى يَوْمَ الْفِطْرِ إِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ، فَيُكَبِّرُ حَتَّى يَأْتِيَ الْمُصَلَّى، ثُمَّ يُكَبِّرُ بِالْمُصَلَّى حَتَّى إِذَا جَلَسَ الإِمَامُ تَرَكَ التَّكْبِيرَ.

وَعَنِ ابْنِ الْمُسَيِّبِ، وَعُرْوَةَ، وَأَبِي سَلَمَةَ، وَأَبِي بَكْرٍ :يُكَبِّرُونَ لَيْلَةَ الْفِطْرِ فِي الْمَسْجِدِ يَجْهَرُونَ بِالتَّكْبِيرِ .

وَعَنْ عُرْوَةَ وَأَبِي سَلَمَةَ :أَنَّهُمَا كَانَا يَجْهَرَانِ بِالتَّكْبِيرِ حِينَ يَغْدُونَ إِلَى الْمُصَلَّى .

وَكَانَ عُمَرُ يُكَبِّرُ فِي قُبَّتِهِ بِمِنًى، فَيَسْمَعُ أَهْلُ الْمَسْجِدِ، فَيُكَبِّرُونَ وَيُكَبِّرُ أَهْلُ الْأَسْوَاقِ، حَتَّى تَرْتَجَّ مِنًى تَكْبِيرًا .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ان احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ عید الفطر کی رات میں، اور بطورِ خاص عید کے دن عید کی نماز کے لئے جاتے ہوئے اور عید گاہ میں پہنچ کر امام کی آمد سے پہلے تکبیر کہنا سنت ومستحب ہے، اور تکبیر کا بلند آواز سے کہنا بہتر ہے، اور اگر کوئی آہستہ آواز میں کہے، تو بھی حرج نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَقَالَ الْأَسْوَدُ :كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يُكَبِّرُ :اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلا اللَّهُ، وَ اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، وَلِلَّهِ الْحَمْدُ .

قَالَ الزُّهْرِيُّ :مَضَتِ السُّنَّةُ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْمُصَلَّى يَوْمَ الْفِطْرِ أَنْ يُكَبِّرَ حِينَ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهِ إِلَى الْمُصَلَّى، وَحِينَ يَخْرُجُ الْإِمَامُ، فَإِذَا فَرَغَ مِنَ الصَّلاةِ قَطَعَ التَّكْبِيرَ، فَكَانَ النَّاسُ يَفْعَلُونَ ذَلِكَ، فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ سَكَتُوا، فَإِذَا كَبَّرَ كَبَّرُوا.

وَرُوِيَ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ، وَأَبَا هُرَيْرَةَ كَانَا يَخْرُجَانِ إِلَى السُّوقِ فِي أَيَّامِ الْعَشْرِ يُكَبِّرَانِ، وَيُكَبِّرُ النَّاسُ بِتَكْبِيرِهِمَا(شرح السنة، ج۴ص ۳۰۱، كتاب الجمعة،باب لا أذان ولا إقامة لصلاة العيد وتقديم الصلاة)

[1] وفيه :استحباب التكبير يوم العيد، وكذا في ليلته في طريق المصلى، وروى عن على، رضى الله تعالى عنه، أنه كبر يوم الأضحى حتى أتى الجبانة، وعن أبي قتادة :أنه كان يكبر يوم العيد حتى يبلغ المصلى، وعن ابن عمر أنه كان يكبر في العيد حتى يبلغ المصلى ويرفع صوته بالتكبير، وهو قول مالك والأوزاعي .وقال مالك :يكبر في المصلى إلى أن يخرج الإمام، فإذا خرج قطعه ولا يكبر إلا إذا رجع .وقال الشافعي :أحب إظهار التكبير ليلة النحر، وإذا غدوا إلى المصلى حتى يخرج الإمام ليلة الفطر عقيب الصلوات في الأصح .وقال أبو حنيفة :يكبر يوم الأضحى، يخرج في ذهابه ولا يكبر يوم الفطر، وقال الطحاوى :ومن كبر يوم الفطر تأول فيه قوله تعالى :(ولتكبروا الله على ما هداكم) (البقرة:١٨٥، والحج:٣٧).وتأول ذلك زيد بن أسلم، ويجعل ذلك تعظيم الله بالأفعال والأقوال كقوله :(وكبره تكبيرا) (الإسراء:١١١).والقياس أن يكبر في العيدين جميعا، لأن صلاتي العيدين لا تختلفان في التكبير فيهما، والخطبة بعدهما وسائر سنتهما، وكذلك التكبير في الخروج إليهما(عمدة القارى، ج٦ ص ٢٩٥، كتاب العيدين،باب حمل العنزة أو الحربة بين يدى الإمام يوم العيد)

واختلف فقهاء الأمصار في ذلك، فروى المعلى عن أبي يوسف عن أبي حنيفة قال :يكبر الذى يذهب إلى العيد يوم الأضحى ويجهر بالتكبير ولا يكبر يوم الفطر وقال أبو يوسف :يكبر يوم الأضحى والفطر وليس فيه شيء موقت، لقوله تعالى :(وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ) وقال عمرو: سألت محمدا عن التكبير في العيدين، فقال :نعم يكبر وهو قولنا .وقال الحسن بن زياد عن أبي حنيفة :إن التكبير في العيدين ليس بواجب في الطريق ولا في المصلى، وإنما التكبير الواجب في

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت عمر، حضرت علی، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم، اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے تکبیر کے یہ الفاظ مروی ہیں کہ:

"اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ"[1]

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ اس طرح تکبیر پڑھا کرتے تھے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

صلاة العيد .وذكر الطحاوى أن ابن أبى عمران كان يحكى عن أصحابنا جميعا أن السنة عندهم فى يوم الفطر أن يكبروا فى الطريق إلى المصلى حتى يأتوه، ولم نكن نعرف ما حكاه المعلى عنهم...... ولا خلاف بين الفقهاء أن إظهار التكبير ليس بواجب، ومن كبر فإنما فعله استبراء ، ومع ذلك فإنه متى فعل أدنى ما يسمى تكبيرا فقد وافق مقتضى الآية، إلا أن ما روى من ذلك عن النبى صلى الله عليه وسلم وعن السلف من الصدر الأول والتابعين فى تكبيرهم يوم الفطر فى طريق المصلى، يدل على أنه مراد الآية، فالأظهر من ذلك أن فعله مندوب إليه ومستحب لا حتما واجبا .والذى ذكره ابن أبى عمران هو أولى بمذهب أبى حنيفة وسائر أصحابنا، لما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم من طريق الزهرى وإن كان مرسلا، وعن السلف، فلأن ذلك موافق لظاهر الآية ;إذ كانت تقتضى تجديد تكبير عند إكمال العدة، والفطر أولى بذلك من الأضحى، وإذا كان ذلك عنده مسنونا فى الأضحى فالفطر كذلك ;لأن صلاتى العيدين لا تختلفان فى حكم التكبير فيهما والخطبة بعدهما وسائر سننهما، فكذلك ينبغى أن تكون سنة التكبير فى الخروج إليهما(أحكام القرآن للجصاص، ج ١ ص ٢٧٣، ٢٧٤ ،سورة البقرة،باب فى عدد قضاء رمضان)

[1] حدثنا محمد بن الصباح ، قال :ثنا عبد الرزاق ، عن ابن التيمى ، عن الحجاج بن أرطأة ، عن عطاء بن أبى رباح ، عن عبيد بن عمير ، أن عمر :كان يكبر من صلاة الغداة يوم عرفة إلى صلاة الظهر من آخر أيام التشريق يكبر فى العصر يقول :الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله ، والله أكبر الله أكبر ولله الحمد (الاوسط لابن المنذر، حديث نمبر ٢١٦٦)

عَنْ أَبِى الْأَحْوَص ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ؛ أَنَّهُ كَانَ يُكَبِّرُ أَيَّامَ التَّشْرِيقِ :اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ(مصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ٥٦٩٧، كَيْفَ يُكَبِّرُ يَوْمَ عَرَفَةَ ؟)

حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ ، قَالَ :حَدَّثَنَا شَرِيكٌ ، قَالَ :قُلْتُ لأَبِى إِسْحَاقَ :كَيْفَ كَانَ تَكْبِيرُ عَلِيٍّ ، وَعَبْدِ اللهِ ؟ فَقَالَ :كَانَا يَقُولاَنِ :اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ(مصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ٥٦٩٩، كَيْفَ يُكَبِّرُ يَوْمَ عَرَفَةَ ؟)

عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، قَالَ :كَانُوا يُكَبِّرُونَ يَوْمَ عَرَفَةَ وَأَحَدُهُمْ مُسْتَقْبِلٌ الْقِبْلَةَ فِى دُبُرِ الصَّلاَةِ :اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ(مصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ٥٦٩٦، كَيْفَ يُكَبِّرُ يَوْمَ عَرَفَةَ ؟)

اَللّٰہُ أَکْبَرُ کَبِیْرًا اَللّٰہُ أَکْبَرُ کَبِیْرًا اَللّٰہُ أَکْبَرُ وَأَجَلُّ اَللّٰہُ أَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ (مُصنف ابن أبی شیبۃ) [1]

اور بعض حضرات سے صرف اَللّٰہُ أَکْبَرُ کے الفاظ بھی مروی ہیں۔ [2]

پس گنجائش تو ان میں سے کسی بھی الفاظ کے کہہ لینے کی ہے، لیکن حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہم کی تکبیر زیادہ جامع ہونے کے ساتھ ساتھ امت میں متعارف بھی ہے، (کیونکہ اس میں تکبیر، تہلیل، اور تحمید کے تینوں جملے موجود ہیں) اس لئے ہمارے فقہائے کرام نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ [3]

(۱۴)......نماز کے لئے جانے سے پہلے کچھ کھالینا

عید الفطر کا دن کیونکہ کھانے پینے کا دن ہے، اور اس دن کو رمضان کے دِنوں سے کھانے پینے کے اعتبار سے امتیاز حاصل ہے، اس لئے عید الفطر کی نماز کے لئے جانے سے پہلے کچھ کھالینا

---

[1] حدیث نمبر ۵۷۰۱، کتاب الصلاۃ، کَیْفَ یُکَبِّرُ یَوْمَ عَرَفَۃَ ؟

[2] حَدَّثَنَا یَزِیدُ بْنُ ہَارُونَ ، قَالَ : أَخْبَرَنَا حُمَیْدٌ ؛ أَنَّ الْحَسَنَ کَانَ یُکَبِّرُ : اللَّہُ أَکْبَرُ اللَّہُ أَکْبَرُ ، ثَلاَثَ مَرَّاتٍ (مُصنف ابن أبی شیبۃ، حدیث نمبر ۵۷۰۰، کَیْفَ یُکَبِّرُ یَوْمَ عَرَفَۃَ ؟)

[3] حدثنا علی بن عبد العزیز ، قال : ثنا حجاج ، قال : ثنا حماد ، عن حجاج ، عن أبی إسحاق ، عن عاصم بن ضمرۃ ، عن علی أن علیا : کان یکبر یوم عرفۃ صلاۃ الفجر إلی العصر من آخر أیام التشریق یقول : اللہ أکبر اللہ أکبر ، لا إلہ إلا اللہ ، واللہ أکبر اللہ أکبر وللہ الحمد . وبہ قال النخعی ، والثوری ، وأحمد ، وإسحاق ، وسفیان ، ومحمد . وقالت طائفۃ : یکبر ثلاثا ، اللہ أکبر ، اللہ أکبر ، اللہ أکبر ، ہذا قول مالک ، والشافعی ، وبہ قال الحسن البصری . وفیہ قول ثالث : وہو أن یقول : اللہ أکبر ، اللہ أکبر ، اللہ أکبر کبیرا ، اللہ أکبر تکبیرا ، اللہ أکبر وأجل ، اللہ أکبر وللہ الحمد ، روینا ہذا القول عن ابن عباس (الاوسط لابن المنذر، حدیث نمبر ۲۱۶۸)

اختلفت الروایات عن الصحابۃ -رضی اللہ عنہم- فی تفسیر التکبیر، روی اللہ أکبر اللہ أکبر لا إلہ إلا اللہ، واللہ أکبر اللہ أکبر وللہ الحمد وہو قول علی وابن مسعود -رضی اللہ عنہما-، وکان ابن عمر یقول: اللہ أکبر اللہ أکبر اللہ أکبر وأجل، اللہ أکبر وللہ الحمد، وبہ أخذ الشافعی.

وکان ابن عباس یقول: اللہ أکبر اللہ أکبر لا إلہ إلا اللہ الحی القیوم یحیی ویمیت وہو علی کل شیء قدیر، وإنما أخذنا بقول علی وابن مسعود -رضی اللہ عنہما-؛ لأنہ المشہور والمتوارث من الأمۃ؛ ولأنہ أجمع لاشتمالہ علی التکبیر والتہلیل والتحمید فکان أولی (بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۱۹۵، کتاب الصلاۃ، فصل حکم التکبیر فی أیام التشریق)

سنت ہے۔

چنانچہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَأْكُلَ، وَكَانَ لَا يَأْكُلُ يَوْمَ النَّحْرِ حَتّٰى يَرْجِعَ (سنن ابنِ ماجه) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر کے دن کچھ کھائے بغیر نہیں نکلتے تھے، اور عیدالاضحیٰ کے دن (عید کی نماز سے) لوٹ کر ہی کھاتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْفِطْرِ، لَمْ يَخْرُجْ حَتّٰى يَأْكُلَ تَمَرَاتٍ يَأْكُلُهُنَّ إِفْرَادًا (مسند احمد) [۲]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر کے دن چند طاق عدد کھجوریں کھائے بغیر (عید کی نماز کے لئے) نہیں جاتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عطاء سے روایت ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا يَغْدُوَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَطْعَمَ، فَلْيَفْعَلْ (مسنداحمد) [۳]

ترجمہ: اگر تمہیں اس چیز کی استطاعت ہو، کہ تم میں سے کوئی عیدالفطر کے دن کچھ کھائے بغیر (عید کی نماز کے لئے) نہ نکلے، تو اسے چاہئے کہ ایسا کرے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ:

---

[۱] حديث نمبر ١٧٥٦، كتاب الصيام، باب في الأكل يوم الفطر قبل أن يخرج.

[۲] حديث نمبر ١٢٢٦٨، مؤسسة الرسالة، بيروت.

في حاشية مسند احمد: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن من أجل مُرجى بن رجاء، وباقي رجاله رجال الشيخين.

[۳] حديث نمبر ٢٨٦٦، مؤسسة الرسالة، بيروت.

في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

مِنَ السُّنَّةِ أَنْ لَا تَخْرُجَ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى تُخْرِجَ الصَّدَقَةَ، وَتَطْعَمَ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ (المعجم الكبير للطبرانی) [۱]

ترجمہ: یہ بات سنت سے تعلق رکھتی ہے کہ آپ عید الفطر کے دن (عید کی نماز کے لئے) نکلنے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کر دیں، اور نکلنے سے پہلے کچھ کھالیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

إِذَا خَرَجْتَ يَوْمَ الْعِيدِ، يَعْنِي الْفِطْرَ ، فَكُلْ وَلَوْ تَمْرَةً (مصنف ابنِ ابی شيبة) [۲]

ترجمہ: جب آپ عید الفطر کے دن (عید کی نماز کے لئے) نکلیں، تو کچھ کھالیں، اگرچہ ایک کھجور (یا چھوارا) ہی سہی (ترجمہ ختم)

حضرت امِ درداء رضی اللہ عنہا سے بھی اسی قسم کی روایت مروی ہے۔ [۳]

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

كَانَ النَّاسُ يَأْكُلُوْنَ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجُوْا (مصنف عبدالرزاق) [۴]

ترجمہ: صحابۂ کرام عید الفطر کے دن نکلنے سے پہلے کچھ کھالیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح کے الفاظ میں روایت مروی ہے۔ [۵]

---

[۱] حديث نمبر ۱۱۲۹۶، مكتبة ابنِ تيمية، القاهرة، واللفظ لهٗ، سنن دارقطنى، حديث نمبر ۱۷۰۹، وحديث نمبر ۲۱۳۶، المعجم الاوسط للطبرانى، حديث نمبر ۴۵۱.

[۲] حديث نمبر ۵۶۴۱، كتاب الصلاة، فى الطعام يوم الفطر قبل أن يخرج إلى المصلى.
قال الالبانى: وإسناده صحيح، وعبدالله هذا هو الأنصارى أبو الوليد (السلسلة الصحيحة، تحت حديث رقم ۳۰۳۸)

[۳] عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ أَبِي عَبْلَةَ ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ ، قَالَتْ : كُلْ قَبْلَ أَنْ تَغْدُوَ يَوْمَ الْفِطْرِ ، وَلَوْ تَمْرَةً (مصنف ابنِ ابی شيبة، حديث نمبر ۵۶۳۹)

[۴] حديث نمبر ۵۷۴۱، كتاب صلاة العيدين، باب الاكل قبل الصلاة، المكتب الاسلامى، بيروت.

[۵] عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيِّبِ قَالَ " : كَانَ الْمُسْلِمُونَ يَأْكُلُونَ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ الصَّلَاةِ، وَلَا يَفْعَلُونَ ذَلِكَ يَوْمَ النَّحْرِ " (سنن البيهقى، حديث نمبر ۶۱۶۳، واللفظ لهٗ، معرفة السنن والآثار، حديث نمبر ۱۹۱۴، احكام العيدين للفريابى، حديث نمبر ۱۸)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

مِنَ السُّنَّةِ أَنْ تَخْرُجَ إِلَى الْعِيدِ مَاشِيًا، وَأَنْ تَأْكُلَ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ (ترمذی) [1]

ترجمہ: سنت یہ ہے کہ آپ عید کے دن (نمازِ عید کے لئے) پیدل نکلیں، اور آپ نکلنے سے پہلے کچھ کھالیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

سُنَّةُ الْفِطْرِ ثَلَاثٌ اَلْمَشْيُ إِلَى الْمُصَلّٰى، وَالْأَكْلُ قَبْلَ الْخُرُوْجِ، وَالِاغْتِسَالُ (أحكام العيدين للفريابي) [2]

ترجمہ: عید الفطر کے دن یہ تینوں کام سنت ہیں، عید کی نماز کی جگہ کی طرف پیدل جانا، اور نکلنے سے پہلے کچھ کھالینا، اور غسل کرنا (ترجمہ ختم)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قال الالبانی:

وفی معنی حدیث الترجمة ما رواه البیهقی ۳/۲۸۳ بسند صحیح عن سعید بن المسیب قال : کان المسلمون یاکلون یوم الفطر قبل الصلاة؛ ولا یفعلون ذلک یوم النحر .فإن (المسلمون) فی هذا الأثر إنما هم أصحاب النبی -صلی الله علیه وسلم- الذین تلقوا هذه السنة من النبی -صلی الله علیه وسلم-، وهی المقصودة بقول ابن عباس) :(من السنة)؛ کما هو مقرر فی علم مصطلح الحدیث.
علی أن للحدیث شواهد کثیرة صریحة الرفع إلی النبی -صلی الله علیه وسلم-؛ کحدیث أنس) :(کان رسول الله -صلی الله علیه وسلم- لا یغدو یوم الفطر حتی یأکل تمرات)رواه البخاری وغیره .وزاد بعض الضعفاء)(سبع تمرات)(السلسلة الصحیحة ، تحت حدیث رقم ۳۰۳۸)

[1] حدیث نمبر ۵۳۰،ابواب العیدین، باب ماجاء فی المشی یوم العید،شرکة مکتبة ومطبعة مصطفی البابی الحلبی -مصر،واللفظ لهٗ، سنن البیهقی، حدیث نمبر ۶۱۵۸.
قال الترمذی: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

[2] حدیث نمبر ۲۶،،باب ما روی أن السنة المشی إلی العیدین،مکتبة العلوم والحکم -المدینة المنورة.
قال الالبانی:وإسناده صحیح(ارواء الغلیل، تحت حدیث رقم ۶۳۶)

اور حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

مَضَتِ السُّنَّةُ أَنْ تَأْكُلَ قَبْلَ أَنْ تَغْدُوَ يَوْمَ الْفِطْرِ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

ترجمہ: یہ سنت چلتی آ رہی ہے کہ آپ عید الفطر کے دن نکلنے سے پہلے کچھ کھالیں

(ترجمہ ختم)

ان احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ عید کے دن عید کی نماز کو جانے سے پہلے کچھ کھالینا سنت ہے، اور یہ سنت کسی بھی قسم کی چیز کے کھالینے سے ادا ہوجاتی ہے۔

اور اگر طاق عدد کھجور یا چھوارے کھالے، خواہ ایک ہی ہو، تو یہ زیادہ بہتر ہے، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری اتباع ہوجائے۔

اور بعض اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ اگر کسی کو کھجور وغیرہ میسر نہ ہو، تو پھر کوئی بھی میٹھی چیز کھالینا بہتر ہے (کیونکہ میٹھی چیز کو کھجور کے ساتھ مشابہت حاصل ہے) [2]

---

[1] حديث نمبر ۵۶۴۰، كتاب الصلاة، في الطعام يوم الفطر قبل أن يخرج إلى المصلى.

[2] بعض تابعین سے شہد کا چاٹنا اور بعض سے چپاتی کا ایک لقمہ، یا دودھ یا پانی کا پینا بھی ثابت ہے۔
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل سنت تو کسی چیز کا کھالینا ہے، اور کھجور بہتر ہے، اور وہ نہ ہو تو میٹھی چیز ورنہ کسی بھی چیز کے استعمال سے اس سنت پر عمل ہوجاتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد رضوان۔

أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ، يَقُولُ " :إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا يَغْدُوَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتَّى يَطْعَمَ، فَلْيَفْعَلْ "قَالَ " :فَلَمْ أَدَعْ أَنْ آكُلَ قَبْلَ أَنْ أَغْدُوَ مُنْذُ سَمِعْتُ ذَلِكَ مِنَ ابْنِ عَبَّاسٍ، فَآكُلَ مِنْ طَرَفِ الصَّرِيقَةِ الْأُكْلَةَ، أَوْ أَشْرَبَ اللَّبَنَ، أَوِ الْمَاءَ، قُلْتُ :فَعَلَامَ يُؤَوَّلُ هَذَا ؟ قَالَ :سَمِعَهُ أَظُنُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "، قَالَ " :كَانُوا لَا يَخْرُجُونَ حَتَّى يَمْتَدَّ الضَّحَاءُ، فَيَقُولُونَ :نَطْعَمُ لِئَلَا نَعْجَلَ عَنْ صَلَاتِنَا "(مسند احمد، حديث نمبر ٢٨٦٦)

فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

الصَّرَق مُحرَّكة أهمله الجوهَرىّ وقال ابنُ الأعرابِىّ :هو الرّقيقُ من كلِّ شىء .قال :وإنّهم يقولون :الصَّريقة كسَفينَة هى :الرُّقاقَةُ من الخُبز .ومنه حَديثُ ابْنِ عبّاسٍ رضِى اللهُ عنهما :أنّه كان يأكُل يوْمَ الفِطْر قبلَ أنْ يخرُج الى المُصلّى من طرَفِ الصّريقَة ويقول :إنّه سُنّة هكذا رُوِى بالقافِ والرّاءِ قال الأزهَرىُّ :وعَوامُّ النّاسِ تقول :الصّليقَة باللاّم .ورَواه الخَطّابىُّ فى غريبِه فى حَديث عَطاء بالفاء .قال :هكذا رُوِى وهو بالقاف .قال الفراءُ :ج صَريقٌ وصُرُقٌ بضمّتَين

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اگر کھجور یا میٹھی چیز کے علاوہ کچھ بھی کھالیا جائے، تب بھی سنت ادا ہوجاتی ہے۔

اور بعض حضرات کے نزدیک یہ سنت مرد حضرات کے علاوہ عورتوں اور ان لوگوں کے لئے بھی ہے، جو عید کی نماز ادا نہ کریں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وصَرائِق زاد غيرُه :وصُرُوق .ورُوِى فى حَديثِ عُمَرَ -رضى الله عنه : -لو شِئْتُ لَدَعَوْتُ بصَرائِقَ وصِنابٍ والأعرَفُ بصلائِق حكاه الهَرَوِىُّ فى الغَرِيبَيْنِ .وممّا يُسْتَدرك عليه :صَرَقُ الحَرِير مُحرَّكة :جَيِّدُه لغةٌ فى السِّينِ حكاه ابنُ شُمَيْلٍ (تاج العروس من جواهر القاموس،ماده،ص ر ق)
(الرقاق) الرقيق و المرقق و الخبز المنبسط الرقيق يقال خبز رقاق و مشى مشيا رقاقا سهلا واحدته رقاقة(المعجم الوسيط، باب الراء)
أَخْبَرَنَا حُصَيْنٌ ، قَالَ :غَدَوْتُ مَعَ مُعَاوِيَةَ بْنِ سُوَيْد بْنِ مُقَرِّنٍ يَوْمَ فِطْرٍ ، فَقُلْتُ لَهُ :يَا أَبَا سُوَيْد ، هَلْ طَعِمْتَ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ تَغْدُوَ ؟ قَالَ :لَعِقْتُ لَعْقَةً مِنْ عَسَلٍ(مصنف ابنِ ابى شيبة، حديث نمبر ۵۶۳۱)
عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ ، عَنِ ابْنِ مَعْقِلٍ ؛ أَنَّهُ لَعِقَ لَعْقَةً مِنْ عَسَلٍ ، ثُمَّ خَرَجَ(مصنف ابنِ ابى شيبة، حديث نمبر ۵۶۳۲)

[1] ويستحب يوم الفطر أن يأكل شيئا قبل الصلاة والأولى أن يكون تمرا إن تيسر وإلا فشيئا حلوا ويوم الأضحى يؤخر الأكل إلى ما بعد الصلاة(منية المصلى،فصل فى صلاة العيد)
ويستحب يوم الفطر أن يأكل شيئا قبل الصلاة لماروى انس كان عليه الصلاة والسلام لا يغدوا يوم الفطر حتى ياكل تمرات وياكلهن وترا رواه البخارى، فلذا ينبغى ان يكون الماكول تمرا ان وجد، والا فشيئا حلوا (حلبى كبير صفحه ۵۶۶،فصل فى صلاة العيد)
قال المصنف رحمه الله *(والسنة ان يأكل فى يوم الفطر قبل الصلاة ويمسك يوم النحر حتى يفرغ من الصلاة لما روى بريدة رضى الله عنه قال "كان النبى صلى الله عليه وسلم لا يخرج يوم الفطر حتى يطعم ويوم النحر لا يأكل حتى يرجع فيأكل من نسيكته "والسنة أن يأكل التمر ويكون وترا لما روى انس رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم "كان لا يخرج يوم الفطر حتى يأكل تمرات ويأكلهن وترا(المجموع شرح المهذب، ج۵ص۵،باب صلاة العيدين)
ويستحب فى عيد الفطر أن يأكل شيئا قبل خروجه إلى الصلاة ولا يأكل فى الأضحى حتى يصلى ويرجع .قلت ويستحب أن يكون المأكول تمرا إن أمكن ويكون وترا والله أعلم(روضة الطالبين وعمدة المفتين،للنووى، ج۲ص۷۶،فصل فى السنن المستحبة ليلة العيد ويومه)
مسألة :قال :(وأكلوا إن كان فطرا) السنة أن يأكل فى الفطر قبل الصلاة ، ولا يأكل فى الأضحى حتى يصلى .وهذا قول أكثر أهل العلم ؛ منهم على ، وابن عباس ، ومالك والشافعى وغيرهم ، لا نعلم فيه خلافا قال :أنس :(كان النبى صلى الله عليه وسلم لا يغدو يوم الفطر حتى يأكل تمرات) رواه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملحوظ رہے کہ آج کل بعض عوام عید کی رات کو اور عید کے دن نماز سے پہلے تک بھوکا پیاسا رہنے کو روزہ کا نام دیتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ عید کی رات میں روزہ ہوتا ہے اور وہ عید کے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

البخاری .وفی روایة استشهد بها " :ویأکلهن وترا . "
وروی عن بریدة ، قال (کان النبی صلی الله علیه وسلم لا یخرج یوم الفطر حتی یفطر ، ولا یطعم یوم الأضحی حتی یصلی).
رواه الأثرم ، والترمذی ، ولفظ روایة الأثرم " :حتی یضحی . "
ولأن یوم الفطر یوم حرم فیه الصیام عقیب وجوبه ، فاستحب تعجیل الفطر لإظهار المبادرة إلی طاعة الله تعالی ، وامتثال أمره فی الفطر علی خلاف العادة ، والأضحی بخلافه .
ولأن فی الأضحی شرع الأضحیة والأکل منها ، فاستحب أن یکون فطره علی شیء منها .
قال أحمد :والأضحی لا یأکل فیه حتی یرجع إذا کان له ذبح ؛ لأن النبی صلی الله علیه وسلم أکل من ذبیحته ، وإذا لم یکن له ذبح لم یبال أن یأکل .
فصل :والمستحب أن یفطر علی التمر ؛ لأن النبی صلی الله علیه وسلم کان یفطر علیه ، ویأکلهن وترا ، لقول أنس :یأکلهن وترا ؛ ولأن الله تعالی وتر یحب الوتر ، ولأن الصائم یستحب له الفطر کذلک (المغنی ،لابن قدامة المقدسی، ج۲ص ۲۷۵ ،باب صلاة العیدین)
ذکر ما یستفاد منه :فیه :أن السنة لا یخرج إلی المصلی یوم عید الفطر إلا بعد أن یطعم تمرات وترا وله شواهد(عمدة القاری، ج۶ ص ۲۷۵ ،باب الأکل یوم الفطر قبل الخروج)
(قوله وندب یوم الفطر أن یطعم ویغتسل ویستاک ویتطیب ویلبس أحسن ثیابه) اقتداء بالنبی -صلی الله علیه وسلم -ویستحب کون ذلک المطعوم حلوا لما روی البخاری کان -علیه الصلاة والسلام -لا یغدو یوم الفطر حتی یأکل تمرات ویأکلهن وترا وأما ما یفعله الناس فی زماننا من جمع التمر مع اللبن والفطر علیه فلیس له أصل فی السنة (البحر الرائق ، ج۲ص ۱۷۱، کتاب الصلاة، باب العیدین)
(قوله حلوا) قال فی فتح القدیر ویستحب کون ذلک المطعوم حلوا لما فی البخاری کان -علیه الصلاة والسلام -لا یغدو یوم الفطر حتی یأکل تمرات ویأکلهن وترا .اهـ.
قلت :فالظاهر أن التمر أفضل کما اقتضاه هذا الخبر فإن لم یجد یأکل شیئا حلوا ثم رأیته فی شرح المنیة (قوله ولو قرویا) کذا فی الشرنبلالیة ولعله یشیر إلی أن ذلک لیس من سنن الصلاة بل من سنن الیوم لأن فی الأکل مبادرة إلی قبول ضیافة الحق سبحانه وإلی امتثال أمره بالإفطار بعد امتثال أمره بالصیام تأمل (ردالمحتار، جزء۲، صفحه ۱۶۸، باب العیدین)
واستحب فی عید الفطر أن یأکل قبل الخروج إلی المصلی تمیرات ثلاثا أو خمسا أو سبعا أو أقل أو أکثر بعد أن یکون وترا وإلا ما شاء من أی حلو کان کذا فی العینی شرح الکنز ولو لم یأکل قبل الصلاة لا یأثم ولو لم یأکل بعدها إلی العشاء ربما یعاقب علیه والأضحی کالفطر فیها إلا أنه یترک

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دن صبح کو کھجور یا میٹھی چیز سے افطار کیا جاتا ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں، اور یہ لاعلمی کی بات ہے، روزہ تو پورے دن کا ہوتا ہے اور عید کے دن تو ویسے ہی روزہ رکھنا گناہ ہے، البتہ عید کی نماز سے پہلے کچھ کھالینا سنت ہے، مگر وہ روزہ نہیں، نہ اس میں روزہ کا ثواب ہے، نہ روزہ کی نیت ہے اور نہ ہی یہ حکم فرض، واجب ہے، صرف سنت ہے، جس کی تفصیل اوپر ذکر کی جاچکی۔

(۱۵)......ایک راستے سے جانا اور دوسرے سے واپس آنا

عید کے دن جس راستہ سے عید کی نماز کے لئے جائیں اس کے علاوہ سے واپس آنا سنت ہے۔

چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَـانَ الـنَّبِـيُّ صَـلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدٍ خَالَفَ الطَّرِيْقَ

(بخاری) [۱]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن (عید کی نماز کے لئے آتے جاتے ہوئے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأكل حتى يصلي العيد كذا في القنية وفي الكبرى الأكل قبل الصلاة يوم الأضحى هل هو مكروه فيه روايتان والمختار أنه لا يكره لكن يستحب له أن لا يفعل كذا في التتارخانية ويستحب أن يكون أول تناولهم من لحوم الأضاحي التي هي ضيافة الله كذا في العيني شرح الهداية(الفتاوى الهندية، ج ا ص ۱۴۹، ۱۵۰، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين)

وندب "أي استحب لمصلي العيد "في "يوم "الفطر ثلاثة عشر شيئا أن يأكل "بعد الفجر قبل ذهابه للمصلي شيئا حلوا كالسكر "و "ندب "أن يكون المأكول تمرا "إن وجد "و "أن يكون عدده "وترا "لما روى عن البخاري عن أنس قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم" :لا يغدو يوم الفطر حتى يأكل تمرات ويأكلهن وترا "ولو لم يأكل قبلها لا يأثم ولو لم يأكل في يومه ذلك ربما يعاقب كذا في الرواية(مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح، ص ۲۰۰، باب صلاة العيدين)

قال في مختصر الوقار يستحب للمرء أن يطعم يوم الفطر بعد صلاة الصبح شيئا من الحلو إن أمكن قبل صعوده المصلى انتهى .قال في التوضيح قال الباجي :ويستحب أن يكون فطره على تمرات (مواهب الجليل لشرح مختصر الخليل، ج ۲ ص ۱۹۴، كتاب الصلاة، فصل في أحكام صلاة العيد)

[۱] حديث نمبر ۹۸۶، كتاب الجمعة، باب من خالف الطريق إذا رجع يوم العيد، دار طوق النجاة، بيروت.

ایک دوسرے کے) مخالف راستے کو اختیار فرماتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْعِيدَيْنِ، رَجَعَ فِي غَيْرِ الطَّرِيقِ الَّذِي خَرَجَ مِنْهُ (صحيح ابن حبان) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب عیدین (کی نماز) کی طرف نکلتے تھے، تو اس راستے کے علاوہ سے لوٹ کر آتے تھے، جس راستے سے تشریف لے جاتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْرُجُ إِلَى الْعِيدَيْنِ مِنْ طَرِيقٍ، وَيَرْجِعُ مِنْ طَرِيقٍ أُخْرٰى (مسند احمد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین (کی نماز) کی طرف ایک راستے سے تشریف لے جاتے تھے، اور دوسرے راستے سے واپس تشریف لاتے تھے (ترجمہ ختم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح ایک راستے سے جانے، اور دوسرے راستے سے واپس آنے میں محدثین نے مختلف حکمتیں و مصلحتیں بیان فرمائی ہیں۔

بہر حال اس قسم کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عید کی نماز کے لئے ایک راستے سے جانا، اور دوسرے راستے سے واپس آنا سنت ہے۔ [3]

---

[1] حديث نمبر ۲۸۱۵، كتاب الصلاة، باب العيدين، مؤسسة الرسالة، بيروت.
قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية صحيح ابنِ حبان)

[2] حديث نمبر ۵۸۷۹، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ، سنن ابى داوٗد، حديث نمبر ۱۱۵۶.
فى حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

[3] (وعن جابر قال: كان النبى -صلى الله عليه وسلم- إذا كان يوم عيد خالف الطريق) أى: رجع فى غير طريق الخروج، قيل: والسبب فيه وجوه منها: أن يشمل أهل الطريقين بركته وبركة من معه من المؤمنين. ومنها: أن يستفتى منه أهل الطريقين. ومنها: إشاعة ذكر الله، ومنها: التحرز

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر پورا راستہ مختلف نہ ہو سکے، تو جتنا راستہ مختلف ہو سکے، اتنا اختیار کر لینے سے امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ سنت ادا ہو جائے گی۔

اور اگر کوئی عذر ہو، تو ایک ہی راستے سے آنے جانے میں بھی کوئی گناہ نہیں۔

(۱۶).....صدقہ کرنا

عید کے دن اپنی وسعت وحیثیت کے مطابق صحیح مستحقین ومساکین کو صدقہ کرنا بھی سنت ومستحب ہے، بشرطیکہ صحیح مستحقین اور غریبوں کا انتخاب کیا جائے، اور پیشہ ور بھکاریوں سے اجتناب کیا جائے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن كيد الكفار .ومنها اعتياد أخذه ذات اليمين حيث عرض له سبيلان، ومنها :أخذ طريق أطول في الذهاب إلى العبادة ليكثر خطاه فيزيد ثوابه، وأخذ طريق أخصر ليسرع إلى مثواه، كذا قاله الطيبي، وتبعه ابن حجر، وفيه أن هذا لا يصلح أن يكون سببا لتعدد الطريق ;لأن طول الطريق إلى المسجد ليس مقصودا بالذات، نعم هذا يصلح أن يكون سببا لاختيار الأطول على الأخصر عند التعارض، مع أنه قد يقال :ينبغي أن يختار الأقرب مبادرة إلى الطاعة، ومسارعة إلى العبادة، بخلاف حال المراجعة .ومنها :أن يتصدق على فقراء الطريقين .ومنها :أن يشهد له الطريقان .ومنها :أن يزور قبور أقاربه .ومنها :أن يزداد المنافقون غيظا إلى غيظهم .ومنها :التفاؤل بتغير الحال .ومنها: أن لا يكثر الازدحام .ومنها :أن عدم التكرار أنشط عند طباع الأنام(مرقاة، ج۳ص ۱۰۶۲، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

وفي الجملة الاقتداء به سنة؛ لاحتمال بقاء المعنى الذي فعله من أجله، ولأنه قد يفعل الشيء لمعنى ويبقى في حق غيره سنة، مع زوال المعنى، كالرمل والاضطباع في طواف القدوم، فعله هو وأصحابه لإظهار الجلد للكفار، وبقي سنة بعد زوالهم(المغني لابنِ قدامة، ج۲ ص ۲۸۹، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

والتاسع ان يرجع من طريق غير الطريق الذى خرج منه لان النبى عليه السلام كان يفعل ذلك(النتف في الفتاویٰ، ج ۱ ص ۹۹، كتاب الصلاة)

(و) يسن (رجوعه) أي المصلي (في غير طريق غدوه) لحديث جابر (كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا خرج إلى العيد خالف إلى الطريق) رواه البخاري ورواه مسلم عن أبي هريرة وعلته شهادة الطريقين ، أو تسويته بينهما في التبرك بمروره ، أو سرورهما بمرور ، أو الصدقة على فقرائهما ونحوه فلذا قال (وكذا جمعة) ولا يمتنع في غيرها (شرح منتهى الارادات ،كتاب الصلاة، باب احكام صلاة العيدين)

چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں مروی ہے کہ:

فَصَلّٰی، ثُمَّ خَطَبَ وَلَمْ یَذْکُرْ أَذَانًا وَلاَ إِقَامَةً، ثُمَّ أَمَرَ بِالصَّدَقَةِ (بخاری) [1]

ترجمہ: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (عید کی) نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا، اور اذان اور اقامت نہیں کہی، پھر صدقہ کا حکم فرمایا (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْرُجُ یَوْمَ الْعِیْدِ، فَیُصَلِّیْ بِالنَّاسِ رَکْعَتَیْنِ، ثُمَّ یُسَلِّمُ فَیَقِفُ عَلٰی رِجْلَیْہِ فَیَسْتَقْبِلُ النَّاسَ وَھُمْ جُلُوْسٌ، فَیَقُوْلُ تَصَدَّقُوْا تَصَدَّقُوْا (سنن ابنِ ماجه) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن تشریف لے جاتے تھے، پھر لوگوں کو دو رکعت پڑھاتے تھے، پھر سلام پھیرتے تھے، پھر (منبر وغیرہ کے بجائے) اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاتے تھے، اور لوگوں کی طرف رخ کر لیتے تھے، اور لوگ بیٹھے ہوتے تھے، پھر فرماتے تھے کہ صدقہ کرو، صدقہ کرو (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَخْرُجُ یَوْمَ الْعِیْدِ فَیُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ، ثُمَّ یَخْطُبُ فَیَأْمُرُ بِالصَّدَقَةِ، فَیَکُوْنُ أَکْثَرَ مَنْ یَّتَصَدَّقُ النِّسَآءُ (سنن نسائی) [3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن تشریف لے جاتے تھے، پھر دو

---

[1] حدیث نمبر ۷۳۲۵، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب ما ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وحض علی اتفاق أهل العلم الخ، دارطوق النجاة، بیروت، واللفظ لهٗ، سنن ابی داؤد، حدیث نمبر ۱۱۴۶.

[2] حدیث نمبر ۱۲۸۸، کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها، باب ما جاء فی الخطبة فی العیدین.

[3] حدیث نمبر ۱۵۷۹، کتاب صلاة العیدین، باب حث الإمام علی الصدقة فی الخطبة، مکتب المطبوعات الإسلامیة -حلب.

رکعتیں پڑھاتے تھے، پھر خطبہ دیتے تھے، پھر صدقے کا حکم فرماتے تھے، اور اکثر صدقہ خواتین دیا کرتی تھیں (ترجمہ ختم)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ عید کے دن صدقہ کرنا مرد وعورت سب کے لئے سنت ومستحب ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن صدقہ کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ [1]

(۱۷)......اہل وعیال کے لیے وسعت کرنا

عید کے دن صدقہ کی ترغیب دی گئی ہے، اور اپنے ضرورت مند رشتہ دار اور اہل وعیال پر نفلی صدقہ کی فضیلت زیادہ ہے۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اِبْدَأْ بِنَفْسِکَ فَتَصَدَّقْ عَلَیْهَا، فَإِنْ فَضَلَ شَیْءٌ فَلِأَهْلِکَ، فَإِنْ فَضَلَ عَنْ أَهْلِکَ شَیْءٌ فَلِذِی قَرَابَتِکَ، فَإِنْ فَضَلَ عَنْ ذِی قَرَابَتِکَ شَیْءٌ فَهٰکَذَا وَهٰکَذَا یَقُولُ فَبَیْنَ یَدَیْکَ وَعَنْ یَّمِیْنِکَ وَعَنْ

---

[1] الثانی :فیه الحث على الصدقة لأنها من أفعال الخيرات والميراث فإن الحسنات يذهبن السيئات، ولا سيما فی مثل يوم العيدين لاجتماع الأغنياء والفقراء ، وتحسر الفقراء عند رؤيتهم الأغنياء وعليهم الثياب الفاخرة، ولا سيما الأيتام الفقراء والأرامل الفقيرات، فإن الصدقة عليهم فی مثل هذا اليوم مما يقل تحسرهم وهمهم، وإما تخصيصه، صلى الله عليه وسلم النساء فی ذلک اليوم، حيث أمرهن بالصدقة فلغلبة البخل عليهن، وقلة معرفتهن بثواب الصدقة وما يترتب عليها من الحسن والفضل فی الدنيا قبل يوم الآخرة(عمدة القاری، ج۳ص ۲۷۲، کتاب الحيض،باب ترک الحائض الصوم)

واکثار الصدقة (الدرالمختار مع شرحه رد المحتار ج۲ ص ۱۶۹ ،باب العيدين کذا فی درر الحکام شرح غرر الحکام جلد ۱ ،باب صلاة العيدين ،وکذا فی الموسوعة الفقهية، جلد۲)

(و) تسن (الصدقة) فی يومی العيدين إغناء للفقراء عن السؤال(شرح منتهی الارادات کتاب الصلاة، باب احکام صلاة العيدين)

(و) يسن يوم العيدين (التوسعة على الأهل والصدقة) على الفقراء ليغنيهم عن السؤال(کشاف القناع عن متن الاقناع، ج۲ص ۵۲، باب صلاة العيدين)

شِمَالِکَ (مسلم) [۱]

ترجمہ: آپ اپنی ذات پر خرچ کرنے سے ابتداء کریں، پھر اگر (ضروری اخراجات کے بعد) کچھ بچ جائے، تو اپنے گھر والوں پر خرچ کریں، پھر اگر آپ کے گھر والوں سے بھی کچھ بچ جائے، تو اپنے رشتہ داروں پر خرچ کریں، پھر اگر اپنے رشتہ داروں سے بھی کچھ بچ جائے، تو اس طرح اور اس طرح یعنی اپنے آگے اور دائیں بائیں (کے ضرورت مندوں پر) خرچ کریں (ترجمہ ختم)

اپنے گھر والوں میں، اپنے عیال دار (بیوی، بچے) داخل ہیں۔ [۲]

اس کے علاوہ کئی احادیث میں ضرورت مند رشتہ داروں پر صدقہ کی زیادہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔ [۳]

---

[۱] حدیث نمبر ۹۹۷، کتاب الزکاۃ، باب الابتداء فی النفقة بالنفس ثم أهله ثم القرابة، دار إحياء التراث العربی -بیروت.

[۲] ثم قال (ابدأ بنفسک) : أی فی الإنفاق (فتصدق علیها) : أی :فإنها أحق بها وأهلها فإنها مرکب الروح فی سلوکها (فإن فضل) : بفتح العین أی زاد (شیء) : أی منها (فلأهلک) : أی: مما یعولک (فإن فضل عن أهلک شیء فلذی قرابتک) : أی :إما وجوبا أو استحبابا (مرقاة ، ج٦ ص ٢٢٢٣، کتاب العتق، باب إعتاق العبد المشترک وشراء القریب والعتق فی المرض)

(ابدأ) بالهمزة وبدونه فیه وفیما بعده کما ذکره الزرکشی (بنفسک) أی بما تحتاجه من مؤنة وغیرها .والنفس ما به ینفس المرء علی غیره استبدادا منه واکتفاء بوجود نفاسته علی من سواه ذکره الحرانی والمراد هنا الذات أی قدم ذاتک فیما تحتاج إلیه من نحو نفقة وکسوة (فتصدق علیها) لأنک المخصوص بالنعمة المنعم علیک بها فتلقاها بالقبول وقدم مهجتک وحاجتک علی من تعول وسمی الانفاق علیها صدقة لأنه قربة إذا کان من حلال وکفافا وقد ینتهی إلی الوجوب وذلک عند الاضطرار (فإن) وفی روایة " :ثم إن "(فضل) بفتح الضاد ومضارعه بضمها وبکسر الضاد فمضارعه بفتحها وفضل بالکسر یفضل بالضم شاذ (شیء فلأهلک) أی زوجتک .قال الراغب :یعبر عن امرأة الرجل بأهله وذلک لأن نفقتها معاوضة وما بعدها مواساة (فإن فضل عن أهلک شیء فلذی قرابتک) لأنهم فی الحقیقة منک فیحصل بذلک الجبر التام بالمواساة وصلة الأرحام ثم إن حمل علی التطوع شمل کل قریب أو الواجب اختص بمن تجب نفقته من أصل وفرع عند الشافعی وغیرهما أیضا عند غیره وله تفاریع فی الفروع (فیض القدیر للمناوی، تحت حدیث رقم ٤٦، ج ١ ص ٧٤، ٧٥، حرف الهمزة)

[۳] عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ زَيْنَبَ، امْرَأَةِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَتْ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلنِّسَاءِ :تَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ قَالَتْ :وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ خَفِيفَ ذَاتِ الْيَدِ،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس سے معلوم ہوا کہ عید کے دن حسبِ حیثیت اپنے اہل وعیال اور گھر والوں کے لیے وسعت کرنا بھی باعثِ اجر وثواب ہے، جس میں گھر والوں کے لئے اچھے لباس اور کھانے پینے وغیرہ کا انتظام بھی داخل ہے۔

اور اگر نقدی کی شکل میں وسعت کی جائے، تو بھی حرج نہیں، بشرطیکہ اس میں غلو نہ ہو۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فَقَالَتْ لَهُ :أَيَسَعُنِي أَنْ أَضَعَ صَدَقَتِي فِيكَ وَفِي بَنِي أَخٍ لِي يَتَامَى، فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ :سَلِي عَنْ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ :فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا عَلَى بَابِهِ امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهَا :زَيْنَبُ تَسْأَلُ عَمَّا أَسْأَلُ عَنْهُ، فَخَرَجَ إِلَيْنَا بِلَالٌ، فَقُلْنَا لَهُ :انْطَلِقْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلْهُ عَنْ ذَلِكَ، وَلَا تُخْبِرْهُ مَنْ نَحْنُ، فَانْطَلَقَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :مَنْ هُمَا؟ قَالَ :زَيْنَبُ قَالَ :أَيُّ الزَّيَانِبِ؟ قَالَ :زَيْنَبُ امْرَأَةُ عَبْدِ اللَّهِ وَزَيْنَبُ الْأَنْصَارِيَّةُ قَالَ " :نَعَمْ، لَهُمَا أَجْرَانِ :أَجْرُ الْقَرَابَةِ، وَأَجْرُ الصَّدَقَةِ "(سنن نسائی، حديث نمبر ۲۵۸۳)

عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ الضَّبِّيِّ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :الصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِينِ صَدَقَةٌ، وَعَلَى ذِي الْقَرَابَةِ اثْنَتَانِ :صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ (سنن ابن ماجه، حديث نمبر ۱۸۴۴)

[1] اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر عیدی کے عنوان سے بغیر رسم ورواج کے اپنے اہل وعیال اور اقارب بالخصوص ضرورت مند عزیزوں کی مدد کی جائے، تو باعثِ اجر وثواب ہے، اور مروجہ عیدی کی اصل بھی یہی معلوم ہوتی ہے، مگر آج کل جو اس میں غلو ہونے لگا ہے، اور اس میں کئی منکرات شامل ہوگئے ہیں، ان سے بچنے کی ضرورت ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

وأما صدقة التطوع فيجوز صرفها إلى هؤلاء لقوله عليه السلام نفقة الرجل على نفسه صدقة وعلى عياله صدقة وكل معروف صدقة(تحفة الفقهاء ، ج ۱ ص ۳۰۴،كتاب الزكاة،باب من يوضع فيه الصدقة)

(و) يسن (التوسعة على الأهل) لأنه سرور (شرح منتهى الارادات كتاب الصلاة، باب احكام صلاة العيدين)

(و) يسن يوم العيدين (التوسعة على الأهل والصدقة) على الفقراء ليغنيهم عن السؤال(كشاف القناع عن متن الاقناع، ج۲ ص ۵۲، باب صلاة العيدين)

والسنة في عيد الفطر التوسعة فيه على الأهل بأي شيء كان من المأكول، إذ لم يرد الشرع فيه بشيء معلوم فمن وسع على أهله فيه، فقد امتثل السنة، ويجوز أن يتخذ فيه طعاما معلوما، إذ هو من المباح لكن بشرط عدم التكلف فيه وبشرط أن لا يجعل ذلك سنة يستن بها فمن خالف ذلك فكأنه ارتكب كبيرة، وإذا وصل الأمر إلى هذا الحد ففعل ذلك بدعة، إذ أنه بسبب ذلك ينسب إلى السنة ما ليس منها، وكذلك يشترط فيه أن يكون على لسان العلم(المدخل لابن الحاج، ج ۱ ص۲۸۷، الموسم الثاني عيد الفطر)

(۱۸)......خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرنا

عید کا دن کیونکہ خوشی ومسرّت کا دن ہے، بلکہ عید کے ایک معنیٰ بھی خوشی ومسرّت کے ہیں، اس لئے اپنے گھر والوں اور عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے اور منکرات سے بچتے ہوئے بشاشت کا اظہار کرنا اور غیض وغضب سے پرہیز کرنا اور عفوودرگزر سے کام لینا بھی عبادت وثواب ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

دَخَلَ أَبُوْ بَكْرٍ وَعِنْدِيْ جَارِيَتَانِ مِنْ جَوَارِي الْأَنْصَارِ تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْأَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثٍ، قَالَتْ وَلَيْسَتَا بِمُغَنِّيَتَيْنِ، فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ أَمَزَامِيْرُ الشَّيْطَانِ فِيْ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذٰلِكَ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا بَكْرٍ، إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَهٰذَا عِيْدُنَا (بخاری) [۱]

ترجمہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور میرے پاس انصار کی دو لڑکیاں جنگ بعاث کے دن کے انصار کی بہادری کے شعر ترنم سے پڑھ رہی تھیں، اور وہ لڑکیاں گانے والی نہیں تھیں، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ شیطانی گانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں؟ اور وہ عید کا دن تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوبکر! ہر قوم کی عید (وخوشی) کا دن ہوتا ہے اور یہ ہماری عید (یعنی خوشی) کا دن ہے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ عید کے دن شرعی حدود میں رہتے ہوئے خوشی کا اظہار اور غصے سے پرہیز کرنا، اور الغرض خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرنا اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے مسرّت وفرحت کا

---

[۱] حدیث نمبر ۹۵۲، کتاب الجمة، باب سنة العيدين لاهل الاسلام، دارطوق النجاة، بيروت، واللفظ لهٗ، مسلم، حديث نمبر ۸۹۲، مسند احمد، حديث نمبر ۲۵۰۲۸۔

اظہار کرنا عبادت ہے۔ ۱؎

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ:

۱؎ (تقاولت) : تفاعل من القول أى :تناشدت وتفاخرت به .(الأنصار) أى :بما يخاطب الأنصار بعضهم بعضا فى الحرب من الأشعار التى تفاخر فيها الحيان الأوس والخزرج .(يوم بعاث) : بضم الباء ، اسم موضع من المدينة على ميلين، والأشهر فيه ترك الصرف قاله العسقلانى.
وفى النهاية :بالعين المهملة، ومن قال بالمعجمة فقد صحف، وهو اسم حصن للأوس جرى الحرب فى هذا اليوم عند هذا الحصن بين الأوس والخزرج، وكانت فيه مقتلة عظيمة، وكانت النصرة للأوس، واستمرت بينهما مائة وعشرين سنة حتى زالت بيمن قدم رسول الله -صلى الله عليه وسلم -وفيه نزل قوله -عز وجل :(لو أنفقت ما فى الأرض جميعا ما ألفت بين قلوبهم ولكن الله ألف بينهم) (الأنفال:٦٣) ذكره الطيبى :وقال تعالى فى حقهم أيضا :(واذكروا نعمة الله عليكم إذ كنتم أعداء فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخوانا وكنتم على شفا حفرة من النار فأنقذكم منها) (آل عمران:١٠٣) .(والنبى -صلى الله عليه وسلم -متغش) أى :متغط وملتف .(بثوبه، فانتهرهما أبو بكر) أى :زجرهما بكلام غليظ عن الغناء بحضرته -عليه الصلاة والسلام - لما تقرر عنده من منع اللهو والغناء مطلقا، ولم يعلم أنه -عليه الصلاة والسلام -قررهن على هذا النزر اليسير .(فكشف النبى -صلى الله عليه وسلم -عن وجهه، فقال " :دعهما ") أى :اتركهما. ("يا أبا بكر فإنها ") أى :أيام منى أو الأيام التى نحن فيها(" .أيام عيد ") : سماها عيدا لمشاركتها يوم العيد فى عدم جواز الصوم فيها قاله ابن الملك، وفى مقاله نظر، والأظهر ما قاله ابن حجر :أى :أيام سرور وفرح، وهذا من جملته .وقال النووى :أجازت الصحابة غناء العرب الذى فيه نشاد وترنم والحداء ، وفعلوه بحضرته -عليه الصلاة والسلام -وبعده، ومثله ليس بحرام حتى عند القائلين بحرمة الغناء ، وهم أهل العراق، ولا يجرح الشاهد قال :وفى الحديث أن مواضع الصالحين تنزه عن اللهو، وإن لم يكن فيه إثم، وأن التابع للكبير إذا رأى بحضرته ما لا يليق به ينكره إجلالا للكبير أن يتولى ذلك بنفسه.
(وفى رواية " :يا أبا بكر ") : كذا فى نسخة السيد بإثبات الهمزة بعد حرف النداء فى الأول دون الثانى إشارة إلى جواز الأمرين، فإن الأول القياس الخطى، والثانى الرسم القرآنى .("إن لكل قوم ") أى :من الأمم السالفة من الأقوام المبطلة ") .عيدا ") : كالنيروز للمجوس وغيرهم، وجعل علماؤنا التشبه بهم كلبس ثياب الزينة، ولعب البيض، وصبغ الحناء ، واللهو والغناء على وجه التعظيم لليوم كفرا.("وهذا ") أى :هذا الوقت .("عيدنا ") أى :معاشر الإسلام .قال الطيبى : وهذا اعتذار منه -عليه الصلاة والسلام -بأن إظهار السرور فى يوم العيدين شعار أهل الدين، وليس كسائر الأيام .وفى شرح السنة :كان الشعر الذى تغنيان به فى وصف الحرب والشجاعة، وفى ذكره معونة بأمر الدين، وأما الغناء بذكر الفواحش والمنكرات من القول، فهو المحظور من الغناء ، وحاشا أن يجرى شىء من ذلك بحضرته -عليه الصلاة والسلام(مرقاة المفاتيح ج٣ص١٠٦٥، كتاب الصلاة،باب صلاة العيدين)

كَانَتِ الْحَبَشَةُ يَلْعَبُوْنَ يَوْمَ عِيْدٍ، فَدَعَانِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنْتُ أَطَّلِعُ مِنْ عَاتِقِهٖ فَأَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، فَجَاءَ أَبُوْ بَكْرٍ فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهَا فَإِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَهٰذَا عِيْدُنَا (مسند أحمد) [1]

ترجمہ: حبشہ کے لوگ عید کے دن (جنگی مشق کا) کھیل کود کیا کرتے تھے، پس مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا، تو میں آپ کے کندھے کے پیچھے سے جھانک کران کو دیکھنے لگی، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے (جنہوں نے اس پر ناگواری کا اظہار فرمایا) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جانے دیجئے، ہر قوم کی عید (یعنی خوشی) کا دن ہوتا ہے، اور یہ ہماری عید (یعنی خوشی) کا دن ہے (ترجمہ ختم)

یہ جنگی مشقیں عید کے دن خوشی کے اظہار کا ایک طریقہ تھیں، جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا، اوران کی یہ کہہ کر اجازت مرحمت فرمائی، کہ یہ خوشی کا دن ہے۔

جس سے عید کے دن شرعی حدود میں رہتے ہوئے خوشی کے اظہار اور عفو و درگزر کا ثواب ہونا معلوم ہوا۔ [2]

---

[1] حديث نمبر ۲۵۵۳۴، مؤسسة الرسالة، بيروت.
فى حاشية مسند احمد: رجاله ثقات رجال الشيخين.

[2] قال المحب الطبرى هذا السياق يشعر بأن عادتهم ذلك فى كل عيد ووقع فى رواية بن حبان لما قدم وفد الحبشة قاموا يلعبون فى المسجد وهذا يشعر بأن الترخيص لهم فى ذلك بحال القدوم ولا تنافى بينهما لاحتمال أن يكون قدومهم صادف يوم عيد و كان من عادتهم اللعب فى الأعياد ففعلوا ذلك كعادتهم ثم صاروا يلعبون يوم كل عيد ويؤيده ما رواه أبو داود عن أنس قال لما قدم النبى صلى الله عليه وسلم المدينة لعبت الحبشة فرحا بذلك لعبوا بحرابهم ولا شك أن يوم قدومه صلى الله عليه وسلم كان عندهم أعظم من يوم العيد قال الزين بن المنير سماه لعبا وإن كان أصله التدريب على الحرب وهو من الجد لما فيه من شبه اللعب لكونه يقصد إلى الطعن ولا يفعله ويوهم بذلك قرنه ولو كان أباه أو ابنه(فتح البارى لابنِ حجر، ج ۲ ص ۴۴۳، قوله باب الحراب والدرق يوم العيد)

فأوضح له النبى صلى الله عليه وسلم الحال وعرفه الحكم مقرونا ببيان الحكمة بأنه يوم عيد أى يوم سرور شرعى فلا ينكر فيه مثل هذا كما لا ينكر فى الأعراس(فتح البارى لا بن حجر، ج ۲ ص ۴۴۲، قوله باب الحراب والدرق يوم العيد)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چند متعلّقہ مسائل

اب عید کے دن سے متعلق چند مزید باتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱)...... فجر کے بعد عید کی نماز سے پہلے گھر یا کسی بھی جگہ کوئی نفل نماز پڑھنا مرد وعورت دونوں کے لئے مکروہ ہے۔

اور عید کی نماز کے بعد جہاں عید کی نماز ادا کی ہے وہاں نفل پڑھنا مکروہ ہے کسی دوسری جگہ یا گھر میں مرد وعورت دونوں کے لئے مکروہ نہیں۔

البتہ قضاء نماز عید سے پہلے پڑھنے میں حرج نہیں، مگر بہتر یہ ہے کہ وہ عید گاہ میں یا مسجد میں دوسروں کے سامنے نہ پڑھی جائے، تا کہ لوگوں کو غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومن آداب العيد :إظهار البشاشة والسرور فيه أمام الأهل والأقارب والأصدقاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷ص ۲۵۰)

واظهار البشاشة (رد المحتار جلد۲ صفحه ۱۶۹ ،باب العيدين)

وزاد في الحاوى القدسى ان من المستحبات التزين وان يظهر فرحاً وبشاشة (البحرالرائق جلد۲ صفحه ۱۵۸ ، باب العيدين)

يوم العيد يوم انبساط وانشراح يغتفر فيه ما لا يغتفر في غيره(عمدة القارى، ۶ ص۲۶۷، كتاب الخوف،باب الحراب والدرق يوم العيد)

[۱] (ويكره النفل قبل صلاة العيد) مطلقا ؛ (و) كذا يكره (بعدها في الجبانة) أى الصحراء والمراد بها فناء المصر المعد لصلاة العيد والجمعة ولا فرق في هذا الحكم بين الجبانة والجامع (وينتقل) في غير الجبانة أما (في مسجده) أى مسجد محلته (أو في بيته (منية المصلى ،كتاب الصلاة)

إذا قضى صلاة الفجر قبل صلاة العيد لا بأس به ولو لم يصل صلاة الفجر لا يمنع جواز صلاة العيد وكذا يجوز قضاء الفوائت القديمة قبلها لكن لو قضاها بعدها فهو أحب وأولى (الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۵۰ ، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين)

وعامة أصحابنا على أنه لا يتطوع قبل صلاة العيد لا في المصلى ولا في بيته، فأول الصلاة في هذا اليوم صلاة العيد والله أعلم(المحيط البرهاني، ج ۱ ص۲۹۷، فصل بيان ما يكره من التطوع)

و "يكره التنفل "قبل "صلاة "العيد ولو "تنفل "في المنزل و "كذا "بعده "أى العيد "في المسجد "أى مصلى العيد لا في المنزل في اختيار الجمهور لأنه صلى الله عليه وسلم كان لا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(اس کے بارے میں احادیث وروایات عید کی نماز کے بیان میں آتی ہیں)

(۲)......عید کے دن مبارک باد دینے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اس کو ضروری اور لازم نہ سمجھا جائے (اس مسئلے کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ آگے مستقل عنوان کے تحت ذکر کی جائے گی)

(۳)......عید کے دن معانقہ ومصافحہ عید کی سنت ومستحب نہیں (اس مسئلے کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ آگے مستقل عنوان کے تحت ذکر کی جائے گی)

(۴)......عید کے دن قبرستان جانا سنت سے ثابت نہیں، لہٰذا اس کو سنت نہیں سمجھنا چاہئے، اور آج کل قبرستان جانے کو عید کا بہت ضروری عمل شمار کیا جاتا ہے، جو کہ درست نہیں (اس مسئلے کی تفصیل ان شاء اللہ آگے مستقل عنوان کے تحت ذکر کی جائے گی)

(۵)......بعض لوگ عید کے دن غیر شرعی زیب وزینت کرتے ہیں، جو کہ گناہ ہے، عید کے دن شریعت کے موافق زیب وزینت کرنا ثواب ہے، نہ کہ شریعت کے خلاف (اس مسئلے کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ آگے مستقل عنوان کے تحت ذکر کی جائے گی)

(۶)......عید کی نماز خواتین پر لازم نہیں ہے، اُن کو اپنے گھر میں رہتے ہوئے ہی دوسرے مسنون کام انجام دینا چاہئے (اس مسئلے کی تفصیل ان شاء اللہ آگے مستقل عنوان کے تحت ذکر کی جائے گی)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يصلى قبل العيد شيئا فإذا رجع إلى منزله صلى ركعتين (مراقى الفلاح شرح نورالايضاح، ص۷۷، فصل فى الاوقات المكروهة)

قوله" :فى المصلى اتفاقا "فى القهستانى عن المضمرات أنها لا تكره فى ناحية المسجد عند ابن مقاتل فكأنه لم يعتبر خلافه والكراهة تثبت مطلقا ولو فى صلاة الضحى أو تحية المسجد وسواء من تجب عليه صلاة العيد وغيره حتى يكره للنساء أن يصلين الضحى يوم العيد قبل صلاة الإمام كما فى النهر وغيره عن الخانية قوله " :لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ "أى مع حرصه على النوافل فلولا الكراهة لفعل(حاشية الطحاوى على المراقى، ص ۵۳۱، ۵۳۲)

(ويكره التنفل قبل صلاة العيد) مطلقا ؛(و) كذا يكره (بعدها)اى بعد صلاة العيد، لكن (فى الجبانة)فقط وهى الصحراء والمراد بها فناء المصر المعد لصلاة العيد والجمعة ولا فرق فى هذا الحكم بين الجبانة والجامع (ويتنفل) فى غير الجبانة أما (فى مسجده) أى مسجد محلته (أو فى بيته)لما تقدم من الدليل فى بيان اوقات الكراهة (غنية المستملى فى شرح منية المصلى ، المعروف بشرح الكبير ص۳۶۵، كراهية الصلاة)

(۷)......بعض لوگ عید کے دن بھیک مانگنے کے پیشہ میں مبتلا ہوتے ہیں، جبکہ یہ دن تو اللہ سے مانگنے کا دن ہے اور بلاضرورت مانگنا یا اس کو پیشہ بنانا تو ویسے ہی گناہ ہے، اس کی عید کے مبارک دن میں کیسے اجازت ہوسکتی ہے؟

(۸)......عید کے دن اگر کوئی عذر نہ ہو تو شرعی حدود میں رہتے ہوئے اپنے عزیز واقارب سے ملاقات کے لیے جانا فی نفسہٖ جائز ہے لیکن اس کو ضروری سمجھنا یا اگر کوئی ملاقات کرنے نہ آسکے، اس پر ناگواری کا اظہار کرنا جائز نہیں۔

(۹)......مروجہ عیدی کا لین دین کوئی خاص عید کی سنت نہیں، اور اگر کوئی سنت اور ضروری سمجھے بغیر خوشی کے طور پر اپنی حسبِ حیثیت کسی کے ضرورت مند ہونے یا کے پیشِ نظر بطور ہدیہ کے دے دے اور نہ دینے کی صورت میں کوئی اعتراض والزام بھی نہ ہو اور ادلہ بدلی بھی پیشِ نظر نہ ہو تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ اور اگر اس قسم کی کوئی خرابی شامل ہو تو پھر جائز نہیں (اس مسئلے کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ آگے مستقل عنوان کے تحت ذکر کی جائے گی)

(۱۰)......بعض لوگ عید جیسے مبارک دن پتنگ بازی اور اس جیسے دوسرے گناہ میں مصروف ہوکر یہ بابرکت وقت اور اس رسم میں پیسہ برباد کرتے ہیں، اور اگر خود پتنگ بازی یا دوسرے گناہ میں مصروف نہ ہوں تو اپنی اولاد کو اس کے لیے پیسے اور مواقع فراہم کرتے ہیں۔

ان سب چیزوں کا عید کے مبارک دن سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور عید کے دنوں میں یہ کام کرنا زیادہ بُرائی کا حامل ہے، جن سے اہتمام کے ساتھ بچنے بچانے کی ضرورت ہے۔

تِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ.

h

عید کی نماز کے احکام وآداب

نمازِ عید کا حکم

عید کے دن دو رکعت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکرانہ کے طور پر مقرر کی گئی ہیں، جس کو عید کی نماز کہا جاتا ہے۔

اور عید کی نماز بعض حضرات کے نزدیک سنت، اور بعض کے نزدیک فرضِ کفایہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سمیت بعض حضرات کے نزدیک واجب ہے، لیکن اس کے واجب ہونے کی کچھ شرائط ہیں، جن کا آگے ذکر آتا ہے۔ [1]

---

[1] وأما صلاة العيد، فاختلف العلماء فيها على ثلاثة أقوال:
أحدها :أنهـا سنة مسنونة، فلو تركها الناس لم يأثموا .هذا قول الثورى ومالک والشافعی وإسحاق وأبـى يوسف، وحكى رواية عن أحمد.واختلفوا :هـل يـقاتلون على تركها؟ وفيه وجهان للشافعية . وقال أبويوسف :آمـرهم وأضربهم؛ لأنها فوق النوافل، ولا أقاتلهم؛ لأنها دون الفرائض .وقد يتعلق لهذا القول بإخبار النبى -صَـلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -عـن المصلي يوم العيد أنه أصاب السنة .ولا دليل فيـه؛ فإن السنة يراد بها الطريقة الملازمة الدائمة، كقوله :(سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلاً)والقول الثانى :أنهـا فرض كفاية فإذا أجمع أهل بلد على تركها أثموا وقوتلوا على تركها .وهـو الظاهر مذهب أحمد، نص عليه فى رواية المروذى وغيره .وهو قول طائفة من الحنفية والشافعية.والقول الثالث :أنها واجبة على الأعيان كالجمعة .وهو قول أبى حنيفة، ولكنه لا يسميها فرضاً. وحكى أبو الفرج الشيرازى -من أصحابنا -رواية عن أحمد :أنها فرض عين.وقال الشافعى -فى) (مختصر المزنى) :- من وجب عليه حضور الجمعة وجب عليه حضور العيدين .وهذا صريح فى أنها واجبة على الأعيان .وليـس ذلک خـلافـاً لإجماع المسلمين، كما ظنه بعضهم(فتح البارى لابنِ رجب، ج۸ص، ۴۲۴،۴۲۵، ابواب العيدين)

(تـجب صلاتهما) فـى الأصـح (عـلى من تجب عليه الجمعة بشرائطها) الـمتقدمة (سوى الخطبة) فـإنها سنة بعدها،وفى القنية :صـلاـة الـعيد فى القرى تكره تحريما أى لأنه اشتغال بما لا يصح لأن المصر شرط الصحة(الدرالمختار)

(قوله :فى الأصح) مـقـابـله القول بأنها سنة وصححه النسفى فى المنافع لكن الأول قول الأكثرين كما فى المجتبى ونص على تصحيحه فى الخانية والبدائع والهداية والمحيط والمختار والكافى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ (سورہ کوثر)

ترجمہ: پس آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھیے اور نحر کیجئے (ترجمہ ختم)

ایک تفسیر کے مطابق ''فَصَلِّ'' ''نماز پڑھئے'' سے مراد عید کی نماز ہے۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

النسفی .وفی الخلاصة هو المختار لأنه -صلى الله عليه وسلم -واظب عليها وسماها فی الجامع الصغير سنة لأن وجوبها ثبت بالسنة حلية قال فی البحر :والظاهر أنه لا خلاف فی الحقيقة لأن المراد من السنة :المؤكدة بدليل قوله :ولا يترک واحد منهما وكما صرح به فی المبسوط، وقد ذكرنا مرارا أنها بمنزلة الواجب عندنا ولهذا كان الأصح أنه يأثم بترک السنة المؤكدة كالواجب . اهـ .وسيأتی له نظير ذلک فی تكبير التشريق وفيه كلام ستعرفه(ردالمحتار، ج۲ص ۱۶۶، ۱۶۷، كتاب الصلاة، باب العيدين)

[1] قال عكرمة وعطاء وقتادة فصل لربک صلوة العيد يوم النحر ونحر نسكک فعلى هذا يثبت به وجوب صلوة العيد والاضحية(التفسير المظهری، تحت آيت ۳ من سورة الكوثر)

(فَصَلِّ لِرَبِّکَ)صَلَاة عِيد النَّحْر (وَانْحَرْ)نُسُکک(تفسير الجلالين، تحت آيت ۳ من سورة الكوثر)

وَمِنْ سُورَةِ الْكَوْثَرِ قَوْله تَعَالَى :(فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ) ؛ قَالَ الْحَسَنُ " :صَلَاةُ يَوْمِ النَّحْرِ وَنَحْرُ الْبُدْنِ "وَقَالَ عَطَاءٌ وَمُجَاهِدٌ " :صَلِّ الصُّبْحَ بِجَمْعٍ وَانْحَرْ الْبُدْنَ بِمِنًى . "قَالَ أَبُو بَكْرٍ :وَهَذَا التَّأْوِيلُ يَتَضَمَّنُ مَعْنَيَيْنِ :أَحَدُهُمَا :إيجَابُ صَلَاةِ الْأَضْحَى ، وَالثَّانِي :وُجُوبُ الْأُضْحِيَّةِ ، وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِيمَا سَلَفَ .وَرَوَى حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَاصِمٍ الْجَحْدَرِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيٍّ (فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ) قَالَ :وَضْعُ الْيَدِ الْيُمْنَى عَلَى السَّاعِدِ الْأَيْسَرِ ثُمَّ وَضْعُهُمَا عَلَى صَدْرِهِ . "وَرَوَى أَبُو الْجَوْزَاءِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ :(فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ) قَالَ " :وَضْعُ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ عِنْدَ النَّحْرِ فِي الصَّلَاةِ " .وَرُوِيَ عَنْ عَطَاءٍ أَنَّهُ رَفْعُ الْيَدَيْنِ فِي الصَّلَاةِ .وَقَالَ الْفَرَّاءُ " :يُقَالُ :اسْتَقْبِلْ الْقِبْلَةَ بِنَحْرِکَ . "فَإِنْ قِيلَ :يُبْطِلُ التَّأْوِيلَ الْأَوَّلَ حَدِيثُ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ :(خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَضْحَى إلَى الْبَقِيعِ ، فَبَدَأَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ وَقَالَ :إنَّ أَوَّلَ نُسُكِنَا فِي يَوْمِنَا هَذَا أَنْ نَبْدَأَ بِالصَّلَاةِ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ ، فَمَنْ فَعَلَ ذَلِکَ فَقَدْ وَافَقَ سُنَّتَنَا ، وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ ذَلِکَ فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ عَجَّلَهُ لِأَهْلِهِ لَيْسَ مِنْ النُّسُکِ فِي شَيْءٍ) ، فَسَمَّى صَلَاةَ الْعِيدِ وَالنَّحْرَ سُنَّةً ، فَدَلَّ عَلَى أَنَّهُ لَمْ يُؤْمَرْ بِهِمَا فِي الْكِتَابِ .قِيلَ لَهُ :لَيْسَ كَمَا ظَنَنْت ؛ لِأَنَّ مَا سَنَّهُ اللَّهُ وَفَرَضَهُ فَجَائِزٌ أَنْ نَقُولَ : هَذَا سُنَّتُنَا وَهَذَا فَرْضُنَا كَمَا نَقُولُ :هَذَا دِينُنَا ، وَإِنْ كَانَ اللَّهُ فَرَضَهُ عَلَيْنَا ، وَتَأْوِيلُ مَنْ تَأَوَّلَهُ عَلَى حَقِيقَةِ نَحْرِ الْبُدْنِ أَوْلَى ؛ لِأَنَّهُ حَقِيقَةُ اللَّفْظِ وَلِأَنَّهُ لَا يُعْقَلُ بِإِطْلَاقِ اللَّفْظِ غَيْرُهُ ؛ لِأَنَّ مَنْ قَالَ :نَحَرَ فُلَانٌ الْيَوْمَ ؛ عُقِلَ مِنْهُ نَحْرُ الْبُدْنِ وَلَمْ يُعْقَلْ مِنْهُ وَضْعُ الْيَمِينِ عَلَى الْيَسَارِ ؛ وَيَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْمُرَادَ الْأَوَّلُ اتِّفَاقُ الْجَمِيعِ عَلَى أَنَّهُ لَا يَضَعُ يَدَهُ عِنْدَ النَّحْرِ .وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَضْعُ الْيَمِينِ عَلَى الْيَسَارِ أَسْفَلَ السُّرَّةِ ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَضَعُ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ فِي الصَّلَاةِ مِنْ وُجُوهٍ كَثِيرَةٍ (احكام القرآن للجصاص، تحت سورة الكوثر)

اس کے علاوہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز کا حکم نازل ہونے کے بعد ہمیشہ عید کی نماز ادا فرمائی ہے اور کبھی اس کو ناغہ نہیں فرمایا۔

پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے لے کر آج تک امت کا اس پر برابر عمل رہا ہے۔ [1]

عید کی نماز کا حکم عائد ہونے اور عید کی نماز صحیح ہونے کی اکثر شرائط جمعہ کی نماز کی طرح ہیں۔ [2]

چنانچہ عید کی نماز کا حکم عائد ہونے کے لئے مندرجہ ذیل چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱)......عاقل ہونا (مجنون و پاگل عید کی نماز کا مکلّف نہیں)

(۲)......بالغ ہونا (نابالغ عید کی نماز کا مکلّف نہیں)

(۳)......آزاد ہونا (شرعی غلام عید کی نماز کا مکلّف نہیں)

(۴)......صحت مند ہونا (بیمار اور مریض عید کی نماز کے مکلّف نہیں)

(۵)......مَرد ہونا (عورت عید کی نماز کی مکلّف نہیں)

(۶)......مقیم ہونا (مسافر عید کی نماز کا مکلّف نہیں)

تاہم کوئی نابالغ، غلام، بیمار، مسافر، یا عورت عید کی نماز پڑھے، تو ادا ہو جاتی ہے۔ [3]

---

[1] والدليل على وجوبها اشارة الكتاب ولتكملوا العدة ولتكبروا الله علىٰ ماهداكم وقوله تعالىٰ فصل لربك وانحر فان فى الاول اشارة الىٰ صلوٰة عيدالفطر وفى الثانى اشارة الىٰ صلوٰة عيد النحر والسنة وهوماثبت بالنقل المستفيض عنه صلى الله عليه وسلم انهٗ واظب عليها من غيرترك وهودليل الوجوب وكذاعمل الخلفاء الراشدين من بعد من غيرترك (فتح الملهم شرح صحيح مسلم ج ۲ ص ۴۲۴)

[2] (وشرائطها كشرائط الجمعة وجوبا وأداء) تمييز أى كشرائط وجوب الجمعة ووجوب أدائها من نحو الإقامة والمصر فلا يصلى أهل القرى والبوادى (سوى الخطبة) فإنها تجب فى الجمعة لا فى العيد (مجمع الانهر، ج ۱ ص ۱۷۲، كتاب الصلاة،باب صلاة العيدين،شرائط صلاة العيد)

[3] الذكورة، والعقل، والبلوغ، والحرية، وصحة البدن، والإقامة من شرائط وجوبها كما هى من شرائط وجوب الجمعة حتى لا تجب على النسوان والصبيان والمجانين والعبيد بدون إذن مواليهم والزمنى والمرضى والمسافرين، كما لا تجب عليهم لما ذكرنا فى صلاة الجمعة ولأن هذه الأعذار لما أثرت فى إسقاط الفرض فلأن تؤثر فى إسقاط الواجب أولى، وللمولى أن يمنع عبده عن حضور العيدين كما له منعه عن حضور الجمعة لما ذكرنا هناك (بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۲۷۵، فصل شرائط وجوب وجواز صلاة العيدين)

(قوله وشرط وجوبها :الإقامة والذكورة والصحة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور عید کی نماز صحیح ہونے کے لئے ان چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱)......نمازِ عید کا وقت ہونا (پس وقت گزرنے کے بعد عید کی نماز درست نہیں)

(۲)......نمازِ عید باجماعت پڑھنا (پس بغیر جماعت کے عید کی نماز درست نہیں)

(۳)......مصر یعنی شہر یا قصبہ ہونا (پس گاؤں یا جنگل میں عید کی نماز درست نہیں) [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والحرية وسلامة العينين والرجلين) فلا تجب على مسافر، ولا على امرأة، ولا مريض، ولا عبد ولا أعمى، ولا مقعد؛ لأن المسافر يحرج في الحضور، وكذا المريض والأعمى والعبد مشغول بخدمة المولى والمرأة بخدمة الزوج فعذروا دفعا للحرج والضرر، ولم أر حكم الأعمى إذا كان مقيما بالجامع الذى تصلى فيه الجمعة، وأقيمت وهو حاضر هل تجب عليه لعدم الحرج أو لا، وإنما لم يذكر العقل والبلوغ والإسلام؛ لأنها شرط كل تكليف فلا حاجة إلى ذكرها هنا كما في الخلاصة وأما الشيخ الكبير الذى ضعف فهو ملحق بالمريض فلا يجب عليه، وفي فتح القدير والمطر الشديد والاختفاء من السلطان الظالم مسقط فلو قال المصنف وشرط وجوبها الإقامة والذكورة والصحة والحرية ووجود البصر والقدرة على المشي وعدم الحبس والخوف والمطر الشديد لكان أشمل(البحر الرائق، ج۲ ص ۱۶۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

[۱] أما بيان شرائط وجوبها فكل ما هو شرط وجوب الجمعة فهو شرط وجوب صلاة العيدين من الإمام والمصر والجماعة إلا الخطبة فإنها سنة بعد الصلاة بإجماع الصحابة(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ۱ ص ۱۶۶، باب صلاة العيدين)

وأما الشرائط التي ترجع إلى غير المصلى فخمسة في ظاهر الروايات، المصر الجامع، والسلطان، والخطبة، والجماعة، والوقت(بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۲۵۹، كتاب الصلاة، فصل صلاة الجمعة)

الجماعة في العيدين وإن كانت واجبة أو سنة على القولين فيها فهي شرط الصحة على كل قول؛ لأن شرائط العيدين وجوبا وصحة شرائط الجمعة إلا الخطبة فلا تصح صلاة العيدين منفردا كالجمعة ولا يلزم من بطلان الوصف بطلان الأصل على المذهب(البحر الرائق، ج ۱ ص ۳۶۶، كتاب الصلاة، باب الامامة)

اذنِ سلطان دلالتاً بھی کافی ہے، جیسا کہ آج کل دلالتاً اذن پایا جاتا ہے، اس لئے متن میں اس کی ضرورت نہیں سمجھی۔

وحاصله أنه لا تصح إقامتها إلا لمن أذن له السلطان بواسطة أو بدونها، أما بدون ذلك فلا كما هو صريح ما يذكره الشارح عن السراجية، نعم وقع في فتاوى ابن الشلبي ما يوهم ما أوهمه كلام الشارح حيث سئل عن ثغر فيه جوامع لها خطباء ليس لأحد منهم إذن صريح من السلطان مع علم السلطان بذلك الثغر وبإقامة الجمع والأعياد في جوامعه فهل يكون ذلك إذنا دلالة؟ فأجاب بأن أمور المسلمين محمولة على السداد، وقد جرت العادة بأن من بنى جامعا، وأراد إقامة الجمعة استأذن الإمام فإذا وجد الإذن أول مرة فقد حصل به الغرض والإذن بعد ذلك اهـ ملخصا لكن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:...... سورج نکلنے کے تھوڑی دیر بعد (اشراق کا وقت ہونے پر) عید کی نماز کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور زوال سے پہلے تک رہتا ہے، اس دوران کسی وقت بھی عید کی نماز ادا کرنا درست ہے۔

البتہ مستحب یہ ہے کہ عید الفطر کی نماز کچھ تاخیر سے ادا کی جائے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يمكن حمله على ما مر أى فلا يشترط إذن السلطان ثانيا بل كل خطيب له أن يستنيب للاكتفاء بالإذن أول مرة والله أعلم(ردالمحتار، ج۲ص ۱۴۱، باب الجمعة)

اورنوادر کی روایت کے مطابق ایک شرط ''لوگوں کے داخلے کی عام اجازت کے ساتھ نماز ادا کرنا'' بھی ہے۔

لیکن اگر اس شہر یا قصبہ میں اس کے علاوہ دوسری جگہ عید کی نماز ہو رہی ہو تو کسی حفاظتی تدبیر کے طور پر عام داخلے کی ممانعت میں کوئی حرج نہیں۔

(قوله والإذن العام) أى شرط صحتها الأداء على سبيل الاشتهار حتى لو أن أميرا أغلق أبواب الحصن وصلى فيه بأهله وعسكره صلاة الجمعة لا تجوز كذا فى الخلاصة، وفى المحيط، فإن فتح باب قصره وأذن للناس بالدخول جاز ويكره؛ لأنه لم يقض حق المسجد الجامع وعللوا الأول بأنها من شعائر الإسلام وخصائص الدين فيجب إقامتها على سبيل الاشتهار، وفى المجتبى فانظر إلى السلطان يحتاج إلى العامة فى دينه ودنياه احتياج العامة إليه فلو أمر إنسانا يجمع بهم فى الجامع، وهو فى مسجد آخر جاز لأهل الجامع دون أهل المسجد إلا إذا علم الناس بذلك اهـ.

ولم يذكر صاحب الهداية هذا الشرط؛ لأنه غير مذكور فى ظاهر الرواية، وإنما هو رواية النوادر كما فى البدائع(البحرالرائق، ج۲ص ۱۶۲، ۱۶۳،كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

[1] وأما الوقت فقال أبو الحسن وقت صلاة العيدين من حين تبيض الشمس إلى أن تزول لما روى عن النبى عليه السلام أنه كان يصلى العيد والشمس قدر رمح أو رمحين(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ۱ ص ۱۶۶، باب صلاة العيدين)

وأما بيان وقت أدائها فقد ذكر الكرخى وقت صلاة العيد :من حين تبيض الشمس إلى أن تزول لما روى عن النبى -صلى الله عليه وسلم -أنه كان يصلى العيد والشمس على قدر رمح، أو رمحين وروى أن قوما شهدوا برؤية الهلال فى آخر يوم من رمضان فأمر رسول الله -صلى الله عليه وسلم - بالخروج إلى المصلى من الغد.ولو جاز الأداء بعد الزوال لم يكن للتأخير معنى؛ ولأنه المتوارث فى الأمة فيجب اتباعهم، فإن تركها فى اليوم الأول فى عيد الفطر بغير عذر حتى زالت الشمس سقطت أصلا سواء تركها لعذر أو لغير عذر(بدائع الصنائع ،ج ۱ ص ۲۷۶،فصل بيان وقت أداء صلاة العيدين)

(قوله ووقتها من ارتفاع الشمس إلى زوالها) أما الابتداء فلأنه -عليه الصلاة والسلام -كان يصلى العيد والشمس على قيد رمح أو رمحين ، وهو بكسر القاف بمعنى قدر وأما الانتهاء فلما فى السنن أن ركبا جاء وا إلى النبى -صلى الله عليه وسلم -يشهدون أنهم رأوا الهلال بالأمس فأمرهم أن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ حضرت عطاء سے مروی ہے کہ:

كَانُوا لَا يَخْرُجُونَ حَتّٰى يَمْتَدَّ الضَّحَاءُ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: صحابۂ کرام (عید کی نماز پڑھنے کے لئے) سورج بلند ہونے کے بعد نکلتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ حویرث لیثی سے مروی ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَتَبَ إِلٰى عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ وَهُوَ بِنَجْرَانَ أَنْ عَجِّلِ الْأَضْحٰى وَأَخِّرِ الْفِطْرَ وَذَكِّرِ النَّاسَ (مسند الشافعي) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم کی طرف نجران میں یہ لکھ کر بھیجا کہ عیدالاضحیٰ کی نماز جلدی پڑھیں، اور عیدالفطر کی نماز میں کچھ تاخیر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يفطروا وإذا أصبحوا يغدون إلى مصلاهم ، ولو جاز فعلها بعد الزوال لم يكن للتأخير إلى الغد معنى واستفيد منه أنها لا تصح قبل ارتفاع الشمس بمعنى لا تكون صلاة عيد بل نفل محرم، ولو زالت الشمس، وهو في أثنائها فسدت كما في الجمعة صرح به في السراج الوهاج، وعلى هذا فينبغي إدخاله في المسائل الاثنى عشرية لما أنها كالجمعة، وقد أغفلوها عن ذكرها ويستحب تعجيل صلاة الأضحى لتعجيل الأضاحي، وفي المجتبى ويستحب أن يكون خروجه بعد ارتفاع قدر رمح حتى لا يحتاج إلى انتظار القوم، وفي عيد الفطر يؤخر الخروج قليلا كتب النبي -صلى الله عليه وسلم - إلى عمرو بن حزم عجل الأضحى وأخر الفطر قيل ليؤدي الفطرة ويعجل الأضحية (البحر الرائق، ج٢ ص١٧٣، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

ويستحب تعجيل الإمام الصلاة في أول وقتها في الأضحى وتأخيرها قليلا عن أول وقتها في الفطر بذلك كتب رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى عمرو بن حزم وهو بنجران عجل الأضحى وأخر الفطر قيل ليؤدي الفطر ويعجل إلى التضحية زاهدي وحلبي وابن أمير حاج(حاشية الطحطاوي على المراقي، ص ٥٣٢، باب الجمعة)

قال ويؤخر الفطر ويعجل الأضحى ومن صلى قبل طلوع الشمس أعاد ،وهذا كله مروي معناه عن مالك وهو قول سائر العلماء (الاستذكار الجامع لمذاهب فقهاء الأمصار،باب غدو الإمام في العيدين وانتظار الخطبة)

[1] حديث نمبر ٢٨٦٦، مؤسسة الرسالة، بيروت.

في حاشية مسند احمد:إسناده صحيح على شرط الشيخين.

[2] حديث نمبر ٤٧٨، كتاب العيدين والاضاحي والاستسقاء، باب :وقت الصلاة والإطعام قبل أن يخرج إلى الجبان،شركة غراس للنشر والتوزيع، الكويت.

کریں، اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کریں (ترجمہ ختم)

معلوم ہوا کہ عید الاضحیٰ کی نماز سورج طلوع ہونے اور مکروہ وقت گزرنے کے بعد جلدی پڑھنا بہتر ہے، تاکہ لوگوں کو جلدی نماز سے فارغ ہو کر قربانی کرنے میں سہولت رہے، اور عید الفطر کی نماز سورج طلوع ہونے کے بعد کچھ تاخیر سے پڑھنا بہتر ہے، تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ بسہولت شرکت کر سکیں۔ [۱]

مسئلہ:...... اگر کسی عذر سے عید الفطر کی نماز پہلے دن ادا نہ کی جا سکی یا پڑھنے کے بعد (جبکہ وقت گذر گیا تھا) معلوم ہوا کہ عید الفطر کی نماز درست نہیں ہوئی تھی، مثلاً امام کا وضو نہ تھا تو دوسرے دن زوال سے پہلے ادا کی جائے، اگر دوسرے دن بھی نہ پڑھی جا سکے تو اس کے بعد نہیں پڑھی جا سکتی۔ [۲]

---

[۱] (وعن أبي الحويرث) : بالتصغير قال ميرک :تكلم فيه اهـ .ولم يذكره المؤلف في أسماء رجاله، والظاهر أنه تابعي .(أن رسول الله ﷺ كتب إلى عمرو بن حزم) : يكنى أبا الضحاک الأنصاری، أول مشاهده الخندق، وله خمس عشرة سنة، استعمله النبی ﷺ على نجران سنة عشر ذكره المؤلف .(وهو بنجران) : بفتح النون، وسكون الجيم، فراء فألف فنون، على وزن سلمان، بلد باليمن كان واليا فيه .(عجل الأضحى) أی :صلاته ليشتغل الناس لذبح الأضاحی .(وأخر الفطر) أی :صلاته لتوسع على الناس وقت إخراج زكاة الفطر قبل الصلاة قاله ابن الملک .فانظر إلى نظره الإكسير المراعی جانب الغنی والفقير، وما ذلک إلا لكونه رحمة للعالمين، ومظهرا للطف الله تعالى على عباده المؤمنين .(وذكر الناس) أی :بالموعظة فی خطبتی العيدين، أو ذكرهم بخصوص ما يتعلق بهم من صدقة الفطر، وأحكام الأضحية فی الخطبتين .(رواه الشافعی) أی :عن إبراهيم بن محمد، عن أبی الحويرث :أن النبی -صلى الله عليه وسلم -كتب .وساقه. قال البيهقی :هذا مرسل، وقد طلبت فی سائر الروايات لكتابه إلى عمرو بن حزم، فلم أجده .كذا نقله ميرک عن التصحيح .قال ابن حجر :وهو وإن كان ضعيفا إلا أنه يعمل له فی مثل ذلک اتفاقا(مرقاة المفاتيح ،ج۳ص ۱۰۷۴، كتاب الصلاة،باب صلاة العيدين)

[۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عید کی نماز عذر کی صورت میں اگلے دن ہی پڑھنا ثابت ہے، اس کے بعد ثابت نہیں۔

عَنْ أَبِي عُمَيْرِ بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ :حَدَّثَنِي عُمُومَتِي، مِنَ الْأَنْصَارِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا :أُغْمِيَ عَلَيْنَا هِلَالُ شَوَّالٍ، فَأَصْبَحْنَا صِيَامًا، فَجَاءَ رَكْبٌ مِنْ آخِرِ النَّهَارِ، فَشَهِدُوا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُمْ رَأَوُا الْهِلَالَ بِالْأَمْسِ، فَأَمَرَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُفْطِرُوا، وَأَنْ يَخْرُجُوا إِلَى عِيدِهِمْ مِنَ الْغَدِ(سنن ابن ماجه،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عید کی نماز کا ہمیشہ با جماعت پڑھنا ہی ثابت ہے، اس لئے عید کی نماز کے لئے جماعت کا ہونا ضروری ہے۔

اور اگر چہ عید کی نماز کا بڑے مجمع کے ساتھ پڑھنا سنت ہے، لیکن عید کی نماز صحیح ہونے کے لئے کم از کم تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے، پھر بعض حضرات کے نزدیک تو امام سمیت تین آدمیوں کا ہونا کافی ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک امام کے علاوہ تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے، جو امام کے ساتھ شروع نماز سے شریک ہوں۔ [۱]

مسئلہ:...... جمعہ اور عیدین کی نماز کا حکم جنگل اور عام دیہات میں نہیں ہے، بلکہ شہروں اور قصبوں میں ہی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حدیث نمبر ۱۶۵۳، واللفظ لہ، المنتقیٰ لابن الجارود، حدیث نمبر ۲۶۶)

إلا أن فی عید الفطر إذا ترک الصلاة فی الیوم الأول لعذر یؤدی فی الیوم الثانی فی وقتها وإن ترک بغیر عذر سقطت أصلا (تحفة الفقهاء للسمرقندی، ج ۱ ص ۱۶۶، باب صلاة العیدین)

إمام صلی بالناس صلاة العید یوم الفطر علی غیر وضوء وعلم بذلک قبل الزوال أعاد الصلاة وإن علم بعد الزوال خرج من الغد وصلی فإن لم یعلم حتی زالت الشمس من الغد لم یخرج(الفتاویٰ الهندیة، ج ۱ ص ۱۵۲، الباب السابع عشر فی صلاة العیدین)

قوله :فإن غم الهلال علی الناس إلی آخره) التقیید بالهلال لیس بشرط بل لو حصل عذر مانع کالمطر وشبهه فإنه یصلیها من الغد؛ لأنه تأخیر للعذر.

(قوله :فإن حدث عذر یمنع الناس من الصلاة فی الیوم الثانی لم یصلها بعده) وإن ترکها فی الیوم الأول بغیر عذر حتی زالت الشمس لم یصلها فی الغد کذا فی الکرخی(الجوهرة النیرة، ج ۱ ص ۹۴، باب صلاة العیدین)

[۱] لان الجمع یطلق اقلا علی الثلاث.

واشتراط الجماعة لها وکونها ثلاثة سوی الإمام (ردالمحتار، ج ۲ ص ۱۶۵، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین)

ومن شرائطها :الجماعة وأقلهم عند أبی حنیفة ثلاثة سوی الإمام وقال أبو یوسف ومحمد :اثنان سوی الإمام(المختصر القدوری، باب صلاة الجمعة)

قوله واشتراط الجماعة لها أی لصلاة الجمعة وفیه أن الجماعة کما هی شرط لها شرط لصلاة العیدین .قوله وکونها بالجر عطف علی الجماعة أی واشتراط کو الجماعة ثلاثة سوی الإمام وفیه أن کونها ثلاثة سوی الإمام لیس شرطا خاصا بالجمعة بل کذلک صلاة العیدین(غمز عیون البصائر،القول فی أحکام یوم الجمعة)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی جنگل اور عام دیہات میں جمعہ وعیدین کی نماز پڑھنا ثابت نہیں، اور دیہات والوں کا شہر میں آکر جمعہ وعیدین کی نماز میں شریک ہونا ہی ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُوْنَ الْجُمُعَةَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ مِنَ الْعَوَالِي (مسلم) [1]

ترجمہ: گاؤں والے لوگ اپنے گھروں سے (مدینہ منورہ شہر میں) جمعہ کی نماز کے لیے باری باری آیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوعبید سے روایت ہے کہ:

شَهِدْتُ الْعِيْدَ مَعَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، فَكَانَ ذٰلِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَصَلّٰى قَبْلَ الْخُطْبَةِ، ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ هٰذَا يَوْمٌ قَدِ اجْتَمَعَ لَكُمْ فِيْهِ عِيْدَانِ، فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْتَظِرَ الْجُمُعَةَ مِنْ أَهْلِ الْعَوَالِي فَلْيَنْتَظِرْ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَرْجِعَ فَقَدْ أَذِنْتُ لَهٗ (بخاری) [2]

ترجمہ: میں عید کی نماز میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوا، تو یہ جمعہ کا دن تھا، تو آپ نے خطبے سے پہلے عید کی نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا، پھر فرمایا: اے لوگو! اس دن میں تمہارے لیے دو عیدیں جمع ہوگئی ہیں، پس گاؤں والے لوگوں میں سے جو آدمی (ہمارے ساتھ ٹھہر کر) جمعے کا انتظار کرنا پسند کرے، تو اُسے چاہیے کہ وہ ٹھہر جائے، اور جو (اپنے گاؤں میں) لوٹنا چاہے، تو میری طرف سے اُس کو اجازت ہے (ترجمہ ختم)

---

[1] حدیث نمبر ۸۴۷، کتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب وجوب غسل الجمعة على كل بالغ من الرجال، وبيان ما أمروا به، داراحياء التراث العربى، بيروت.

[2] حدیث نمبر ۵۵۷۲، كتاب الاضاحى، باب ما يؤكل من لحوم الأضاحى وما يتزود منها، دارطوق النجاة، بيروت.

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

لاَ جُـمُـعَةَ، وَلاَ تَشْـرِيْـقَ، وَلاَ صَلاَ ةَ فِطْرٍ، وَلاَ أَضْحٰى، إِلاَّ فِيْ مِصْرٍ جَـامِـعٍ، أَوْ مَـدِيْـنَـةٍ عَـظِيْـمَـةٍ. قَالَ حَجَّاجٌ وَسَمِعْتُ عَطَاءً يَقُوْلُ مِثْلَ ذٰلِكَ (مصنف ابنِ ابی شیبہ) [1]

ترجمہ: جمعہ کی نماز، اور تشریق، اور عید الفطر، اور عید الاضحیٰ کی نماز شہر یا بڑے شہر میں ہی ہے، حضرت حجاج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے بھی اسی طرح سنا ہے (ترجمہ ختم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد مختلف سندوں سے مروی ہے، اگرچہ بعض سندوں میں کچھ کلام ہے، لیکن بعض سندیں بالکل صحیح ہیں۔

اور بعض دیگر جلیل القدر تابعین سے بھی اسی طرح کی روایات مروی ہیں۔ [2]

---

[1] کتاب الجمعة، حدیث نمبر ۵۰۹۹، من قال لاجمعة ولاتشریق الا فی مصر جامع.

[2] عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ :لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ .قَالَ مَعْمَرٌ :يَعْنِي بِالتَّشْرِيقِ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى الْخُرُوجَ إِلَى الْجَبَّانَةَ(مصنف عبد الرزاق، حدیث نمبر ۵۷۱۹)

عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، قَالَ :قَالَ عَلِيٌّ :لاَ جُمُعَةَ ، وَلاَ تَشْرِيقَ إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ .(مصنف ابنِ ابی شیبہ ،حدیث نمبر ۵۰۹۸ ،کتاب الجمعة، من قال لاجمعة ولاتشریق الا فی مصر جامع)

عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ ، عَنْ عَلِيٍّ ، قَالَ :لاَ تَشْرِيقَ ، وَلاَ جُمُعَةَ إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ(مصنف ابنِ ابی شیبہ ،حدیث نمبر ۵۱۰۵ ،کتاب الجمعة، من قال لاجمعة ولاتشریق الا فی مصر جامع)

عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ " :لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ إِلَّا فِي مِصْرٍ مِنَ الْأَمْصَارِ (شرح مشكل الآثار، بَابُ بَيَانِ مُشْكِلِ مَا رُوِيَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعِيدَيْنِ يَجْتَمِعَانِ فِي الْيَوْمِ الْوَاحِدِ)

عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَن حُذَيْفَةَ ، قَالَ :لَيْسَ عَلَى أَهْلِ الْقُرَى جُمُعَةٌ ، إِنَّمَا الْجُمَعُةُ عَلَى أَهْلِ الأَمْصَارِ ، مِثْلِ الْمَدَائِنِ(مصنف ابنِ ابی شیبہ ،حدیث نمبر ۵۱۰۰ ،کتاب الجمعة، من قال لاجمعة ولاتشریق الا فی مصر جامع)

عَنْ هِشَامٍ ، عَنِ الْحَسَنِ ، وَمُحَمَّدٍ ؛ أَنَّهُمَا قَالاَ :الْجُمُعَةُ فِي الأَمْصَارِ(مصنف ابنِ ابی شیبہ ،حدیث نمبر ۵۱۰۱ ،کتاب الجمعة، من قال لاجمعة ولاتشریق الا فی مصر جامع)

عَنِ الْحَسَنِ ؛ أَنَّهُ سُئِلَ :عَلَى أَهْلِ الأُبُلَّة جُمُعَةٌ ؟ قَالَ :لاَ (مصنف ابنِ ابی شیبہ ،حدیث نمبر ۵۱۰۲ ،کتاب الجمعة، من قال لاجمعة ولاتشریق الا فی مصر جامع)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:......عید کی نماز ایک شہر یا قصبے میں کئی جگہ پڑھنا جائز ہے مگر حتی الامکان ہر محلّہ میں چھوٹے چھوٹے اجتماعوں کی بجائے کم از کم مقامات پر بڑے بڑے اجتماعات کی کوشش کرنی چاہیے۔

بڑے اجتماع میں اسلام کی شوکت کا مظاہرہ بھی ہے، اور کوئی عذر نہ ہو تو عید کی نماز آبادی سے باہر نکل کر بڑے میدان یا عیدگاہ میں پڑھنا سنت ہے۔

(اس مسئلہ کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے)

عید کی نماز مستقل ہے، جمعہ کی نماز کا متبادل نہیں

عید کی نماز بعض حضرات کے نزدیک سنت اور بعض حضرات کے نزدیک واجب ہے، جو کہ سال میں دو مرتبہ ادا کی جاتی ہے۔

اور جمعہ کی نماز فرض ہے، جو کہ ہفتہ میں ایک مرتبہ ظہر کے فریضہ کی جگہ اور اس کے بدلہ میں ادا کی جاتی ہے، اور اس کا درجہ عید کی نماز سے زیادہ ہے، اور یہ دونوں الگ الگ نمازیں ہیں، اس لئے اگر جمعہ اور عید ایک ہی دن میں جمع ہو جائیں، تو دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت پر ادا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عَنْ أَبِی بَکْرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ؛ أَنَّهُ أَرْسَلَ إِلَی أَهْلِ ذِی الْحُلَیْفَةِ :أَنْ لاَ تُجَمِّعُوا بِهَا ، وَأَنْ تَدْخُلُوا إِلَی الْمَسْجِدِ ، مَسْجِدِ رَسُولِ اللهِ صلى الله علیه وسلم(مصنف ابنِ ابی شیبه ،حدیث نمبر۵۱۰۳ ، کتاب الجمعة،من قال لاجمعة ولاتشریق الا فی مصر جامع)

عَنْ إِبْرَاهِیمَ ، قَالَ :كَانُوا لاَ یُجَمِّعُونَ فِی الْعَسَاكِرِ(مصنف ابنِ ابی شیبه ،حدیث نمبر۵۱۰۴ ،کتاب الجمعة،من قال لاجمعة ولاتشریق الا فی مصر جامع)

عَنْ إِبْرَاهِیمَ ، قَالَ :لاَ جُمُعَةَ ، وَلاَ تَشْرِیقَ إِلاَّ فِی مِصْرٍ جَامِعٍ(مصنف ابنِ ابی شیبه ،حدیث نمبر۵۱۰۵ ،کتاب الجمعة،من قال لاجمعة ولاتشریق الا فی مصر جامع)

من شرائطها المصرویشترط لهاجمیع مایشترط للجمعة وجوباً واداءً الاالخطبة فانها لیست بشرط لها بل سنة بعدها للنقل المستفیض بذالک .ثم یستحب لصلوٰة العید مایستحب للجمعة الخ (حلبی کبیر ص۲۶۶)

وفی القنیة صلاة العید فی الرساتیق تكره كراهة تحریم اهـ؛ لأنه اشتغال بما لا یصح؛ لأن المصر شرط الصحة(البحر الرائق،ج ۲ ص ۱۷۱ ، کتاب الصلاة ، باب العیدین)

کی جائیں گی، اور ایک کی وجہ سے دوسری نماز ساقط ومعاف نہیں ہوگی۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جمعہ اور عید ایک ہی دن میں جمع ہو جانے کی صورت میں عید اور جمعہ کی دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت پڑھنا ثابت ہیں۔

البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شہر سے باہر دور دراز کے لوگ بھی جمعہ اور بطور خاص عید کی نماز میں آکر اہتمام کے ساتھ شریک ہوا کرتے تھے، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز پڑھنے کے بعد جمعہ کی نماز تک ٹھہرے رہنے اور اپنے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھنے کا مکلّف وپابند نہیں فرمایا، بلکہ انہیں جمعہ کی نماز پڑھے بغیر اپنے گھروں کو لوٹنے کی اجازت مرحمت فرمائی، تاکہ ان کا عید کا سارا دن اپنے اہل وعیال سے الگ نہ گزرے، اور وہ عید کا بقیہ دن اپنے اہل وعیال اور گھر والوں کے ساتھ گزار سکیں، اور عیدُ الاضحیٰ کا موقع ہو تو اپنے گھروں کو لوٹ کر قربانی وغیرہ بھی کر سکیں۔ [2]

چنانچہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِيْدَيْنِ، وَفِي الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى، وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ،

---

[1] ومقتضى هذا :الاكتفاءُ بالعيد فى هذا اليوم وسقوط فَرضيّة الجمعة؛ وهو مذهب عطاء ، ولم يقُلْ به أحدٌ من الجُمهور؛ لأن الفَرضَ لا يَسقط بالسُّنَّة، وأطلق العيدين على العيد والجمعة بطريق أن أحدهما عيد حقيقة، والجمعة -أيضا -فى معنى العيد؛ لاجتماع الناس فيه، أو لأنها تعود كل شهر مرات، وقال محمد فى "الجامع الصغير :"عيدان اجتمعا فى يوم واحد، فالأول سُنَّة، والثانى فريضة، ولا يُتركُ واحد منهما(شرح ابى داوٗد للعينى، ج۴ص ۴۰۱، باب :إذا وافق يوم الجمعة يوم العيد)

وبالجملة ثبوت الجمعة بادلة قاطعة وسقوطها لابد ان تكون بمثلها، وليس فى الباب خبر مرفوع صحيح صريح واحد فضلا عن كون المسقط قطعيا، فكيف يترك كتاب الله ، والاخبار المتواترة ، والاجماع، بمثل تلك الروايات التى للكلام فيها مجال واسع سندا ومتنا منطوقاومفهوما؟(معارف السنن ج۴ص ۴۳۳،باب القراء ة فى العيدين)

[2] وفى الجمعةَ إذا اجتمعا فى يوم على ما ذكره فى الحديث ، فلعله لتخفيف صلاة الجمعة لينصرف الناس الذين يشهدون العيدين من أهل العوالى إلى منازلهم ، ليشهدوا بقية يوم عيدهم مع من تركوه من عيالهم (اكمال المعلم شرح صحيح مسلم للقاضى عياض، كتاب الجمعة)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

قَالَ: وَإِذَا اجْتَمَعَ الْعِيْدُ وَالْجُمُعَةُ، فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ، يَقْرَأُ بِهِمَا أَيْضًا فِي الصَّلَاتَيْنِ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز اور جمعہ کی نماز میں ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْأَعْلٰی'' اور ''هَلْ أَتَاکَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ'' کی قرائت کیا کرتے تھے، اور جب عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہو جاتے تھے، تو عید اور جمعہ کی دونوں نمازوں میں ان دونوں سورتوں کی قرائت کیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید اور جمعہ کا دن جمع ہو جانے پر عید اور جمعہ کی دونوں نمازیں ادا فرمایا کرتے تھے۔

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اجْتَمَعَ عِيْدَانِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمُ فِطْرٍ، وَجُمُعَةٍ فَصَلّٰى بِهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعِيْدِ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ قَدْ أَصَبْتُمْ خَيْرًا وَأَجْرًا، وَإِنَّا مُجْمِعُوْنَ فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يُجْمِعَ مَعَنَا فَلْيُجْمِعْ، وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَرْجِعَ إِلٰى أَهْلِهٖ فَلْيَرْجِعْ (المعجم الكبير للطبرانی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو عیدیں جمع ہو گئیں، یعنی عیدالفطر کا دن اور جمعہ کا دن، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو عید کی نماز پڑھائی، پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے لوگو! تم نے خیر اور اجر کو حاصل کر لیا ہے، اور ہم جمعہ پڑھیں گے، پس جو شخص یہ چاہے کہ ہمارے ساتھ جمعہ پڑھے، تو اسے چاہیئے کہ ہمارے ساتھ جمعہ پڑھ لے، اور جو شخص اپنے گھر والوں

---

[1] حديث نمبر ۸۷۸، كتاب صلاة المسافرين قصرها، باب مايقرأ فی صلاة الجمعة، داراحياء التراث العربی، بيروت.

[2] حديث نمبر ۱۳۵۹۱، مكتبة ابنِ تيمية، القاهرة.

کی طرف لوٹ کر جانا چاہے، تو وہ لوٹ کر چلا جائے (ترجمہ ختم)

اسی قسم کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔[1]

جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عید اور جمعہ کی دونوں نمازیں پڑھنے کا ذکر ہے، اور اس قسم کی احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بارے میں جمعہ پڑھنے اور اپنے ساتھ جمعہ پڑھنے کا (بصیغۂ جمع) ذکر فرمایا، جس سے مراد مدینہ منورہ شہر کے لوگ ہیں۔

اور جن لوگوں کو اپنے گھر والوں کی طرف لوٹنے کی اجازت دی، ان سے مراد وہ لوگ ہیں، جن کا گھر بار شہر میں نہ ہو، اور وہ گاؤں دیہات سے شہر میں عید کی نماز ادا کرنے کے لئے آئے ہوں، تاکہ ان پر قربانی وغیرہ میں حرج نہ ہو، اور وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ جا کر عید کا باقی دن گزارنا چاہیں، تو گزار لیں۔[2]

---

[1] اجْتَمَعَ عِيدَانِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ " :إِنَّهُ قَدْ اجْتَمَعَ عِيدُكُمْ هَذَا وَالْجُمُعَةُ، وَإِنَّا مُجَمِّعُونَ، فَمَنْ شَاءَ أَنْ يُجَمِّعَ فَلْيُجَمِّعْ ,فَلَمَّا صَلَّى الْعِيدَ جَمَّعَ(السنن الكبرى للبيهقي، حديث نمبر ٦٢٨٧، عن ابى هريرة)

عَنْ ذَكْوَانَ قَالَ :اجْتَمَعَ عِيدَانِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِطْرٌ وَجُمُعَةٌ - أَوْ أَضْحَى وَجُمُعَةٌ -قَالَ :فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ :إِنَّكُمْ قَدْ أَصَبْتُمْ ذِكْرًا وَخَيْرًا، وَإِنَّا مُجَمِّعُونَ، مَنْ أَرَادَ أَنْ يُجَمِّعَ فَلْيُجَمِّعْ، وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَجْلِسَ فَلْيَجْلِسْ(مصنف عبد الرزاق، حديث نمبر ٥٧٢٨، واللفظ لهٔ، سنن البيهقى، حديث نمبر ٦٢٨٩)

[2] كان اهل القرى يجتمعون لصلاة العيدين مالايجتمعون لغيرهما كماهو العادة ،وكان فى انتظارهم الجمعة بعد الفراغ من العيد حرج عليهم ، فلما فرغ رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلاة العيد نادى مناديه من شاء منكم ان يصلى الجمعة فليصل ، ومن شاء الرجوع فليرجع، وكان ذلک خطابا لاهل القرى المجتمعين هناک ، والقرينة على ذلک بانه قد صرح فيه بانا مجمعون ، والمراد به من جمع المتكلم اهل المدينة بلاشک ، وفيه دلالة واضحة على ان الخطاب بقوله "من شاء منكم ان يصلى " لاهل القرى ،دون اهل المدينة ، ويؤيده ماذكرنا فى المتن من مرسل عمر بن عبدالعزيز قال: اجتمع عيدان على عهد النبى صلى الله عليه وسلم، فقال: من احب من اهل العالية ان يجلس فليجلس فى غير حرج.وكذا هو فى رواية عبدالعزيز بن رفيع عن ابى صالح عن ابى هريرة مقيدا"باهل العوالى" وقد ذكرنا ان مجموع المرسل ، والموصول صالح للاحتجاج به حتما على ان ابداء الاحتمال يجوز بالضعيف ايضا، فلايصح الاستدلال بظاهر مافى رواية ابن ماجة، وابى داؤد من العموم فى قوله " فمن شاء اجزأه من الجمعة " على سقوط الجمعة بالعيد عن اهل البلد،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس بات کی بعض دوسری احادیث وروایات میں وضاحت پائی جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت ہے کہ:

اِجْتَمَعَ عِيْدَانِ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَجْلِسَ مِنْ أَهْلِ الْعَالِيَةِ فَلْيَجْلِسْ مِنْ غَيْرِ حَرَجٍ (سنن البیہقی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دوعیدیں (جمعہ وعید) جمع ہوگئیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو گاؤں والوں میں سے ٹھہرنا چاہے، اوراس کو کوئی حرج نہ ہو، تو وہ ٹھہر جائے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے مرسلاً مروی ہے کہ:

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

لاحتمال كونه مختصا باهل القرى، بقرينة قوله" وانا لمجمعون" وبقرينة مرسل عمر بن عبدالعزيز وموصول ابى هريرة مقيدا لهم ، واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال(اعلاء السنن ج٨ص ٩٤، باب اذا اجتمع العيد والجمعة لاتسقط الجمعة به)

قال المصنف رحمه الله تعالى *(وان اتفق يوم عيد ويوم جمعة فحضر أهل السواد فصلوا العيد جاز ان ينصرفوا ويتركوا الجمعة لما روى عن عثمان رضى الله عنه انه قال فى خطبته "ايها الناس قد اجتمع عيدان فى يومكم فمن أراد من اهل العالية ان يصلى معنا الجمعة فليصل ومن اراد ان ينصرف فلينصرف "ولم ينكر عليه احد،ولانهم إذا قعدوا فى البلد لم يتهيؤا بالعيد فان خرجوا ثم رجعوا للجمعة كان عليهم فى ذلك مشقة والجمعة تسقط بالمشقة ومن اصحابنا من قال تجب عليهم الجمعة لان من لزمته الجمعة فى غير يوم العيد وجبت عليه فى يوم العيد كأهل البلد والمنصوص فى الام هو الاول(المجموع شرح المهذب، ج٤ص ٤٩١، باب صلاة الجمعة)

(فمن شاء أجزأه من الجمعة أى :يكفيه عن الجمعة وإنا مجمعون فمن حضر معنا وأدى معنا الجمعة حصل منه الاجتماع الأول والاجتماع الثانى، ومن اكتفى بالاجتماع الأول الذى هو العيد فإنه يجزئه عن الحضور للجمعة، ومعنى هذا أن أهل الأطراف وأهل العوالى إذا جاء وا فى الصباح ورجعوا لا يأتون إلى الجمعة، بل يصلون الظهر فى مساجدهم وفى أماكنهم(شرح سنن أبى داود لعبد المحسن العباد،ج٦ص ٢٩٨)

[1] حديث نمبر ٦٢٩٠،كتاب صلاة العيدين، باب اجتماع العيدين بأن يوافق يوم العيد يوم الجمعة، دارالكتب العلمية، بيروت، واللفظ لهٔ، معرفة السنن والآثار للبيهقى، حديث نمبر ٢٠٢١، مسند الشافعى، حديث نمبر ٣٤٩.

قال البيهقى: هذا مرسل وقد روى من وجه آخر موصولا دون هذا (معرفة السنن والآثار للبيهقى، حواله بالا)

اِجْتَمَعَ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِيْدَانِ : اَلْجُمُعَةُ وَالْأَضْحٰی، أَوِ الْفِطْرُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَهْلِ الْعَالِيَةِ: مَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يَشْهَدَ مَعَنَا صَلَاةَ الْجُمُعَةِ فَلْيَشْهَدْ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُصَلِّيَ فِيْ أَهْلِهٖ فَلْيُصَلِّ (حدیث هشام بن عمار، حدیث نمبر ۱۰۵)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو عیدیں یعنی جمعہ اور عیدالاضحیٰ یا عیدالفطر جمع ہوگئیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گاؤں والوں کو فرمایا کہ تم میں سے جو یہ پسند کرتا ہے کہ ہمارے ساتھ جمعہ کی نماز میں شریک ہو، تو وہ شریک ہوجائے، اور جو یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے گھر جا کر نماز پڑھے، تو اسے چاہئے کہ وہ گھر جا کر نماز پڑھ لے (ترجمہ ختم)

ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گاؤں والوں کو ہی اپنے ساتھ جمعہ کی نماز میں شریک ہونے یا جمعہ کی نماز چھوڑ کر اپنے گاؤں میں جانے کی اجازت بیان فرمائی ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ جن روایات میں گاؤں والوں کا ذکر نہیں، ان سے مراد بھی گاؤں والے ہی ہیں، اور یہ اجازت واختیار شہر کے لوگوں کو نہیں ہے۔

اور حضرت ابوعبید سے روایت ہے کہ:

شَهِدْتُ الْعِيْدَ مَعَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، فَكَانَ ذٰلِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَصَلّٰى قَبْلَ الْخُطْبَةِ، ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ هٰذَا يَوْمٌ قَدِ اجْتَمَعَ لَكُمْ فِيْهِ عِيْدَانِ، فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْتَظِرَ الْجُمُعَةَ مِنْ أَهْلِ الْعَوَالِيْ فَلْيَنْتَظِرْ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَرْجِعَ فَقَدْ أَذِنْتُ لَهٗ (بخاری) [1]

ترجمہ: میں عید کی نماز میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوا، تو یہ جمعہ کا دن تھا، تو آپ نے خطبے سے پہلے عید کی نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا،

[1] حدیث نمبر ۵۵۷۲، کتاب الاضاحی، باب ما یؤکل من لحوم الأضاحی وما یتزود منها، دارطوق النجاة، بیروت.

پھر فرمایا: اے لوگو! اس دن میں تمہارے لیے دو عیدیں جمع ہوگئی ہیں، پس گاؤں والے لوگوں میں سے جو آدمی (ہمارے ساتھ ٹھہر کر) جمعے کا انتظار کرنا پسند کرے، تو اُسے چاہیے کہ وہ ٹھہر جائے، اور جو (اپنے گاؤں میں) لوٹنا چاہے، تو میری طرف سے اُس کو اجازت ہے (ترجمہ ختم)

اور مؤطا امام مالک میں یہ الفاظ ہیں کہ:

شَهِدْتُ الْعِيْدَ مَعَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ . فَجَاءَ، فَصَلّٰى، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَخَطَبَ. وَقَالَ : إِنَّهُ قَدِ اجْتَمَعَ لَكُمْ فِيْ يَوْمِكُمْ هٰذَا عِيْدَانِ . فَمَنْ أَحَبَّ مِنْ أَهْلِ الْعَالِيَةِ أَنْ يَنْتَظِرَ الْجُمُعَةَ، فَلْيَنْتَظِرْهَا . وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَرْجِعَ، فَقَدْ أَذِنْتُ لَهُ (مؤطا امام مالک) [1]

ترجمہ: میں عید کی نماز میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوا، تو وہ تشریف لائے، پھر نماز پڑھائی، پھر نماز سے فارغ ہوئے، پھر خطبہ دیا، اور فرمایا کہ تمہارے اس دن میں (عید اور جمعہ کی نماز کی شکل میں) دو عیدیں جمع ہوگئی ہیں، تو گاؤں والوں میں سے جو شخص (یہاں رہ کر) جمعہ کی نماز کا انتظار کرنا چاہے، تو وہ انتظار کرلے، اور جو شخص (جمعہ کی نماز پڑھے بغیر) اپنے گھر لوٹنا چاہے، تو میں نے اس کو اجازت دے دی ہے (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

ثُمَّ شَهِدْتُ بَعْدَ ذٰلِكَ الْفِطْرَ مَعَ عُثْمَانَ، فَجَاءَ بَعْدَمَا اجْتَمَعَ النَّاسُ فِيْهِ، فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ، ثُمَّ قَامَ فَأَثْنٰى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ هٰذَا يَوْمُ الْفِطْرِ، وَهُوَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ، وَهُمَا عِيْدَانِ اجْتَمَعَا لِلْمُسْلِمِيْنَ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ، فَمَنْ أَحَبَّ مِنْ أَهْلِ الْعَوَالِيْ أَنْ

---

[1] حديث نمبر ٦١٣، كتاب العيدين، الأمر بالصلاة قبل الخطبة فى العيدين، مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان للأعمال الخيرية والإنسانية -أبو ظبى -الإمارات.

يَّتَعَجَّلَ إِلٰى أَهْلِهٖ، فَقَدْ أَذِنْتُ لَهٗ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَشْهَدَ مَعَنَا الْجُمُعَةَ فَلْيَفْعَلْ (مسند الشاميين،حديث نمبر ۱۷۹۹ ،مؤسسة الرسالة، بيروت)

ترجمہ: پھر میں اس کے بعد عید الفطر کی نماز میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوا، تو وہ لوگوں کے جمع ہونے کے بعد تشریف لائے، پھر خطبہ سے پہلے (عید کی) نماز پڑھائی، پھر کھڑے ہوئے، پھر اللہ تعالیٰ کی شایانِ شان ثناء بیان کی، پھر فرمایا کہ اما بعد! پس یہ عید الفطر کا دن ہے، اور جمعہ کا بھی دن ہے، اور یہ دونوں عیدیں مسلمانوں کے لئے ایک دن میں جمع ہوگئی ہیں، پس گاؤں والوں میں سے جو شخص اپنے گھر والوں کی طرف (جمعہ کی نماز پڑھے بغیر) جلدی جانا چاہے، تو میں نے اس کو اجازت دے دی ہے، اور جو شخص ہمارے ساتھ جمعہ میں شریک ہونا چاہے، تو وہ شریک ہوجائے (ترجمہ ختم)

امام محمد رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَأْخُذُ وَإِنَّمَا رَخَّصَ عُثْمَانُ فِي الْجُمُعَةِ لِأَهْلِ الْعَالِيَةِ لِأَنَّهُمْ لَيْسُوْا مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ -رَحِمَهُ اللّٰهُ (مؤطا امام محمد) [1]

ترجمہ: اور ہم اسی پوری بات کو لیتے ہیں، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی نماز کی ان لوگوں کو ہی چھوٹ دی، جو گاؤں کے لوگ تھے، کیونکہ وہ شہر والے نہیں تھے (جن پر کہ جمعہ واجب ہو) اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے (ترجمہ ختم)

اور امام شافعی رحمہ اللہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

وَإِذَا كَانَ يَوْمُ الْفِطْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ صَلَّى الْإِمَامُ الْعِيْدَ حِيْنَ تَحِلُّ

[1] تحت حديث رقم ۲۳۳، ابواب الصلاة، باب صلاة العيدين وأمر الخطبة ، دارالقلم ، بيروت.

الصَّلَاةُ ثُمَّ أَذِنَ لِمَنْ حَضَرَهُ مِنْ غَيْرِ أَهْلِ الْمِصْرِ فِيْ أَنْ يَّنْصَرِفُوْا إِنْ شَاءُوْا إِلٰى أَهْلِيْهِمْ، وَلَا يَعُوْدُوْنَ إِلَى الْجُمُعَةِ وَالْاِخْتِيَارُ لَهُمْ أَنْ يُّقِيْمُوْا حَتّٰى يَجْمَعُوْا أَوْ يَعُوْدُوْا بَعْدَ انْصِرَافِهِمْ إِنْ قَدَرُوْا حَتّٰى يَجْمَعُوْا وَإِنْ لَّمْ يَفْعَلُوْا فَلَا حَرَجَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى (قَالَ الشَّافِعِيُّ) وَلَا يَجُوْزُ هٰذَا لِأَحَدٍ مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ أَنْ يَّدَعُوْا أَنْ يَّجْمَعُوْا إِلَّا مِنْ عُذْرٍ يَجُوْزُ لَهُمْ بِهٖ تَرْكُ الْجُمُعَةِ، وَإِنْ كَانَ يَوْمَ عِيْدٍ (قَالَ الشَّافِعِيُّ) : وَهٰكَذَا إِنْ كَانَ يَوْمَ الْأَضْحٰى لَا يَخْتَلِفُ إِذَا كَانَ بِبَلَدٍ يَجْمَعُ فِيْهِ الْجُمُعَةَ وَيُصَلِّي الْعِيْدَ (الام للشافعی) [1]

ترجمہ: اور جب عید الفطر کا دن جمعہ کے دن ہو، تو امام عید کی نماز پڑھائے، جب نماز کے جائز ہونے کا وقت داخل ہوجائے، پھر ان لوگوں کو جو شہر کے علاوہ (گاؤں، دیہات) سے حاضر ہوئے ہوں، ان کو اجازت دے دے، کہ وہ اگر چاہیں، تو اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ جائیں، اور جمعہ کی نماز کے لئے (دوبارہ) لوٹ کر نہ آئیں، اور ان (گاؤں سے شہر میں آنے والوں) کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ (شہر میں) ٹھہرے رہیں، یہاں تک کہ جمعہ کی نماز ادا کریں، یا وہ اگر قادر ہوں تو (گاؤں میں) جانے کے بعد دوبارہ جمعہ کی نماز کے لئے (شہر میں) آجائیں، اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان شاءاللہ تعالیٰ ان پر کوئی حرج نہیں۔

(پھر) امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شہر والوں میں سے کسی کے لئے جمعہ کی نماز چھوڑنا جائز نہیں، سوائے ایسے عذر کی بناء پر، کہ جس کی وجہ سے جمعہ کی نماز کا چھوڑنا جائز ہوتا ہے، اگرچہ عید کا دن ہی کیوں نہ ہو۔

(پھر) امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی حکم اس وقت بھی ہے، جبکہ جمعہ کا دن

---

[1] ج ۱ ص ۲۷۴، کتاب صلاۃ العیدین، اجتماع العیدین، دار المعرفۃ -بیروت.

عیدالاضحیٰ کے دن ہو، اس کا حکم بھی مختلف نہیں ہے، جب شہر میں ہو، تو اس میں
جمعہ کی نماز بھی پڑھے، اور عید کی نماز بھی پڑھے (ترجمہ ختم)

پس اس سے معلوم ہوا کہ عید اور جمعہ ایک دن جمع ہونے کی صورت میں شہر کے لوگوں کو عید اور جمعہ کی دونوں نمازیں پڑھنا ضروری ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو عید کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھنے نہ پڑھنے کی اجازت ورخصت دی تھی، وہ گاؤں کے لوگ تھے، جن پر جمعہ کی نماز لازم نہیں تھی۔ [۱]

کیونکہ گاؤں والوں پر جمعہ کی نماز واجب نہیں، اور شہر میں جمعہ کی نماز کے لئے ٹھہرے رہنے کی پابندی کی صورت میں ان کو قربانی وغیرہ کرنا اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ عید کا تہوار منانا اور گزارنا مشکل تھا۔ [۲]

---

[۱] وکان عثمان قال ذلک بمحضر من الصحابة ، فلو کانت للرخصة تعم اهل القرى واهل البلد جميعا كمازعمه احمد بن حنبل رحمه الله ،لانكروا عليه تخصيصها باهل العالية ،فثبت ان الرخصة مخصوصة بمن لم تجب عليهم الجمعة، فلاتترک الجمعة بالعيد، كيف؟ وان فريضة الجمعة ثابتة بالكتاب والاجماع لازمة على اهل البلد ، فلايجوز اسقاطها عنهم بما هو دون الا بنص قطعى مثله ، ودونه خرط القتاد فان الآثار التى استدل بها احمد رحمه الله على سقوط الجمعة بالعيد عن اهل البلد من الآحاد مع احتمال اختصاصها باهل القرى والعوالى (اعلاء السنن ج۸ص۹۳،باب اذا اجتمع العيد والجمعة لاتسقط الجمعة به)

واذا جاز تخصيص خبر الواحد بدلالة العقل والعرف والقياس كما تقرر فى الاصول، فجواز تخصيصه بقول الصحابى اولىٰ ، لكونه اعرف الناس بمراد الرسول صلى الله عليه وسلم لاسيما عند من يجعل اقوال الصحابة حجة، فافهم (ايضاً ص۹۴)

[۲] فَسَأَلَ سَائِلٌ عَنِ الْمُرَادِ بِمَا فِي هَذَيْنِ الْحَدِيثَيْنِ بَعْدَ اسْتِعْظَامِهِ مَا فِيهِمَا مِنَ الرُّخْصَةِ فِي تَرْکِ الْجُمُعَةِ وَنَفَى ذَلِکَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ : كَيْفَ يَكُونُ لِأَحَدٍ أَنْ يَتَخَلَّفَ عَنِ الْجُمُعَةِ مَعَ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِىَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللهِ) (الجمعة: ۹)؟ الْآيَةَ فَكَانَ جَوَابُنَا لَهُ فِي ذَلِکَ بِتَوْفِيقِ اللهِ وَعَوْنِهِ أَنَّ الْمُرَادِينَ بِالرُّخْصَةِ فِي تَرْکِ الْجُمُعَةِ فِي هَذَيْنِ الْحَدِيثَيْنِ هُمْ أَهْلُ الْعَوَالِي الَّذِينَ مَنَازِلُهُمْ خَارِجَةٌ عَنِ الْمَدِينَةِ مِمَّنْ لَيْسَتِ الْجُمُعَةُ عَلَيْهِمْ وَاجِبَةً ;لِأَنَّهُمْ فِي غَيْرِ مِصْرٍ مِنَ الْأَمْصَارِ ,وَالْجُمُعَةُ فَإِنَّمَا تَجِبُ عَلَى أَهْلِ الْأَمْصَارِ، وَفِي الْأَمْصَارِ دُونَ مَا سِوَى ذَلِکَ كَمَا رُوِىَ عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي ذَلِکَ مِمَّا نُحِيطُ عِلْمًا أَنَّهُ لَمْ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس قسم کی احادیث وروایات کی روشنی میں جمہور فقہائے کرام نے فرمایا کہ عید اور جمعہ اگر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يَقُلْهُ رَأْيًا إِذْ كَانَ مِثْلُهُ لَا يُقَالُ بِالرَّأْيِ ,وَأَنَّهُ لَمْ يَقُلْهُ إِلَّا تَوْقِيفًا وَلَا تَوْقِيفَ يُوجَدُ فِي ذَلِكَ إِلَّا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.
وَهُوَ مَا قَدْ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَرْزُوقٍ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ زُبَيْدٍ الْإِيَامِيِّ قَالَ :سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ " :لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ إِلَّا فِي مِصْرٍ مِنَ الْأَمْصَارِ.
وَمَا قَدْ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ، قَالَ :حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ قَالَ :حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ زُبَيْدٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ " :لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ "قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ :فَكَانَ أَهْلُ الْعَوَالِي الَّذِينَ لَيْسُوا فِي مِصْرٍ مِنَ الْأَمْصَارِ لَهُمُ التَّخَلُّفُ عَنِ الْجُمُعَاتِ ,وَمَنْ كَانَ لَهُ التَّخَلُّفُ عَنِ الْجُمُعَاتِ كَانَ لَهُ التَّخَلُّفُ عَنِ الْجَمَاعَاتِ سِوَاهَا فِي صَلَوَاتِ الْأَعْيَادِ وَمِمَّا سِوَاهَا ,وَكَانُوا إِذَا حَضَرُوا الْأَمْصَارَ لِصَلَوَاتِ الْأَعْيَادِ كَانُوا بِذَلِكَ فِي مَوْضِعٍ عَلَى أَهْلِهِ حُضُورُ تِلْكَ الصَّلَاةِ، يَعْنِي : صَلَاةَ الْجُمُعَةِ وَمَا سِوَاهَا مِنْ صَلَوَاتِ الْأَعْيَادِ، فَأَعْلَمَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا فِي هَذَيْنِ الْحَدِيثَيْنِ أَنَّهُمْ لَيْسَ عَلَيْهِمْ أَنْ يُقِيمُوا بِمَكَانِهِمُ الَّذِي حَضَرُوهُ لِصَلَاةِ الْعِيدِ حَتَّى يَدْخُلَ عَلَيْهِمْ وَقْتُ الْجُمُعَةِ وَهُمْ بِهِ ,فَتَجِبُ عَلَيْهِمُ الْجُمُعَةُ كَمَا تَجِبُ عَلَى أَهْلِ ذَلِكَ الْمَكَانِ ;لِأَنَّهُ مِصْرٌ مِنَ الْأَمْصَارِ ,وَجَعَلَ لَهُمْ أَنْ يُقِيمُوا بِهِ اخْتِيَارًا حَتَّى يُصَلُّوا فِيهِ الْجُمُعَةَ أَوْ يَنْصَرِفُوا عَنْهُ إِلَى أَمَاكِنِهِمْ , وَيَتْرُكُونَ الْإِقَامَةَ لِلْجُمُعَةِ ,فَيَكُونُ رُجُوعُهُمْ إِلَى أَمَاكِنِهِمْ رُجُوعًا إِلَى أَمَاكِنَ لَا جُمُعَةَ عَلَى أَهْلِهَا
فَقَالَ :فَقَدْ رَوَيْتُمْ أَيْضًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الْمَعْنَى حَدِيثًا هُوَ أَعْجَبُ مِنْ هَذَا.
يَعْنِي مَا حَدَّثَنَا بِهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ دَاوُدَ الْبَغْدَادِيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ رَبِّهِ الْجُرْجُسِيُّ، قَالَ : حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ بْنُ الْوَلِيدِ، قَالَ :حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مُغِيرَةَ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :اجْتَمَعَ عِيدَانِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَوْمٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :أَيُّمَا شِئْتُمْ أَجْزَأَكُمْ "قَالَ :فَفِي هَذَا الْحَدِيثِ رَدُّهُ الْمَشِيئَةَ إِلَيْهِمْ فِي الْإِتْيَانِ إِلَى صَلَاةِ الْعِيدِ وَتَرْكِ الْإِتْيَانِ لِمَا سِوَاهَا مِنْ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ أَوْ إِتْيَانِ الْجُمُعَةِ وَتَرْكِ مَا قَبْلَهَا مِنْ صَلَاةِ الْعِيدِ، فَكَانَ جَوَابُنَا لَهُ فِي ذَلِكَ بِتَوْفِيقِ اللهِ وَعَوْنِهِ أَنَّهُ قَدْ يُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاطَبَهُمْ بِذَلِكَ قَبْلَ يَوْمِ الْعِيدِ لِيَفْعَلُوهُ فِي يَوْمِ الْعِيدِ ,وَأَعْلَمَ بِذَلِكَ أَهْلَ الْعَوَالِي أَنَّ لَهُمْ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ صَلَاةِ الْعِيدِ وَيَحْضُرُوا لِصَلَاةِ الْجُمُعَةِ أَوْ يَحْضُرُوا لِصَلَاةِ الْعِيدِ فَيُصَلُّونَهَا ثُمَّ يَنْصَرِفُونَ إِلَى أَمَاكِنِهِمْ ,وَلَا يَحْضُرُونَ الْجُمُعَةَ إِذَا كَانَ أَهْلُ تِلْكَ الْأَمَاكِنِ لَا جُمُعَةَ عَلَيْهِمْ ;لِأَنَّهُمْ لَيْسُوا بِمِصْرٍ مِنَ الْأَمْصَارِ , وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ بِأَلْفَاظٍ هِيَ أَدَلُّ عَلَى هَذَا الْمَعْنَى مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ الَّذِي ذَكَرْنَا.
كَمَا حَدَّثَنَا بَكَّارُ بْنُ قُتَيْبَةَ، قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، وَأَبُو عَامِرٍ قَالَا :حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ، عَنْ ذَكْوَانَ، قَالَ :اجْتَمَعَ عِيدَانِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ " :إِنَّكُمْ قَدْ أَصَبْتُمْ خَيْرًا وَذِكْرًا، وَإِنَّا مُجَمِّعُونَ فَمَنْ شَاءَ أَنْ يُجَمِّعَ فَلْيُجَمِّعْ وَمَنْ شَاءَ أَنْ يَرْجِعَ فَلْيَرْجِعْ "قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ: فَفِي هَذَا الْحَدِيثِ كَشْفُ الْمَعْنَى الَّذِي ذَكَرْنَا احْتِمَالَ الْحَدِيثِ الْأَوَّلِ إِيَّاهُ ,وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ایک دن واقع ہوں، تو شہر والوں کو عید اور جمعہ کی دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت پر پڑھنا ضروری ہوگا۔ [1]

البتہ گاؤں، دیہات والے اگر شہر وقصبہ میں آ کر عید کی نماز ادا کریں، تو ان کو عید کی نماز پڑھ کر اپنے گھر جانے اور وہاں جا کر عید کا باقی دن گزارنے میں حرج نہیں، اور اگر وہ شہر میں ٹھہرے رہیں، تو شہر والوں کی طرح جمعہ کے وقت ان پر جمعہ کی نماز بھی واجب ہوگی۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَدْ كَانَ أَمَرَ أَهْلَ الْعَوَالِي بِمِثْلِ ذَلِكَ فِي يَوْمِ اجْتَمَعَ فِيهِ عِيدَانِ مِنْ أَيَّامِهِ.
كَمَا حَدَّثَنَا بَكَّارُ بْنُ قُتَيْبَةَ قَالَ :حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ قَالَ :حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ قَالَ :أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى ابْنِ أَزْهَرَ قَالَ :شَهِدْتُ الْعِيدَ مَعَ عُثْمَانَ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَجَاءَ فَصَلَّى ثُمَّ انْصَرَفَ فَخَطَبَ فَقَالَ " :إِنَّهُ قَدِ اجْتَمَعَ لَكُمْ عِيدَانِ فِي يَوْمِكُمْ هَذَا ,مَنْ أَحَبَّ مِنْ أَهْلِ الْعَالِيَةِ أَنْ يَنْتَظِرَ الْجُمُعَةَ فَلْيَنْتَظِرْهَا ,وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَرْجِعَ فَلْيَرْجِعْ فَقَدْ أَذِنْتُ لَهُ "
وَكَمَا حَدَّثَنَا بَكَّارٌ قَالَ :حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي الْوَزِيرِ قَالَ :حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى ابْنِ أَزْهَرَ قَالَ :شَهِدْتُ الْعِيدَ مَعَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَوَافَقَ ذَلِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ ,ثُمَّ قَالَ " :هَذَا يَوْمٌ قَدِ اجْتَمَعَ لَكُمْ فِيهِ عِيدَانِ، مَنْ كَانَ هَاهُنَا مِنْ أَهْلِ الْعَوَالِي فَقَدْ أَذِنَّا لَهُ ,وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَمْكُثَ فَلْيَمْكُثْ "وَفِيمَا ذَكَرْنَا بَيَانٌ لِمَا ذَكَرْنَا مِمَّا قَدْ تَقَدَّمَ وَصْفُنَا لَهُ فِي احْتِمَالِ مَا قَدْ رَوَيْنَاهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الْبَابِ .وَاللهَ نَسْأَلُهُ التَّوْفِيقَ(شرح مشكل الآثار للطحاوی، ج۳ص۱۸۷،تا ۱۹۲،باب بيان مشكل ما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى العيدين يجتمعان فى اليوم الواحد)

[1] اور بعض فقہاء عید کا دن جمعہ کے دن واقع ہونے کی صورت میں اہلِ شہر کے لئے سقوطِ جمعہ کے قائل ہیں۔

[2] (قد اجتمع في يومكم هذا عيدان فمن شاء أجزأه من الجمعة) أي عن حضورها ولا يسقط عنه الظهر (وإنا مجمعون إن شاء الله) قاله في يوم جمعة وافقت عيدا فإذا وافق يوم الجمعة يوم عيد وحضر من تلزمه من أهل القرى فصلوا العيد سقطت عنهم الجمعة عند الشافعي كالجمهور ولم يسقطها أبو حنيفة(فيض القدير شرح الجامع الصغير، تحت حديث رقم ۶۱۰۳)

وبه استدل أحمد على سقوط الجمعة على من صلى العيد إذا وافق العيد يوم الجمعة، وبه قال مالك مرة :وأجيب بأنهم إنما كانوا يأتون العيد والجمعة من مواضع لا يجب عليهم المجيء فأخبر بما لهم فى ذلك(عمدة القارى للعينى، ج ۲۱ ص ۱۶۱، كتاب الاضاحى،باب ما يؤكل من لحوم الأضاحى وما يتزود منها)

قال أبو عمر ذهب مالك رحمه الله فى إذن عثمان رضى الله عنه فيما ذهب لأهل العوالى إلى أنه عنده غيره معمول به ، ذكر بن القاسم عنه أنه قال ليس عليه العمل ، وذلك أنه كان لا يرى الجمعة لازمة لمن كان من المدينة على ثلاثة أميال والعوالى عندهم أكثرها كذلك فمن هنا لم ير

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اس کے برخلاف بعض احادیث یا آثار سے جو عید و جمعہ کا دن جمع ہو جانے کی صورت میں

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

العمل على إذن عثمان ورأى أنه جائز له خلافه باجتهاده إلى رؤى الجماعة العاملين بالمدينة بما ذهب إليه في ذلك .

وقال الثوري وأبو حنيفة والشافعي وأكثر أهل العلم إن إذن عثمان كان لمن لا تلزمه الجمعة من أهل العوالي لأن الجمعة لا تجب إلا على أهل المصر عند الكوفيين،وأما الشافعي فتجب عنده على من سمع النداء من خارج المصر، ولا يختلف العلماء في وجوب الجمعة على من كان بالمصر بالغا من الرجال الأحرار سمع النداء أو لم يسمعه.

قال أبو عمر وقد روى في هذا الباب عن بن الزبير وعطاء قول منكر أنكره فقهاء الأمصار ولم يقل به أحد منهم ،وذلك أن عبد الرزاق روى عن بن جريج قال قال عطاء إن اجتمع يوم الجمعة ويوم الفطر في يوم واحد فليجمعهما يصلي ركعتين فقط ولا يصلي بعدها حتى العصر .

قال بن جريج ثم أخبرنا عند ذلك قال اجتمع يوم فطر ويوم جمعة في يوم واحد في زمن بن الزبير فقال بن الزبير عيدان اجتمعا في يوم واحد فجمعهما جميعا صلى ركعتين بكرة صلاة الفطر ثم لم يزد عليها حتى صلى العصر .

وروى سعيد بن المسيب عن قتادة قال سمعت عطاء يقول اجتمع عيدان على عهد بن الزبير فصلى العيد ثم لم يخرج إلى العصر.

قال أبو عمر أما فعل بن الزبير وما نقله عطاء من ذلك وأفتى به على أنه قد اختلف عنه فلا وجه فيه عند جماعة الفقهاء وهو عندهم خطأ إن كان على ظاهره لأن الفرض من صلاة الجمعة لا يسقط بإقامة السنة في العيد عند أحد من أهل العلم،وقد روى فيه قوم أن صلاته التي صلاها لجماعة ضحى يوم العيد نوى بها صلاة الجمعة على مذهب من رأى أن وقت صلاة العيد ووقت الجمعة واحد

وقد أوضحنا فساد قول من ذهب إلى ذلك في باب المواقيت .

وتأول آخرون أنه لم يخرج إليهم لأن صلاها في أهله ظهرا أربعا .

وهذا لا دليل فيه في الخبر الوارد بهذه القصة عنه .

وعلى أي حال كان فهو عند جماعة العلماء خطأ وليس على الأصل المأخوذ به،والأصل في ذلك ما ذكره علي بن المديني قال حدثني يحيى بن سعيد قال حدثنا سفيان سمع عبد العزيز بن رفيع قال حدثني ذكوان أبو صالح أن عيدين اجتمعا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى بهم صلاة العيد وقال إنكم قد أصبتم ذكرا وخيرا ونحن مجمعون إن شاء الله فمن شاء منكم أن يجمع فليجمع ومن شاء أن يجلس فليجلس،وقد روى حدث عبد العزيز بن رفيع مسندا وإن كان بن المديني قال إن المرسل فيه عن عبد العزيز حديث شريف............قال أبو عمر ليس في شيء من آثار هذا الباب ما ذكرناه منها وما سكتنا عنه أن صلاة الجمعة لم يقمها الأئمة في ذلك اليوم وإنما فيها أنهم أقاموها بعد إذنهم المذكور عنهم وذلك عندنا لمن قصد العيدين غير أهل المصر والله أعلم(الاستذكار لابن عبدالبر،كتاب العيدين، باب الأمر بالصلاة قبل الخطبة في العيدين)

عید کی نماز پڑھ لینے سے علی الاطلاق جمعہ کی نماز کا ساقط ہونا ظاہر ہوتا ہے، وہ اس درجہ کی نہیں ہیں کہ ان کی وجہ سے جمعہ جیسے فریضہ کو ساقط کیا جا سکے۔ ؎

؎ واحتج الحنابلة ایضا بما رواه مسدد والمروزی فی العیدین وصحح کما فی کنز العمال والحاکم فی المستدرک وصححه علی شرطهما واقره الذهبی عن وهب بن کیسان، قال :اجتمع عیدان علی عهد ابن الزبیر، فأخر الخروج حتی تعالی النهار، ثم خرج، فخطب، فأطال، ثم نزل، فصلی رکعتین ولم یصل الناس الجمعة، فعاب ذلک علیه ناس، فذکر ذلک لابن عباس، فقال: أصاب السنة، فذکروا ذلک لابن الزبیر، فقال " :رأیت عمر بن الخطاب اذااجتمع علی عهده عیدان، صنع هکذا اهـ. وقد رواه النسائی وسکت عنه الی قوله"السنة"وفی النیل "رجاله رجال الصحیح" وقد رواه ابوداؤد وسکت عنه، وقال النووی اسناده حسن کمافی نصب الرایة، وعن عطاء ابن ابی رباح عن ابی داؤد ایضا قال صلی بنا ابن الزبیر فی یوم عید، فی یوم جمعة أول النهار، ثم رحنا إلی الجمعة، فلم یخرج إلینا فصلینا وحدانا، وکان ابن عباس بالطائف، فلما قدم ذکرنا ذلک له، فقال :أصاب السنة ،اهـ،قال الزیلعی"قال النووی :اسناده علی شرط مسلم" وفی روایة له "فجمعهما جمیعا فصلاهما رکعتین بکرة لم یزد علیهما حتی صلی العصر اهـ، وفی النیل "رجاله رجال الصحیح" .

قلت: لاحجة لهم فی ذلک اصلا، ، فان الناس کلهم انکروا علی ابن الزبیر، ولم یوافقه علی فعله من الصحابة غیر ابن عباس، وامر لایعرفه اکثر الناس فی عهد الصحابة، بل ینکرونه لایجوز به اسقاط فریضة قد اجمع علیها، ولایخفی ان ابن الزبیر، وابن عباس کانا صغیرین فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم، فلعلهما سمعا منادی النبی صلی الله علیه وسلم ینادی:"من شاء منکم ان یصلی فلیصل ومن الرجوع فلیرجع" وکان ذلک خطابا لاهل القری، فلم یفهما المراد به، وظناه عاما لاهل البلد ایضا، فجمع ابن الزبیر الجمعة والعید، وقال فیه ابن عباس: "انه اصاب السنة" ای اصاب ماسمعه من منادی النبی صلی الله علیه وسلم من قوله"من شاء فلیصل" بالمعنی الذی فهمه، واما قول ابن الزبیر"رأیت عمر بن الخطاب اذا اجتمع عیدان صنع هکذا" فلعل عمر رضی الله عنه فعل ذلک بعذر عرفه الناس، ولم یعرفه ابن الزبیر ولذا انکروا علیه، ولم ینکروا علی عمر والا فیبعد کل البعد ان یصنع ابن الزبیر مثل ما صنعه، فعرفه الناس من عمر، وانکروه منه (اعلاء السنن ج۸ص ۹۵،۹۶،باب اذا اجتمع العید والجمعة لاتسقط الجمعة به)

وایضاً فلاحجة بقول الصحابی وفعله فی معارضة قول النبی وفعله لاسیما، وقد ثبت ان الناس انکروا علی ابن الزبیر ماصنعه وعاتبوه علیه فافهم ،علی ان الحنابلة یقولون انه اذا اتفق عید فی یوم جمعة سقط حضور الجمعة عمن صلی العید الاالامام فانها لاتسقط عنه الا ان لا یجتمع له من یصلی به الجمعة لقول النبی صلی الله علیه وسلم "وانا لجمعون "ولانه لو ترکها لامتنع فعل الجمعة فی حق من تجب علیه ومن یریدها ممن سقطت عنه ذکره ابن قدامة فی المغنی.فصنع ابن الزبیر وقع خلاف الاجماع لکونه لم یزد علی الرکعتین قبل الزوال بکرة حتی صلی العصر مع انه قد اجتمع له من یصلی به الجمعة، قال عطاء ثم رحنا الی الجمعة فلم یخرج الینا فصلینا وحدانا کما تقدم (ایضاً ص۹۷)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نمازِ عید کی رکعات اور اذان واقامت

عید کی نماز کی دو رکعتیں ہیں، اور پہلے گزر چکا ہے کہ عید کی نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے، مگر عید کی نماز کے لئے اذان اور اقامت نہیں ہے، نیز عید کی نماز کے لئے اس سے پہلے اور بعد میں سنت ونفل نماز نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عباس اور جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ:

لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمَ الْأَضْحٰى (مسلم) [1]

ترجمہ: عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن (عید کی نماز کے لئے) اذان نہیں دی جاتی (ترجمہ ختم)

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

لَا أَذَانَ لِلصَّلَاةِ يَوْمَ الْفِطْرِ، حِينَ يَخْرُجُ الْإِمَامُ، وَلَا بَعْدَ مَا يَخْرُجُ، وَلَا إِقَامَةَ (مسلم) [2]

ترجمہ: عید الفطر کی نماز کے لئے جب امام (عید کی نماز پڑھانے کے لیے) نکلتا ہے، اس وقت (جمعہ کی طرح) اذان نہیں ہے، اور نہ ہی (جمعہ کی طرح) امام کے نکلنے کے بعد اذان ہے، اور نہ اقامت ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حديث زيد بن ارقم فيه اياس مجهول، قال ابن المنذر: هذا الحديث لايثبت، واياس بن ابى رملة راويه عن زيد مجهول، وقال ابن القطان: هو كما قال النزاع، فان العام القطعي لايختص عندنا بالآحاد، وايضا فان حديث زيد هذا مقيد عندنا باهل العوالى بدليل ماذكرناه فى المتن من قول عثمان ومن مرسل عمر بن عبدالعزيز وموصول ابى هريرة مرفوعا فتذكر، واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال (ايضاً ص۹۷، ۹۸)

[1] حديث نمبر ۸۸۶، كتاب صلاة العيدين، داراحياء التراث العربى، بيروت.

[2] حديث نمبر ۸۸۶، كتاب صلاة العيدين، داراحياء التراث العربى، بيروت.

شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيْدَ، وَأَبِیْ بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعُثْمَانَ، فَكُلُّهُمْ صَلّٰى قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلاَ إِقَامَةٍ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور حضرت ابوبکر، اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سب کے ساتھ عید کی نماز میں شریک ہوا، ان سب نے خطبہ سے پہلے عید کی نماز بغیر اذان اور بغیر اقامت کے پڑھی (ترجمہ ختم)

اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يُقَامُ لَهُ فِي الْعِيْدَيْنِ (مسند الإمام أحمد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عیدین کی نماز میں نہ تو اذان دی جاتی تھی، اور نہ اقامت کہی جاتی تھی (ترجمہ ختم)

ان احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ عید کی نماز کے لیے اذان واقامت نہیں ہے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

صَلَاةُ السَّفَرِ رَكْعَتَانِ ، وَصَلَاةُ الْأَضْحٰى رَكْعَتَانِ ، وَصَلَاةُ الْفِطْرِ رَكْعَتَانِ ، وَصَلَاةُ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَانِ ، تَمَامٌ غَيْرُ قَصْرٍ ، عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مسنداحمد) [3]

ترجمہ: سفر کی نماز کی دو رکعتیں ہیں، اور عیدالاضحیٰ کی نماز کی دو رکعتیں ہیں، اور

---

[1] حدیث نمبر ۲۱۷۱، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ، ابوداؤد، حديث نمبر ۱۱۴۷.
فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غيرَ محمد بن ربيعة الكلابي.الرؤاسي الكوفي، فقد روى له أصحابُ السنن والبخاري في "الأدب المفرد"، وهو ثقة.

[2] حديث نمبر ۲۱۰۲۹، مؤسسة الرسالة ،بيروت.
فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

[3] حديث نمبر ۲۵۷، مؤسسة الرسالة، بيروت.
فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح ، رجاله ثقات رجال الشيخين

عید الفطر کی نماز کی دو رکعتیں ہیں، اور جمعہ کی نماز کی دو رکعتیں ہیں، یہ پوری پوری ہیں، قصر نہیں ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک کے مطابق (ترجمہ ختم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید کی نماز کی دو رکعتیں ہیں، اور یہ شریعت کی طرف سے پوری پوری دو ہی رکھی گئی ہیں، ان کو چار سے دو بنا کر قصر نہیں کیا گیا۔

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى يَوْمَ الْفِطْرِ رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن (نمازِ عید کی) دو رکعتیں پڑھیں، نہ ان سے پہلے کوئی نماز پڑھی، اور نہ بعد میں (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَا يُصَلِّيْ قَبْلَ الْعِيْدِ شَيْئًا، فَإِذَا رَجَعَ إِلٰى مَنْزِلِهِ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ (سنن ابن ماجه) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز سے پہلے کوئی نماز نہیں پڑھا کرتے تھے، پھر جب اپنے گھر لوٹ آتے، تو دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور محمد بن علی بن حنفیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:

كُنَّا فِيْ عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى لَا نُصَلِّيْ فِي الْمَسْجِدِ حَتّٰى نَأْتِيَ الْمُصَلّٰى ، فَإِذَا رَجَعْنَا مَرَرْنَا

---

[1] حديث نمبر ۹۶۴، كتاب الجمعة، باب الخطبة بعد العيد، دارطوق النجاة ، بيروت ،واللفظ لهٗ، ترمذی ،حديث نمبر ۵۳۷.

[2] حديث نمبر ۱۲۹۳ ، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها،باب ما جاء فی الصلاة قبل صلاة العيد وبعدها.

(تعليق محمد فؤاد عبد الباقی)فی الزوائد إسناده صحيح ورجاله ثقات.

(حكم الألبانی)حسن.

بِالْمَسْجِدِ فَصَلَّيْنَا فِيْهِ (مسند الشافعي) [1]

ترجمہ: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن (فجر کے بعد) مسجد میں نماز نہیں پڑھتے تھے، یہاں تک کہ ہم عید گاہ میں آتے تھے، پھر جب ہم (عید کی نماز پڑھ کر) لوٹتے تھے، تو مسجد سے گزرتے تھے (جہاں کہ عید کی نماز نہیں پڑھی جاتی تھی) تو اس میں (نفل) نماز پڑھتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت شعبی سے مروی ہے کہ:

كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ إِذَا رَجَعَ يَوْمَ الْعِيْدِ، صَلّٰى فِيْ أَهْلِهٖ أَرْبَعًا (مصنف ابن أبی شيبة) [2]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب عید کے دن (عید کی نماز پڑھ کر) لوٹتے تھے، تو اپنے گھر میں چار رکعت (نفل) پڑھتے تھے (ترجمہ ختم)

ان سب احادیث وروایات سے معلوم ہو رہا ہے کہ عید کی نماز سے پہلے اور بعد میں کوئی سنت ونفل نماز نہیں ہے، البتہ عید کی نماز کے بعد گھر آ کر، یا کسی دوسری جگہ (مسجد وغیر مسجد میں) جہاں عید کی نماز نہیں پڑھی، دو یا چار نوافل پڑھنے میں حرج نہیں۔ [3]

اس کے علاوہ کئی روایات اور آثار میں عید کی نماز سے پہلے اور بعد میں کوئی نفل وسنت نماز نہ ہونے کا ذکر ہے۔ [4]

---

[1] حديث نمبر ۴۸۳، كتاب العيدين والاضاحى والاستسقاء، باب: ترک الصلاة قبل صلاة العيد وبعدها فى المصلى، شركة غراس للنشر والتوزيع، الكويت، واللفظ لهٗ، معرفة السنن والآثار للبيهقى، حديث نمبر ۱۹۷۳.

[2] حديث نمبر ۵۸۰۲، كتاب الصلاة، فِيمَنْ كَانَ يُصَلِّى بَعْدَ الْعِيدِ أَرْبَعًا.

[3] ثم إذا أراد أن يصلى بعدها صلى أربعا، وفى "زاد الفقهاء": "إن أحب أن يصلى بعدها صلى أربعا، إلا أن مشايخنا قالوا: المستحب أن يصلى أربعا بعد الرجوع إلى منزله، كيلا يظن ظان أنه هو السنة المتوارثة (البناية شرح الهداية، ج۳ص ۱۰۶، وقت صلاة العيدين)

[4] عَنِ ابْنِ عُمَرَ؛ أَنَّهُ خَرَجَ يَوْمَ عِيدٍ فَلَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا، وَلاَ بَعْدَهَا، وَذَكَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَعَلَهُ. (مُصنف ابن أبى شيبة، حديث نمبر ۵۷۸۶، باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّى قَبْلَ الْعِيدِ، وَلاَ بَعْدَهُ)

عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: رَأَيْتُ ابْنَ أَبِى أَوْفَى، وَابْنَ عُمَرَ، وَجَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، وَشُرَيْحًا،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عید کی نماز کا طریقہ

عید کی نماز کا طریقہ عام نمازوں کی طرح ہی ہے، البتہ عید کی نماز میں عام نمازوں کے مقابلہ میں چھ تکبیریں زیادہ ہیں، تین پہلی رکعت میں ثناء کے بعد اور سورہ فاتحہ سے پہلے اور تین دوسری رکعت میں قرائت کے بعد اور رکوع سے پہلے۔

پس پہلی رکعت میں تین زائد تکبیرات قرائت سے پہلے اور دوسری رکعت میں قرائت کے بعد

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَابْنَ مَعْقِلٍ ، لاَ يُصَلُّونَ قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ .(مُصنف ابن أبی شيبة،حديث نمبر ۵۷۸۷،باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ)

عَنْ أَبِي بِشْرٍ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ ، قَالَ : كُنْتُ مَعَهُ جَالِسًا فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ يَوْمَ الْفِطْرِ ، فَقَامَ عَطَاءٌ يُصَلِّي قَبْلَ خُرُوجِ الإِمَامِ ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ سَعِيدٌ : أَنَ اجْلِسْ ، فَجَلَسَ عَطَاءٌ .قَالَ : فَقُلْتُ لِسَعِيدٍ : عَمَّنْ هَذَا يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ ؟ فَقَالَ : عَنْ حُذَيْفَةَ وَأَصْحَابِهِ.(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۵۷۸۸،باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ)

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي كَثِيرٍ ؛ أَنَّ أَبَا مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيَّ كَانَ إِذَا كَانَ يَوْمَ أَضْحَى ، أَوْ يَوْمَ فِطْرٍ طَافَ فِي الصُّفُوفِ ، فَقَالَ : لاَ صَلاَةَ إِلاَّ مَعَ الإِمَامِ.(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۵۷۸۹،باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ)

عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ زَهْدَمٍ الْحَنْظَلِيِّ ؛ أَنَّ أَبَا مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيَّ قَامَ فِي يَوْمِ عِيدٍ ، فَقَالَ : إِنَّهُ لاَ صَلاَةَ فِي هَذَا الْيَوْمِ حَتَّى يَخْرُجَ الإِمَامُ .(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۵۷۹۰،باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ)

عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؛ أَنَّهُ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ .(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۵۷۹۱،باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ)

عَنِ الشَّعْبِيِّ ، قَالَ : كُنْتُ بَيْنَ مَسْرُوقٍ وَشُرَيْحٍ فِي يَوْمِ عِيدٍ ، فَلَمْ يُصَلِّيَا قَبْلَهَا ، وَلاَ بَعْدَهَا .(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۵۷۹۲،باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ)

عَنِ ابْنِ سِيرِينَ ، قَالَ : كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ .(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۵۷۹۳،باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ)

عَنْ إِسْمَاعِيلَ ، قَالَ : رَأَى الشَّعْبِيُّ إِنْسَانًا يُصَلِّي بَعْدَ مَا انْصَرَفَ الإِمَامُ ، فَجَبَذَهُ .(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۵۷۹۴،باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ)

عَنِ الضَّحَّاكِ ، قَالَ : لاَ صَلاَةَ قَبْلَهَا ، وَلاَ بَعْدَهَا .(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۵۷۹۵،باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

میں ہیں، اور اس طرح دونوں رکعتوں میں قرائت پے در پے ہے، دونوں سورتوں کی قراءت کے درمیان زائد تکبیرات حائل نہیں ہیں۔

اور اگر تکبیرِ تحریمہ اور دونوں رکعتوں کی رکوع کی تکبیرات کو بھی ان چھ زائد تکبیرات کے ساتھ شمار کیا جائے، تو مجموعی طور پر نو اور تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ آٹھ تکبیرات بن جاتی ہیں۔

عید کی نماز کا مکمل طریقہ یہ ہے کہ پہلے دل میں عید الفطر کی دو رکعت چھ زائد تکبیروں کے ساتھ پڑھنے کی نیت کرے۔

پھر عام نمازوں کی طرح تکبیرِ تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرے، اور ثناء (یعنی **سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ** الخ) پڑھے، پھر وقفہ وقفہ سے تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر ''اللہ اکبر'' کہے، پہلی اور دوسری مرتبہ ''اللہ اکبر'' کہنے کے ساتھ کانوں تک ہاتھ اٹھا کر چھوڑتا رہے، اور تیسری مرتبہ ''اللہ اکبر'' کہنے کے بعد ہاتھ باندھ لے، اور امام کو چاہئے کہ ہر دفعہ ''اللہ اکبر'' کہنے کے بعد کم از کم اتنی دیر ٹھہرے، جتنی دیر تین مرتبہ '' **سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم** '' کہنے میں لگتی ہے، مجمع زیادہ ہونے کی وجہ سے ضرورت ہو تو اس سے زیادہ بھی وقفہ کیا جاسکتا ہے۔

پہلی رکعت میں تین مرتبہ ''اللہ اکبر'' کہنے کے بعد امام ''**اَعُوْذُ بِاللّٰہ** '' اور ''**بِسْمِ اللّٰہ** '' پڑھ کر عام نمازوں کی طرح اونچی آواز سے سورہ فاتحہ اور اس کے بعد کسی سورت کی قرأت کرے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

عَنِ الشَّعْبِيِّ ؛ أَنَّهُ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَهَا ، وَلاَ بَعْدَهَا .(مصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ٥٧٩٦،باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ)

عَنِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ ، قَالَ :لاَ صَلاَةَ قَبْلَهَا ، وَلاَ بَعْدَهَا .(مصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ٥٧٩٧،باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ)

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللهِ الأَصَمِّ ؛ أَنَّهُ خَرَجَ مَعَ مَسْرُوقٍ فِي يَوْمِ عِيدٍ ، فَقُمْتُ أُصَلِّي ، فَأَخَذَ بِثِيَابِي فَأَجْلَسَنِي ، ثُمَّ قَالَ :لاَ صَلاَةَ حَتَّى يُصَلِّيَ الإِمَامُ .(مصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ٥٧٩٨،باب مَنْ كَانَ لاَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ ، وَلاَ بَعْدَهُ)

عن عامر ، قال : كنت إلى جنب شريح في يوم عيد ، فما رأيته صلى قبلها ولا بعدها ، قال :وأتيت المدينة فما رأيت أحدا من الفقهاء صلى قبلها ولا بعدها (أحكام العيدين للفريابي،حديث نمبر ١٦٦)

اور حسبِ قاعدہ رکوع اور دو سجدوں کے ساتھ پہلی رکعت مکمل کرے۔

پھر دوسری رکعت میں کھڑے ہو کر حسبِ قاعدہ سورہ فاتحہ اور اس کے بعد کسی سورت کی قرأت کرے، اور پھر قرأت سے فارغ ہونے کے بعد رکوع سے پہلے اسی طرح ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ ''اللہ اکبر'' کہے جیسے پہلی رکعت میں کہا تھا اور تینوں مرتبہ ہاتھ اٹھا کر چھوڑتا رہے۔

پھر چوتھی مرتبہ ہاتھ اٹھائے بغیر رکوع کی تکبیر کہتا ہوا رکوع میں جائے اور حسبِ قاعدہ رکوع اور دو سجدوں اور قعدہ کے ساتھ اور سلام پھیر کر نماز مکمل کرے۔ [1]

عید کی نماز میں زائد تکبیرات اور اُن کا ثبوت

عید کی نماز میں عام نمازوں کے مقابلہ میں چھ زائد تکبیرات اور تکبیرِ تحریمہ اور رکوع کی تکبیرات سمیت دونوں رکعتوں میں مجموعی طور پر نو تکبیرات کا ہونا کئی صحیح احادیث و روایات سے ثابت ہے۔

جس کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کے متبعین نے اختیار کیا ہے۔ [2]

اور کئی صحیح احادیث و روایات میں بارہ تکبیرات کا ذکر ہے، جس کو دوسرے فقہائے کرام نے اختیار کیا ہے۔

---

[1] وأما بيان كيفية أداء صلاة العيدين فنقول يصلى الإمام ركعتين فيكبر تكبيرة الافتتاح ويقول سبحانك اللهم وبحمدك إلى آخره ثم يكبر ثلاثا ثم يقرأ جهرا ثم يكبر تكبيرة الركوع فإذا قام إلى الثانية يقرأ أولا ثم يكبر ثلاثا ويركع بالرابعة فتكون التكبيرات الزوائد ستا ثلاثة فى الركعة الأولى وثلاثة فى الركعة الثانية وثلاثة أصليات تكبيرة الافتتاح وتكبيرات الركوع فصار حاصل الجواب عندنا أن يكبر فى صلاة العيدين تسع تكبيرات ستة فى الزوائد وثلاثة أصليات،ويوالى بين القراء تين فيقرأ فى الركعة الأولى بعد التكبيرات وفى الثانية قبل التكبيرات،وهذا هو مذهب عبد الله بن مسعود وحذيفة بن اليمان وعقبة بن عامر الجهنى وأبى موسى الأشعرى وأبى هريرة وابن مسعود الأنصارى رضى الله عنهم(تحفة الفقهاء،ج ١ ص١٦٧ ،كتاب الصلاة،باب صلاة العيدين)

[2] قال أبو حنيفة رضى الله عنه فى العيدين الفطر والأضحى سواء يكبر الإمام تسع تكبيرات فى العيدين يفتتح الصلاة فيكبر اربعا بالتى يفتتح بها الصلاة ثم يقرأ ثم يكبر فيركع ثم يقوم فيقرأ ثم يكبر اربعا يركع بالرابع فيفتتح الصلاة بالتكبير ويختم الصلاة بالتكبير وهذا قول عبد الله بن مسعود رضى الله عنه(الحجة على أهل المدينة،ج ١ ص٢٩٨ ،باب العيدين)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

آج کل بعض لوگ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بیان کردہ طریقہ کو احادیث وروایات کے خلاف کہتے ہیں۔

اس لیے اس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: زَيِّنُوْا أَعْيَادَكُمْ بِالتَّكْبِيْرِ (المعجم الصغير للطبراني) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی عیدوں کو تکبیر کے ذریعہ سے مزیّن کرو (ترجمہ ختم)

اس کے عمومی مفہوم میں عید کی نماز میں اور خطبہ میں نیز عید کی نماز کے لئے جاتے آتے ہوئے کثرت سے تکبیرات کہنا سب داخل ہے۔

اور حضرت عاصم ابو عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ:

حَدَّثَنِيْ بَعْضُ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلّٰى بِنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عِيْدٍ، فَكَبَّرَ أَرْبَعًا، وَأَرْبَعًا، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ حِيْنَ انْصَرَفَ، قَالَ: لَا تَنْسَوْا، كَتَكْبِيْرِ الْجَنَائِزِ، وَأَشَارَ بِأَصَابِعِهٖ، وَقَبَضَ إِبْهَامَهٗ (شرح معانی الآثار) [2]

ترجمہ: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابۂ کرام نے یہ حدیث بیان کی کہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن نماز پڑھائی، تو (ہر رکعت میں)

---

[1] حديث نمبر ۵۹۹، المكتب الإسلامى، بيروت، واللفظ لهٗ، المعجم الاوسط للطبرانى حديث نمبر ۴۳۷۳.

قال الهيثمى:

رواه الطبرانى فى الصغير والأوسط وفيه عمر بن راشد ضعفه أحمد وابن معين والنسائى وقال العجلى: لا بأس به (مجمع الزوائد، ج۲ ۱۹۷، أبواب العيدين، باب التكبير فى العيدين)

[2] حديث نمبر ۷۲۷۳، كتاب الزيادات، باب صلاة العيدين كيف التكبير فيها.

چار چار تکبیریں کہیں، پھر ہماری طرف اپنا چہرہ مبارک پھیر کر فرمایا کہ تم (ان تکبیروں کو) نہ بھولو، جنازہ کی تکبیر کی طرح، اور اپنی انگلیوں سے اشارہ کیا، اور اپنے انگوٹھے کو بند کرلیا (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز میں تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ اور رکوع کی تکبیر سمیت ہر رکعت میں چار چار تکبیرات کہیں، جس کی مزید وضاحت اگلی روایات میں آتی ہے۔

یہ حدیث سند کے لحاظ سے حسن درجے سے کم نہیں ہے، اور اس کی تائید کئی دوسری روایات وآثار سے ہوتی ہے۔ [1]

---

[1] قال الطحاوی: فَهَذَا حَدِيثٌ ,حَسَنُ الْإِسْنَادِ (حوالہ بالا)

وقال الالبانی:

قلت :و هو كما قال رحمه الله تعالى ، فإن القاسم هذا هو ابن عبد الرحمن الدمشقى أبو عبد الرحمن صاحب أبى أمامة ، و هو صدوق حسن الحديث .و الوضين بن عطاء ، أورده ابن أبى حاتم برواية جمع من الثقات عنه ، و روى عن ابن معين أنه قال فيه " :لا بأس به . "و عن أحمد " :ثقة ليس به بأس . "و عن أبى حاتم " :نعرف و ننكر ." قلت :فمثله لا ينزل حديثه عن مرتبة الحسن .و سكت عنه البخارى فى "التاريخ الكبير "، و من دونه ثقتان مشهوران من رجال البخارى .فالحديث شاهد قوى بهذا الإسناد لما أخرجه أبو داود و غيره بإسناد حسن عن أبى عائشة جليس لأبى هريرة :أن سعيد بن العاص سأل أبا موسى الأشعرى و حذيفة بن اليمان :كيف كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكبر فى الأضحى و الفطر ؟ فقال أبو موسى :كان يكبر أربعا تكبيره على الجنائز .فقال حذيفة :صدق .فقال أبو موسى :كذلك كنت أكبر فى البصرة حيث كنت عليهم .فقال أبو عائشة :و أنا حاضر سعيد بن العاص .لكن أبو عائشة هذا غير معروف كما قال الذهبى ، و قال الحافظ " :مقبول . "يعنى عند المتابعة .و على هذا ينبغى أن يكون هذا الحديث مقبولا عند الحافظ ، لأنه قد تابعه القاسم أبو عبد الرحمن فى رواية الطحاوى ، و هو و إن لم يسم الصحابى فإنه لا يضر عند أهل السنة ، لأن الصحابة كلهم عدول مع احتمال أن يكون هو أبا موسى الذى فى هذه الطريق الأخرى ، ثم كيف لا يكون الحديث مقبولا و هو حسن الإسناد من الرواية الأولى .و هى فى الحقيقة رواية عزيزة جيدة ، مما حفظه لنا الإمام الطحاوى رحمه الله ، و لست أدرى لم لم يتعرض لها بذكر كل الذين أخرجوه من الطريق الأخرى من الذين تكلموا عليه بالتضعيف كالنووى و العسقلانى ،بل و الزيلعى ، هو أحوج ما يكون إليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت مکحول سے روایت ہے کہ:

أَخْبَرَنِیْ أَبُوْ عَائِشَةَ، جَلِیْسٌ لِأَبِیْ هُرَیْرَةَ، أَنَّ سَعِیْدَ بْنَ الْعَاصِ، سَأَلَ أَبَا مُوْسَى الْأَشْعَرِیَّ، وَحُذَیْفَةَ بْنَ الْیَمَانِ، کَیْفَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لدعم مذهبه الحنفی ! و قد استدركه عليه المحشی الفاضل ، و نقل عن الحافظ فی " الفتح " أنه قال " : إسناده قوی . " و لم أقف عليه الآن فی مظانه من " الفتح . " و الله أعلم . و يزداد قوة بما رواه عبد الرزاق (۵۶۸۶) عن الثوری عن أبی إسحاق عن علقمة و الأسود بن يزيد : أن ابن مسعود كان يكبر فی العيدين تسعا ، تسعا ، أربعا قبل القراء ة ثم كبر فركع ، و فی الثانية يقرأ فإذا فرغ كبر أربعا ثم ركع . و إسناده صحيح كما قال ابن حزم و غيره . و أخرجه ابن أبی شيبة (۲/۱۷۳) و الطحاوی فی "شرح المعانی " (۴/۳۴۸) عن سفيان عن أبی إسحاق عن عبد الله بن أبی موسى ، و عن حماد عن إبراهيم : أن أميرا من أمراء الكوفة - قال سفيان : أحدهما سعيد بن العاصی ، و قال الآخر : الوليد بن عقبة - بعث إلی عبد الله بن مسعود و حذيفة بن اليمان و عبد الله بن قيس (يعنی أبا موسى) فقال : إن هذا العيد قد حضر فما ترون ؟ فأسندوا أمرهم إلی عبد الله ، فقال : يكبر تسعا : تكبيرة يفتتح بها الصلاة ، ثم يكبر ثلاثا ، ثم يقرأ سورة ، ثم يكبر ، ثم يركع . ثم يقوم فيقرأ سورة ، ثم يكبر أربعا يركع بإحداهن . و هو من طريق عبد الله بن أبی موسى صحيح ، و هو حمصی مخضرم ثقة . و كذلك هو من طريق إبراهيم ، و هو ابن يزيد النخعی ، و هو و إن كان لم يسمع من ابن مسعود فمن المعروف من ترجمته أن ما أرسله عنه فهو صحيح . و رواه الطحاوی من طريق زهير بن معاوية عن أبی إسحاق عن إبراهيم بن عبد الله بن قيس عن أبيه أن سعيد بن العاص دعاهم يوم عيد .. الحديث نحوه ، فأدخل بين أبی إسحاق و عبد الله بن قيس - إبراهيم بن عبد الله هذا ، و من الظاهر أنه ابن عبد الله بن أبی موسى الذی فی الإسناد الذی قبله ، فإنه يقال : عبد الله بن أبی موسى ، و عبد الله بن قيس ، و عبد الله بن أبی قيس كما فی " التقريب " ، فإن كان كذلك فإنی لم أعرف إبراهيم هذا . و من طبقته إبراهيم بن أبی موسى الأشعری وثقه العجلی ، فيحتمل على بعد أنه هو . و الله أعلم . و له طريق أخرى عند ابن أبی شيبة (۲/۱۷۴) و البيهقی (۳/۲۹۱) عن معبد بن خالد عن كردوس قال : قدم سعيد بن العاص قبل الأضحى فأرسل إلی عبد الله بن مسعود و إلی أبی موسى و إلی أبی مسعود الأنصاری ، فسألهم عن التكبير ؟ قال : فقذفوا بالمقاليد إلی عبد الله ، فقال عبد الله : تقوم فتكبر أربع تكبيرات ثم تقرأ ، ثم تركع فی الخامسة ، ثم تقوم فتقرأ ثم تكبر أربع تكبيرات ، فتركع بالرابعة . و إسناده صحيح إلی كردوس ، و أما هذا ، فقد وثقه ابن حبان (۳/۲۲۸) و روى عنه جمع من الثقات كما فی " الجرح

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي الْأَضْحٰى وَالْفِطْرِ؟ فَقَالَ أَبُوْ مُوسٰى: كَانَ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا تَكْبِيْرَهُ عَلَى الْجَنَائِزِ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ: صَدَقَ، فَقَالَ أَبُوْ مُوسٰى: كَذٰلِكَ كُنْتُ أُكَبِّرُ فِي الْبَصْرَةِ، حَيْثُ كُنْتُ عَلَيْهِمْ، وَقَالَ أَبُوْ عَائِشَةَ: وَأَنَا حَاضِرٌ سَعِيْدَ بْنَ الْعَاصِ (ابوداؤد) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

و التعديل "(۱۷۵/۷) و "التهذيب "لكن اختلفوا فى اسم أبيه، و هل هو واحد أو أكثر، فمثله إن لم يحتج به، فلا أقل من أن يستشهد به، و قد أشار إلى هذا الحافظ بقوله فى "التهذيب "ث": مقبول. "و يشهد له ما روى عبد الله بن الحارث قال ":صلى بنا ابن عباس يوم عيد فكبر تسع تكبيرات، خمسا فى الأولى، و أربعا فى الأخرى، والى بين القراء تين. "أخرجه ابن أبى شيبة. و إسناده صحيح على شرط الشيخين، و عبد الله بن الحارث هو الأنصارى أبو الوليد البصرى نسيب ابن سيرين و ختنه. قلت: فهذه آثار كثيرة قوية تشهد لحديث الترجمة، و هى و إن كانت موقوفة، فهى فى حكم المرفوع، لأنه يبعد عادة أن يتفق جماعة منهم على مثله دون توقيف، و لو جاء مثله غير مرفوع لكان حجة، فكيف و قد جاء مرفوعا من وجهين أحدهما حديث الترجمة، و الآخر شاهده المذكور عن أبى عائشة، و أما إعلال البيهقى إياه بمخالفته للذين رووه عن ابن مسعود موقوفا، فكان يمكن الاعتداد به، لولا الطريق الأولى، و هى مما فات البيهقى فلم يتعرض لها بذكر، و لهذا قال عقب أثر كردوس المتقدم و غيره ":و هذا رأى من جهة عبد الله رضى الله عنه، و الحديث المسند مع ما عليه عمل المسلمين أولى. "و قد تعقبه ابن التركمانى بقوله ":قلت: هذا لا يثبت بالرأى. قال أبو عمر فى "التمهيد ": "مثل هذا لا يكون رأيا، و لا يكون إلا توقيفا، لأنه لا فرق بين سبع و أقل و أكثر من جهة الرأى و القياس، و قال ابن رشد فى "القواعد ": "معلوم أن فعل الصحابة فى ذلك توقيف، إذ لا يدخل القياس فى ذلك، و قد وافق ابن مسعود على ذلك جماعة من الصحابة و التابعين، أما الصحابة فقد قدمنا ذكرهم، و أما التابعون فقد ذكرهم ابن أبى شيبة فى (مصنفه) (سلسلة الصحيحة، تحت حديث رقم ۲۹۹۷)

[1] حديث نمبر ۱۱۵۳، كتاب الصلاة، باب التكبير فى العيدين، المكتبة العصرية، بيروت.

(حكم الألبانى): حسن صحيح.

أخرجه أبو داود و غيره بإسناد حسن عن أبى عائشة جليس لأبى هريرة: أن سعيد بن العاص سأل أبا موسى الأشعرى و حذيفة بن اليمان: كيف كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكبر فى الأضحى و الفطر ؟ فقال أبو موسى: كان يكبر أربعا تكبيره على الجنائز. فقال حذيفة: صدق.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: مجھے حضرت ابو عائشہ نے خبر دی، جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہم نشین تھے، کہ حضرت سعید بن عاص نے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں کس طرح تکبیر کہتے تھے؟ تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چار تکبیریں کہتے تھے، جس طرح جنازہ پر (چار) تکبیریں کہی جاتی ہیں، تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سچ فرمایا، پھر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بصرہ میں اسی طرح تکبیر کہتا تھا، جب میں بصرہ کے لوگوں کے ساتھ تھا، اور ابو عائشہ نے فرمایا کہ میں سعید بن عاص کے ساتھ (اس وقت) موجود تھا (ترجمہ ختم)

اور مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْعَاصِ دَعَا أَبَا مُوسَى الْأَشْعَرِيَّ، وَحُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَ فَقَالَ: كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى؟ فَقَالَ: أَبُو مُوسٰى كَانَ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فقال أبو موسى :كذلک كنت أكبر فى البصرة حيث كنت عليهم .فقال أبو عائشة :و أنا حاضر سعيد بن العاص .لكن أبو عائشة هذا غير معروف كما قال الذهبى ، و قال الحافظ " :مقبول . " يعنى عند المتابعة .و على هذا ينبغى أن يكون هذا الحديث مقبولا عند الحافظ ، لأنه قد تابعه القاسم أبو عبد الرحمن فى رواية الطحاوى ، و هو و إن لم يسم الصحابى فإنه لا يضر عند أهل السنة ، لأن الصحابة كلهم عدول مع احتمال أن يكون هو أبا موسى الذى فى هذه الطريق الأخرى ، ثم كيف لا يكون الحديث مقبولا و هو حسن الإسناد من الرواية الأولى .و هى فى الحقيقة رواية عزيزة جيدة ، مما حفظه لنا الإمام الطحاوى رحمه الله ، و لست أدرى لم لم يتعرض لها بذكر كل الذين أخرجوه من الطريق الأخرى من الذين تكلموا عليه بالتضعيف كالنووى و العسقلانى ،بل و الزيلعى ، هو أحوج ما يكون إليه لدعم مذهبه الحنفى !و قد استدركه عليه المحشى الفاضل ، و نقل عن الحافظ فى "الفتح "أنه قال " :إسناده قوى . "و لم أقف عليه الآن فى مظانه من "الفتح ." و الله أعلم .(سلسلة الصحيحة، تحت حديث رقم ۲۹۹۷)

تَكْبِيرَهُ عَلَى الْجَنَائِزِ وَصَدَّقَهُ حُذَيْفَةُ فَقَالَ أَبُوْ عَائِشَةَ : فَمَا نَسِيتُ بَعْدُ قَوْلَهُ تَكْبِيرَهُ عَلَى الْجَنَائِزِ، وَ أَبُوْ عَائِشَةَ حَاضِرٌ سَعِيدَ بْنَ الْعَاصِ

(مسند احمد، حديث نمبر ۱۹۷۳۴، مؤسسة الرسالة، بيروت)

ترجمہ: حضرت سعید بن عاص نے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کو بلایا، اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز میں کس طرح تکبیر کہتے تھے؟ تو حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا کہ چار تکبیرات کہتے تھے، جس طرح جنازہ پر (چار) تکبیریں کہی جاتی ہیں، اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے تصدیق فرمائی، پھر حضرت ابوعائشہ نے فرمایا کہ میں حضرت ابوموسیٰ کی اس بات کو آج تک نہیں بھولا کہ جس طرح جنازہ پر (چار) تکبیریں کہی جاتی ہیں، اور حضرت ابوعائشہ، سعید بن عاص کے پاس موجود تھے (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ ایک رکعت میں چار تکبیرات کہتے تھے، جن میں سے ایک تو عام نماز والی تکبیر ہوتی تھی، اور تین تکبیرات زائد ہوتی تھیں۔[1]

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نمازِ عید پڑھانے کے واقعہ میں اس کی مزید تفصیل ہے، چنانچہ حضرت ابوکنانہ قرشی سے مروی ہے کہ:

لَمَّا كَانَ يَوْمُ الْفِطْرِ خَرَجْنَا مَعَ أَبِيْ مُوسٰى الْأَشْعَرِيِّ فَصَفَفْنَا خَلْفَهُ،

---

[1] (يكبر فى الأضحى والفطر) :أى فى صلاتهما(كان)النبى صلى الله عليه وسلم (يكبر) :أى فى كل ركعة(أربعا) :أى متوالية .والمعنى مع تكبيرة الإحرام فى الركعة الأولى ومع تكبيرة الركوع فى الثانية(تكبيره) :أى مثل عدد تكبيره(على الجنائز) :صلاة الجنائز(صدق) :أبو موسى (حيث كنت عليهم) :أى أميرا(وأنا حاضر) :وقت هذه المكالمة والحديث استدل به الحنفية وقالوا :يصلى الإمام بالناس ركعتين يكبر فى الأولى للافتتاح وثلاثا بعدها ثم يقرأ الفاتحة وسورة ويكبر تكبيرة يركع بها ثم يبتدى فى الركعة الثانية بالقراء ة ثم يكبر ثلاثا بعدها ويكبر رابعة يركع بها ، وهذا قول ابن مسعود وهو قولنا كذا فى الهداية(عون المعبود، ج۴ص۷،باب التكبير فى العيدين)

ثُمَّ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَكَبَّرَ أَرْبَعَ تَكْبِيْرَاتٍ، وَلَا يَتْبَعُ بَعْضُهَا بَعْضًا، ثُمَّ قَرَأَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى ثُمَّ كَبَّرَ الْخَامِسَةَ، ثُمَّ رَكَعَ، ثُمَّ قَامَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ فَقَرَأَ : فَاتِحَةَ الْكِتَابِ، وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ثُمَّ كَبَّرَ ثَلَاثًا، ثُمَّ كَبَّرَ الرَّابِعَةَ وَرَكَعَ (احکام العیدین للفریابی) [1]

ترجمہ: جب عید الفطر کا دن ہوا، تو ہم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ (عید کی نماز کے لیے) نکلے، پھر ہم نے آپ کے پیچھے صف بنائی، پھر انہوں نے قبلہ کی طرف رخ کیا، پھر (تکبیرِ تحریمہ سمیت) چار تکبیرات کہیں، اور انہوں نے وہ تکبیرات ایک دوسرے کے بعد (جلدی جلدی) نہیں کہیں، پھر ''سبح اسم ربک الاعلیٰ'' کی قرائت کی، پھر پانچویں تکبیر کہہ کر رکوع کیا، پھر دوسری رکعت میں کھڑے ہوئے، پھر سورہ فاتحہ کی قرائت کی، اور ''قل یاایہا الکافرون اور قل ہو اللہ احد'' پڑھیں، پھر تین تکبیرات کہیں، پھر چوتھی تکبیر کہی اور (اس کے ساتھ) رکوع کیا (ترجمہ ختم)

یہ روایت پہلی روایات کے ساتھ مل کر حسن درجے میں داخل ہے۔ [2]

اور حضرت مکحول سے روایت ہے کہ:

أَخْبَرَنِي مَنْ شَهِدَ سَعِيْدَ بْنَ الْعَاصِ أَرْسَلَ إِلٰى أَرْبَعَةِ نَفَرٍ مِّنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ فَسَأَلَهُمْ عَنِ التَّكْبِيْرِ فِي الْعِيْدِ ؟ فَقَالُوْا ثَمَانُ تَكْبِيْرَاتٍ ، قَالَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِابْنِ سِيْرِيْنَ، فَقَالَ: صَدَقَ، وَلٰكِنَّهُ أَغْفَلَ

---

[1] ص۱۹۷، باب القرائة فی صلاة العید، مکتبة العلوم والحکم -المدینة المنورة.

[2] اور بعض حضرات کے ابوکنانہ قرشی کو مجہول قرار دینے کی وجہ سے اس حدیث کو حسن لغیرہٖ سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ علامہ ابنِ حجر وغیرہ نے ابوکنانہ قرشی کی بعض روایات کو دوسرے مؤیدات کی وجہ سے حسن قرار دیا ہے۔ محمد رضوان۔

حدیث روی أنه صلى الله عليه و سلم قال إن الله لا يرد دعوة ذی الشيبة المسلم هذا الحديث ذكر الغزالی فی الوسيط والإمام فی النهاية ولا أدری من خرجه وعند أبی داود من حديث أبی موسى الأشعری إن من إجلال الله إكرام ذی الشيبة المسلم وإسناده حسن (تلخيص الحبير لابنِ حجر، تحت حديث رقم ۷۶۲)

تَكْبِيْرَةَ فَاتِحَةِ الصَّلَاةِ (مصنف ابن أبي شيبة) [1]

ترجمہ: مجھے اس شخص نے خبر دی، جو سعید بن عاص کے پاس حاضر ہوئے کہ انہوں نے بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والے چار (جلیلُ القدر) صحابۂ کرام کی طرف عید کی تکبیرات کے بارے میں سوال بھیجا، تو انہوں نے فرمایا کہ آٹھ تکبیرات ہیں، حضرت مکحول کہتے ہیں کہ میں نے اس کا ابنِ سیرین سے ذکر کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ سچ فرمایا، لیکن نماز شروع کرنے والی تکبیر کے ذکر سے انہوں نے غفلت کی (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ رکوع کی تکبیر سمیت دونوں رکعتوں میں چار چار اور مجموعی طور پر آٹھ تکبیرات ہیں، ایک ایک تکبیر تو دونوں رکعتوں میں رکوع کی ہے، اور باقی تکبیرات عید کی نماز کی ہیں، اور حضرت ابنِ سیرین کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ پہلی رکعت میں ایک تکبیر تحریمہ کی بھی ہے، جو نماز شروع کرنے کے لئے کہی جاتی ہے، جس کو راوی نے ذکر نہیں کیا، اور اس طرح یہ تمام تکبیرات ملا کر مجموعی طور پر نو بن جاتی ہیں۔

اور حضرت علقمہ اور حضرت اسود بن یزید رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ:

كَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ جَالِسًا وَعِنْدَهٗ حُذَيْفَةُ وَأَبُوْ مُوسٰى الْأَشْعَرِيُّ، فَسَأَلَهُمَا سَعِيْدُ بْنُ الْعَاصِ عَنِ التَّكْبِيْرِ فِي الصَّلَاةِ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى فَجَعَلَ هٰذَا يَقُوْلُ سَلْ هٰذَا، وَهٰذَا يَقُوْلُ: سَلْ هٰذَا، فَقَالَ لَهٗ حُذَيْفَةُ: سَلْ هٰذَا ـ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ ـ فَسَأَلَهٗ، فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ: يُكَبِّرُ أَرْبَعًا ثُمَّ يَقْرَأُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ فَيَرْكَعُ، ثُمَّ يَقُوْمُ فِي الثَّانِيَةِ فَيَقْرَأُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا بَعْدَ الْقِرَاءَةِ (مصنف عبد الرزاق) [2]

---

[1] حديث نمبر ۵۷۴۵، كتاب الصلاة، فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلَافِهِمْ فِيهِ.

[2] حديث نمبر ۵۶۸۷، كتاب صلاة العيدين، باب التكبير فی الصلاة يوم العيد، المكتب الاسلامی، بيروت، واللفظ لهٗ، المعجم الكبير للطبرانی، حديث نمبر ۹۵۱۶.

و إسناده صحيح كما قال ابن حزم و غيره (سلسلة الصحيحة، تحت حديث رقم ۲۹۹۷)

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، اور آپ کے پاس حضرت حذیفہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری بھی تشریف فرما تھے، تو ان دونوں حضرات سے حضرت سعید بن عاص نے عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نماز کی تکبیر کے بارے میں سوال کیا، تو یہ (یعنی حضرت حذیفہ) کہنے لگے کہ ان (یعنی حضرت ابوموسیٰ) سے معلوم کیجئے، اور یہ (یعنی حضرت ابوموسیٰ) کہنے لگے کہ ان (یعنی حضرت حذیفہ) سے معلوم کیجئے، تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیجئے، تو حضرت سعید بن عاص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، تو حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (تکبیرِ تحریمہ سمیت) چار تکبیر کہہ کر قرأت کرے، پھر (پانچویں) تکبیر کہہ کر رکوع کرے، پھر دوسری رکعت میں کھڑا ہو، پھر قرأت کرے، پھر قرأت کے بعد (رکوع کی تکبیر سمیت) چار تکبیرات کہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت کردوس سے روایت ہے کہ:

أَرْسَلَ الْوَلِيْدُ إِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، وَحُذَيْفَةَ، وَأَبِيْ مَسْعُوْدٍ، وَأَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ بَعْدَ الْعَتَمَةِ فَقَالَ: إِنَّ هٰذَا عِيْدُ الْمُسْلِمِيْنَ فَكَيْفَ الصَّلَاةُ؟ فَقَالُوْا: سَلْ أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَسَأَلَهُ فَقَالَ: يَقُوْمُ فَيُكَبِّرُ أَرْبَعًا، ثُمَّ يَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، وَسُوْرَةٍ مِّنَ الْمُفَصَّلِ، ثُمَّ يُكَبِّرُ، وَيَرْكَعُ فَتِلْكَ خَمْسٌ، ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، وَسُوْرَةٍ مِّنَ الْمُفَصَّلِ، ثُمَّ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا يَرْكَعُ فِيْ آخِرِهِنَّ فَتِلْكَ تِسْعٌ فِي الْعِيْدَيْنِ، فَمَا أَنْكَرَهُ وَاحِدٌ مِّنْهُمْ (المعجم الكبير للطبرانی) [1]

---

[1] حديث نمبر ۹۵۱۴، مكتبة ابن تيمية، القاهرة.
قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الكبير ورجاله موثقون (مجمع الزوائد، ج ۲ ص ۲۰۴)

ترجمہ: ولید (بن عقبہ) نے حضرت عبداللہ بن مسعود، اور حضرت حذیفہ اور حضرت ابومسعود، اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کی طرف عشاء کی نماز کے بعد پیغام بھیجا کہ یہ مسلمانوں کی عید کا موقع ہے، تو (عید کی) نماز کس طرح پڑھی جائے گی؟ تو ان سب نے کہا کہ آپ حضرت ابوعبدالرحمٰن (یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے معلوم کیجئے، تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے معلوم کیا، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (تکبیرِ تحریمہ سمیت) چار تکبیرات کہے، پھر سورہ فاتحہ کی قرائت کرے، اور کوئی لمبی سورت پڑھے، پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرے، تو یہ (تکبیرِ تحریمہ اور رکوع کی تکبیر سمیت) پانچ تکبیرات ہیں، پھر (پہلی رکعت مکمل کر کے) کھڑا ہو، پھر سورہ فاتحہ اور کسی لمبی سورت کی قرائت کرے، پھر چار تکبیرات کہے، اور ان تکبیرات میں سے آخری تکبیر کے ساتھ رکوع کرے، پس یہ عیدین کی مجموعی طور پر نو تکبیرات ہیں۔

تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس بات کا کسی نے انکار نہیں کیا (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بتلائے طریقہ پر مذکورہ تمام جلیل القدر صحابۂ کرام نے اتفاق کیا۔

اور حضرت کردوس کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ : يَقُوْمُ فَيُكَبِّرُ ، ثُمَّ يُكَبِّرُ ، ثُمَّ يُكَبِّرُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ فَيَقْرَأُ ، ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَرْكَعُ ، وَيَقُوْمُ فَيَقْرَأُ ، ثُمَّ يُكَبِّرُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ الرَّابِعَةَ، ثُمَّ يَرْكَعُ (مصنف ابن أبی شیبة) [1]

---

[1] حدیث نمبر ۵۷۵۵، کتاب الصلاة، فِی التَّكْبِيرِ فِی الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلَافِهِمْ فِيهِ.

ترجمہ: تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کھڑا ہوگا، پھر تکبیر (تحریمہ) کہے گا، پھر (دوسری) تکبیر کہے گا، پھر (تیسری) تکبیر کہے گا، پھر (چوتھی) تکبیر کہے گا، پھر قرائت کرے گا، پھر تکبیر کہے گا، اور (اس تکبیر کے ساتھ) رکوع کرے گا اور (رکعت مکمل کرکے) کھڑا ہوگا، پھر قرائت کرے گا، پھر (پہلی) تکبیر کہے گا، پھر (دوسری) تکبیر کہے گا، پھر (تیسری) تکبیر کہے گا، پھر چوتھی تکبیر کہے گا، اور (اس تکبیر کے ساتھ) رکوع کرے گا (ترجمہ ختم)

اور حضرت کردوس، حضرت ابنِ عباس سے روایت کرتے ہیں کہ:

لَمَّا كَانَ لَيْلَةَ الْعِيْدِ أَرْسَلَ الْوَلِيْدُ بْنُ عُقْبَةَ إِلٰى ابْنِ مَسْعُوْدٍ ، وَأَبِىْ مَسْعُوْدٍ ، وَحُذَيْفَةَ، وَأَبِىْ مُوْسٰى الْأَشْعَرِيِّ ، فَقَالَ لَهُمْ : إِنَّ الْعِيْدَ غَدًا، فَكَيْفَ التَّكْبِيْرُ ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ : تَقُوْمُ فَتُكَبِّرُ أَرْبَعَ تَكْبِيْرَاتٍ، وَتَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَةٍ مِّنَ الْمُفَصَّلِ لَيْسَ مِنْ طِوَالِهَا، وَلاَ مِنْ قِصَارِهَا، ثُمَّ تَرْكَعُ، ثُمَّ تَقُوْمُ فَتَقْرَأُ، فَإِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ كَبَّرْتَ أَرْبَعَ تَكْبِيْرَاتٍ، ثُمَّ تَرْكَعُ بِالرَّابِعَةِ (مصنف ابن أبى شيبة) [1]

ترجمہ: جب عید الفطر کی رات ہوئی، تو ولید بن عقبہ نے حضرت ابنِ مسعود، اور حضرت ابو مسعود، اور حضرت حذیفہ، اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کی طرف پیغام بھیجا کہ صبح عید ہے، تو (عید کی نماز میں) کس طرح تکبیر کہی جائیں؟ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کھڑے ہوں، پھر (تکبیرِ تحریمہ سمیت) چار تکبیرات کہیں، اور سورہ فاتحہ اور کسی بڑی سورت کی قرائت کریں، نہ زیادہ لمبی ہو اور نہ زیادہ چھوٹی، پھر آپ رکوع کریں (اور پہلی رکعت مکمل کریں) پھر آپ (دوسری رکعت کے لیے) کھڑے ہوں، پھر قرائت

---

[1] حدیث نمبر ۵۷۵۴، کتاب الصلاة، فِى التَّكْبِيرِ فِى الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلافِهِمْ فِيهِ.

کریں، پھر جب (سورہ فاتحہ اور اس کے بعد سورت کی) قرائت سے فارغ ہوجائیں، تو چار تکبیریں کہیں، پھر چوتھی تکبیر پر رکوع کریں (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابراہیم نخعی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

فَقَالَ :تُكَبِّرُ تِسْعًا تَكْبِيْرَةٍ تَفْتَتِحُ بِهَا الصَّلَاةَ، ثُمَّ تُكَبِّرُ ثَلَاثًا، ثُمَّ تَقْرَأُ سُوْرَةً، ثُمَّ تُكَبِّرُ، ثُمَّ تَرْكَعُ، ثُمَّ تَقُوْمُ فَتَقْرَأُ سُوْرَةً، ثُمَّ تُكَبِّرُ أَرْبَعًا، تَرْكَعُ بِإِحْدَاهُنَّ (مصنف ابن أبی شیبة) [1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ نو تکبیریں کہیں، (جن میں سے) ایک تکبیر کے ساتھ آپ نماز کو شروع کریں، پھر (آگے پیچھے) تین تکبیریں کہیں، پھر (سورہ فاتحہ اور کسی) سورت کی قرائت کریں، پھر تکبیر کہہ کر رکوع کریں، پھر آپ (پہلی رکعت مکمل کر کے دوسری رکعت کے لئے) کھڑے ہوں، پھر (سورہ فاتحہ اور کسی) سورت کی قرائت کریں، پھر چار تکبیرات کہیں، ان میں سے ایک (یعنی آخری) تکبیر کے ساتھ رکوع کریں (ترجمہ ختم)

اور حضرت مسروق سے روایت ہے کہ:

كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يُعَلِّمُنَا التَّكْبِيْرَ فِي الْعِيْدَيْنِ تِسْعَ تَكْبِيْرَاتٍ؛ خَمْسٌ فِي الْأُوْلٰى ، وَأَرْبَعٌ فِي الْآخِرَةِ ، وَيُوَالِيْ بَيْنَ الْقِرَاءَ تَيْنِ (مصنف ابن أبی شیبة) [2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیں عیدین کی نماز میں نو تکبیروں کی تعلیم دیتے تھے، پانچ پہلی رکعت میں (تکبیرِ تحریمہ اور رکوع کی تکبیر سمیت) اور چار دوسری رکعت میں (رکوع کی تکبیر سمیت) اور دونوں رکعتوں میں قرائت پے

---

[1] كتاب الصلاة، حديث نمبر ۵۷۴۸، فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلافِهِمْ فِيهِ.
و هو من طريق عبد الله بن أبی موسی صحيح ، و هو حمصی مخضرم ثقة . و كذلك هو من طريق إبراهيم ، و هو ابن يزيد النخعی ، و هو و إن كان لم يسمع من ابن مسعود فمن المعروف من ترجمته أن ما أرسله عنه فهو صحيح (سلسلة الصحيحة، تحت حديث رقم ۲۹۹۷)

[2] حديث نمبر ۵۷۴۶، كتاب الصلاة، فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلافِهِمْ فِيهِ.

درپے کیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

پے درپے قرائت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں رکعتوں کی قرائت کے درمیان زائد تکبیرات نہیں ہوتی تھیں، اور وہ اس طرح کہ پہلی رکعت میں زائد تکبیرات قرائت سے پہلے ہوتی تھیں، اور دوسری رکعت میں قرائت کے بعد ہوتی تھیں۔

اور حضرت ابراہیم اور حضرت شعبی سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّهُ كَانَ يُكَبِّرُ فِي الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى تِسْعًا تِسْعًا؛ خَمْسًا فِي الْأُوْلٰى، وَأَرْبَعًا فِي الْآخِرَةِ، وَيُوَالِي بَيْنَ الْقِرَاءَ تَيْنِ (مصنف ابن أبی شیبة) [1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز میں نو نو تکبیرات کہتے تھے، پانچ پہلی رکعت میں (تکبیرِ تحریمہ اور رکوع کی تکبیر سمیت) اور چار دوسری رکعت میں (رکوع کی تکبیر سمیت) اور دونوں رکعتوں کی قرائتیں پے درپے کیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عامر شعبی سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عُمَرَ وَعَبْدَ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اجْتَمَعَ رَأْيُهُمَا فِيْ تَكْبِيْرِ الْعِيْدَيْنِ عَلٰى تِسْعِ تَكْبِيْرَاتٍ خَمْسٌ فِي الْأُوْلٰى وَأَرْبَعٌ فِي الْآخِرَةِ وَيُوَالِيْ بَيْنَ الْقِرَاءَ تَيْنِ (شرح معانی الآثار) [2]

ترجمہ: حضرت عمر اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما کی آراء عیدین کی تکبیرات کے بارے میں نو تکبیروں پر جمع ہوگئیں، پانچ تکبیریں پہلی رکعت میں، اور چار دوسری رکعت میں، اور دونوں رکعتوں کی قرائتوں کو پے درپے کرنے میں (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن حارث فرماتے ہیں کہ:

صَلّٰى بِنَا ابْنُ عَبَّاسٍ يَوْمَ عِيْدٍ، فَكَبَّرَ تِسْعَ تَكْبِيْرَاتٍ؛ خَمْسًا فِي

---

[1] حديث نمبر ۵۷۴۷، كتاب الصلاة، فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلَافِهِمْ فِيهِ.

[2] حديث نمبر ۷۲۷۸، كتاب صلاة العيدين، باب صلاة العيدين كيف التكبير فيها.

الْأُوْلٰى، وَأَرْبَعًا فِي الْآخِرَةِ، وَوَالٰى بَيْنَ الْقِرَاءَ تَيْنِ (مصنف ابن أبی شيبة) [1]

ترجمہ: ہمیں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے عید کی نماز پڑھائی، اور نو تکبیرات کہیں، پانچ پہلی رکعت میں (تکبیرِ تحریمہ اور رکوع کی تکبیر سمیت) اور چار دوسری رکعت میں (رکوع کی تکبیر سمیت) اور دونوں رکعتوں کی قرائتیں پے در پے کیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن حارث کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

شَهِدْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ كَبَّرَ فِيْ صَلَاةِ الْعِيْدِ بِالْبَصْرَةِ تِسْعَ تَكْبِيْرَاتٍ، وَالٰى بَيْنَ الْقِرَاءَ تَيْنِ قَالَ : وَشَهِدْتُ الْمُغِيْرَةَ بْنَ شُعْبَةَ فَعَلَ ذٰلِكَ أَيْضًا . فَسَأَلْتُ خَالِدًا كَيْفَ فَعَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ؟ فَفَسَّرَ لَنَا كَمَا صَنَعَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فِي حَدِيْثِ مَعْمَرٍ وَالثَّوْرِيِّ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ سَوَاءً (مصنف عبد الرزاق) [2]

ترجمہ: میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا، انہوں نے بصرہ میں عید کی نماز میں (مجموعی طور پر) نو تکبیرات کہیں، اور دونوں رکعتوں کی قرائتیں پے در پے کیں، اور میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھی حاضر ہوا، انہوں نے بھی اسی طرح سے کیا، پھر میں نے حضرت خالد سے سوال کیا کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے یہ تکبیرات کس طرح کہیں؟ تو انہوں نے ہمارے سامنے اسی طرح کی تفسیر بیان کی، جس طرح ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت معمر اور ثوری کی حضرت ابو اسحاق سے مروی روایات میں بیان کی (ترجمہ ختم)

اور حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] حدیث نمبر ۵۷۵۷، کتاب الصلاة، فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلَافِهِمْ فِيهِ.
أخرجه ابن أبی شيبة . و إسناده صحيح على شرط الشيخين ، و عبد الله بن الحارث هو الأنصاری أبو الوليد البصری نسيب ابن سيرين و ختنه (سلسلة الصحيحة، تحت حديث رقم ۲۹۹۷)

[2] حديث نمبر ۵۶۸۹، كتاب صلاة العيدين، باب التكبير فی الصلاة يوم العيد، المكتب الاسلامی، بيروت.

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، وَسَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، قَالَا تِسْعُ تَكْبِيْرَاتٍ، وَيُوَالِيْ بَيْنَ الْقِرَاءَ تَيْنِ (مصنف ابن أبی شیبة) [1]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ (عید کی نماز میں) نو تکبیرات ہیں، اور دونوں رکعتوں کی قرائتیں پے درپے ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ:

عَنْ أَنَسٍ؛ أَنَّهُ كَانَ يُكَبِّرُ فِي الْعِيْدِ تِسْعًا فَذَكَرَ مِثْلَ حَدِيْثِ عَبْدِ اللّٰهِ (مصنف ابن أبی شیبة) [2]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ عید کی نماز میں (مجموعی طور پر) نو تکبیریں کہتے تھے، پھر انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرح ذکر فرمایا (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: تِسْعُ تَكْبِيْرَاتٍ خَمْسٌ فِي الْأُوْلٰى وَأَرْبَعٌ فِي الْآخِيْرَةِ مَعَ تَكْبِيْرَةِ الصَّلَاةِ (شرح معانی الآثار) [3]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (عید کی نماز میں) نو تکبیرات ہیں، پانچ پہلی رکعت میں، اور چار دوسری رکعت میں، نماز (یعنی تکبیرِ تحریمہ اور رکوع) کی تکبیر سمیت (ترجمہ ختم)

متعدد جلیلُ القدر صحابۂ کرام کی یہ روایات مرفوع احادیث کا درجہ رکھتی ہیں، کیونکہ ان کے یہ اقوال وافعال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن کر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو دیکھنے پر ہی مبنی ہیں، خاص طور پر جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث بھی ان کے مطابق

---

[1] حديث نمبر ۵۷۵۶، كتاب الصلاة، فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلَافِهِمْ فِيهِ.

[2] حديث نمبر ۵۷۶۰، كتاب الصلاة، فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلَافِهِمْ فِيهِ.

[3] حديث نمبر ۷۲۸۸، كتاب صلاة العيدين، باب صلاة العيدين كيف التكبير فيها.

ہے۔ [1]

مذکورہ احادیث وروایات کے علاوہ کئی دیگر جلیل القدر تابعین مثلاً حضرت مسروق، حضرت اسود، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت ابوقلابہ، حضرت ابوجعفر، امام شعبی، حضرت مسیّب اور حضرت حسن بصری رحمہم اللہ سے بھی عید کی نماز میں مجموعی طور پر نو تکبیرات مروی ہیں۔ [2]

البتہ بعض احادیث میں بارہ تکبیرات کا ذکر ہے، سات پہلی رکعت میں قرائت سے پہلے اور

---

[1] قلت :فهذه آثار كثيرة قوية تشهد لحديث الترجمة ، و هى و إن كانت موقوفة ، فهى فى حكم المرفوع ، لأنه يبعد عادة أن يتفق جماعة منهم على مثله دون توقيف ، و لو جاء مثله غير مرفوع لكان حجة ، فكيف و قد جاء مرفوعا من وجهين أحدهما حديث الترجمة ، و الآخر شاهده المذكور عن أبى عائشة ، و أما إعلال البيهقى إياه بمخالفته للذين رووه عن ابن مسعود موقوفا ، فكان يمكن الاعتداد به ، لولا الطريق الأولى ، و هى مما فات البيهقى فلم يتعرض لها بذكر ، و لهذا قال عقب أثر كردوس المتقدم و غيره " :و هذا رأى من جهة عبد الله رضى الله عنه ، و الحديث المسند مع ما عليه عمل المسلمين أولى . "و قد تعقبه ابن التركمانى بقوله " :قلت :هذا لا يثبت بالرأى .قال أبو عمر فى "التمهيد : "مثل هذا لا يكون رأيا ، و لا يكون إلا توقيفا ، لأنه لا فرق بين سبع و أقل و أكثر من جهة الرأى و القياس ، و قال ابن رشد فى "القواعد : "معلوم أن فعل الصحابة فى ذلك توقيف ، إذ لا يدخل القياس فى ذلك ، و قد وافق ابن مسعود على ذلك جماعة من الصحابة و التابعين ، أما الصحابة فقد قدمنا ذكرهم ، و أما التابعون فقد ذكرهم ابن أبى شيبة فى (مصنفه) (سلسلة الصحيحة، تحت حديث رقم ۲۹۹۷)

[2] عَنِ الشَّعْبِيِّ ، قَالَ :أَرْسَلَ زِيَادٌ إِلَى مَسْرُوقٍ :إِنَّا تَشْغَلُنَا أَشْغَالٌ ، فَكَيْفَ التَّكْبِيرُ فِي الْعِيدَيْنِ ؟ قَالَ :تِسْعُ تَكْبِيرَاتٍ ، قَالَ :خَمْسًا فِي الأُولَى ، وَأَرْبَعًا فِي الآخِرَةِ ، وَوَالِ بَيْنَ الْقِرَاءَتَيْنِ .(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۵۷۵۸،فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلافِهِمْ فِيهِ)

عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَنِ الأَسْوَدِ ، وَمَسْرُوقٍ ؛ أَنَّهُمَا كَانَا يُكَبِّرَانِ فِي الْعِيدِ تِسْعَ تَكْبِيرَاتٍ .(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۵۷۵۹،فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلافِهِمْ فِيهِ)

عَنْ إِبْرَاهِيمَ ؛ أَنَّ أَصْحَابَ عَبْدِ اللهِ كَانُوا يُكَبِّرُونَ فِي الْعِيدَيْنِ تِسْعَ تَكْبِيرَاتٍ .(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۵۷۶۱،فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلافِهِمْ فِيهِ)

عَنْ أَبِي قِلاَبَةَ ، قَالَ :التَّكْبِيرُ فِي الْعِيدَيْنِ تِسْعٌ تِسْعٌ (مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۵۷۶۲،فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلافِهِمْ فِيهِ)

عَنْ جَابِرٍ ، عَنِ أَبِي جَعْفَرٍ ؛ أَنَّهُ كَانَ يُفْتِي بِقَوْلِ عَبْدِ اللهِ فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ.(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۵۷۶۳،فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلافِهِمْ فِيهِ)

عَنِ الشَّيْبَانِيِّ ، عَنِ الشَّعْبِيِّ ، وَالْمُسَيَّبِ ، قَالاَ :الصَّلاَةُ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ تِسْعُ تَكْبِيرَاتٍ ؛ خَمْسٌ فِي الأُولَى ، وَأَرْبَعٌ فِي الآخِرَةِ ، لَيْسَ بَيْنَ الْقِرَاءَتَيْنِ تَكْبِيرَةٌ.(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۵۷۷۴،فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ وَاخْتِلافِهِمْ فِيهِ) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پانچ دوسری رکعت میں قرائت سے پہلے، جن کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ دوسرے فقہائے کرام نے اختیار فرمایا ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ عَنِ الْحَسَنِ، رَحِمَهُ اللهُ ,قَالَ " :تِسْعُ تَكْبِيرَاتٍ ,خَمْسٌ فِي الْأُولَى , وَأَرْبَعٌ فِي الْآخِرَةِ ,مَعَ تَكْبِيرَةِ الصَّلَاةِ (شرح معاني الآثار،حديث نمبر ۷۲۹۵)

۱؎ عَنْ كَثِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِي العِيدَيْنِ فِي الأُولَى سَبْعًا قَبْلَ القِرَاءَةِ، وَفِي الآخِرَةِ خَمْسًا قَبْلَ القِرَاءَةِ وَفِي البَابِ عَنْ عَائِشَةَ، وَابْنِ عُمَرَ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو .حَدِيثُ جَدِّ كَثِيرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَهُوَ أَحْسَنُ شَيْءٍ رُوِيَ فِي هَذَا البَابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاسْمُهُ عَمْرُو بْنُ عَوْفٍ المُزَنِيُّ، وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَغَيْرِهِمْ،وَهَكَذَا رُوِيَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ صَلَّى بِالمَدِينَةِ نَحْوَ هَذِهِ الصَّلَاةِ، وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ المَدِينَةِ وَبِهِ يَقُولُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ، وَرُوِي عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّهُ قَالَ فِي التَّكْبِيرِ فِي العِيدَيْنِ " :تِسْعَ تَكْبِيرَاتٍ فِي الرَّكْعَةِ الأُولَى :خَمْسًا قَبْلَ القِرَاءَةِ، وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ يَبْدَأُ بِالقِرَاءَةِ ثُمَّ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا مَعَ تَكْبِيرَةِ الرُّكُوعِ "وَقَدْ رُوِيَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوُ هَذَا، وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الكُوفَةِ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِي(ترمذى، حديث نمبر ۵۳۶، ابواب العيدين، باب فى التكبير فى العيدين)

حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ قَالَ :حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَعْدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ سَعْدٍ مُؤَذِّنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُكَبِّرُ فِي الْعِيدَيْنِ فِي الْأُولَى سَبْعًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ، وَفِي الْآخِرَةِ خَمْسًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ(سنن ابنِ ماجه، حديث نمبر ۱۲۷۷)

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، سَمِعَهُ مِنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ " :أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِي عِيدٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ تَكْبِيرَةً، سَبْعًا فِي الْأُولَى، وَخَمْسًا فِي الْآخِرَةِ، وَلَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا، وَلَا بَعْدَهَا(مسنداحمد، حديث نمبر ۶۶۸۸)

فى حاشية مسند احمد:إسناده حسن، عبد الله بن عبد الرحمن :هو ابن يعلى الطائفى، قال ابن معين :صويلح، وقال مرة :ضعيف، ووثقه ابن المدينى فيما نقله ابن خلفون، والعجلى، وقال البخارى فيما نقله عنه الترمذى فى "العلل الكبير ۱/ ۲۸۸ "مقارب الحديث، وصحح حديثه هذا، وضعفه النسائى وأبو حاتم، وقال ابن عدى :أما سائر حديثه، فعن عمرو بن شعيب، وهى مستقيمة، فهو ممن يكتب حديثه، وقال الدارقطنى :يعتبر به .وباقى رجاله ثقات.

عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، "أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُكَبِّرُ فِي الْعِيدَيْنِ سَبْعًا فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى، وَخَمْسًا فِي الْآخِرَةِ، سِوَى تَكْبِيرَتَيِ الرُّكُوعِ(مسند احمد، حديث نمبر ۲۴۴۰۹)

فى حاشية مسند احمد:حسن لغيره، وهذا إسناد ضعيف لضعف ابن لهيعة، واضطرابه له، كما بسطنا ذلك فى الرواية (۲۴۳۶۲)وبقية رجاله ثقات رجال الشيخين، غير يحيى بن إسحاق -وهو السَّيلَحِينى -فمن رجال مسلم، وهو ثقة..

مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے نو تکبیرات والی احادیث وروایات کو اختیار فرمایا ہے۔ ؎

؎ أخبرنا مالک أخبرنا نافع قال :شهدت الأضحى والفطر مع أبى هريرة فكبر فى الأولى سبع تكبيرات قبل القراء ة وفى الآخرة بخمس تكبيرات قبل القراء ة .

قال محمد :قد اختلف الناس فى التكبير فى العيدين فما أخذت به فهو حسن وأفضل ذلک عندنا ما روى عن ابن مسعود أنه كان يكبر فى كل عيد تسعا :خمسا وأربعا فيهن تكبيرة الافتتاح وتكبيرتا الركوع ويوالى بين القراء تين ويؤخرها فى الأولى ويقدمها فى الثانية وهو قول أبى حنيفة (المؤطا للامام محمد، تحت حديث رقم ٢٣٧، باب التكبير فى العيدين)

ثُمَّ نَظَرْنَا فِي عَدَدِ التَّكْبِيرِ فِيهِمَا فَرَأَيْنَا سَائِرَ الصَّلَوَاتِ خَالِيَةً مِنْ هَذَا التَّكْبِيرِ ,وَرَأَيْنَا صَلَاةَ الْعِيدَيْنِ قَدْ أُجْمِعَ أَنَّ فِيهِمَا تَكْبِيرَاتٍ زَائِدَةً عَلَى غَيْرِهِمَا مِنَ الصَّلَوَاتِ .فَكَانَ النَّظَرُ أَنْ لَا يُزَادَ فِي الصَّلَاةِ لِلْعِيدَيْنِ عَلَى مَا فِي سَائِرِ الصَّلَوَاتِ غَيْرِهِمَا ,إِلَّا مَا اتُّفِقَ عَلَى زِيَادَتِهِ ,فَكُلٌّ قَدْ أَجْمَعَ عَلَى زِيَادَةِ التِّسْعِ تَكْبِيرَاتٍ عَلَى مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ ابْنُ مَسْعُودٍ ,وَحُذَيْفَةُ ,وَابْنُ عَبَّاسٍ ,وَأَبُو مُوسَى ,وَمَنْ سَمِعْنَا مَعَهُمْ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ .وَاخْتَلَفُوا فِي الزِّيَادَةِ عَلَى ذَلِكَ فَزِدْنَا فِي هَذِهِ الصَّلَاةِ ,مَا اتُّفِقَ عَلَى زِيَادَتِهِ فِيهَا ,وَنَفَيْنَا عَنْهَا مَا لَمْ يُتَّفَقْ عَلَى زِيَادَتِهِ فِيهَا .فَثَبَتَ بِذَلِكَ مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ أَهْلُ هَذِهِ الْمَقَالَةِ .ثُمَّ نَظَرْنَا فِي مَوْضِعِ الْقِرَاءَةِ مِنْهَا فَقَالَ الَّذِينَ ذَهَبُوا إِلَى أَنَّهَا فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى بَعْدَ التَّكْبِيرِ ,وَفِي الثَّانِيَةِ كَذَلِكَ قَدْ رَأَيْنَاكُمْ قَدِ اتَّفَقْتُمْ ,وَنَحْنُ ,أَنَّ الْقِرَاءَةَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى ,مُؤَخَّرَةٌ عَنِ التَّكْبِيرِ ,فَالنَّظَرُ أَنْ تَكُونَ فِي الثَّانِيَةِ كَذَلِكَ .فَكَانَ مِنَ الْحُجَّةِ عَلَيْهِمْ لِأَهْلِ الْمَقَالَةِ الْأُخْرَى ,أَنَّ التَّكْبِيرَ ذِكْرٌ يُفْعَلُ فِي الصَّلَاةِ وَهُوَ غَيْرُ الْقِرَاءَةِ .فَنَظَرْنَا فِي مَوْضِعِ الذِّكْرِ مِنَ الرَّكْعَةِ الْأُولَى مِنَ الصَّلَاةِ ,وَمِنَ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ ,أَيْنَ مَوْضِعُهُ ؟ .فَوَجَدْنَا الرَّكْعَةَ الْأُولَى فِيهَا الِاسْتِفْتَاحُ وَالتَّعَوُّذُ عَلَى مَا قَدْ رَوَيْنَا فِي غَيْرِ هَذَا الْمَوْضِعِ مِنْ كِتَابِنَا هَذَا عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَمَّنْ رَوَيْنَاهُ عَنْهُ مِنْ أَصْحَابِهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ ,فَكَانَ ذَلِكَ فِي أَوَّلِ الصَّلَاةِ قَبْلَ الْقِرَاءَةِ .فَثَبَتَ بِذَلِكَ أَنَّ كَذَلِكَ مَوْضِعُ التَّكْبِيرِ فِي صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى ,هُوَ ذَلِكَ الْمَوْضِعُ مِنْهَا .وَوَجَدْنَا الْقُنُوتَ فِي الْوِتْرِ ,يُفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأَخِيرَةِ مِنْ صَلَاةِ الْوِتْرِ ,فَكُلٌّ قَدْ أَجْمَعَ أَنَّهُ بَعْدَ الْقِرَاءَةِ ,وَأَنَّ الْقِرَاءَةَ مُقَدَّمَةٌ عَلَيْهِ .وَإِنَّمَا اخْتَلَفُوا فِي تَقْدِيمِ الرُّكُوعِ عَلَيْهِ ,وَفِي تَقْدِيمِهِ عَلَى الرُّكُوعِ .فَأَمَّا فِي تَأْخِيرِهِ عَنِ الْقِرَاءَةِ ,فَلَا . فَثَبَتَ بِذَلِكَ أَنَّ مَوْضِعَ التَّكْبِيرِ مِنَ الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ مِنْ صَلَاةِ الْعِيدِ ,هُوَ بَعْدَ الْقِرَاءَةِ يَسْتَوِي مَوْضِعُ سَائِرِ الذِّكْرِ فِي الصَّلَوَاتِ ,وَيَكُونُ مَوْضِعُ كُلِّ مَا اخْتَلَفُوا فِي مَوْضِعِهِ مِنْهُ ,كَمَوْضِعِ مَا قَدْ أُجْمِعَ عَلَى مَوْضِعِهِ .وَكُلُّ مَا بَيَّنَّا فِي هَذَا الْبَابِ ,فَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ ,وَأَبِي يُوسُفَ ,وَمُحَمَّدٍ ,رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ(شرح معانى الآثار، ج٤ص ٣٥٠،باب صلاة العيدين كيف التكبير فيها)

فيحمل اختلافهم على اختلاف فعل رسول الله عليه السلام فى صلاة العيد، لأن المقادير فى العبادات لا تثبت قياساً كأصلها وإنما تثبت توقيفاً وسماعاً، فحمل ما روى عن واحد منهم على أنه رأى رسول الله عليه السلام فعل ذلک، ولم يثبت عنده نسخ ذلک، فصار المروى عنهم كالمروى عن رسول الله عليه السلام، فيجب ترجيح بعض الأقوال على البعض، لما جهل التاريخ. فالشافعى رحمه الله رجح ما اشتهر عن أبى بكر، وابن عباس رضى الله عنهم أخذاً بالأكثر احتياطاً.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جہاں تک عید کی زائد تکبیرات کہتے وقت ہاتھ اُٹھانے کا تعلق ہے، تو اس سلسلہ میں اگرچہ کوئی صریح حدیث نہیں پائی جاتی، اور اسی وجہ سے اہلِ علم حضرات کا اس وقت ہاتھ اٹھانے نہ اٹھانے میں اختلاف ہے، لیکن بہت سے اہلِ علم حضرات نے راجح اس کو قرار دیا ہے کہ ان تکبیرات کے وقت تکبیرِ تحریمہ کی طرح ہاتھ اٹھانا چاہئے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأصحابنا رجحوا قول ابن مسعود رضی الله عنه فی العدد، وفی الموضع أما فی العدد؛ لأنه لا تردد فی قوله، ولا اضطراب، فإنه قال قولاً واحداً وفی أقوال غيره تعارض واضطراب، فكان قوله أثبت؛ ولأن قوله ينفی الزيادة علی التسع، وأقوال غيره تثبت والنفی موافق القياس؛ إذ القياس ينفی إدخال زيادة للأذكار فی الصلاة، قياساً علی غيرها من الصلوات، والإثبات مخالف للقياس.

ولا شک أن الأخذ بالموافق للقياس أولی، ولأن الجهر بالتكبير وهو ذكر مخالف للمنصوص والأصول، فالأخذ بما اتفقت الأقاويل عليه، وهو متيقن أولی؛ ولأن ما قاله ابن مسعود رضی الله عنه أشهر، فإنه عمل به جماعة من الصحابة رضوان الله عليهم أجمعين علی نحو ما بينا، فكان الأخذ به أولی، وإذا وجب ترجيح قول ابن مسعود رضی الله عنه فی العدد وجب ترجيحه فی الموضع؛ لأن الرواية واحدة(المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی، ج۲ص۷۹، كتاب الصلاة،الفصل السادس والعشرون فی صلاة العيدين)

[1] عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ قَالَ " :تُرْفَعُ الْأَيْدِي فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ :فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ ,وَفِي التَّكْبِيرِ لِلْقُنُوتِ فِي الْوِتْرِ ,وَفِي الْعِيدَيْنِ ,وَعِنْدَ اسْتِلَامِ الْحَجَرِ ,وَعَلَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ , وَبِجَمْعٍ وَعَرَفَاتٍ ,وَعِنْدَ الْمَقَامَيْنِ عِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ "قَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ :فَأَمَّا فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ فِي الْعِيدَيْنِ ,وَفِي الْوِتْرِ ,وَعِنْدَ اسْتِلَامِ الْحَجَرِ ,فَيَجْعَلُ ظَهْرَ كَفَّيْهِ إِلَى وَجْهِهِ ,وَأَمَّا فِي الثَّلَاثِ الْأُخَرِ ,فَيَسْتَقْبِلُ بِبَاطِنِ كَفَّيْهِ وَجْهَهُ فَأَمَّا مَا ذَكَرْنَا فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ ,فَقَدِ اتَّفَقَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى ذَلِكَ جَمِيعًا وَأَمَّا التَّكْبِيرَةُ فِي الْقُنُوتِ فِي الْوِتْرِ , فَإِنَّهَا تَكْبِيرَةٌ زَائِدَةٌ فِي تِلْكَ الصَّلَاةِ ,وَقَدْ أَجْمَعَ الَّذِينَ يَقْنُتُونَ قَبْلَ الرُّكُوعِ عَلَى الرَّفْعِ مَعَهَا فَالنَّظَرُ عَلَى ذَلِكَ ,أَنْ يَكُونَ كَذَلِكَ كُلُّ تَكْبِيرَةٍ زَائِدَةٍ فِي كُلِّ صَلَاةٍ ,فَتَكْبِيرُ الْعِيدَيْنِ الزَّائِدُ فِيهَا عَلَى سَائِرِ الصَّلَاةِ ,كَذَلِكَ أَيْضًا وَأَمَّا عِنْدَ اسْتِلَامِ الْحَجَرِ ,فَإِنَّ ذَلِكَ جُعِلَ تَكْبِيرًا يُفْتَتَحُ بِهِ الطَّوَافُ ,كَمَا يُفْتَتَحُ بِالتَّكْبِيرِ الصَّلَاةُ وَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْضًا(شرح معانی الآثار،بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ رُؤْيَةِ الْبَيْتِ)

أخبرنا أبو بكر الفريابی ، ثنا صفوان ، ثنا الوليد ، قال :قلت للأوزاعی : فأرفع يدی كرفعی فی تكبيرة الصلاة ، قال :نعم ، ارفع يديک مع كلهن(أحكام العيدين للفريابی، ص۱۸۲)

أخبرنا أبو بكر الفريابی ، ثنا صفوان ، ثنا الوليد ، قال :سألت مالک بن أنس عن ذلک

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(عید کی نماز کے مزید مسائل آگے ''عید کی نماز اور خطبہ کے متفرق مسائل'' کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں)

عید کی نماز میں قرائت

عید کی نماز میں امام کو بلند آواز سے قرائت کرنا چاہئے، اور مستحب یہ ہے کہ امام پہلی رکعت میں سورۃُ الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۃُ الغاشیہ پڑھے۔

چنانچہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدَيْنِ بِسَبِّحِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فقال : نعم ارفع يديک مع كل تكبيرة ، ولم أسمع فيه شيئا (أحكام العيدين للفريابي،ص ۱۸۲)

مقدار الفصل بين التكبيرات وقد روى عن أبي حنيفة أنه يسكت بين كل تكبيرتين قدر ثلاث تسبيحات ويرفع يديه عند تكبيرات الزوائد وحكى أبو عصمة عن أبي يوسف أنه لا يرفع يديه في شيء منها لما روى عن ابن مسعود أن النبي -صلى الله عليه وسلم- كان لا يرفع يديه في الصلاة إلا في تكبيرة الافتتاح .ولأنها سنة فتلتحق بجنسها وهو تكبيرتا الركوع، ولنا ما روينا من الحديث المشهور لا ترفع الأيدي إلا في سبع مواطن وذكر من جملتها تكبيرات العيد ؛ ولأن المقصود وهو إعلام الأصم لا يحصل إلا بالرفع فيرفع كتكبيرة الافتتاح وتكبيرات القنوت بخلاف تكبيرتي الركوع؛ لأنه يؤتى بهما في حال الانتقال فيحصل المقصود بالرؤية، فلا حاجة إلى رفع اليد للإعلام، وحديث ابن مسعود محمول على الصلاة المعهودة المكتوبة(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج ۱ ص۲۷۷،فصل بيان قدر صلاة العيدين وكيفية أدائها)

قوله ويرفع يديه في الزوائد إلخ) وقال ابن أبي ليلى لا يرفع وهو قول أبي يوسف وجه قول أبي حنيفة ومحمد ما روى أن النبي -صلى الله عليه وسلم- قال لا ترفع الأيدي إلا في سبع مواطن وذكر من جملتها تكبيرات العيدين ولأنها تكبيرة مقصودة بنفسها غير قائمة مقام غيرها فترفع اليد عندها كالتكبير في ابتداء الصلاة وجه قول أبي يوسف أنه تكبير مسنون فصار كتكبير الركوع .ا هـ .أقطع وقال الولوالجي قال أبو يوسف :لا يرفع قياسا على تكبير الركوع ا هـ قال في الخلاصة إذا سبقه الإمام بالتكبيرات يقضيها ، ثم يركع الأنفع تكبيرة الركوع في صلاة العيدين من الواجبات ؛ لأنها من تكبيرات العيد وتكبيرات العيد واجبة(حاشية الشلبي على التبيين الحقائق، ج ۱ ۲۲۶، باب صلاة العيدين، وقت صلاة العيد وكيفيتها)

اسْمَ رَبِّکَ الْأَعْلٰى، وَهَلْ أَتَاکَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ (مسند الإمام أحمد) ۱؎

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز میں ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی'' اور ''هَلْ اَتَاکَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ'' کی قرائت کیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اسی قسم کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ ۲؎

اور بعض صحابۂ کرام سے بھی عید کی نماز میں انہی سورتوں کی قرائت کرنا منقول ہے۔ ۳؎

البتہ بعض روایات میں عید کی نماز میں دوسری سورتوں کی قراءت کرنے کا ذکر ہے۔ ۴؎

۱؎ حديث نمبر ۲۰۰۸۰، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ، مصنف ابنِ ابی شيبة، حديث نمبر ۵۷۷۷.

فی حاشية مسند احمد:

إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غير زيد بن عقبة، فقد روى له أصحاب السنن غير ابن ماجه، وهو ثقة.

۲؎ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدَيْنِ وَالْجُمُعَةِ :(هَلْ أَتَاکَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ) ، وَ(سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الأَعْلَى) وَإِذَا اجْتَمَعَ الْعِيدَانِ فِي يَوْمٍ قَرَأَ بِهِمَا فِيهِمَا .(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۵۷۷۶،مَا يُقْرَأُ بِهِ فِي الْعِيدِ)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدِ بِـ :(سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الأَعْلَى) ، وَ(هَلْ أَتَاکَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ) .(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۵۷۸۲،مَا يُقْرَأُ بِهِ فِي الْعِيدِ)

۳؎ عَنْ عَبْدِ الْمَلِکِ بْنِ عُمَيْرٍ ، قَالَ :حدَّثْتُ عَنْ عُمَرَ ؛ أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدِ بِـ : (سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الأَعْلَى) ، وَ(هَلْ أَتَاکَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ) .(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۵۷۹۱،مَا يُقْرَأُ بِهِ فِي الْعِيدِ)

أَخْبَرَنَا عُمَارَةُ الصَّيْدَلانِيُّ ، عَنْ مَوْلًى لأَنَسٍ قَدْ سَمَّاهُ ، قَالَ :انْتَهَيْتُ مَعَ أَنَسٍ يَوْمَ الْعِيدِ ، حَتَّى انْتَهَيْنَا إِلَى الزَّاوِيَةِ ، فَإِذَا مَوْلًى لَهُ يَقْرَأُ فِي الْعِيدِ بِـ :(سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الأَعْلَى) ، وَ(هَلْ أَتَاکَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ) ، فَقَالَ أَنَسٌ :إِنَّهُمَا لَلسُّورَتَانِ اللَّتَانِ قَرَأَ بِهِمَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۵۷۸۴،مَا يُقْرَأُ بِهِ فِي الْعِيدِ)

۴؎ عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ، قَالَ :سَأَلَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ :عَمَّا قَرَأَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَوْمِ الْعِيدِ؟ فَقُلْتُ :بِاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ، وَق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ(مسلم،حديث نمبر ۸۹۱،واللفظ لهٗ، مصنف ابنِ ابی شيبة، حديث نمبر ۵۷۷۵)

عَنْ كُرْدُوسٍ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ؛ أَنَّ الْوَلِيدَ بْنَ عُقْبَةَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ ، فَقَالَ :تَقْرَأُ بِأُمِّ الْكِتَابِ ، وَسُورَةٍ مِنَ الْمُفَصَّلِ .زَادَ فِيهِ هُشَيْمٌ :لَيْسَ مِنْ قِصَارِهَا ، وَلاَ مِنْ طِوَالِهَا .(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۵۷۸۳،مَا يُقْرَأُ بِهِ فِي الْعِيدِ)

اس قسم کی احادیث وروایات کے پیشِ نظر فقہائے کرام نے فرمایا کہ عید کی نماز میں پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورۃُ الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورۃُ الغاشیہ کی قراءت کرنا بہتر ہے۔

اور کسی دوسری سورت کی قراءت کرنا بھی جائز ہے۔

اس لیے ہمیشہ ان دوسورتوں ہی کی قراءت نہ کرنی چاہیے، کبھی دوسری سورتوں کی بھی کرلینی چاہیے، تاکہ لوگ ان دوسورتوں ہی کی قراءت کوضروری نہ سمجھ لیں۔ [1]

(مزید مسائل آگے ''عید کی نماز اور خطبہ کے متفرق مسائل'' کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں)

عید کا خطبہ

عید کی نماز کے بعد امام کے لئے کھڑے ہوکر خطبہ پڑھنے کا حکم ہے، اور امام کو عید کی نماز کے بعد دو خطبے پڑھنا چاہئے، اور دونوں کے درمیان کچھ دیر کے لئے بیٹھنا چاہئے۔

کئی احادیث سے عید کی نماز کے بعد خطبہ ثابت ہے۔

مگر عید کا خطبہ جمعہ کے خطبہ کی طرح فرض نہیں، بلکہ سنت ہے، البتہ اس کا خاموشی سے سننا واجب ہے۔

چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمَ الفِطْرِ، فَبَدَأَ بِالصَّلاَةِ قَبْلَ الخُطْبَةِ (بخاری) [2]

---

[1] (قوله :ويقرأ كالجمعة) أى كالقراء ة فى صلاة الجمعة، لما روى أبو حنيفة أنه -صلى الله عليه وسلم -كان يقرأ فى العيدين ويوم الجمعة الأعلى والغاشية كما فى الفتح .وقال فى البدائع فإن تبرك بالاقتداء به -صلى الله عليه وسلم -فى قراء تهما فى أغلب الأوقات فحسن لكن يكره أن يتخذهما حتما لا يقرأ فيها غيرهما لما ذكرنا فى الجمعة اهـ(ردالمحتار، ج۲ص۱۷۳، باب العيدين)

[2] حديث نمبر ۹۵۸، كتاب الجمعة، باب المشي والركوب إلى العيد، والصلاة قبل الخطبة بغير أذان ولا إقامة،دارطوق النجاة، بيروت.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن (عید کی نماز کے لئے) نکلے، پھر خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

شَهِدْتُ الصَّلَاةَ يَوْمَ الْفِطْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِىْ بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعُثْمَانَ فَكُلُّهُمْ يُصَلِّيْهَا قَبْلَ الْخُطْبَةِ، ثُمَّ يَخْطُبُ بَعْدُ (بخاری) [1]

ترجمہ: میں عید الفطر کے دن عید کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر، اور حضرت عمر، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سب کے ساتھ شریک ہوا، ان تمام حضرات نے خطبہ سے پہلے عید کی نماز پڑھی، پھر بعد میں خطبہ دیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْطُبُ الْخُطْبَتَيْنِ وَهُوَ قَائِمٌ، وَكَانَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِجُلُوْسٍ (سنن نسائی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوکر دو خطبے دیا کرتے تھے، اور دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھ کر فصل کیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ قَائِمًا، ثُمَّ يَقْعُدُ قَعْدَةً لَا يَتَكَلَّمُ فِيْهَا، ثُمَّ قَامَ فَخَطَبَ خُطْبَةً أُخْرٰى، فَمَنْ خَبَّرَكَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ قَاعِدًا فَلَا تُصَدِّقْهُ (سنن نسائی) [3]

---

[1] حديث نمبر ۴۸۹۵، كتاب تفسير القرآن، باب إذا جاء ك المؤمنات يبايعنك، دار طوق النجاة، بيروت.

[2] حديث نمبر ۱۴۱۶، كتاب الجمعة، باب الفصل بين الخطبتين بالجلوس، مكتب المطبوعات الإسلامية -حلب.

[3] حديث نمبر ۱۵۸۳، كتاب صلاة العيدين، باب الجلوس بين الخطبتين و السكوت فيه.

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ کھڑے ہوکر خطبہ دیا کرتے تھے، پھر تھوڑی دیر بیٹھا کرتے تھے، جس میں کوئی کلام نہیں کرتے تھے، پھر کھڑے ہوتے تھے، اور دوسرا خطبہ دیا کرتے تھے، پس جو شخص آپ کو اس بات کی خبر دے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر خطبہ دیا، تو آپ اس کی تصدیق نہ کریں (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيْدَ، فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ، قَالَ: إِنَّا نَخْطُبُ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّجْلِسَ لِلْخُطْبَةِ فَلْيَجْلِسْ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّذْهَبَ فَلْيَذْهَبْ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید کی نماز میں حاضر ہوا، پس جب آپ نے عید کی نماز ختم فرمالی، تو فرمایا کہ ہم خطبہ دیں گے، پس جو شخص خطبہ کے لئے بیٹھنا چاہے، بیٹھ جائے، اور جو جانا چاہے، وہ چلا جائے (ترجمہ ختم)

اور حضرت سعد مؤذن سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ بَيْنَ أَضْعَافِ الْخُطْبَةِ، يُكْثِرُ التَّكْبِيْرَ فِيْ خُطْبَةِ الْعِيْدَيْنِ (سنن ابن ماجه) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے درمیان لگا تار تکبیر کہتے تھے، عیدین کے خطبہ میں کثرت سے تکبیر کہتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] حديث نمبر ۱۰۹۳، كتاب صلاة العيدين، دارالكتب العلمية، بيروت.
قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ وَهُوَ مَعْنَى الْحَدِيثِ الَّذِى يُسْأَلُ عَنْهُ فِى الْأَعْيَادِ إِلَّا أَنَّهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ.
وقال الذهبى فى التلخيص: على شرط الشيخين.

[2] حديث نمبر ۱۲۸۷، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فى الخطبة فى العيدين.

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰـهُ عَلَيْـهِ وَآلِـهٖ وَسَلَّمَ: زَيِّنُوْا أَعْيَادَكُمْ بِالتَّكْبِيْرِ (المعجم الصغير للطبراني)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی عیدوں کو تکبیر کے ذریعہ سے مزیّن کرو (ترجمہ ختم)

اس کے عمومی مفہوم میں عید کی نماز میں اور خطبہ میں نیز عید کی نماز کے لئے جاتے آتے ہوئے تکبیرات کہنا سب داخل ہے۔[2]

اس قسم کی احادیث کی روشنی میں فقہائے کرام نے عید کی نماز کے خطبہ میں تکبیر (یعنی اللہ اکبر) کثرت سے پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے۔

اور بعض حضرات نے افضل اس کو قرار دیا ہے کہ پہلے خطبہ کے بالکل شروع میں نو مرتبہ اور دوسرے خطبہ کے شروع میں سات مرتبہ اور بالکل آخر میں چودہ مرتبہ مسلسل تکبیر یعنی ''اللہ اکبر اللہ اکبر'' کہا جائے۔[3]

(عید کے خطبہ کے مزید مسائل آگے ''عید کی نماز اور خطبہ کے متفرق مسائل'' کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں)

---

[1] حديث نمبر ۵۹۹، المكتب الاسلامى، بيروت، واللفظ لهٗ، المعجم الاوسط للطبرانى حديث نمبر ۴۳۷۳.

قال الهيثمى:

رواه الطبرانى فى الصغير والأوسط وفيه عمر بن راشد ضعفه أحمد وابن معين والنسائى وقال العجلى: لا بأس به (مجمع الزوائد، ج۲ص۱۹۷، أبواب العيدين)

[2] اور ان سب حالات کے بارے میں تکبیرات کا ثبوت دیگر دلائل سے بھی ہے، لہٰذا اس حیثیت سے اس روایت میں کوئی نکارت نہیں، اور زیادہ سے زیادہ اس حدیث کو ضعیف کہا جا سکتا ہے، مگر پھر بھی اس سے استحباب کا ثبوت ہو سکتا ہے۔

[3] حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقَارِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، قَالَ: مِنَ السُّنَّةِ أَنْ يُكَبِّرَ الإِمَامُ عَلَى الْمِنبَرِ فِي الْعِيدَيْنِ تِسْعًا قَبْلَ الْخُطْبَةِ، وَسَبْعًا بَعْدَهَا (مصنف ابن أبى شيبة، حديث نمبر ۵۹۱۶، فِي التَّكْبِيرِ عَلَى الْمِنبَرِ)

حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ أَبِي الْحَسْنَاءِ، عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ: يُكَبِّرُ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ أَرْبَعَ عَشْرَةَ تَكْبِيرَةً (مصنف ابن أبى شيبة، حديث نمبر ۵۹۱۷، فِي التَّكْبِيرِ عَلَى الْمِنبَرِ)

ملحوظ رہے کہ بعض کتابوں میں خطبہ سے پہلے اور بعد میں مخصوص تعداد میں تکبیر کہنے کے سنت ہونے کی مندرجہ بالا روایت کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے، حالانکہ یہ روایت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے مروی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عید کی نماز اور خطبہ کے چند متفرق مسائل

مسئلہ:...... حنفیہ کے نزدیک عید کی نماز میں عام نمازوں کے مقابلہ میں چھ زائد تکبیرات واجب ہیں، اور ہر تکبیر مستقل طور پر واجب ہے۔ مگران تکبیرات کا امام کو بآ وازِ بلند کہنا واجب نہیں۔

اور ہر تکبیر کے درمیان تین تسبیحات کے بقدر وقفہ کرنا افضل ہے، تا کہ مقتدیوں کو تکبیرات اور ان کی تعداد کے بارے میں اشتباہ نہ ہو، مجمع کے کم وبیش ہونے کی وجہ سے اس سے کچھ کم وبیش وقفہ ہو جائے، تب بھی حرج نہیں، اوران تکبیرات کے درمیان کوئی ذکر مسنون نہیں، بلکہ خاموش رہنا چاہئے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ہے، جوکہ تابعین میں سے ہیں، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کسی مستند سند کے ساتھ دستیاب نہیں ہوسکی۔

ويكبر فى الخطبة فى العيدين وليس ذلك عدد فى ظاهر الرواية لكن ينبغى أن لا يكون أكثر الخطبة التكبير ويكبر فى عيد الأضحى أكثر مما يكبر فى خطبة عيد الفطر فإن لم يسمعهم جاز ولا يضر تباعدهم(فتاوى قاضى خان،باب صلاة العيدين وتكبيرات أيام التشريق)

ويكبر فى خطبة العيدين وليس لذلك عدد فى ظاهر الرواية لكن لا ينبغى أن يجعل أكثر الخطبة التكبير ويكبر فى خطبة عيد الأضحى أكثر مما يكبر فى خطبة الفطر كذا فى قاضيخان ويبدأ الخطيب بالتحميد فى الجمعة وغيرها ويبدأ بالتكبير فى خطبة العيدين ويستحب أن يستفتح الأولى بتسع تترى متوالية والثانية بسبع قال عبد الله بن مسعود هو السنة ويكبر القوم معه ويصلون على النبى صلى الله عليه وسلم فى أنفسهم امتثالا للأمر وسنة الإنصات (مراقى الفلاح شرح متن نور الإيضاح،ص ۲۰۳ ،باب صلاة العيدين)

(ويستحب أن يستفتح الأولى بتسع تكبيرات تترى) أى متتابعات (والثانية بسبع) هو السنة (و) أن (يكبر قبل نزوله من المنبر أربع عشرة)(الدرالمختار)

(قوله ويستحب إلخ) ذكر ذلك فى المعراج عن مجمع النوازل وقال فى الخانية إنه ليس للتكبير عدد فى ظاهر الرواية لكن ينبغى أن لا يكون أكثر الخطبة التكبير ويكبر فى الأضحى أكثر من الفطر .اهـ.قلت :وإطلاق العدد فى ظاهر الرواية لا ينافى تقييده بما ورد فى السنة وقال به الشافعى -رحمه الله تعالى (ردالمحتار، ج۲ ص ۱۷۵ ، باب العيدين)

[1] (قوله وتكبيرات العيدين) هى ست تكبيرات فى كل ركعة ثلاثة (قوله وكذا أحدها) أفاد أن كل تكبيرة واجب مستقل ط (ردالمحتار، ج ۱ ص ۴۶۹، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة)

وأما الجهر فى تكبيرات الزوائد فالظاهر استحبابه للإمام فقط للإعلام فتأمل(ردالمحتار، ج۲ ص ۱۷۳ ، باب العيدين)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:......عید کی نماز میں امام کے لئے بآوازِ بلند قرائت کرنا واجب ہے۔ [1]

مسئلہ:...... دوسری رکعت میں عید کی زائد تکبیروں کو قرأت کے بعد کہنا افضل ہے واجب نہیں لہٰذا اگر غلطی سے امام نے یہ تکبیریں پہلے کہہ دیں تب بھی نماز بلا کراہت ہوگئی۔

جہاں تک پہلی رکعت کا تعلق ہے، تو اس میں اگرچہ بعض حضرات نے قرائت سے پہلے تکبیرات کہنے کو واجب قرار دیا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقد روی عن أبی حنیفة أنه یسکت بین کل تکبیرتین قدر ثلاث تسبیحات (بدائع الصنائع، ج ا ص۲۷۷، فصل بیان قدر صلاة العیدین و کیفیة ادائها)

وأشار المصنف إلی أنه یسکت بین کل تکبیرتین؛ لأنه لیس بینهما ذکر مسنون عندنا؛ ولهذا یرسل یدیه عندنا وقدره مقدار ثلاث تسبیحات لزوال الاشتباه، وذکر فی المبسوط أن هذا التقدیر لیس بلازم بل یختلف بکثرة الزحام وقلته؛ لأن المقصود إزالة الاشتباه(البحر الرائق، ج۲ص ۱۷۴، وقت صلاة العیدین)

(ولیس بین تکبیراته ذکر مسنون) ولذا یرسل یدیه (ویسکت بین کل تکبیرتین مقدار ثلاث تسبیحات) هذا یختلف بکثرة الزحام وقلته(الدرالمختار ، باب العیدین)

ویسکت بین کل تکبیرتین مقدار ثلاث تسبیحات ؛ لأنها تقام بجمع عظیم وبالموالاة تشتبه علی من کان نائیا(تبیین الحقائق، ج ا ص ۲۲۲، وقت صلاة العید و کیفیتها)

ولیس بین التکبیرات ذکر مسنون ولا مستحب لکن یستحب المکث بین کل تکبیرتین مقدار ثلاث تسبیحات .وفی المبسوط لیس هذا القدر بلازم بل یختلف ذلک بکثرة الزحام وقلته (مجمع الانهر، ج ا ص ۱۷۴، صفة صلاة العید)

قال محمد رحمه الله فی الأصل :یستحب المکث بین کل تکبیرتین مقدار ما یسبح ثلاث تسبیحات، وهذا؛ لأن صلاة العید تقام بجمع عظیم وتوالی بین التکبیرات یشتبه علی من کان نائباً عن الإمام، والاشتباه یزول بهذا القدر من المکث، ولیس بین التکبیرات ذکر مسنون عندنا؛ إذ لو کان بینهما ذکر مسنون، لکان أتی به النبی علیه السلام، ولو أتی به لوصل إلینا ولم ینقل........... وما قال الحسن أنه یسبح بین کل تکبیرتین مقدار ثلاث تسبیحات لیس بمقدر لازم، بل یتفاوت بکثرة القوم وبقلته لأن المقصود إزالة الاشتباه عن القوم، وذلک یختلف بکثرة القوم وقلتهمالمحیط البرهانی، ج۳ص ۹۹، الفصل السادس والعشرون فی صلاة العیدین)

[1] الجهر یجب علی الإمام فیما یجهر فیه وهو صلاة الصبح والأولیان من المغرب والعشاء وصلاة العیدین والجمعة والتراویح والوتر فی رمضان(ردالمحتار، ج ا ص ۴۶۹، کتاب الصلاة، واجبات الصلاة)

[2] (قوله ویوالی ندبا بین القراء تین) أی بأن یکبر فی الرکعة الثانیة بعد القراء ة لتکون قراء تها تالیة لقراء ة الرکعة الأولی، أما لو کبر فی الثانیة قبل القراء ة أیضا کما یقول ابن عباس یکون

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن بعض حضرات نے ایسی صورت میں قرائت کے بعد بھی کہہ لینے کی گنجائش دی ہے۔
اس لئے اگر کوئی شخص بھولے سے پہلی رکعت میں تکبیرات سے پہلے قرائت کرلے، تو قرائت کے بعد تکبیرات کہہ کر نماز پوری کر لینے کی گنجائش ہے (عمدۃ الفقہ ج۲، ص۴۶۵) [1]

مسئلہ:......اگر امام عید کی زائد تکبیریں بھول کر رکوع میں چلا گیا تو یاد آنے پر رکوع ہی میں یہ تکبیریں کہہ لے، رکوع چھوڑ کر قیام کی طرف نہ لوٹے لیکن اگر امام رکوع چھوڑ کر لوٹ آیا اور تکبیریں کہہ کر پھر رکوع کرلیا تو بھی نماز ہوجائے گی۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

التكبير فاصلا بين القراء تين، وأشار بقوله :ندبا إلى أنه لو كبر فى أول كل ركعة جاز؛ لأن الخلاف فى الأولوية كما مر عن البحر .هذا، وأما ما فى المحيط من التعليل للموالاة بأن التكبيرات من الشعائر؛ ولهذا وجب الجهر بها فوجب ضم الزوائد فى الأولى إلى تكبيرة الافتتاح لسبقها على تكبيرة الركوع وإلى تكبيرة الركوع فى الثانية لأنها الأصل فقد قال فى البحر :الظاهر أن المراد بالوجوب الثبوت لا المصطلح عليه لأن الموالاة مستحبة اهـ وكذا قوله وجب الجهر بها :أى ثبت فى بعض المواضع كما فى الأذان والتكبير فى طريق المصلى وتكبير التشريق، وأما الجهر فى تكبيرات الزوائد فالظاهر استحبابه للإمام فقط للإعلام فتأمل.

لكن فى البحر عن المحيط إن بدأ الإمام بالقراء ة سهوا فتذكر بعد الفاتحة والسورة يمضى فى صلاته، وإن لم يقرأ إلا الفاتحة كبر وأعاد القراء ة لزوما لأن القراء ة إذا لم تتم كان امتناعا من الإتمام لا رفضا للفرض اهـ ونحوه فى الفتح وغيره وظاهره أن تقديم الكبير على القراء ة واجب، وإلا لم ترفض الفاتحة لأجله يؤيده ما قدمناه فى باب صفة الصلاة من أنه إن كبر وبدأ بالقراء ة ونسى الثناء والتعوذ والتسمية لا يعيد لفوت محلها .وقد يجاب بأن العود إلى التكبير قبل إتمام القراء ة ليس لأجل المستحب الذى هو الموالاة بل لأجل استدراك الواجب الذى هو التكبير لأنه لم يشرع فى الركعة الأولى بعد القراء ة بدليل أنه لو تذكره بعد قراء ة السورة يتركه فكان مثل ما لو نسى الفاتحة، وشرع فى السورة ثم تذكر يترك السورة، ويقرأ الفاتحة لوجوبها بخلاف الثناء والتعوذ والتسمية، والله أعلم (رد المحتار على الدر المختار، ج۲ ص ۱۷۳، باب العيدين)

[1] وإذا نسى الإمام تكبيرات العيد حتى قرأ فإنه يكبر بعد القراء ة أو فى الركوع ما لم يرفع رأسه، كذا فى التتارخانية(الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۵۱، الباب السابع عشر فى العيدين)

اور جب رکوع میں بھی یاد آنے کی صورت میں کہنے کی گنجائش ہے، تو قیام میں بدرجہ اولیٰ گنجائش ہونی چاہئے۔

[2] ولا يقنت فى الركوع أيضا بخلاف تكبيرات العيد إذا تذكرها فى حال الركوع حيث يكبر فيه، والفرق أن تكبيرات العيد لم تختص بالقيام المحض.

ألا ترى أن تكبيرة الركوع يؤتى بها فى حال الانحطاط؟ وهى محسوبة من تكبيرات العيد بإجماع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:...... جو امام عیدین کی بارہ تکبیرات کہے، اس کی اقتداء میں عید کی نماز ادا کرنا جائز ہے۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الصحابة، فإذا جاز أداء واحدة منها في غير محض القيام من غير عذر جاز أداء الباقي مع قيام العذر بطريق الأولى، فأما القنوت فلم يشرع إلا في محض القيام غير معقول المعنى فلا يتعدى إلى الركوع الذى هو قيام من وجه(بدائع الصنائع، ج ا ص ۲۷۴، فصل صلاة العيدين)

وإذا نسي الإمام تكبيرات العيد حتى قرأ فإنه يكبر بعد القراء ة أو في الركوع ما لم يرفع رأسه، كذا في التتارخانية(الفتاویٰ الهندية، ج ا ص ۱۵۱، الباب السابع عشر في العيدين)

[1] اور بعض مشائخ کے نزدیک تیرہ زائد تکبیرات اور تکبیرِ تحریمہ اور دونوں رکعتوں کے رکوع کی تکبیرات سمیت مجموعی طور پر سولہ تکبیرات تک کہنے والے امام کی اقتداء میں عید کی نماز جائز ہے۔

ولو كان الإمام يقنت في القومة بين الركوع والسجود والمقتدى لا يرى ذلك تابع الإمام وكذا في سجود السهو قبل السلام وكذا في تكبيرات العيدين(فتاویٰ قاضيخان، كتاب الصلاة، فصل في الوتر)

ثم ذكر ما حاصله أنه تجب متابعته للإمام في الواجبات فعلا، وكذا تركا إن لزم من فعله مخالفته الإمام في الفعل كتركه القنوت أو تكبيرات العيد أو القعدة الأولى أو سجود السهو أو التلاوة فيتركه المؤتم أيضا، وأنه ليس له أن يتابعه في البدعة والمنسوخ، وما لا تعلق له بالصلاة فلا يتابعه لو زاد سجدة أو زاد على أقوال الصحابة في تكبيرات العيدين (ردالمحتار، ج ا ص ۴۷۰، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة)

إذا اقتدى بمن لا يرى رفع اليدين في تكبيرات العيدين يرفع يديه لأن هذه مخالفة يسيرة فلا تخل بالمتابعة كذا في الغياثية قال محمد رحمه الله تعالى في الجامع إذا دخل الرجل مع الإمام في صلاة العيد وهذا الرجل يرى تكبيرات ابن مسعود رضي الله تعالى عنهما فكبر الإمام غير ذلك اتبع الإمام إلا إذا كبر الإمام تكبيرا لم يكبره أحد من الفقهاء فحينئذ لا يتابعه كذا في المحيط لكن هذا إذا كان بقرب الإمام يسمع التكبيرات منه فأما إذا كان ببعد منه يسمع من المكبرين يأتي بجميع ما يسمع وإن خرج من أقاويل الصحابة لجواز أن الغلط من المكبرين فلو ترك شيئا منها ربما كان المتروك ما أتى به الإمام كذا في البدائع قال محمد رحمه الله تعالى في الكبير ولو أن رجلا دخل مع الإمام في صلاة العيد في الركعة الأولى بعدما كبر الإمام تكبير ابن عباس رضي الله تعالى عنهما ست تكبيرات فدخل معه وهو في القراء ة والرجل يرى تكبيرات ابن مسعود رضي الله عنهما فإنه يكبر برأى نفسه في هذه الركعة حال ما يقرأ الإمام وفي الركعة الثانية يتبع رأى الإمام كذا في التتارخانية(الفتاوى الهندية، ج ا ص ۱۵۱، الباب السابع عشر في صلاة العيدين)

ثم إلى كم يتابعه؟ اختلف مشايخنا فيه قال عامتهم :إنه يتابعه إلى ثلاث عشرة تكبيرة، ثم يسكت بعد ذلك، وقال بعضهم يتابعه إلى ستة عشرة تكبيرة؛ لأن فعله إلى هذا الموضع محتمل للتأويل

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

مسئلہ:...... عام نمازوں کی طرح جمعہ وعیدین کی نماز میں بھی واجب عمل کی خلاف ورزی سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے لیکن اگر ان نمازوں میں بلکہ کسی بھی نماز میں مجمع بہت زیادہ ہو اور سجدہ سہو کرنے سے لوگوں میں فساد وانتشار یا مقتدیوں کی نماز خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو بہتر ہے کہ سجدہ سہو نہ کیا جائے۔ ایسی صورت میں سجدہ سہو معاف ہے۔ [1]

مسئلہ:...... اگر کوئی شخص عید کی نماز میں اس وقت پہنچا، جبکہ امام پہلی رکعت کی کچھ یا تینوں تکبیریں کہہ چکا تھا، لیکن ابھی رکوع میں نہیں گیا تھا، تو مقتدی کو چاہئے کہ نیت باندھنے کے فوراً بعد وقفہ کے بغیر تین تکبیریں کہہ لے اگرچہ تکبیرات کے دوران امام قرأت شروع کردے یا پہلے سے قرأت کر رہا ہو۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ فلعل هذا القائل ذهب إلى ابن عباس أراد بقوله ثلاث عشرة تكبيرة الزوائد، فإذا ضممت إليها تكبيرة الافتتاح وتكبيرتى الركوع صارت ست عشرة تكبيرة لكن هذا إذا كان يقرب من الإمام يسمع التكبيرات منه، فأما إذا كان يبعد منه يسمع من المكبرين يأتى بجميع ما يسمع وإن خرج عن أقاويل الصحابة لجواز أن الغلط من المكبرين، فلو ترك شيئا منها ربما كان المتروك ما أتى به الإمام، والمأتى به ما أخطأ فيه المكبرون فيتابعهم ليتأدى ما يأتيه الإمام بيقين ولهذا قيل إذا كان المقتدى يبعد من الإمام يسمع من المكبرين ينبغى أن ينوى بكل تكبيرة الافتتاح لجواز أن ما سمع قبل هذه كان غلطا من المنادى، وإنما كبر الإمام للافتتاح الآن(بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۲۷۸، فصل بيان قدر صلاة العيدين و كيفية أدائها)

[1] ومنها تكبيرات العيدين قال فى البدائع إذا تركها أو نقص منها أو زاد عليها أو أتى بها فى غير موضعها فإنه يجب عليه السجود كذا فى البحر الرائق ويستوى فى الزيادة والنقصان القليل والكثير فقد روى عن الحسن عن أبى حنيفة رحمه الله إذا سها الإمام عن تكبيرة واحدة فى صلاة العيد يسجد للسهو كذا فى الذخيرة وذكر فى كشف الأسرار أن الإمام إذا سها عن التكبيرات حتى ركع فإنه يعود إلى القيام بخلاف المسبوق إذا ترك الإمام فى الركوع فإنه يأتى بالتكبيرات فى الركوع كذا فى البحر الرائق ولو ترك تكبيرة الركوع الثانى فى صلاة العيد وجب عليه السهو لأنها واجبة تبعا لتكبيرات العيد بخلاف تكبيرة الركوع الأول لأنها ليست ملحقة بها كذا فى التبيين السهو فى الجمعة والعيدين والمكتوبة والتطوع واحد إلا أن مشايخنا قالوا لا يسجد للسهو فى العيدين والجمعة لئلا يقع الناس فى فتنة كذا فى المضمرات ناقلا عن المحيط(الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۱۲۸، كتاب الصلاة، الباب الثانى عشر فى سجود السهو)

[2] (ولو أدرك) المؤتم (الإمام فى القيام)بعدما كبر (كبر) فى الحال برأى نفسه لأنه مسبوق (الدرالمختار، باب صلاة العيدين)

(قوله كبر فى الحال) أى وإن كان الإمام قد شرع فى القراءة كما فى الحلية (ردالمحتار، ج ۲ ص ۱۷۴، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

مسئلہ:...... اگر کوئی شخص پہلی رکعت میں اس وقت پہنچا، جبکہ امام رکوع میں جا چکا تھا، تو اگر غالب گمان ہو کہ میں تین تکبیریں کہہ کر رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہو جاؤں گا، تو نیت باندھ کر کھڑا ہونے کی حالت میں تکبیریں کہہ کر پھر رکوع میں جائے، اور اگر خطرہ ہو کہ کھڑا ہو کر تکبیریں کہنے لگ گیا تو رکوع نہیں ملے گا، تو نیت باندھ کر سیدھا رکوع میں چلا جائے اور ہاتھ اٹھائے بغیر رکوع میں تینوں تکبیریں کہہ لے، اور رکوع کی تسبیح "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ" بھی پڑھ لے، دونوں کے پڑھنے کا وقت نہ ہو تو صرف عید کی تکبیریں کہہ لے، رکوع کی تسبیح چھوڑ دے، کیونکہ عید کی تکبیریں واجب ہیں اور رکوع کی تسبیح سنت ہے، اور اگر اس کے تین تکبیریں کہنے سے پہلے امام رکوع سے اٹھ جائے تو اس کو بھی کھڑا ہو جانا چاہئے، جو تکبیریں رہ گئی ہیں وہ معاف ہیں۔ [1]

مسئلہ:...... اگر کوئی شخص اس وقت پہنچا، جبکہ امام پہلی رکعت کے رکوع سے سر اٹھا چکا تھا تو کیونکہ اس کی پہلی رکعت رہ گئی، جو بعد میں پڑھنی ہوگی، اس لئے اب پہلی رکعت کی تکبیریں کہنے کی ضرورت نہیں، امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب پہلی رکعت پوری کرے گا تو اس میں تکبیریں کہے۔

پہلی رکعت امام کے بعد پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو کر ثناء، اعوذ باللہ، بسم اللہ پڑھ کر سورہ فاتحہ پڑھے اور سورت ملائے، اس کے بعد تین تکبیریں کہے۔

---

[1] (فروع) أدرک الإمام راکعا یحرم، ثم إن غلب علی ظنه إدراکه فی الرکوع إن کبر قائما کبر قائما ثم رکع لأن القیام هو المحل الأصلی للتکبیر، ویکبر برأی نفسه؛ لأنه مسبوق، وهو منفرد فیما یقضی، والذکر الفائت یقضی قبل فراغ الإمام بخلاف الفعل، وإن خشی فوت رکوع الإمام رکع وکبر فی رکوعه خلافا لأبی یوسف(فتح القدیر ،ج۲ص۷۷،۷۸، باب صلاة العیدین)

ولو انتهی رجل إلی الإمام فی الرکوع فی العیدین فإنه یکبر للافتتاح قائما فإن أمکنه أن یأتی بالتکبیرات ویدرک الرکوع فعل ویکبر علی رأی نفسه وإن لم یمکنه رکع واشتغل بالتکبیرات عند أبی حنیفة ومحمد -رحمهما الله تعالی -هکذا فی السراج الوهاج.

ولا یرفع یدیه إذا أتی بتکبیرات العید فی الرکوع، کذا فی الکافی، ولو رفع الإمام رأسه بعدما أدی بعض التکبیرات فإنه یرفع رأسه ویتابع الإمام وتسقط عنه التکبیرات الباقیة، کذا فی السراج الوهاج(الفتاویٰ الهندیة، ج ۱ ص ۱۵۱، الباب السابع عشر فی العیدین)

لیکن اگر کوئی غلطی سے قرائت سے پہلے یہ تکبیریں کہہ لے، تب بھی نماز ہوجاتی ہے۔ [1]

اور ہر مرتبہ ہاتھ کانوں تک اٹھا کر لٹکا دے۔ پھر چوتھی تکبیر کہتا ہوا ہاتھ اٹھائے بغیر رکوع میں جائے اور باقی رکعت عام نماز کی طرح پوری کرے۔

مسئلہ:...... اگر کوئی شخص دوسری رکعت میں اس وقت پہنچا، جب امام قرائت وغیرہ کر کے تینوں تکبیریں کہہ چکا تھا، تو ویسے ہی کرے جیسے پہلی رکعت کے بارے میں لکھا گیا ہے، یعنی تکبیرِ تحریمہ کے بعد کھڑے ہوکر تکبیریں کہہ کر رکوع میں مل سکتا ہو تو کھڑا ہوکر یہ تکبیریں کہے، ورنہ یہ تکبیرات رکوع میں کہے، اس کی دوسری رکعت تو ہوگئی، اور پہلی رکعت امام کے سلام پھیرنے کے بعد پڑھے، جس کا طریقہ وہی ہے، جو اس سے پہلے مسئلہ میں لکھا گیا کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہوکر ثناء اور اعوذ باللہ، بسم اللہ پڑھ کر سورہ فاتحہ پڑھے اور سورت ملائے، اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر تین تکبیریں کہے، اور چوتھی تکبیر کہتا ہوا رکوع میں جائے، اور حسبِ قاعدہ نماز مکمل کرے۔

مسئلہ:...... اگر کوئی شخص اس وقت پہنچا، جب امام دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھا چکا تھا، تو وہ اسی حال میں امام کے ساتھ شریک ہوجائے، مگر اس صورت میں دوسری رکعت کا رکوع نہ ملنے کی وجہ سے اس کی دونوں رکعتیں فوت ہوگئیں، اس لئے امام کے سلام کے بعد دونوں رکعتیں پڑھے ان دو رکعتوں کے پڑھنے کا طریقہ وہی ہے، جو عید کی نماز کا طریقہ ہے یعنی

---

[1] اگرچہ قیاس کے مطابق تکبیریں قراءت سے پہلے کہنی چاہئیں تھیں، لیکن چونکہ اس طریقے سے دونوں رکعتوں میں تکبیریں پے درپے ہوجاتی ہیں، اس لئے اس سے عدول کیا گیا، اور تکبیر کو قراءت کے بعد رکھا گیا (بہشتی زیور ص ۱۴۹)

ولو سبق بر كعة يقرأ ثم يكبر لئلا يتوالى التكبير (الدرالمختار، باب صلاة العيدين)

ولو أدركه فى القومة لا يقضى فيها؛ لأنه يقضى الركعة الأولى مع التكبيرات واللاحق يكبر برأى إمامه كمن شرع مع الإمام ونام فانتبه يكبر برأى الإمام؛ لأنه كأنه خلف الإمام بخلاف المسبوق، كذا فى الكافى (الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۵۱، الباب السابع عشر فى العيدين)

عَنْ حَمَّادٍ ، قَالَ :إِذَا فَاتَتْكَ مِنْ صَلاَةِ الْعِيدِ رَكْعَةٌ فَاقْضِهَا ، وَاصْنَعْ فِيهَا مِثْلَ مَا يَصْنَعُ الإِمَامُ فِي الرَّكْعَةِ الأُولَى (مُصنف ابن أبى شيبة، حديث نمبر ۵۸۶۲، فِي الرَّجُلِ إِذَا فَاتَتْهُ رَكْعَةٌ ، مَا يَصْنَعُ ؟)

عَنِ الْحَسَنِ ، قَالَ :يُكَبِّرُ مَعَهُ فِي هَذِهِ مَا أَدْرَكَ مِنْهَا ، وَيَقْضِي الَّتِي فَاتَتْهُ وَيُكَبِّرُ فِيهَا مِثْلَ تَكْبِيرِ الإِمَامِ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ (مُصنف ابن أبى شيبة، حديث نمبر ۵۸۶۳، فِي الرَّجُلِ إِذَا فَاتَتْهُ رَكْعَةٌ ، مَا يَصْنَعُ ؟)

پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے زائد تکبیریں کہے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع سے پہلے کہے۔

مسئلہ:...... اگر کوئی شخص اس وقت پہنچا، جب امام دونوں رکعتیں پڑھ کر تشہد میں بیٹھ چکا تھا، مگر ابھی سلام نہیں پھیرا تھا، تو ایسی صورت میں مقتدی کو چاہئے کہ نیت باندھ کر امام کے ساتھ شریک ہوجائے، اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد عید کی دونوں رکعتیں حسبِ قاعدہ پڑھے۔ [1]

---

[1] إذا أدرک الإمام فی صلاة العید بعد ما تشهد الإمام قبل أن یسلم أو بعدما سلم قبل أن یسجد للسهو أو بعدما سجد للسهو ولم یسلم الإمام فإنه یقوم ویقضی صلاة العید.

ومن المشایخ من قال المذکور قول أبی حنیفة وأبی یوسف -رحمهما الله تعالی -فأما علی قول محمد -رحمه الله تعالی -لا یصیر مدرکا کصلاة الجمعة ومنهم من قال هذا بلا خلاف وهو الصحیح، کذا فی الظهیریة(الفتاویٰ الهندیة، ج ۱ ص ۱۵۱، الباب السابع عشر فی العیدین)

وإذا أدرک الإمام فی صلاة العید بعدما تشهد الإمام قبل أن یسلم أو بعد ما سلم قبل أن یسجد للسهو أو بعدما سجد للسهو فدخل معه، ثم سلم الإمام فإنه یقوم فیقضی صلاة العید لأنه شارک الإمام فی الصلاة فیلزمه القضاء .من مشایخنا من قال :المذکور قول أبی حنیفة، وأبی یوسف رحمهما الله، فأما قول محمد رحمه الله :لا یصیر مدرکاً لصلاة العید کما قال فی الجمعة :إذا أدرک الإمام فی هذه الحالة لا یصیر مدرکاً للجمعة عنده، حتی یصلی أربعاً عنده فکذلک ها هنا.

ومنهم من قال :هذا بلا خلاف وهو الأصح، فإن صح الخلاف لمحمد فی صلاة العید کما فی الجمعة فلا حاجة لمحمد رحمه الله إلی الفرق بین صلاة الجمعة وصلاة العید، وإن لم یصح الخلاف یحتاج محمد إلی الفرق بین صلاة العید وبین صلاة الجمعة.

فإنه قال :فی صلاة الجمعة لا یصیر مدرکاً للجمعة، ویصلی أربعاً، وفی صلاة العید قال :یصیر مدرکاً لصلاة العید، ویصلی صلاة العید وحده .ووجه الفرق لمحمد رحمه الله وهو :أن القیاس ما قاله أبو حنیفة وأبو یوسف رحمهما الله فی الجمعة، إلا أنه ترک القیاس بالأثر، والأثر ورد فی الجمعة، وما ورد فی العید، وترد صلاة العید إلی أصل القیاس، ولأن محمدا رحمه الله جعله مدرکاً للجمعة فی تلک المسألة بدلیل أنه لو ترک القعدة علی رأس الرکعتین لا تجزئه صلاته، کما إذا صلی الجمعة وترک القعدة علی رأس الرکعتین، وإذا خرج وقت الظهر فسدت صلاته إلا أنه أمر بزیادة رکعتین احتیاطاً لتقوم مقام الظهر، ولیس فی صلاة العید زیادة نأمره بها احتیاطاً.

ثم إذا سلم الإمام وقام هو إلی القضاء کیف یصنع؟ قال الشیخ الإمام الزاهد المعروف بخواهر زاده رحمه الله :یقوم فیکبر ثلاث تکبیرات، ثم یقرأ؛ لأن ما یقضی أول صلاته فی هذه الحالة بالإجماع، لأنه مسبوق برکعتین، والتکبیر مقدم علی القراء ة الأولی ومؤخر فی الثانیة عندنا، فکذلک ههنا (المحیط البرهانی، ج۲ ص ۱۱۳، ۱۱۴، الفصل السادس والعشرون فی صلاة العیدین)

مسئلہ:...... اگر کوئی شخص ایسے وقت میں پہنچا، جبکہ عید کی نماز کا سلام پھیرا جاچکا تھا تو کسی اور جگہ عید کی نماز ملنے کی امید ہو تو دوسری جگہ جانا چاہئے، اگر کہیں بھی عید کی نماز ملنے کی امید نہ ہو اور جو لوگ نماز سے رہ گئے ہیں وہ ایک سے زیادہ ہوں تو ان کو کسی دوسری مسجد یا عیدگاہ میں جہاں پہلے عید کی نماز نہ ہوئی ہو اپنی الگ جماعت کر کے عید کی نماز پڑھ لینا درست ہے، ایسی مسجد یا عیدگاہ نہ ملے تو کسی دوسری جگہ بھی پڑھ لینا جائز ہے۔ [1]

مسئلہ:...... اگر ایک ہی آدمی عید کی نماز سے رہ گیا ہو تو وہ عید کی نماز نہیں پڑھ سکتا، اس لئے کہ عید کی نماز جماعت کے ساتھ ہوتی ہے، اکیلے نہیں پڑھی جاتی۔

البتہ اگر عید کی نماز کے بجائے گھر میں نفل کی نیت سے دو یا چار رکعت نفل پڑھ لے تو بہتر ہے۔ [2]

مسئلہ:...... اکثر اکابر فقہاء کے نزدیک عید کی نماز کے بعد خطبہ سے قبل مختصر دعا مستحب ہے، ضروری نہیں۔

اور بعض حضرات کے نزدیک نمازِ استسقاء کے خطبے کے بعد کی طرح عید کی نماز کے خطبے کے

---

[1] عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ خَادِمِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :كَانَ أَنَسٌ إِذَا فَاتَتْهُ صَلَاةُ الْعِيدِ مَعَ الْإِمَامِ جَمَعَ أَهْلَهُ فَصَلَّى بِهِمْ مِثْلَ صَلَاةِ الْإِمَامِ فِي الْعِيدِ(السنن الكبرى للبيهقي،حديث نمبر ۶۲۳۷)

عَنْ يُونُسَ ، قَالَ :حَدَّثَنِي بَعْضُ آلِ أَنَسٍ ؛ أَنَّ أَنَسًا كَانَ رُبَّمَا جَمَعَ أَهْلَهُ وَحَشَمَهُ يَوْمَ الْعِيدِ ، فَصَلَّى بِهِمْ عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي عُتْبَةَ رَكْعَتَيْنِ(مُصنف ابن أبی شيبة،حديث نمبر ۵۸۵۳،الرَّجُلُ تَفُوتُهُ الصَّلاَةَ فِي الْعِيدَيْنِ ، كَمْ يُصَلِّي ؟)

[2] عَنْ مَسْرُوقٍ ، قَالَ :قَالَ عَبْدُ اللهِ :مَنْ فَاتَهُ الْعِيدُ فَلْيُصَلِّ أَرْبَعًا(مُصنف ابن أبی شيبة،حديث نمبر ۵۸۵۰،الرَّجُلُ تَفُوتُهُ الصَّلاَةَ فِي الْعِيدَيْنِ ، كَمْ يُصَلِّي ؟)

ولٰكنه يصلى أربعا مثل صلاة الضحى ان شاء لانها اذا فاتته لايمكن تداركها بالقضاء لفقد الشرائط فان صلى مثل الضحى لنيل الثواب كان حسنا وهومروى عن ابن مسعود(البحرالرائق ج ۲ ص ۱۶۲)

روى عن ابن مسعود رضى اللهعنه انه قال من فاتته صلوة العيدصلى اربع ركعات يقرأفى الاولٰى سبح اسم ربك الاعلٰى وفى الثانيه والشمس وضحها وفى الثالثة والليل اذايغشى وفى الرابعه والضحى وروى فى ذلك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وعدا جميلاً وثواباً جزيلا (قاضى خان علٰى هامش الهندية ج ۱ ص ۱۸۴)

بعد بھی دعا کی گنجائش ہے، لہٰذا اس پر بھی نکیر نہیں کرنی چاہئے، اور اگر کوئی سرے سے دعا نہ کرے، تو بھی گناہ نہیں (اس مسئلہ کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ آگے مستقل عنوان کے تحت ذکر کی جائے گی) [1]

مسئلہ:...... عید کی نماز سے فارغ ہوکر گھر آنے کے بعد چار رکعت نفل نماز پڑھنا بہتر ہے، بعض روایات میں دو رکعت کا بھی ذکر ہے، یہ بھی درست ہے۔

اس کی تفصیل پہلے عید کی نماز کی رکعات کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ [2]

مسئلہ:...... جہاں عید کی نماز ادا کی جائے، اگر وہاں منبر موجود ہو، تو عید کی نماز کے بعد اس پر کھڑے ہوکر خطبہ دینا چاہئے، اور اگر منبر نہ ہو، تو زمین پر کھڑے ہوکر خطبہ دینا چاہئے۔ اور خاص عید کی نماز کے لئے منبر لے جانے کی ضرورت نہیں۔ [3]

---

[1] جن حضرات نے نماز کے بعد مختصر دعا کو مستحب قرار دیا، انہوں نے اس کو فرض نماز پر قیاس کیا ہے، اور جنہوں نے خطبہ کے بعد گنجائش دی، انہوں نے استسقاء کی نماز وخطبہ پر قیاس کیا، اور بعض نے انکار کیا ہے، انہوں نے صراحتاً ثبوت نہ ہونے کو بنیاد بنایا، تفصیل آگے مستقل عنوان کے تحت آتی ہے۔

[2] المستحب أن يصلی أربعا بعد الرجوع إلى منزله، كذا فی الزاد(الفتاویٰ الهندية، ج ا ص ۱۵۰، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر فی صلاة العيدين)

ثم إذا أراد أن يصلی بعدها صلى أربعا، وفی "زاد الفقهاء" :"إن أحب أن يصلی بعدها صلى أربعا، إلا أن مشايخنا قالوا :المستحب أن يصلی أربعا بعد الرجوع إلى منزله، كيلا يظن ظان أنه هو السنة المتوارثة(البناية شرح الهداية، ج۳ص ۱۰۶، وقت صلاة العيدين)

[3] ولا يخرج المنبر فی العيدين؛ لما روينا أن النبی -صلى الله عليه وسلم -لم يفعل ذلك، وقد صح أنه كان يخطب فی العيدين على ناقته، وبه جرى التوارث من لدن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -إلى يومنا هذا؛ ولهذا اتخذوا فی المصلى منبرا على حدة من اللبن والطين، واتباع ما اشتهر العمل به فی الناس واجب(بدائع الصنائع، ج ا ص ۲۸۰، فصل بيان ما يفسد صلاة العيدين وبيان حكمها إذا فسدت)

(قوله ولا بأس بإخراج منبر إليها) عزاه فی الدرر إلى الاختيار (قوله لكن فی الخلاصة إلخ) ومثله فی الخانية فإنهما قالا ولا يخرج المنبر إلى الجبانة يوم العيد.

واختلف المشايخ فی بنائه فی الجبانة قيل :يكره، وقيل :لا، فدل كلامهما على أنه لا خلاف فی كراهة إخراجه إليها، وإنما الخلاف فی بنائه فيها .ويمكن حمل الكراهة على التنزيهية وهی مرجع خلاف الأولى المفاد من كلمة لا بأس غالبا فلا مخالفة فافهم، وفی الخلاصة عن خواهر زاده هذا أی بناؤه حسن فی زماننا(ردالمحتار، ج۲ ص ۱۶۹، باب صلاة العيدين)

مسئلہ:...... عید کے خطبہ کے احکام بھی جمعہ کے خطبہ کی طرح ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ جمعہ کا خطبہ نماز سے پہلے پڑھا جاتا ہے اور عید کا خطبہ نماز کے بعد، اور عید کا خطبہ پڑھنا سنت ہے اور جمعہ کا خطبہ واجب ہے۔ [1]

مسئلہ:...... خطیب کے لئے بہتر ہے کہ پہلا خطبہ شروع کرنے سے پہلے آہستہ آواز میں اعوذ باللہ الخ پڑھے۔ [2]

مسئلہ:...... عید کے خطبے کے دوران خاموش رہنا اور خطبہ کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے خواہ خطبہ کی آواز بھی نہ آرہی ہو۔

بعض جگہ خطبے کے دوران چندہ جمع کیا جاتا ہے ایسا کرنا جائز نہیں اور خطبہ کے وقت چندہ دینا بھی گناہ ہے۔ [3]

مسئلہ:...... خطبہ کے دوران کوئی بات چیت، سلام وکلام کرنا یہاں تک کہ نماز پڑھنا بھی جائز نہیں بعض لوگ خطبہ کے دوران نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آنے پر زبان سے درود شریف پڑھتے ہیں یا دعائیہ کلمات پر آمین وغیرہ کہتے ہیں، یا دونوں خطبوں کے دوران ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں، یہ سب چیزیں غلط ہیں۔

---

[1] وكيفية الخطبة في العيدين كهي في الجمعة فيخطب خطبتين يجلس بينهما جلسة خفيفة ويقرأ فيها سورة من القرآن ويستمع لها القوم وينصتوا لأنه يعلمهم الشرائع ويعظهم وإنما ينفعهم ذلك إذا استمعوا (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۷۴، فصل صلاة العيدين)

[2] (وأما سننها فخمسة عشر) أحدها الطهارة حتى كرهت للمحدث والجنب (وثانيها) القيام، هكذا في البحر الرائق، ولو خطب قاعدا أو مضطجعا جاز، هكذا في فتاوى قاضي خان.
(وثالثها) استقبال القوم بوجهه (ورابعها) التعوذ في نفسه قبل الخطبة (وخامسها) أن يسمع القوم الخطبة وإن لم يسمع أجزأه (الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۴۶، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة)

[3] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :مَنْ قَالَ يَوْمَ الجُمُعَةِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ: أَنْصِتْ، فَقَدْ لَغَا "، وَفِي البَابِ عَنْ ابْنِ أَبِي أَوْفَى، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ :حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ ، "وَالعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ :كَرِهُوا لِلرَّجُلِ أَنْ يَتَكَلَّمَ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ، فَقَالُوا :إِنْ تَكَلَّمَ غَيْرُهُ فَلَا يُنْكِرْ عَلَيْهِ إِلَّا بِالإِشَارَةِ (ترمذی، حديث نمبر ۵۱۲)

البتہ دل ہی دِل میں زبان کو حرکت دیئے بغیر دعا کرنے اور درود پڑھنے میں حرج نہیں۔ [۱]

مسئلہ:...... خطبہ کو نماز سے زیادہ لمبا کرنا مکروہ ہے۔

حدیث میں نماز کو مختصر اور خطبے کو لمبا کرنے کو قیامت کی علامات میں شمار کیا گیا ہے۔ [۲]

---

[۱] حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ سُفْيَانَ ، عَنْ لَيْثٍ ، عَنْ مُجَاهِدٍ (ح) وَعَنْ سُفْيَانَ ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ ، عَنِ الْحَارِثِ ، عَنْ عَلِيٍّ (ح) وَعَنْ سُفْيَانَ ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ، عَنْ عَطَاءٍ ؛ أَنَّهُمْ كَرِهُوا الصَّلاَةَ وَالإِمَامِ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ(مصنف ابنِ ابی شیبة، حدیث نمبر ۵۲۱۰، کتاب الصلاة، باب مَنْ كَانَ يَقُولُ : إِذَا خَطَبَ الإِمَام فَلاَ يُصَلِّي)

عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ أَبِي مَالِكٍ الْقُرَظِيِّ ، قَالَ :أَدْرَكْتُ عُمَرَ ، وَعُثْمَانَ ، فَكَانَ الإِمَامُ إِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ تَرَكْنَا الصَّلاَةَ(ایضاً، حدیث نمبر ۵۲۱۶)

عَنْ عَطَاءٍ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، وَابْنِ عُمَرَ ؛ أَنَّهُمَا كَانَا يَكْرَهَانِ الصَّلاَةَ وَالْكَلاَمَ بَعْدَ خُرُوجِ الإِمَامِ(ایضاً، حدیث نمبر ۵۲۱۸)

عَنِ ابْنِ سِيرِينَ ؛ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ :إِذَا خَرَجَ الإِمَامُ فَلاَ يُصَلِّ أَحَدٌ حَتَّى يَفْرُغَ الإِمَامِ(ایضاً، حدیث نمبر ۵۲۱۱)

عَنِ ابْنِ عَوْنٍ ، قَالَ :كَانَ ابْنُ سِيرِينَ يَجْلِسُ ، وَلاَ يُصَلِّي (ایضاً، حدیث نمبر ۵۲۱۵)

حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ ، قَالَ :أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ ، قَالَ :رَأَيْتُ شُرَيْحًا دَخَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ أَبْوَابِ كِنْدَةَ فَجَلَسَ ، وَلَمْ يُصَلِّ(ایضاً، حدیث نمبر ۵۲۱۲)

حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ ، قَالَ :حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ تَوْبَةَ ، عَنِ الشَّعْبِيِّ ، قَالَ :كَانَ شُرَيْحٍ إِذَا أَتَى الْجُمُعَةَ ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ خَرَجَ الإِمَامُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ، وَإِنْ كَانَ خَرَجَ جَلَسَ وَاحْتَبَى ، وَاسْتَقْبَلَ الإِمَام ، فَلَمْ يَلْتَفِتْ يَمِينًا ، وَلاَ شِمَالاً(ایضاً، حدیث نمبر ۵۲۱۹)

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، قَالَ :إِذَا قَعَدَ الإِمَامِ عَلَى الْمِنْبَرِ فَلاَ صَلاَةَ(ایضاً، حدیث نمبر ۵۲۱۳)

عَنْ مَعْمَرٍ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ؛ فِي الرَّجُلِ يَجِيء ُيَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ يَجْلِسُ ، وَلاَ يُصَلِّي(ایضاً، حدیث نمبر ۵۲۱۴)

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، قَالَ :خُرُوجُ الإِمَامِ يَقْطَعُ الصَّلاَةَ(ایضاً، حدیث نمبر ۵۲۱۷)

[۲] ويكره تطويل الخطبة بان تزيد الخطبتان على سورة من طوال المفصل(منية المصلى وغنية المبتدى، كتاب الصلاة)

فقد سنَّ رسولُ الله صلَّى الله عليه وسلَّم أنَّ تطولَ الصَّلاةُ، وتقصرَ الخطبةُ، وجعلَ تطويلَ الخطبةِ إلى حدٍ يفضى إلى حدِ النَّفرةِ من أشراطِ السَّاعة(اللطائف المستحسنة بجمع خطب شهور السنة للكنوى، ص۷)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :إِنَّ قِصَرَ الْخُطْبَةِ، وَطُولَ الصَّلاةِ مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِ الرَّجُلِ، فَأَطِيلُوا الصَّلاةَ، وَاقْصُرُوا الْخُطَبَ، وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا، وَإِنَّهُ سَيَأْتِي بَعْدَكُمْ قَوْمٌ يُطِيلُونَ الْخُطَبَ وَيَقْصُرُونَ الصَّلاةَ (مسند بزار، حديث نمبر ۱۹۰۸)

قال الهيثمي: رواه البزار، وروى الطبراني بعضه موقوفا فى الكبير ورجال الموقوف ثقات، وفى رجال البزار قيس بن الربيع وثقه شعبة والثورى وضعفه الناس(مجمع الزوائد، ج۲ص۱۹۰، باب قصر الخطبة)

مسئلہ:...... خطبہ سننے والوں کو دونوں خطبوں کے دوران تشہد کی حالت میں یعنی دوزانو بیٹھنا مستحب ہے ویسے جس طرح چاہیں بیٹھنا جائز ہے۔

بعض لوگ جو پہلے خطبہ کے دوران دونوں ہاتھ باندھتے ہیں اور دوسرے خطبہ میں چھوڑ دیتے ہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں اس کا اہتمام کرنا یا ثواب سمجھنا شریعت سے ثابت نہیں (کذا فی احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۱۳۳) [1]

مسئلہ:...... جمعہ وعیدین کا خطبہ سنت سے عربی میں پڑھنا ثابت ہے، اور غیر عربی زبان میں ثابت نہیں، اکثر فقہاء کی تحقیق کے مطابق تو عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں خطبہ پڑھنا معتبر ہی نہیں ہوتا، اور بعض حضرات کے نزدیک مکروہ تحریمی ہوتا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام اور سلف سے غیر عربی میں جمعہ وعیدین کا خطبہ پڑھنا ثابت نہیں۔

البتہ عید کی نماز سے پہلے کسی اور زبان میں وعظ وتقریر کرنا جائز ہے، اور یہ شرعاً عید کا خطبہ نہیں ہے، اور عید کا خطبہ عید کی نماز کے بعد پڑھا جاتا ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: جواہر الفقہ، جلد ا صفحہ ۳۴۷، صفحہ ۳۶۹)

مسئلہ:...... عید کی نماز کے خطبہ میں کثرت سے "اللہ اکبر" پڑھنا مستحب ہے، بعض حضرات کے نزدیک پہلے خطبہ کے بالکل شروع میں نو مرتبہ اور دوسرے خطبہ کے شروع میں سات مرتبہ، اور دوسرے خطبہ کے بالکل آخر میں چودہ مرتبہ مسلسل "اللہ اکبر" کہنا مستحب ہے۔ [2]

---

[1] إذا شهد الرجل عند الخطبة إن شاء جلس محتبيا أو متربعا أو كما تيسر؛ لأنه ليس بصلاة عملا وحقيقة، كذا فى المضمرات، ويستحب أن يقعد فيها كما يقعد فى الصلاة، كذا فى معراج الدراية (الفتاویٰ الهندية، ج ا ص ۱۴۸، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة)

[2] (ويستحب أن يستفتح الأولى بتسع تكبيرات تترى) أى متتابعات (والثانية بسبع) هو السنة (و) أن (يكبر قبل نزوله من المنبر أربع عشرة)(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين)

ماہِ شوال اور عید سے متعلق چند اصلاحات وقابلِ توجہ پہلو

اب کچھ تفصیل کے ساتھ چند وہ موضوعات تحریر کیے جاتے ہیں جو ماہِ شوال اور عید کے حوالے سے قابلِ توجہ یا قابلِ اصلاح ہیں، اور ان میں عموماً افراط وتفریط پائی جاتی ہے اور ان مسائل کی وجہ سے بعض اوقات نزاع وجھگڑے کی بھی صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

شوال میں رمضان کی عبادت کو برقرار رکھنے کی ضرورت

بہت سے لوگوں کی یہ حالت ہے کہ وہ رمضان گزرتے ہی اپنی گناہوں والی زندگی کی طرف لوٹ آتے ہیں۔

حالانکہ رمضانُ المبارک کے مہینے میں الحمدللہ تعالیٰ اکثر مسلمانوں کو نیک اعمال مثلاً نماز باجماعت پڑھنے، تلاوت کرنے، اور دوسرے فرائض، واجبات ادا کرنے اور روزہ رکھ کر گناہوں سے کافی حد تک بچنے کی توفیق ہو جاتی ہے۔

اور رمضان کا مہینہ گزرنے کے بعد خاص طور پر شوال کے مہینہ میں اس کی زیادہ ضرورت ہے کہ رمضان کے ان اعمال کی برکات کو باقی وجاری رکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے جو فرائض وواجبات انسانوں کے ذمہ عائد کئے ہیں، وہ ایسے نہیں ہیں کہ جن کا کرنا دوسرے دنوں میں مشکل ہو اور آدمی ان کو ادا نہ کر سکے، اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرض ہی کیوں فرماتے۔

لہٰذا جتنے بھی کام ہیں، چاہے وہ فرائض کی ادائیگی والے ہوں، یا گناہوں سے بچنے والے، وہ سب بندے کے اختیار میں ہیں اور یہ اختیار رمضان کے بعد بھی برقرار رہتا ہے اگر بندہ اپنے اختیار کو استعمال کرے تو رمضان کے بعد بھی ان پر بآسانی عمل درآمد کر سکتا ہے۔

اور رمضان کے مہینہ میں جو نیک اعمال کرنے اور گناہوں کے چھوڑنے کا تھوڑا سا مزاج بن

جاتا ہے اور رمضان میں جو کچھ مجاہدہ کیا جاتا ہے، رمضان کے بعد اس سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔

عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ رمضان گزرتے ہی شوال کا چاند نظر آنے پر مسجد سے ایسا رُخ موڑتے ہیں کہ اگلے رمضان تک پھر نام ہی نہیں لیتے ،اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ بھی بعض لوگ سلوک کرتے ہیں کہ رمضان کے بعد قرآن مجید کو جو اٹھا کر رکھتے ہیں تو پورے سال اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

بہت سے معتکفین کا بھی یہی حال ہے کہ اعتکاف کے دنوں میں تو بہت اللہ والے اور ولی اللہ محسوس ہوتے ہیں اور فرائض ،واجبات کے علاوہ سنن اور نوافل (تہجد ، اشراق ،اوابین وغیرہ) تک کا اہتمام کرتے ہیں، لیکن شوال کا چاند نظر آتے ہی ایسے غائب ہوجاتے ہیں کہ محسوس ہوتا ہے کہ شاید ہجرت کرکے دور دراز تشریف لے گئے ہیں ،ان لوگوں کو اپنے اعتکاف پر نظر کرنے کی ضرورت ہے کہ جو اعتکاف غیر اللہ سے تعلق توڑ کر اللہ سے تعلق جوڑنے کے لئے تھا اس کا اتنا بھی اثر ظاہر نہ ہوا کہ اس سے فارغ ہوکر فرض نماز کی ہی توفیق ہوجاتی۔

اور بے شک نیک اعمال کا ثواب رمضان المبارک میں زیادہ ہوجاتا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ رمضان کے علاوہ نیک اعمال کرنے کی ضرورت نہ ہو، بلکہ شریعت کے اکثر احکام ایسے ہیں جو رمضان اور غیر رمضان دونوں حالتوں میں بندوں پر عائد ہوتے ہیں۔

عید ملن پارٹی کی شرعی حیثیت

آج کل عید سے فراغت کے بعد بعض لوگوں میں یہ دستور ہے کہ باری باری ایک دوسرے کی دعوت کی جاتی ہے اور اس کو عید ملن پارٹی کا نام دیا جاتا ہے خصوصاً سرکاری دفاتر میں ملازمت کرنے والے حضرات زیادہ تر یہ رسم انجام دیتے ہیں۔

بعض علاقوں میں ایک مسجد میں اعتکاف کرنے والے حضرات عید کے بعد ایک دوسرے کے لئے اس قسم کی تقاریب کا اہتمام کرتے ہیں۔

اور اس میں عام طور پر دوسرے کو شرمندہ کر کے اور کسی بھی طرح کا دباؤ ڈال کر اس سے دعوت منوائی جاتی ہے، اور وہ بے چارہ غریب شرما حضوری میں آ کر کسی نہ کسی طرح اس کا انتظام کرتا ہے خواہ اس کے لئے اس کو قرض لینا پڑے یا ضروری درجہ کے حقوق فوت ہو جائیں۔

نیز اس میں عام طور پر دکھاوا اور ایک دوسرے کا مقابلہ بھی پیش نظر ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ بعض لوگ اس کو شرعی حکم سمجھ کر اختیار کرتے ہیں۔

اور بعض اتنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی اس پر عمل نہ کرے تو اسے لعن وطعن کیا جاتا ہے اور بُرا بھلا، بخیل و کنجوس وغیرہ کہا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان خرابیوں کے ہوتے ہوئے اس رسم کی شرعاً اجازت نہیں ہوسکتی، کسی کا مال بغیر خوشدلی کے استعمال کرنے کو شریعت نے حلال قرار نہیں دیا، اس لئے اس رسم کو ترک کر دینا چاہئے۔

البتہ اگر ان خرابیوں سے بچ کر خوشدلی کے ساتھ کوئی دوسرے کی دعوت کرے، اور اس کو عید کا کوئی حصہ اور ضروری نہ سمجھے، تو پھر اس میں حرج نہ ہوگا۔

ماہِ شوال میں نکاح کو منحوس ومعیوب سمجھنا

آج کل بعض لوگ شوال کے مہینہ میں نکاح وشادی کو منحوس ومعیوب سمجھتے ہیں اور اس سے بدشگونی وبدفالی لیتے ہیں۔

یہ جاہلیت کی بات ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں شوال میں نکاح کرنے کو منحوس سمجھا جاتا تھا، اور اس کی وجہ بعض حضرات نے یہ بیان فرمائی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ایک مرتبہ شوال کے مہینہ میں طاعون ہو گیا تھا، اس لئے جاہلیت کے لوگ شوال میں نکاح کو منحوس سمجھنے لگے

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

تھے اور وہ اس مہینہ میں شادی کی کوئی تقریب انجام نہیں دیتے تھے۔ [1]

حضرت عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:

تَزَوَّجَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ شَوَّالٍ، وَبَنٰی بِیْ فِیْ شَوَّالٍ، فَأَیُّ نِسَاءِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ أَحْظٰی عِنْدَہٗ مِنِّیْ؟ قَالَ: وَکَانَتْ عَائِشَۃُ تَسْتَحِبُّ أَنْ تُدْخِلَ نِسَاءَ ھَا فِیْ شَوَّالٍ (مسلم) [2]

ترجمہ: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال میں نکاح فرمایا، اور شوال ہی میں میری رخصتی ہوئی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کون سی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مجھ سے زیادہ مرغوب ہوگی، حضرت عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شوال میں نکاح ورخصتی کو پسند فرماتی تھیں (ترجمہ ختم)

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

وَقَصَدَتْ عَائِشَۃُ بِھٰذَا الْکَلَامِ رَدَّ مَا کَانَتِ الْجَاھِلِیَّۃُ عَلَیْہِ وَمَا یَتَخَیَّلُہٗ بَعْضُ الْعَوَامِّ الْیَوْمَ مِنْ کَرَاھَۃِ التَّزَوُّجِ وَالتَّزْوِیْجِ وَالدُّخُوْلِ فِیْ شَوَّالٍ وَھٰذَا بَاطِلٌ لَا أَصْلَ لَہٗ وَھُوَ مِنْ آثَارِ الْجَاھِلِیَّۃِ کَانُوْا یَتَطَیَّرُوْنَ بِذٰلِکَ (شرح النووی علیٰ مسلم) [3]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد اس اعتقاد کو غلط ثابت کرنا تھا جو جاہلیت کے لوگوں کا تھا کہ وہ شوال میں نکاح کرنے میں بدشگونی اور بدفالی

---

[1] وقال أبو عاصم :إنما کرہ الناس أن یدخلوا النساء فی شوال لطاعون وقع فی شوال فی الزمن الأول(الطبقات الکبری لا بن سعد، ج۸ص۴۸،تحت ترجمۃ عائشۃ بنت ابی بکر الصدیق)

[2] حدیث نمبر۱۴۲۳، کتاب النکاح، باب استحباب التزوج والتزویج فی شوال، واستحباب الدخول فیہ، دار احیاء التراث العربی، بیروت.

[3] ج۹ص۲۱۰، کتاب النکاح، باب استحباب التزوج والتزویج فی شوال، داراحیاء التراث العربی، بیروت.

لیا کرتے تھے، اور آج بھی بعض عوام شوال میں نکاح اور رخصتی کرنے کرانے کو معیوب سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ باطل بات ہے، جس کی کوئی اصل نہیں، اور یہ جاہلیت کے آثار میں سے ہے کہ جاہلیت کے لوگ اس سے بدشگونی لیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

خوب سمجھ لیجئے! شرعی اعتبار سے کوئی مہینہ یا کوئی دن منحوس نہیں ہے، دراصل نحوست انسان کی بداعمالیوں میں ہے اور نکاح بذاتِ خود کوئی بُرا عمل نہیں بلکہ حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہے، اور یہ ایسی عبادت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تقریباً سارے انبیائے علیہم السلام نے انجام دی ہے اور یہ عبادت جنت میں بھی برقرار رہے گی۔

اس لئے اگر اس عبادت کو شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق انجام دیا جائے تو یہ خیر و برکت کا باعث ہوگی اور جس مہینہ یا جس دن میں بھی یہ عمل سنت کے مطابق انجام دیا جائے گا وہ بابرکت ہی ہوگا، اور اس کے برعکس خلافِ شرع طریقہ پر انجام دینے سے برکت نہ ہوگی۔

بعض لوگ آج کل شادی بیاہ کے موقع پر مختلف گناہوں اور خرابیوں (مثلاً بے پردگی، مَردوں عورتوں کا مخلوط اجتماع، تصویر سازی، گانا بجانا، ڈھول باجے، آتش بازی، فضول خرچی وغیرہ) میں مبتلاء ہوتے ہیں، لیکن اس طرف توجہ نہیں کرتے کہ ان گناہوں کی وجہ سے یہ نکاح بے برکت ہو جائے گا، مگر اس کے برعکس شوال یا کسی دوسرے مہینے میں نکاح کو معیوب ومنحوس سمجھتے ہیں۔ یہ لاعلمی وناواقفی کی بات ہے۔

عید کارڈ کی وباء

ہمارے معاشرے میں بہت سے ایسے رواج اور رسمیں ایجاد ہوگئی ہیں کہ جن کا دین و مذہب

سے تعلق نہیں لیکن ہماری قوم ان رسموں میں اس طرح منہمک ہے کہ کسی طرح چھوڑنے کے لئے تیار نہیں خواہ ان کی خاطر کتنا ہی مال، قیمتی اوقات، اور کتنی ہی جان کیوں نہ کھپانی پڑے اور دین سے بھی محرومی ہو اور اس شعر کا مصداق ہی کیوں نہ بن جائے ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم   نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

ہمارے معاشرے کی اِن رسموں میں سے ایک رسم مروَّجہ ''عید کارڈ'' کی ہے، عیدین کے موقع پر اور خاص کر عیدُ الفطر پر ایک دوسرے کو عید کارڈ بھیجنے کی پابندی والتزام ہے، اور اس کا اس حد تک التزام ہونے لگا ہے کہ اگر کسی دوست یا قریبی عزیز کا عید کارڈ موصول نہ ہو تو ناراضگی اور طعن وتشنیع تک سے گریز نہیں کیا جاتا اور اسی پر بس نہیں بلکہ آپس میں مقابلہ بازی اور ہار جیت تک کے فیصلے بھی ''عید کارڈوں'' کی بنیادوں پر کئے جانے لگے ہیں۔

عید الفطر آنے سے ہفتوں پہلے ہی سے بُک اسٹالوں اور کارڈ فروشوں کی دوکانوں کے چکر لگانا شروع کر دیئے جاتے ہیں جہاں شروع رمضان ہی سے ہر قسم کے رنگ برنگ اور نت نئے کارڈوں کا اجتماع ہوتا ہے، جن میں اعلیٰ، درمیانی اور ادنیٰ درجہ اور ہر طرح کے کارڈ دستیاب ہوتے ہیں۔

اور ان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور اعلیٰ سے اعلیٰ اور قیمتی سے قیمتی کارڈ کے انتخاب کو ترجیح دی جاتی ہے، اور اس کو اپنی شان وشوکت بڑھانے کا ایک ذریعہ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ عید کارڈ کی مروَّجہ رسم میں کئی گناہ اور منکرات ومفاسد جمع ہیں، جن کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

(۱)...... زیادہ تر عید کارڈ کی رسم میں پیش پیش وہ لوگ نظر آتے ہیں جنہیں نہ تو اپنے روزوں کو صحیح صحیح رکھنے کی توفیق ہوتی اور نہ ہی رات کو تراویح کا وقت ان کے پاس ہوتا، نہ صدقہ خیرات کی ان کے پاس گنجائش نظر آتی اور نہ ہی کسی غریب کے نانِ شبینہ کا انتظام کرنے کی، اور نہ زکوٰۃ کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کی توجہ ہوتی ہے، اور نہ ہی صدقۂ فطر نکالنے کی۔

ہزاروں بندگانِ خدا روزہ کی نعمت سے محروم ہیں زکوٰۃ اور صدقۂ فطر ادا نہیں کرتے غریب

نانِ شبینہ تک کے محتاج ہیں مگر عید کارڈ کی رسم میں جان اور مال اور وقت کھپانے سے گریز نہیں کرتے۔

بھلا اللہ تعالیٰ کے اہم احکامات کو چھوڑ اور توڑ کر ایک فضول رسم پر اپنے مال اور وقت کو قربان کرنا کیسی عقلمندی ہے؟

(۲)...... اس رسم کو بہت سے لوگوں کی طرف سے ایک عبادت اور ثواب کا کام اور عید کا حصہ سمجھ کر انجام دیا جاتا ہے، جبکہ اس عید کارڈ کی رسم کا خیر القرون کے دور میں کوئی ذکر نہیں ملتا، کسی صحابی، تابعی، یا تبع تابعی نے اس رسم کو انجام نہیں دیا بلکہ یہ اِس دور کی پیداوار ہے، اس کو عید کے اہم اسلامی حکم اور عبادت کے ساتھ چسپاں کرنا اور عید کے اسلامی تہوار کی طرف منسوب کرنا دین میں زیادتی اور گناہ ہے۔ [۱]

(۳)...... یہ عید کارڈ کی رسم بنیادی طور پر عیسائیوں کے کرسمس کارڈ کی نقل بھی ہے، جبکہ کافروں کی نقل اتارنا اور ان کی مشابہت کرنا گناہ ہے۔

کئی احادیث میں غیروں کے ساتھ تشبہ اور ان کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور اس پر وعیدیں سنائی گئی ہیں۔ [۲]

---

[۱] عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :إِنَّمَا هُمَا اثْنَتَانِ، الْكَلَامُ وَالْهَدْيُ، فَأَحْسَنُ الْكَلَامِ كَلَامُ اللَّهِ، وَأَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ، أَلَا وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ شَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ(ابنِ ماجه، حديث نمبر ۴۶)

[۲] عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ(سنن ابی داوٗد، حديث نمبر ۴۰۳۱)

عَنْ سَعِيدِ بن جبلة ، عَنْ طَاوُوسٍ ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم ، قَالَ :إِنَّ اللَّهَ بَعَثَنِي بِالسَّيْفِ بَيْنَ يَدَيَ السَّاعَةِ ، وَجُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي وَجُعِلَ الذُّلُّ وَالصَّغَارُ عَلَى مَنْ خَالَفَنِي وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ(مصنف ابنِ ابی شيبة، حديث نمبر ۱۹۷۸۳)

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا، لَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ وَلَا بِالنَّصَارَى(سنن ترمذی، حديث نمبر ۲۶۹۵)

عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ :قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا فَلَيْسَ مِنَّا ,وَلَا تُسَلِّمُوا بِتَسْلِيمِ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى ,فَإِنَّ تَسْلِيمَ الْيَهُودِ بِالْأَكُفِّ ,وَتَسْلِيمَ النَّصَارَى بِالْإِشَارَةِ (مسند الشاميين للطبرانی، حديث نمبر ۵۰۳)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمانِ مبارک ہے کہ:

وَلَاتَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْافَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (سورہ ھود آیت ۱۱۳)

ترجمہ: اور ان ظالموں (اور کافروں) کی طرف مت جھکو، کبھی تم کو (جہنّم کی) آگ نہ پہنچ جائے (ترجمہ ختم)

کافروں اور ظالموں کی طرف جھکنے میں ان کے ساتھ ظاہری تشبہ بھی داخل ہے (تفسیر عثمانی)

(۴)......عید کارڈ کی رسم میں پیسے کا بے جا اسراف بھی ہے، ملک بھر میں ہر سال اس بے ہودہ رسم پر لاکھوں، کروڑوں روپیہ برباد کردیا جاتا ہے، اور آج کل عید کارڈ کے لئے اچھے سے اچھے کاغذ اور کارڈ اور زیب وزینت کا انتخاب کیا جاتا ہے، بعض امیر گھرانوں میں تو بڑے بڑے عید کارڈوں کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا ہے جن میں بعض عید کارڈ پانچ، پانچ، چھ، چھ سو روپے کی قیمت کے بھی ہوتے ہیں۔ پھر ان کو ڈاک سے بھیجنے کا خرچ علیٰحدہ ہے، اور یہ فضول خرچی ہے جو قرآن وسنت کی رو سے گناہ ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی بند قرار دیا ہے۔ [1]

اور احادیث میں قیامت کے روز مال کے بارے میں سوال کئے جانے سے پہلے قدم نہ ہٹنے کا ذکر آیا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؛ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَأَى رَجُلاً يُصَلِّى مُلْتَحِفًا ، فَقَالَ :لاَ تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ ، مَنْ لَمْ يَجِدْ مِنْكُمْ إِلَّا ثَوْبًا وَاحِدًا فَلْيَتَّزِرْ بِهِ (مصنف ابنِ ابی شیبۃِ حدیث نمبر ۳۲۱۵)

عَنْ مَسْرُوقٍ ، عَنْ عَائِشَةَ ؛ أَنَّهَا كَرِهَتِ الاخْتِصَارَ فِي الصَّلاَةِ ، وَقَالَتْ :لاَ تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ(مصنف ابنِ ابی شیبۃِ حدیث نمبر ۴۶۳۴)

عَنْ عَبْدِ الأَعْلَى ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ ، أَنَّهُ رَأَى مِجْمَرًا فِي جِنَازَةٍ فَكَسَرَه ، وَقَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ لاَ تُشَبَّهُوا بِأَهْلِ الْكِتَابِ(مصنف ابنِ ابی شیبۃِ حدیث نمبر ۱۱۲۸۶)

[1] اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْآ اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۷ پ ۱۵)

[2] عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ أَبِي بَرْزَةَ الأَسْلَمِيِّ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لاَ تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ القِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ عُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ، وَعَنْ عِلْمِهِ فِيمَ فَعَلَ، وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ، وَعَنْ جِسْمِهِ فِيمَ أَبْلاَهُ (سنن ترمذی، حدیث نمبر ۲۴۱۷)

(۵)...... بہت سے عید کارڈ جانداروں کی تصویروں پر مشتمل ہوتے ہیں، مثلاً کبوتر، طوطا، بگلا یا کوئی دوسرا جانور یا پرندہ وغیرہ بنا ہوتا ہے، جبکہ اس طرح کے جانداروں کی تصاویر کھینچنا، بنانا، چھاپنا، دیکھنا اور دوسرے کے پاس بھیجنا اور رکھنا سب گناہ ہے۔

(۶)...... بہت سے عید کارڈ کھلاڑیوں، گانے بجانے والے گویوں، اور فلمی اداکاروں (جن کو فلمی اور غیر فلمی ستاروں اور موسیقی کاروں کا نام دیا جاتا ہے) کی رنگین تصویروں سے ملوث ہوتے ہیں، جنہیں خاص مقبولیت حاصل ہوتی ہے، اللہ کی پناہ! ذرا سوچئے ان گناہ گار لوگوں کی تصویروں کا انتخاب اور ان کی تعظیم واحترام کس قدر غضبناک بات ہے، پھر ان تصویر شدہ کارڈوں کو دیواروں پر لٹکایا اور الماریوں اور کمروں میں سجایا جاتا ہے، جو ایک دوسرا مستقل گناہ ہے۔

(۷)......بعض عید کارڈوں پر اسی قسم کی عورتوں کی تصویریں بھی ہوتی ہیں، جن میں بہت سی تصویریں عریاں اور نیم عریاں رنگین اور فحش انداز کی ہوتی ہیں ان کو دیکھنا، پسند کرنا اور بھیجنا سب خطرناک گناہ ہیں۔

(۸)...... پھر اس قسم کی تصویروں میں سے کسی کا انتخاب کرنا اپنی اپنی پسند کی ترجمانی کا اظہار اور اس کی علامت سمجھی جاتی ہے، جس میں گناہ کی شہرت اور اس کا اظہار بھی ہے جو کہ مستقل گناہ ہے۔

(۹)......سب سے بڑھ کر ''کریلا اور نیم چڑھا'' کا مصداق یہ ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ''عید مبارک'' کے عنوان اور اس کے نام پر ہوتا ہے، کیا اتنے عظیم گناہوں کو مبارک خوشی اور مبارک عید کا نام دے کر بجالانا دین اور شریعت کی بے احترامی نہیں ہے؟

(۱۰)......بعض عید کارڈ، مبارک اور عظیم کلمات یا قرآنی آیتوں سے آراستہ کئے جاتے ہیں، اول تو مبارک کلمات اور قرآنی آیات کو ایک رسم کے ساتھ وابستہ کرنا ہی بے احترامی ہے اور پھر ایک بے حرمتی یہ کی جاتی ہے کہ یہ عید کارڈ استعمال کرنے کے بعد ردی کی ٹوکری یا

اور کسی بے ادبی والی جگہ پھینک دیئے جاتے ہیں۔ خدارا! کچھ تو انصاف کیجئے۔

(۱۱)......عموماً عید کارڈ بھیجنے والوں کا آپس میں اعلیٰ سے اعلیٰ عید کارڈ بھیجنے کا مقابلہ ہوتا ہے ہر شخص اس رسم میں دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے، تاکہ اس کی زیادہ سے زیادہ تعریف ہو، کسی رسم اور گناہوں پر مشتمل رسم میں مقابلہ کرنا اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا اور دوڑ لگانا کیسے جائز ہوسکتا ہے اور پھر اس گناہ پر فخر، دکھلاوا اور بڑائی اس گناہ کی سنگینی کو اور بڑھا دیتا ہے۔

(۱۲)......اس مقابلہ بازی میں جس فریق کا عید کارڈ دوسرے کے مقابلہ میں گھٹیا ہو اس کو دوسرا طرح طرح کے مثلاً، بخیل، کنجوس وغیرہ کے طعنے دیتا ہے یا دل میں اس کو حقیر سمجھتا ہے۔

حالانکہ اول تو کسی کو طعنہ دینا ہی گناہ ہے دوسرے کسی مسلمان کو حقیر سمجھنا ایک علیحدہ گناہ ہے، تیسرے کسی کو گناہ پر ابھارنا بھی گناہ ہے۔

(۱۳)......بعض جگہ عید کارڈ میں اس طرح کا ادلہ بدلہ ہوتا ہے کہ اس کو دوسرے پر ایک طرح کا قرض سمجھا جاتا ہے اگر دوسرا نہ بھیجے تو اس کو اپنا مقروض یا حق تلفی کرنے والا یا غاصب وغیرہ شمار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ کسی کو گناہ نہ کرنے پر غاصب وغیرہ سمجھنا یا دوسرے کے گناہ کو اپنا حق شمار کرنا کتنا بڑا گناہ ہے اور گناہ میں ادلہ بدلہ کرنا بھی گناہ ہے۔

(۱۴)......بعض عید کارڈ ظاہری خرافات سے تو خالی ہوتے ہیں ان میں جاندار کی تصویریں وغیرہ نہیں ہوتیں لیکن دوسرے متبرک غیر جاندار مقامات مثلاً حرمین شریفین، کسی مسجد وغیرہ یا خوبصورت باغات، پہاڑوں، دریاؤں وغیرہ کی تصویریں اور سینریاں ہوتی ہیں، اس لئے لوگ سمجھتے ہیں کہ ایسے عید کارڈ بھیجنے میں حرج نہیں لیکن یاد رکھئے کہ دوسری خرابیاں تو پھر بھی ہوتی ہیں (کہ خود عید کارڈ ہی غیر اسلامی رسم اور فضول خرچی ہے) لہٰذا ایسے عید کارڈ سے بھی بچنا چاہئے۔

اس طرح بے شمار خرافات ومنکرات کے ساتھ عید کارڈوں میں قوم کا روپیہ ضائع ہوکر ردی کی نظر ہوجاتا ہے نہ کوئی دین کا فائدہ ہوتا بلکہ الٹا نقصان ہی ہوتا ہے اور نہ دنیا کا کوئی فائدہ۔

اگر یہی رقم غریبوں، مسکینوں، ناداروں، دینی مدرسوں اور دوسرے شرعی ورفاہی کاموں پر خرچ کی جائے تو کتنے تنگدست گھرانے خوشحال ہوجائیں، بیمار تندرست ہوجائیں، روزی کے محتاج برسر روزگار ہوجائیں، جاہل علم کی دولت سے بہرہ ور ہوجائیں، کتنے ضرورت مند لوگوں کی ضروریات کا انتظام اور مشکلات وپریشانیوں سے نجات حاصل ہوجائے۔

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو صحیح فہم عطا فرمائیں اور اس رسم سے بچنے کی توفیق بخشیں۔ آمین۔[1]

عید کی تیاری میں غلو

آج کل عید کی غیر معمولی تیاری بھی ایک مستقل رسم بن گئی ہے، اس میں ہر شخص دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے، عید کے دن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے بلاشبہ خوشی کا

---

[1] بعض حضرات نے زیب وزینت کی خاطر اور دوسرے کا دل خوش کرنے کی غرض سے عید کارڈ کو جائز قرار دیا ہے (کمافی احسن الفتاویٰ ج۸ ص ۱۴۷)

لیکن ناقص خیال کے مطابق اگر غور کیا جائے تو اس عید کارڈ کی مروجہ رسم میں عید کے حوالہ سے ہونے والی دوسری خرابیوں سے کم تو کجا زیادہ ہی خرابیاں نظر آتی ہیں جن کا مشاہدہ ہر شخص بخوبی کرسکتا ہے۔ جہاں تک زینت کا تعلق ہے تو صرف زینت اس میں عوام کے ہرگز پیش نظر نہیں ہوتی بلکہ نمود ونمائش ہی غالب ہوتی ہے اور کوئی شخص بھی بطور خود یہ اقرار نہیں کرتا کہ اس کی غرض نمود ونمائش کی ہے پھر زینت کی غرض تو اس وقت معتبر سمجھی جائے گی جبکہ اس عید کارڈ کو زینت کے طور پر سجا کر رکھا جائے اور ایسا نہیں ہے بلکہ اس کو ردی کی نذر کردیا جاتا ہے علاوہ ازیں اس کو زینت میں داخل مان کر زیادہ سے زیادہ جائز یا مستحب کہا جاسکتا ہے اور مباح یا مستحب عمل میں اگر کوئی منکر شامل ہوجائے تو وہ پھر جائز یا مستحب نہیں رہتا، خصوصاً جبکہ اس سے دوسروں کے غلط عمل کی تائید بھی ہوتی ہو۔ جہاں تک دوسرے کا دل خوش کرنے کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں ادب کے ساتھ عرض ہے کہ اس کی بھی اسی وقت اجازت ہوسکتی ہے جبکہ یہ عمل منکرات سے خالی ہو۔ وَاِذْ لَا فَلَا۔ واللہ اعلم۔

اسی طرح بعض حضرات نے جو یہ سمجھا ہے کہ مروجہ عید کارڈ دراصل عید کی مبارک بادی کی ایک صورت ہے، اور عید کارڈ پر ''عید مبارک'' ہی لکھا ہوا ہوتا ہے، لہٰذا جو حکم عید مبارک کہنے کا ہے، وہی حکم عید کارڈ کا بھی ہے؛ یہ بھی درست معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ عید مبارک تو زبان کا عمل ہے، نہ اس میں پیسوں کا فضول ضیاع ہے، نہ تصاویر وغیرہ جیسے منکرات ہیں، اور نہ ہی اس کو فرض وواجب سمجھنا درست ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

دن بنایا ہے اور اتنی بات بھی شریعت سے ثابت ہے کہ اس روز جو بہتر سے بہتر لباس ہو وہ پہنے لیکن اس غرض کے لئے آج بیشمار فضول خرچیوں کو عید کا ضروری حصہ سمجھ لیا گیا ہے۔

چنانچہ آج یہ بات ضروری سمجھ لی گئی ہے کہ کسی کے پاس گنجائش ہو یا نہ ہو مگر وہ ہر حال میں کسی نہ کسی طرح گھر کے ہر فرد کے لئے نئے جوڑے اور سر سے لے کر پاؤں تک کی ہر نئی سے نئی چیز کا انتظام کرے، بیوی بچوں کا ہر جائز و ناجائز مطالبہ پورا کرے، سر سے لے کر پاؤں تک ہر چیز نئی اور اچھی سے اچھی ہو اور دکان و مکان کی زیب و زینت بھی عمدہ سے عمدہ طریقے پر کرے، خواہ اس کی خاطر ناجائز ذریعۂ آمدنی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے، یا دوسروں سے قرض اور بھیک ہی کیوں نہ مانگنی پڑے۔ جس کی وجہ سے ایک درمیانی آمدنی والے شخص کے لئے عید کی تیاری ایک مستقل مصیبت اور مسئلہ بن چکی ہے۔

شریعت نے ہر مسلمان کو ہر موقع پر میانہ روی کی تعلیم دی ہے۔ اور فضول خرچی اور حد سے تجاوز کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اس لیے عید کی تیاری میں بے جا غلو سے پرہیز کرنا چاہیے۔

عید کے موقعہ پر لائٹنگ اور دوسری فضول خرچیاں

آج کل عید کے موقعہ پر بعض لوگوں میں چراغاں (لائٹنگ) کرنے کی وباء بھی بہت زیادہ اہمیت اختیار کر چکی ہے، بہت سی دوکانوں اور بلڈنگوں پر ضرورت سے زیادہ روشنی کی جاتی ہے، قمقمے روشن کئے جاتے ہیں، لائٹ کا بے جا اضافہ کر کے پورے پورے گھروں اور در و دیوار کو روشن کیا جاتا ہے اور بے جا سجاوٹ اور نمائش میں بھی رقم کا بے دریغ استعمال کیا جاتا ہے اور اس کو کارِ خیر شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ کئی گناہوں کا مجموعہ ہے، جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

(۱)......اس رسم میں اہلِ ہنود (بت پرستوں) کے ساتھ مشابہت ہے، کیونکہ ہندوؤں کے

یہاں ان کے تہواروں دیوالی وغیرہ کے موقع پر اس طرح روشنی کی جاتی ہے، اور غیر مسلموں سے تشبہ گناہ ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کی رسمِ دیوالی سے اس طرح کی رسموں کو لیا گیا ہے کیونکہ ہندوستان میں عموماً بدعتی رسمیں کفر کے زمانہ ہی کی باقی ہیں اور مسلمانوں میں (کفار کے ساتھ) میل جول کرنے کے سبب پھیل گئی ہیں۔

(۲)...... یہ رسم ہندوؤں کے علاوہ آتش پرستوں (آگ کے پجاریوں) کے ساتھ بھی مشابہت سے خالی نہیں بلکہ بہت سے علماء نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ مسلمانوں میں یہ رسم آتش پرستوں سے شروع ہوئی۔ [۱]

(۳)......اس رسم میں مال کو بے جا اڑانا اور ضائع کرنا ہے، اس لئے کہ اس رسم میں قوم کی لاکھوں روپے کی بجلی اور پیسہ ضائع ہوجاتا ہے، جبکہ حاصل حصول کچھ بھی نہیں ہوتا، بجلی ایک ضرورت کی چیز ہے جس کو بوقتِ ضرورت استعمال کرنا چاہئے، بلاضرورت یا ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا اسراف اور فضول خرچی میں داخل ہے، اور بطورِ خاص ایک ایسے ملک میں جہاں بجلی کی قلت اور لوڈ شیڈنگ کا رونا رویا جارہا ہے، یہ رسم کسی طرح عقلمندی نہیں، بلکہ حماقت پر مبنی ہے۔

(۴)......اس رسم میں عموماً اپنی بڑائی جتلانا اور دوسروں پر فخر ظاہر کرنا ہوتا ہے، اور اس قسم کی

---

[۱] قال على وأول حدوث الوقود من البرامكة وكانوا عبدة النار فلما أسلموا أدخلوا الإسلام ما يموهون أنه من سنن الدين ومقصودهم عبادة النيران ولم يأت فى الشرع استحباب زيادة الوقود على الحاجة فى موضع وما يفعله عوام الحجاج من الوقود بجبل عرفات وبالمشعر الحرام فهو من هذا القبيل، قال وقد أنكر الطرطوشى الاجتماع ليلة الختم فى التراويح ونصب المنابر وبين أنه بدعة منكرة وأعظم منه ما يوجد اليوم فى مجلس القصاص والبداة من اختلاط الرجال والنساء وتلاصق أجسادهم حتى يروى أن رجلا ضم امرأة من خلف وعبث بها وآخر التزم امرأة وغير ذلك من الفسوق واللغط والسرقة وتنجيس مواضع العبادة وإهانة بيوت الله وكله بدعة وضلالة(تذكرة الموضوعات لمحمد طاهر الفتنى،ص ۴۶، كتاب العلم،باب التطوع،الفصل الخامس فى البراءة وصلاتها وكثرة وقودها)

بڑائی جتلانے اور فخر ظاہر کرنے والے پر اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتے ہیں۔
کیا اب بھی لوگ ان خرافات سے باز نہ آئیں گے؟
مذکورہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آج کل جو دوسرے مختلف طریقوں سے عیدین کے دنوں میں فضول خرچیاں کی جاتی ہیں وہ بھی جائز نہیں، اس کے بجائے یہی پیسہ صحیح مستحقین اور دوسرے خیر کے کاموں پر خرچ کردیا جائے، تو کتنی خیر اور نیکی حاصل ہو۔

عید کے دن مصافحہ ومعانقہ

مصافحہ اور معانقہ کرنے (یعنی ہاتھ ملانے اور گلے ملنے) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپس میں ملاقات ہوتی تو سنت کے مطابق سلام کرتے اور سلام کے ساتھ مصافحہ کرتے اور جب سفر سے آتے تو معانقہ کرتے (یعنی گلے ملتے) اس سے ہٹ کر مصافحہ اور معانقہ کا کوئی خاص وقت یا دن مثلاً کسی نماز کے بعد یا عید کا موقع مقرر نہ تھا۔
اس سلسلہ میں چند احادیث وروایات ملاحظہ فرمائیں:
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ اَلرَّجُلُ مِنَّا يَلْقٰى أَخَاهُ أَوْ صَدِيْقَهُ أَيَنْحَنِيْ لَهُ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: أَفَيَلْتَزِمُهُ وَيُقَبِّلُهُ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: أَفَيَأْخُذُ بِيَدِهٖ وَيُصَافِحُهُ؟ قَالَ: نَعَمْ (ترمذی) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم میں سے ایک آدمی اپنے بھائی یا دوست سے ملاقات کرتا ہے، کیا وہ اس کے لئے جھکے گا؟ رسول اللہ

---

[1] حدیث نمبر ۲۷۲۸، ابواب الاستئذان والآداب، باب ماجاء المصافحة، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر.
قال الترمذی: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، اس نے عرض کیا کہ اس سے چمٹے گا (یعنی معانقہ کرے گا) اور اس کو بوسہ دے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، اس نے عرض کیا کہ کیا اس کا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کرے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں (ترجمہ ختم)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَيَنْحَنِيْ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ؟ قَالَ : لَا . قُلْنَا أَيُعَانِقُ بَعْضُنَا بَعْضًا؟ قَالَ: لَا، وَلٰكِنْ تَصَافَحُوْا (ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہم میں سے کوئی دوسرے کے لئے جھکے گا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، ہم نے کہا کہ کیا ہم میں سے کوئی دوسرے سے معانقہ کرے گا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ تم مصافحہ کرو (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ سلام اور مصافحہ ملاقات کے وقت کرنا چاہئے، اور صرف ملاقات ہونے پر معانقہ نہیں کرنا چاہئے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ معانقہ سفر سے آمد کے موقع پر ثابت ہے۔ [2]

---

[1] حديث نمبر ۳۷۰۲، كتاب الادب، باب فى المصافحة.
(حكم الألبانى)حسن.

[2] (وعن أنس -رضى الله عنه -قال :قال رجل :يا رسول الله !الرجل منا) أى :من المسلمين، أو من العرب (يلقى أخاه) أى :المسلم أو أحدا من قومه، فإنه يقال له أخو العرب (أو صديقه) أى: حبيبه وهو أخص مما قبله (أينحنى له؟) : من الانحناء ، وهو إمالة الرأس والظهر تواضعا وخدمة (قال :لا) أى :فإنه فى معنى الركوع، وهو كالسجود من عبادة الله سبحانه (قال :أفيلتزمه) أى: يعتنقه ويقبله (قال :لا) : استدل بهذا الحديث من كره المعانقة والتقبيل، وقيل :لا يكره التقبيل لزهد، وعلم، وكبر سن، قال النووى :تقبيل يد الغير إن كان لعلمه وصيانته وزهده وديانته، ونحو ذلك من الأمور الدينية لم يكره، بل يستحب، وإن كان لغناه أو جاهه فى دنياه كره وقيل حرام . اهـ.وقيل :الحرام ما كان على وجه التملق والتعظيم، وأما المأذون فيه فعند التوديع والقدوم من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

مِنُ تَمَامِ التَّحِيَّةِ أَنُ تُصَافِحَ أَخَاکَ (الادب المفرد للبخاری) [1]

ترجمہ: آپ کا اپنے بھائی سے مصافحہ کرنا سلام کو مکمل کرنے کی چیز ہے (ترجمہ ختم)

اس قسم کا مضمون مرفوع حدیث اور بعض صحابہ وتابعین کے آثار میں بھی مروی ہے۔ [2]

اور اگرچہ ان روایات کی سند میں کلام ہے، لیکن مجموعی طور پر یہ مضمون درست ہے۔

ان احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ ملاقات کے وقت سلام کے ساتھ مصافحہ کرنا شرعاً ثابت ہے، اور معانقہ کرنا ثابت نہیں۔

البتہ سفر سے آمد کے موقع پر معانقہ کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سے ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَمَّا قَدِمُنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ مِنُ عِنُدِ النَّجَاشِيِّ تَلَقَّانِيُ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

السفر وطول العهد بالصاحب، وشدة الحب فى الله مع أمن النفس، وقيل :لا يقبل الفم، بل اليد والجبهة .وفى شرح مسلم للنووى :حتى الظهر مكروه للحديث الصحيح فى النهى عنه، ولا تعتبر كثرة من يفعله ممن ينسب إلى علم وصلاح .المعانقة وتقبيل الوجه لغير القادم من سفر ونحوه مكروهان .صرح به البغوى وغيره للحديث الصحيح فى النهى عنهما كراهة تنزيه .(قال :أفيأخذ بيده ويصافحه؟) : عطف تفسير أو الثانى أخص وأتم (قال :نعم، رواه الترمذى) (مرقاة المفاتيح، ج۷ ص ۲۹۶۵، كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة)

[1] حديث نمبر ۹۶۸، باب المصافحة،مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، الرياض.

قال الالبانی: صحيح ـ الإسناد موقوفاً(حواله بالا)

[2] عَنُ أَبِي أُمَامَةَ ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم :تَمَامُ تَحِيَّتِكُمَ الْمُصَافَحَةُ .(مصنف ابنِ ابى شيبة،حديث نمبر ۲۶۲۳۸)

عَنِ ابُنِ مَسُعُودٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ " :إِنَّ تَمَامَ التَّحِيَّةِ الْأَخُذُ بِالْيَدِ (شعب الايمان،حديث نمبر ۸۵۴۸)

عَنِ ابُنِ الْأَسُوَدِ ، قَالَ :إِنَّ مِنُ تَمَامِ التَّحِيَّةِ الْمُصَافَحَةَ.(مصنف ابنِ ابى شيبة،حديث نمبر ۲۶۲۳۶)

عَنِ الْأَسُوَدِ ، قَالَ :إِنَّ مِنُ تَمَامِ التَّحِيَّةِ الْمُصَافَحَةَ.(مصنف ابنِ ابى شيبة،حديث نمبر۲۶۲۳۷)

فَاعْتَنَقَنِیْ (شرح معانی الآثار، حدیث نمبر ۶۹۰۳، کتاب الکراھة، باب المعانقة)

ترجمہ: جب ہم نجاشی کے پاس سے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (سفر کرکے) آئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ملاقات فرمائی، اور ہم سے معانقہ فرمایا (ترجمہ ختم)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ان الفاظ میں مروی ہے کہ:

لَمَّا قَدِمَ جَعْفَرٌ مِنَ الْحَبَشَةِ عَانَقَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مسند ابی یعلیٰ الموصلی) [1]

ترجمہ: جب حضرت جعفر حبشہ سے (سفر کرکے) آئے، تو ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معانقہ فرمایا (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے آنے والے کے ساتھ معانقہ فرماتے تھے۔

اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں یہی معمول تھا، کہ وہ ملاقات کے وقت مصافحہ اور سفر سے آمد کے وقت معانقہ فرماتے تھے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَلَاقَوْا تَصَافَحُوْا، وَإِذَا قَدِمُوْا مِنْ سَفَرٍ تَعَانَقُوْا (المعجم الاوسط للطبرانی) [2]

---

[1] حدیث نمبر ۱۸۷۶، ج۳ص۳۹۸، مسند جابر، دار المأمون للتراث -دمشق.

قال الهيثمي:

رواه أبو يعلى، وفيه مجالد بن سعيد، وهو ضعيف وقد وثق، وبقية رجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت روایت نمبر ۱۵۴۹۰)

[2] حدیث نمبر ۹۷، دار الحرمين، القاهرة.

قال الهيثمي: رواه الطبراني في الأوسط، ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، ج۸ص۳۶)

قال الالبانی: قلت :فالإسناد جيد (سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيء من فقهها وفوائدها، تحت حديث نمبر ۲۶۴۷)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام جب ملاقات کرتے تھے، تو (سلام کے ساتھ) مصافحہ کرتے تھے، اور جب کسی سفر سے آتے تھے، تو معانقہ کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت شعبی سے روایت ہے کہ:

كَانَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا الْتَقَوْا صَافَحُوْا، فَإِذَا قَدِمُوْا مِنْ سَفَرٍ عَانَقَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا (السنن الكبرىٰ للبيهقى) [1]

ترجمہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام جب ملاقات کرتے تھے، تو (سلام کے ساتھ) مصافحہ کرتے تھے، اور جب کسی سفر سے آتے تھے، تو ایک دوسرے سے معانقہ کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ مصافحہ ملاقات کے وقت ہے، اور معانقہ سفر سے آمد کے وقت ہے۔ [2]

---

[1] حديث نمبر ۱۳۵۷۵، كتاب النكاح، باب ما جاء فى معانقة الرجل الرجل، إذا لم تكن مؤدية إلى تحريك شهوة، دار الكتب العلمية، بيروت.

قال الالبانى:

أخرجه البيهقى فى سننه بإسناد جيد كما قال الحافظ ابن مفلح الحنبلى فى "الآداب الشرعية" (سلسلة الأحاديث الصحيحة، تحت حديث رقم ۲۶۴۷)

[2] يؤخذ من هذا الحديث فائدتان: الأولى: المصافحة عند التلاقى. والأخرى: المعانقة بعد العودة من السفر. ولكل منهما شواهد عن النبى صلى الله عليه وسلم (سلسلة الأحاديث الصحيحة، تحت حديث رقم ۲۶۴۷)

وأما ما قيل من أن حديث جعفر محمولٌ على ما قَبْلَ التحريم، فغير ظاهر، بل ينبغى أن يُخصّ جواز المعانقة بالقادم من السفر، والله تعالى أعلم (شرح النقاية، كتاب الكراهية)

وأما المعانقة وتقبيل الوجه لغير القادم من سفر ونحوه فمكروهان صرح به البغوى وغيره للحديث الصحيح فى النهى عنهما وأما المصافحة فسنة عند التلاقى سواء فيه الحاضر والقادم من سفر والأحاديث الصحيحة فيها كثيرة جداً (روضة الطالبين وعمدة المفتين، ج ۱۰ ص ۲۳۶، كتاب السير)

وأما المعانقة وتقبيل وجه غير القادم من سفر ونحوه غير الطفل فمكروهان صرح بكراهتهما البغوى وغيره وهذا الذى ذكرنا فى التقبيل والمعانقة أنه يستحب عند القدوم من سفر ونحوه ومكروه فى غيره هوفى غير الأمرد الحسن الوجه فأما الأمرد الحسن فيحرم بكل حال تقبيله سواء

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا اسی طرح اس تفصیل سے مصافحہ اور معانقہ کرنا مسنون و مستحب اور ثواب ہے اس پر عمل کرنا چاہئے اس سے نہ کوئی روک سکتا ہے نہ کسی کی مجال ہے۔

چنانچہ اگر کوئی مصافحہ اور معانقہ عید کے دن خاص عید کی وجہ سے لازم، ضروری اور سنت نہ سمجھے اور عیدین کے علاوہ سال کے باقی دنوں میں بھی سنت سمجھ کر اس کا اپنے موقع پر اہتمام کیا کرے اور پھر عیدین کے دن اپنی گزشتہ عادت کے مطابق ملاقات کے وقت سنّت کے مطابق سلام کر کے مصافحہ کرلے تو کوئی حرج نہیں یا جو عزیز، رشتہ دار یا دوست عید کے دن سفر سے آئیں اور سفر سے آنے کی وجہ سے ان سے معانقہ کرے اور گلے ملے تو بھی نہ صرف جائز بلکہ سنت و مستحب ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قدم من سفر أم لا (المجموع شرح المهذب ج۴ص ۶۳۷،۶۳۸،الفصل الخامس في المصافحة والمعانقة والتقبيل ونحوها)

وأما المعانقةُ وتقبيلُ الوجه لغير الطفل ولغير القادم من سفر ونحوه، فمكروهان، نصَّ على كراهتهما أبو محمد البغويّ وغيره من أصحابنا(الاذكار النووية، ص ۲۶۵، كتاب السلام والاستئذان وتشميت العاطس وما يتعلق بها، فصل في المصافحة)

مشروعية المعانقة للقادم من السفر وهو الحق والصواب(تحفة الاحوذى شرح جامع الترمذى، ج۷ص ۴۳۴، كتاب الاستئذان،باب ماجاء في المعانقة والقبلة)

وأما الحاضر في المصر الذى قد طالت غيبته والذى ليس من عادته المجيء إليه(المعانقة) فمحل نظر (الأداب الشرعية للامام محمد بن مفلح، ج ۱ ،ص ۴۰۷،فصل في القيام للقادم وأدب السنة ومراعاة العادة فيه)

ويسن للشخص تقبيل وجه صاحبه، ومعانقته إذا قدم من السفر ونحوه ويكرهان لغير ذلك(فتاوىٰ الرملى ،ج۴ص ۴۷،۴۸،كتاب السير)

ويسن تقبيل قادم من سفر ومعانقته للاتباع الصحيح (تحفة المحتاج في شرح المنهاج ، ج ۹ ص ۲۳۰، كتاب السير)

ذهب الشافعية والحنابلة إلى أن تهنئة القادم من سفر والسلام عليه ومعانقته تحسن وتستحب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۴ ص ۱۰۰ ، مادة تهنئة)

قال ابن بطال المصافحة حسنة عندعامة العلماء وقداستحبها مالک بعد كراهته وقال النووى المصافحة سنة مجمع عليها عندالتلاقى قال الحافظ ويستثنى من عموم الامر بالمصافحة المرأة الاجنبية والامرد الحسن انتهىٰ (تحفة الاحوذى، ج۷ص ۴۲۶، كتاب الاستئذان، باب ماجاء في المصافحة)

لیکن موجودہ دور میں ہمارے یہاں خاص عید کے موقع پر صرف عید کی وجہ سے گلے ملنے کی رسم کو بہت سے لوگوں نے اس قدر اہم اور عید کا خاص عمل سمجھ لیا ہے کہ اس عمل کو چھوڑنا کسی حال میں گوارا نہیں (خواہ ایک ہی گھر کے افراد کیوں نہ ہوں اور ایک ساتھ عید کی نماز کے لئے گئے ہوں، ایک دوسرے کے قریب ساتھ میں نماز ادا کی ہو اور خاص اس موقعہ پر ملاقات نہ ہو رہی ہو)

یہاں تک کہ عید کے دن خواہ تمام نمازوں اور مسنون اعمال کی ادائیگی اور گناہوں سے بچنے کی توفیق نہ ہو مگر یہ رسم ادا کرنا انتہائی لازم سمجھا جاتا ہے (بلکہ صرف خاص اس عمل کی غرض سے ایک دوسرے سے ملنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اگر خاص عید کے دن کسی کے ساتھ یہ رسم پوری نہ ہو سکے تو اگلے روز بھی اس کی جستجو اور کوشش رہتی ہے)

اور اگر کوئی اس کو ادا نہ کرے تو اسے بہت برا سمجھا جاتا ہے جیسا کہ عام طور پر مشاہدہ ہے، اور اس میں مردوں کے علاوہ عورتیں بھی شامل ہیں، جبکہ شرعاً خاص عید کی تخصیص کی وجہ سے مصافحہ اور معانقہ ثابت نہیں۔

لہٰذا اس طریقہ کو چھوڑنا اور حکمت کے ساتھ دوسروں کو سمجھانا چاہئے، فقہائے کرام و اکابر عظام رحمہم اللہ نے اسی پہلو سے اس کو بدعت و ناجائز قرار دیا ہے اور اس سے بچنے کی تعلیم دی ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ حجر ہیتمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

حَيْثُ وُجِدَ تَلَاقٍ بَيْنَ اِثْنَيْنِ سُنَّ لِكُلٍّ مِّنْهُمَا اَنْ يُّصَافِحَ الْآخَرَ وَحَيْثُ لَمْ يُوْجَدْ ذَالِكَ بِاَنْ ضَمَّهُمَا نَحْوَ مَجْلِسٍ وَلَمْ يَتفَرَّقَا لَا تُسَنُّ سَوَاءٌ فِيْ ذَالِكَ الْمُصَافَحَةُ الَّتِيْ تُفْعَلُ عَقِبَ الصَّلَاةِ وَلَوْ يَوْمَ الْعِيْدِ اَوِ الدَّرْسِ اَوْ غَيْرِهِمَا ...... نَعَمْ اَلتَّهْنِئَةُ بِالْعِيْدِ وَالشُّهُوْرِ سُنَّةٌ كَمَا ذَكَرَهُ بَعْضُ اَئِمَّتِنَا وَاسْتَدَلَّ لَهُ وَلَا يَلْزَمُ مِنْ نَدْبِهَا نَدْبُ الْمُصَافَحَةِ

فِيهَا وَإِنْ لَمْ يُوجَدْ شَرْطُهَا السَّابِقُ (الفتاویٰ الفقهية الكبرى، جلد ۴ صفحه ۲۴۵، باب السير)

ترجمہ: جب دو شخصوں کے درمیان ملاقات پائی جائے، تو اس وقت دونوں کے لیے سنت ہے کہ وہ ایک دوسرے سے مصافحہ کریں اور جب ملاقات نہ پائی جائے بایں طور کہ دونوں کسی مجلس وغیرہ میں مل کر بیٹھے ہوئے تھے اور ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہوئے تھے تو ایسی صورت میں مصافحہ سنت نہیں ہے، خواہ یہ مصافحہ وہ ہو جو نماز کے بعد کیا جاتا ہے، اگرچہ عید کے دن ہی کیوں نہ ہو یا درس (وعظ وتقریر) وغیرہ کے بعد ہو...... البتہ عید کے دن اور مہینوں کے آغاز پر مبارک بادی دینا سنتِ مستحبہ ہے جیسا کہ ہمارے بعض ائمہ نے اس کا ذکر کیا ہے، اور اس کی دلیل بھی پیش کی ہے اور مبارک بادی کے مستحب ہونے سے عید کے دن اور مہینوں کے آغاز پر مصافحہ کا مستحب ہونا لازم نہیں آتا اگرچہ سابق شرط بھی نہ پائی جائے (یعنی عید کے دن اور مہینوں کے آغاز پر مبارک بادی مستحب ہونے کے لیے ابتدائے ملاقات ضروری نہیں، بلکہ ان اوقات میں بغیر ملاقات کے بھی مبارک بادی درست ہے) (ترجمہ ختم)

اور بریقۂ محمودیہ میں ہے کہ:

وَاَمَّا الْمُصَافَحَةُ فِي الْجُمُعَةِ وَالْاَعْيَادِ فَعَنْ شَرْحِ الْمَجْمَعِ بِدْعَةٌ مَكْرُوهَةٌ (بريقة محموديه، ج۴ ص ۷۶، الصنف الخامس في آفات اليد)

ترجمہ: اور جمعہ اور عیدین کے دن مصافحہ کرنا مجمع کی شرح میں ہے کہ یہ بدعت اور مکروہ ہے (ترجمہ ختم)

اور علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اَقُوْلُ اِنَّهُمْ قَدِ اتَّفَقُوْا عَلٰى اَنَّ هٰذِهِ الْمُصَافَحَةَ لَيْسَ لَهٗ اَصْلٌ فِيْ

الشَّرْعِ ثُمَّ اخْتَلَفُوْا فِیْ الْکَرَاهَةِ وَالْاِبَاحَةِ وَالْاَمْرُ اِذَا دَارَ بَیْنَ الْکَرَاهَةِ وَالْاِبَاحَةِ یَنْبَغِیْ الْاِفْتَاءُ بِالْمَنْعِ لِاَنَّ دَفْعَ مَضَرَّةٍ اَوْلیٰ مِنْ جَلْبِ مَنْفَعَةٍ فَکَیْفَ لَا یَکُوْنُ اَوْلیٰ مِنْ فَعْلِ اَمْرٍ مَبَاحٍ عَلیٰ اَنَّ الْمُصَافِحِیْنَ فِیْ زَمَانِنَا یَظُنُّوْنَهٗ اَمْرًا حَسَنًا وَیُشَنِّعُوْنَ عَلیٰ مَانِعِهٖ تَشْنِیْعًا بَلِیْغًا وَیُصِرُّوْنَ عَلَیْهِ اِصْرَارًا شَدِیْدًا وَقَدْ مَرَّ اَنَّ الْاِصْرَارَ عَلَی الْمَنْدُوْبِ یُبَلِّغُهٗ اِلٰی حَدِّ الْکَرَاهَةِ فَکَیْفَ اِصْرَارُ الْبِدْعَةِ الَّتِیْ لَا اَصْلَ لَهَا فِی الشَّرْعِ وَعَلیٰ هٰذَا فَلَا شَکَّ فِی الْکَرَاهَةِ وَهٰذَا هُوَ غَرْضُ مَنْ اَفْتیٰ بِالْکَرَاهَةِ مَعَ اَنَّ الْکَرَاهَةَ اِنَّمَا نَقَلَهَا مَنْ نَقَلَهَا مِنْ عِبَارَاتِ الْمُتَقَدِّمِیْنَ وَالْمُحَقِّقِیْنَ ، فَلَا یُوَازِیْهَا رِوَایَاتُ مِثْلِ صَاحِبِ مَجْمَعِ الْبَرَکَاتِ وَالسِّرَاجِ الْمُنِیْرِ وَمَطَالِبِ الْمُؤْمِنِیْنَ فَاِنَّ تَسَاهُلَ مُصَنِّفِیْهَا فِیْ تَحَقُّقِ الرِّوَایَاتِ اَمْرٌ مَشْرُوْعٌ وَجَمْعُهُمْ کُلَّ رَطْبٍ وَّیَابِسٍ مَعْلُوْمٌ عِنْدَ الْجُمْهُوْرِ (السعایة فی کشف ما فی شرح الوقایة) [1]

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس مصافحہ کی شریعت میں کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہے، پھر اُن کا اس مصافحہ کے مکروہ اور مباح ہونے میں اختلاف ہے؛ اور معاملہ کراہت اور اباحت کے درمیان دائر ہے، تو اس کے ممنوع ہونے کا فتویٰ دینا مناسب ہے کیونکہ مضرت کو دُور کرنا اولیٰ ہے منفعت کو حاصل کرنے سے؛ پس مباح کام کرنے سے اولیٰ کیونکر نہیں ہوگا باوجودیکہ ہمارے زمانے میں یہ مصافحہ کرنے والے اس مصافحہ کو اچھا کام سمجھتے ہیں اور اس کے منع کرنے والے پر سخت طعن و تشنیع کرتے ہیں اور اس پر سخت اصرار کرتے ہیں اور یہ بات گزر چکی ہے کہ مندوب و مستحب کام پر اصرار کرنا اسے مکروہ کی حد تک

---

[1] جلد ۲ صفحہ ۲۶۵، باب صفة الصلاة، قبیل فصل فی القراءة.

پہنچا دیتا ہے پس ایسی بدعت پر اصرار کرنا کیونکر درست ہوگا جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں اوراس کی وجہ سے اس کے مکروہ ہونے میں کوئی شک نہیں اور یہی مکروہ ہونے کا فتویٰ دینے والوں کی غرض ہے، باوجودیکہ اس مصافحہ کے مکروہ ہونے کو جس نے بھی نقل کیا ہے، اس نے متقدمین اور محققین کی عبارات کے حوالے سے نقل کیا ہے، تو صاحبِ مجمع البرکات اور سراجِ منیر اور مطالبِ مؤمنین کی روایات اس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں اس لیے کہ ان کتابوں کے مصنفین کا روایات کی تحقیق میں تساہل اختیار کرنا ایک مشہور معاملہ ہے اوران کا ہر رطب ویابس کا جمع کرنا جمہور کے نزدیک مشہور ہے (ترجمہ ختم)

اور فیض الباری شرح بخاری میں ہے کہ:

بِخِلافِ الْمُصَافَحَةِ فِی الْعِيْدَيْنِ فَإِنَّهَا لَمْ تَثْبُتْ فِی الْجِنْسِ أَيْضًا، نَعَمْ ثَبَتَتْ عِنْدَ اللِّقَآءِ فَقَطْ. وَتِلْکَ فُرُوْقٌ أَدَقُّ مِنَ الشَّعَرِ، يُرَاعِيْهَا الْمُتَطَلِّبُ لِسُنَّةِ نَبِيِّهٖ أَمَّا مَنْ اِتَّبَعَ الْهَوٰی وَلَمْ يُوَفَّقْ لِلْفَرْقِ بَيْنَ الضَّلَالَةِ وَالْهُدٰی فَقَدْ غَوٰی (فیض الباری شرح البخاری، باب الرکعتین قبل الظهر)

ترجمہ: برخلاف عیدین میں مصافحہ کے کہ یہ عیدین کی جنس سے ثابت نہیں، البتہ صرف ملاقات کے وقت ثابت ہے، اور یہ فروق بال سے زیادہ باریک ہیں، ان کی رعایت وہی شخص کرسکتا ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی خوب طلب رکھنے والا ہو، اور جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے، جو خواہش کی پیروی کرتا ہے، اور اس کو ضلالت اور ہدایت کے درمیان فرق کی توفیق حاصل نہیں ہوئی، تو وہ گمراہ ہے (ترجمہ ختم)

اور عونُ المعبود میں ہے کہ:

قُلْتُ : وَکَذَا الْمُصَافَحَةُ وَالْمُعَانَقَةُ بَعْدَ صَلَاةِ الْعِيْدَيْنِ مِنَ الْبِدَعِ

اَلْمَذْمُوْمَةِ الْمُخَالِفَةِ لِلشَّرْعِ (عون المعبود) ۱؎

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ اسی طرح سے عید کی نماز کے بعد مصافحہ اور معانقہ مذموم بدعت ہے، جو شریعت کے مخالف ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

عیدین میں معانقہ کرنا بدعت ہے (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۱۴۰، کتاب البدعات) ۲؎

اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

عیدین اور جمعہ میں جو لوگ محض رسم جان کر مصافحہ یا معانقہ کیا کرتے ہیں، کہیں ثابت نہیں اور عیدین اور جمعہ کو کوئی دخل نہیں اس لیے یہ رسم بدعت ہے، اس کو ترک کر دینا چاہیے (خطباتِ حکیم الامت، بعنوان "حقوق وفرائض" جلد ۴ صفحہ ۴۳۱، وعظ "حقوق المعاشرت") ۳؎

۱؎ ج ۱۴ ص ۸۲، کتاب الادب، باب المصافحة، دار الكتب العلمية، بيروت.

۲؎ نیز ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

معانقہ ومصافحہ بوجہ تخصیص کے اس روز میں اس کو موجبِ سرور اور باعثِ مودت (یعنی خوشی ومحبت کا ذریعہ) اور ایام سے زیادہ مثل ضروری کے جانتے ہیں بدعت ہے اور مکروہ تحریمی ہے اور علی الاطلاق (بوقتِ ملاقات) ہر روز مصافحہ کرنا سنت ہے، ایسا ہی بشرائطِ خود (یعنی ملاقات کے پائے جانے پر) یوم العید کے ہے اور علیٰ ہذا معانقہ جیسا بشرائط خود (یعنی سفر سے آمد پر) دیگر ایام میں ہے ویسا ہی یوم عید کے ہے کوئی تخصیص اپنی رائے سے کرنا بدعتِ ضلالہ ہے (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۱۰۲، کتاب البدعات)

۳؎ اور ایک مقام پر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قاعدہ کلیہ ہے کہ عبادات میں حضرت شارع علیہ السلام نے جو ہیئت وکیفیت معین فرمادی ہے اس میں تغیر وتبدل جائز نہیں اور مصافحہ چونکہ سنت ہے اس لئے عبادات میں سے ہے توحسبِ قاعدہ مذکورہ اس میں ہیئت وکیفیتِ منقولہ سے تجاوز جائز نہ ہوگا، اور شارع علیہ السلام سے صرف اولِ لقاء کے وقت بالاجماع، یا وِداع کے وقت بھی علی الاختلاف منقول ہے، وبس، اب اس کے لئے ان دو وقتوں کے سوا اور کوئی محل وموقع تجویز کرنا تغییرِ عبادت کرنا ہے، جو ممنوع ہے، لہٰذا مصافحہ بعد عیدین یا بعد نماز پنج گانہ مکروہ وبدعت ہے، شامی میں اس کی تصریح موجود ہے (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۴۸۱)

نیز ایک مقام پر فارسی زبان میں ایک سوال کا جواب تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

عیدین میں معانقہ کرنا یا عید کی تخصیص سمجھ کر کرنا شرعی نہیں بلکہ محض ایک رسم ہے

(کفایت المفتی مع عنوانات جلد سوم صفحہ ۳۰۲، کتاب الصلاۃ، چھٹا باب نمازِ عیدین) [1]

اور حضرت مولانا مفتی ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

عید کی نماز کے بعد مصافحہ کا رواج بدعت ہے (امداد الاحکام ج ا ص ۱۸۸)

اور حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ بعد نمازِ عید آپس میں معانقہ اور مصافحہ کرتے ہیں اور اس کو ضروری خیال کرتے ہیں یہ بالکل بدعت ہے، ہاں جو لوگ باہر کے آئے ہیں اگر اُن میں سے بوجہ ملاقات کے مثل اور ایام کے معانقہ یا مصافحہ کیا جاوے تو کچھ حرج نہیں (بارہ مہینوں کے فضائل واحکام صفحہ ۵۳)

اور امداد المفتین میں ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مصافحہ کردن مطلقاً سنت است بوقتے خاص مخصوص نیست، پس تخصیصِ آں بروز جمعہ وعیدین وبعد نماز پنجگانہ وتراویح بے اصل است؛ ہاں اگر درہمیں اوقات بکسے بعد مدتے ملاقات شود باو مصافحہ کردن مضائقہ ندارد؛ نہ ایں کہ از خانہ یا مسجد یا عیدگاہ ہمراہ آیند وپس از نماز مصافحہ ومعانقہ کنند (امداد الفتاویٰ جلد پنجم صفحہ ۲۶۰، کتاب البدعات)

ترجمہ: مصافحہ کرنا مطلق (ملاقات کی) سنت ہے، کسی خاص وقت (صبح، شام، یا کسی دن) کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، لہٰذا اسے جمعہ اور عیدین کے دنوں کے ساتھ اور نمازِ پنجگانہ اور تراویح کے بعد خاص کرنا بے بنیاد ہے، البتہ اگر انہیں اوقات میں کسی کے ساتھ ایک مدت بعد ملاقات ہو تو اس کے ساتھ مصافحہ کرنے میں حرج نہیں؛ نہ یہ کہ گھر سے یا مسجد سے یا عیدگاہ سے ایک ساتھ آئیں اور نماز کے بعد مصافحہ اور معانقہ کرنے لگ جائیں (ترجمہ ختم)

[1] اور ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

عیدین کی تخصیص سے بعد نمازِ عید مصافحہ ومعانقہ کرنا بدعت ہے (کفایت المفتی، ج ۹ ص ۴۴، الحظر والاباحۃ)

عیدین یا جمعہ کی تخصیص سے مصافحہ ومعانقہ کرنا کئی وجہ سے مکروہ اور بدعت ہے۔ اوّل یہ کہ بسا اوقات یہ تخصیص جہلا کے فسادِ اعتقاد کا باعث ہوجاتی ہے۔ دوم یہ کہ یہ طریقہ روافض کا تھا کہ بعد نماز مصافحہ کرتے تھے اور آج ہمارے زمانے میں علاوہ مشابہت بالروافض کے مشابہت بالہنود بھی ہے کہ وہ اپنی ہولی کے روز ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں۔ سوم یہ کہ مصافحہ کا مسنون وقت وقتِ ملاقات ہے (ایضاً صفحہ ۴۶)

یہ بدعت ہے اور شعائر روافض ہے ترک کرنا چاہئے (امداد المفتین ص ۲۰۳، کتاب السنۃ والبدعۃ)

اور عزیز الفتاوی میں ہے کہ:

نمازِ عیدین یا دیگر نمازوں کے بعد تخصیص مصافحہ کی کرنا اور اسی وقتِ خاص میں اس کو سنت جاننا اور معمول بہ ٹھہرانا بعض فقہاء نے منع لکھا ہے (عزیز الفتاوی صفحہ ۱۲۸، کتاب السنۃ والبدعۃ)

اور فتاویٰ محمودیہ میں ہے کہ:

عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ کا طریقہ مروّجہ بدعت ہے، اس کا ثبوت نہیں ہے

(فتاویٰ محمودیہ جلد سوم صفحہ ۱۴۶، مبوب: جامعہ فاروقیہ کراچی) [۱]

اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

یہ طریقہ اختیار کرنا بدعت اور مکروہ ہے .... بدعت یا کسی گناہ کا ارتکاب کسی مصلحت کے پیشِ نظر کسی مصلحت کے تحت ہرگز جائز نہیں البتہ دوسروں کو منع کرنا اس وقت ضروری ہے جبکہ قبول کی اُمید ہو، ورنہ نہی عن المنکر ضروری نہیں؛ غرضیکہ خود نمازِ عید کے بعد کسی سے معانقہ ومصافحہ نہ کرے، ہاں اگر کسی سے ملاقات ہی بعد نماز کے ہوئی ہو تو اس سے جائز ہے مگر تشبہ بالبدعۃ اور اس کی تائید کا ذریعہ ہونے سے اس سے بھی اجتناب کرنا چاہیے (احسن الفتاویٰ جلد ۱ صفحہ ۳۵۴، ملخصاً)

اور فتاویٰ رحیمیہ میں ہے کہ:

---

[۱] اور ایک مقام پر ہے کہ:

بعض جگہ عید کے مصافحہ کرنے کا جو رواج ہے، یہ ٹھیک نہیں ہے؛ یہ بدعت اور مکروہ ہے (ایضاً ص ۱۴۶)

اور ایک اور مقام پر ہے کہ:

عیدین کا معانقہ روافض کا شعار ہے، اس سے پورا پرہیز کیا جائے، دل میں کینہ اور حسد رکھتے ہوئے محض عید کو معانقہ کر لینے سے ہرگز سینہ صاف نہیں ہوگا (ایضاً صفحہ ۱۴۸)

اور ایک مقام پر ہے کہ:

عید کا مصافحہ ومعانقہ بدعت ہے (فتاویٰ محمودیہ جلد ہشتم، صفحہ ۴۶۴)

عید کی نماز کے بعد ملنا اور معانقہ ومصافحہ کرنا کوئی امر مسنون نہیں ہے لوگوں کی اختراعات اور بدعات میں سے ہے، احادیث میں جہاں تک معلوم ہے اس کا پتہ نہیں چلتا، غیبوبت کے بعد مصافحہ اور طویل غیبوبت پر معانقہ ثابت ہے، مگر عید کی نماز کے بعد ان کا ثبوت نہیں ہے، یہاں یہ حالت ہے کہ وہ رفقاء جو نماز میں شریک بلکہ برابر کھڑے تھے، سلام اور خطبہ کے بعد معانق ہوتے (یعنی گلے ملتے) ہیں اور اس کو امرِ دینی سمجھتے ہیں، اس لیے یہ غلط چیز ہے (مکتوباتِ شیخ الاسلام ج ا م ۹۶ ص ۳۰۷، ۳۰۸)

(فتاویٰ رحیمیہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۲، کتاب السنۃ والبدعۃ) (کذا فی فتاویٰ شیخ الاسلام صفحہ ۱۶۸)

اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ:

عیدین کے بعد معانقہ کو سنت سمجھا جانے لگا ہے، حالانکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اس لئے علماء نے اس کو بدعت قرار دیا ہے اور اس سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے (فتاویٰ عثمانی جلد ا صفحہ ۱۱۶، کتاب السنۃ والبدعۃ)

اور حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں اس لئے اس کو دین کی بات سمجھنا بدعت ہے لوگ اس دن گلے ملنے کو ایسا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی اس رواج پر عمل نہ کرے تو اس کو برا سمجھتے ہیں اس لئے یہ رسم لائقِ ترک ہے (آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۷ ص ۲۶۸) [1]

---

[1] اور ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

شریعت نے باہر سے آنے والے کے لئے سلام اور مصافحہ مسنون ٹھہرایا ہے، مگر مجلس میں بیٹھے بیٹھے لوگ اچانک ایک دوسرے سے مصافحہ ومعانقہ کرنے لگیں، سلفِ صالحین میں اس لغو حرکت کا رواج نہیں تھا۔ بعد میں نہ جانے کس مصلحت کی بناء پر بعض لوگوں میں فجر، عصر عیدین اور دوسری نمازوں کے بعد مصافحہ کا رواج چل نکلا، جس پر علمائے اہلِ سنت کو اس کے ''بدعت'' ہونے کا فتویٰ دینا پڑا (اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم صفحہ ۱۰۷)

اور بھی متعدد حضرات نے عیدین کے دن مصافحہ ومعانقہ کے بارے میں یہی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ [۱]

---

[۱] چنانچہ مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب بلند شہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

مصافحہ بڑے ثواب کی چیز ہے، اور ملاقات کی سنت ہے نہ کہ عید کی؛ اس کو کسی خاص وقت کے لیے مقرر کرنا اور عمل سے فرض وواجب کا درجہ دینا صحیح نہیں (تحفۂ خواتین صفحہ ۷۵، کتاب الایمان والعقائد)

اور خیرُ الفتاویٰ میں ہے کہ:

عیدین یا دوسری نمازوں کے بعد مصافحہ یا معانقہ کرنا بدعت ہے (خیر الفتاویٰ جلد ۱ صفحہ ۵۶۹، ما یتعلق بالسنۃ والبدعۃ)

اور فتاویٰ مفتی محمود میں ہے کہ:

اگر عید کے بعد مصافحہ کرنے کو عوام دین کا ایک ضروری کام یا مسنون جانتے ہوں یا ہوتے ہوتے اس کا اندیشہ ہو تب تو بدعتِ مکروہ ہے اور اس سے اجتناب ضروری ہے (فتاویٰ مفتی محمود، جلد دوم صفحہ ۵۱۳، باب فی احکام العیدین)

لیکن فتاویٰ مفتی محمود میں یہ بھی ہے کہ:

اور اگر عوام دین کا ایک ضروری کام سمجھ کر نہ کرتے ہوں اور نہ اس کو مسنون جان کر کرتے ہوں بلکہ ویسے ہی خوشی کے دن مزید مسرت اور ما بین الفت ومودت پیدا کرنے کی خاطر کرتے ہوں تب یہ عمل بدعت مباحہ شمار ہوگا، اور رحمت ایزدی سے امید ہے کہ تب مؤاخذہ نہ فرمائیں گے کیونکہ بدعت شنیعہ کی تعریف میں یہ داخل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ علامہ شامی اور صاحبِ درمختار عید کے دن عید مبارک باد کے کلمہ کے استعمال کو جائز قرار دیتے ہیں (فتاویٰ مفتی محمود جلد دوم صفحہ ۵۱۳، باب فی احکام العیدین)

مگر اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اوّلاً تو آج کل عیدین کے مصافحے ومعانقے پر التزام ہوتا ہے؛ دوسرے عید کی تخصیص کے حوالے سے شرعاً اس کا ثبوت بھی نہیں اور مطلق کو مقید کرنا ویسے ہی ممنوع ہے؛ اور کسی منکر عمل سے حقیقی اُلفت ومودّت پیدا ہونے کی توقع رکھنا درست نہیں، نیز اس کو عید کی مبارک باد پر قیاس کرنا بھی قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ عید کی مبارک باد روایات وآثار سے ثابت اور فی الجملہ مشروع ہے جبکہ عید کے دن کی تخصیص کے ساتھ مصافحے ومعانقے کا کوئی ثبوت نہیں۔

چنانچہ دونوں میں فرق علامہ ابنِ حجر ہیتمی کے حوالہ سے گزر چکا ہے اور حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''عید مبارک'' کہنا درست ہے، فقہاء نے لکھا ہے، باقی مصافحہ سو اول ملاقات کے وقت تو اتفاقاً اور وداع کے وقت اختلافاً مشروع ہے، اور عید کا مصافحہ ان دونوں سے الگ ہے، اس لیے بدعت ہے اور معانقہ اور بھی قبیح؛ لوگوں کی پھر حالت ہے کہ نمازِ عید سے پیشتر تو باتیں کر رہے تھے، نماز ختم ہوئی اور مصافحہ کرنے لگے (ملفوظاتِ حکیم الامت جلد ۱۹، صفحہ ۹۴)

اور فتاویٰ حقانیہ میں ہے کہ:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہرحال عید کے دن مصافحہ ومعانقہ کا یہ عمل خواہ فوراً نماز کے بعد کیا جائے یا کچھ بعد میں اور مسجد میں یہ عمل کیا جائے یا مسجد سے باہر اور خواہ کسی کے ساتھ ایک مرتبہ معانقہ کیا جائے یا تین تین مرتبہ اور خواہ اس کو خوشی یا سنت کا نام دیا جائے یا کچھ اور بہرحال جب تک عید کے ساتھ اس کی تخصیص یا عملی واعتقادی التزام باقی ہے اس وقت تک اس وجہ سے ممانعت بھی باقی ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ عید کے دن کا خوشی کا دن ہونا اور اس دن میں عید کی نماز کے لئے مسلمانوں کا جمع اور اکٹھا ہونا اور ہر وقت ایک دوسرے مسلمان کی دل میں محبت کا مطلوب ہونا نبی کریم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اگر مصافحہ کرنے میں التزام مالا یلزم ہو تو ممنوع ہے، ورنہ نہیں؛ تاہم نہ کرنا بہتر ہے (فتاویٰ حقانیہ جلد دوم صفحہ ۵۴، کتاب البدعۃ والرسوم)

ملحوظ رہے کہ فقہائے کرام نے یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ مباح عمل میں اگر بدعت کی آمیزش ہوجائے یا اس کو سنت سمجھا جانے لگے تو اس کا کرنا جائز نہیں رہتا (ملاحظہ ہو، اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم صفحہ ۱۱۸)

جبکہ بعض حضرات نے اس مصافحہ کو سرے سے ہی بدعت قرار دیا ہے نہ کہ مباح، چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اگر اس مصافحہ کو جائز رکھ کر اس کے دوام کو بدعت کہتے تو یہ شبہ صحیح تھا، خود اس مصافحہ کو بدعت کہتے ہیں اس لیے کہ غیر محل مشروع میں ہے، کیونکہ اس کا محل اوّل لقاء ہے اتفاقاً یا وداع بھی ہے اختلافاً؛ اور یہاں صرف صلاۃ (یا یومِ عید۔ناقل) کی وجہ سے کیا جاتا ہے جو کہ غیر ہے محلِ مشروع کا، اس لیے بدعت ہے...... البتہ اگر مصافحہ بعد الصلاۃ (یا فی یوم العید۔ناقل) ثابت ہوتا اور پھر اس کے دوام کو منع کیا جاتا تو وجہ فرق پوچھنا صحیح ہوتا اور اگر علاوہ مصافحہ کے یہی فرق ایسے اعمال میں پوچھا جاوے جن کی اصل ثابت ہے تو وہاں یہ جواب ہوگا کہ دوام کو منع نہیں کیا جاتا بلکہ التزامِ اعتقادی یا عملی کو منع کیا جاتا ہے، التزامِ اعتقادی یہ کہ اس کو ضروری سمجھیں اور التزامِ عملی یہ کہ اس کے ترک پر ملامت کریں (امداد الفتاویٰ جلد ۵ صفحہ ۳۰۷ و ۳۰۸)

التزام مالا یلزم کی تعریف اس کے ترجمہ سے ظاہر ہے، البتہ اس کی دو قسمیں ہیں؛ اگر اس کو اعتقاد میں دین سمجھا جاتا ہے تو وہ اقبح ہے، اور اگر دین نہیں سمجھا جاتا مگر پابندی ایسی کی جاتی ہے جیسے ضروریاتِ دین کی تو وہ بھی قبیح ہے گو قسمِ اول کے برابر قبیح نہیں (ایضاً صفحہ ۳۲۵)

التزام سے مراد مطلق التزام نہیں، بلکہ وہ مراد ہے جس کے ترک کو عیب اور موجبِ ملامت ولعن طعن سمجھا جائے (ایضاً صفحہ ۳۳۰)

صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے چلا آ رہا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عید کے دن کے اعمال قرآن وسنت اور فقہ میں محفوظ ہیں لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اس مروجہ رسم کا عید کی تخصیص کے حوالہ سے کسی درجہ میں ثبوت نہیں ملتا۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ جس طرح نماز کے بعد کی تخصیص مصافحہ کے لئے منع ہے اسی طرح عیدین کے دن کی تخصیص بھی منع ہے کیونکہ دونوں جگہ اصل علت ''وَضْعُ الشَّيْءِ فِي غَيْرِ مَحَلِّهٖ'' یعنی اس عمل کو غیر محل میں کرنا ہے اس کے علاوہ اس قسم کی اور دوسری تاویلات بھی جو کی جاتی ہیں وہ شرعی اور فقہی نقطۂ نظر سے معقول معلوم نہیں ہوتیں۔

خلاصہ یہ کہ عید کے دن مصافحہ ومعانقہ کرنا عید کے دن یا عید کی نماز کی سنت، اور خاص عید کے دن یا عید کی نماز کی وجہ سے ثواب کی چیز نہیں، مصافحہ ملاقات کی اور معانقہ سفر سے آمد کی سنت ہے، لہٰذا ملاقات وسفر کے بغیر عید کے دن یا عید کی نماز کے بعد اس کا اہتمام والتزام کرنا درست نہیں، اس سے بچنا چاہیے، لیکن اگر کوئی خود سے بچنے کا اہتمام کرے، اور خود سے پیش قدمی نہ کرے، پھر بھی کوئی دوسرا خود سے پیش قدمی کرے، اور اس کو سمجھانے سے فتنہ کا اندیشہ ہو، تو اس کے ساتھ جھگڑنے کے بجائے اس وقت اس کو کرنے دیا جائے، اور پھر کسی وقت حکمت سے اس کو سمجھا اور بتلا دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عید کی مبارک باد

عید کی مبارک باد دینے کا شرعی حکم کیا ہے؟

اس سلسلہ میں اہلِ علم حضرات کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔

بعض حضرات اس کو ایک جائز ومباح کام قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ ایک دعائیہ کلمہ ہے۔

اور بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ خود سے مبارک بادی نہ دے، اور اگر کوئی دوسرا مبارک بادی دے تو اس کے جواب میں مبارک دے دے۔

اور بعض حضرات اس کو مکروہ عمل قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ یہودیوں کا طریقہ ہے۔

اور بعض حضرات اس کو بدعت قرار دیتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ قرآن وسنت اور شرعی دلائل سے ثابت نہیں۔

جبکہ بعض حضرات فی نفسہٖ اس کو مستحب عمل قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ دعا ہے اور ایک مؤمن کا اپنے مؤمن بھائی کو دعا دینا مستحب ہے جبکہ اس کے ساتھ کوئی خرابی شامل نہ ہو اور صحابہ وتابعین کے کئی اقوال وافعال سے عید کی مبارک باد ثابت ہے۔ [۱]

---

[۱] عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ قَالَ :لَقِيتُ وَاثِلَةَ بْنَ الْأَسْقَعِ فِي يَوْمِ عِيدٍ ,فَقُلْتُ :تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْکَ ,فَقَالَ " :نَعَمْ، تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْکَ , "قَالَ وَاثِلَةُ " :لَقِيتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عِيدٍ فَقُلْتُ :تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْکَ ,قَالَ " :نَعَمْ ,تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْکَ(السنن الکبرى للبيهقي، حديث نمبر ۶۲۹۴)

حَدَّثَنِي حَبِيبُ بْنُ عُمَرَ الْأَنْصَارِيُّ، أَخْبَرَنِي أَبِي قَالَ " :لَقِيتُ وَاثِلَةَ يَوْمَ عِيدٍ فَقُلْتُ :تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْکَ فَقَالَ :نَعَمْ، تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْکَ(المعجم الکبير للطبرانی، حديث نمبر ۱۲۳)

حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ الْبَزَّازُ، عَنْ أَدْهَمَ، مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ، قَالَ " :كُنَّا نَقُولُ لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ فِي الْعِيدَيْنِ :تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْکَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، فَيَرُدُّ عَلَيْنَا وَلَا يُنْكِرُ ذَلِکَ عَلَيْنَا(شعب الإيمان للبيهقي، حديث نمبر ۳۴۴۶)

عن راشد بن سعد ، أن أبا أمامة الباهلی ، وواثلة بن الأسقع ، رضی الله عنهما لقياه فی يوم عيد فقالا : تقبل الله منا ومنک(الدعاء للطبرانی، حديث نمبر ۸۵۴)

ذكره من طريق محمد بن ابراهيم الشامی عن بقية ثم قال (قال أبو احمد بن عدی هذا منكر لا اعلم يرويه عن بقية غير محمد بن ابراهيم هذا) ثم قال البيهقی (رأيته باسناد آخر عن بقية موقوفا ولا اراه محفوظ)قلت فی هذا الباب حديث جيد

اغفله البيهقی وهو حديث محمد بن زياد قال كنت مع ابی امامة الباهلی وغيره من اصحاب النبی صلی الله عليه و سلم فكانوا إذا رجعوا يقول بعضهم لبعض تقبل الله منا ومنک قال احمد بن حنبل اسناده اسناد جيد (الجوهر النقی لابن الترکمانی، ج۳ص ۳۱۹،۳۲۰،باب قول الناس فی العيد تقبل الله منا ومنک)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سلسلہ میں راجح یہی آخری قول ہے کہ فی نفسہٖ یہ جائز بلکہ مستحب عمل ہے، لہٰذا اگر عید کی مبارک باد خرابیوں سے خالی ہو، نہ اس کو فرض، واجب سمجھا جائے اور نہ اس کے ساتھ فرض، واجب والا معاملہ کیا جائے اور جو اس کا اہتمام نہ کرے اس کو برا بھلا اور معیوب نہ کہا و سمجھا جائے تو عید کی مبارک باد نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ مستحب اور ثواب ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقد روی بن عدی من حديث واثلة أنه لقی رسول الله صلی الله عليه وسلم يوم عيد فقال تقبل الله منا ومنک فقال نعم تقبل الله منا ومنک وفی إسناده محمد بن إبراهيم الشامی وهو ضعيف وقد تفرد به مرفوعا وخولف فيه فروی البيهقی من حديث عبادة بن الصامت أنه سأل رسول الله صلی الله عليه وسلم عن ذلک فقال ذلک فعل أهل الكتابين وإسناده ضعيف أيضا وكأنه أراد أنه لم يصح فيه شیء وروينا فی المحامليات بإسناد حسن عن جبير بن نفير قال كان أصحاب رسول الله صلی الله عليه وسلم إذا التقوا يوم العيد يقول بعضهم لبعض تقبل الله منا ومنک(فتح الباری لابنِ حجر، ج ۲ ص ۴۴۶،قوله باب سنة العيدين لأهل الإسلام)

ل علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے ''مبارک بادی'' کے ثبوت پر ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے، جس کا نام ہے ''وصول الامانی باصول التهانی'' ۔علامہ سیوطی رحمہ اللہ اس رسالے میں عید کے موقعہ پر مبارک بادی کے ثبوت پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

> اخرج الطبرانی فی الكبير ،وزاهر بن طاهر فی تحفة عيد الاضحیٰ عن حبيب بن عمر الانصاری قال: حدثنی أبی قال :لقيت واثلة رضی الله عنه يوم عيد فقلت :تقبل الله منا ومنک ،فقال: تقبل الله منا ومنک .وأخرج الأصبهانی فی الترغيب عن صفوان بن عمرو السكسكی قال: سمعت عبد الله بن بشر ،وعبدالرحمن بن عائذ ،وجبير بن نفير، وخالد بن معدان يقال لهم فی أيام الأعياد:تقبل الله منا ومنكم ويقولون ذالک لغيرهم. وأخرج الطبرانی فی الدعاء ،والبيهقی عن راشد بن سعد أن أباأمامة ،وواثلة لقياه فی يوم عيد فقالا:تقبل الله منا ومنک .وأخرج زاهر بن طاهر فی كتاب تحفة عيد الفطر، وأبوأحمد الفرضی فی مشيخته بسند حسن عن جبير بن نفير قال: كان أصحاب رسول الله ﷺ اذاالتقوايوم العيد يقول بعضهم لبعض :تقبل الله منا ومنكم .وأخرج زاهر أيضاً بسند حسن عن محمد بن زياد الألهانی قال :رأيت أباأمامة الباهلی يقول فی العيد لأصحابه :تقبل الله منا ومنكم .وأخرج البيهقی من طريق أدهم مولی عمر بن عبد العزيز قال: كنا نقول لعمر بن عبد العزيز فی العيدين :تقبل الله منا ومنک يا أمير المؤمنين فيرد علينا مثله ولاينكر ذالک ،وأخرج الطبرانی فی الدعاء عن شعبة بن الحجاج قال: لقيت يونس بن عبيد فقلت :تقبل الله منا ومنک فقال لی مثله . وأخرج الطبرانی فی الدعاء من طريق حوشب بن عقيل قال: لقيت الحسن البصری فی يوم عيد فقلت :تقبل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن اگر اس عمل کو حد سے آگے بڑھایا جاوے مثلاً اس کو فرض وواجب کی طرح ضروری سمجھا جائے، اور مبارک باد نہ دینے والے کو معیوب سمجھا جائے اور جو یہ عمل نہ کرے اس پر لعن طعن کیا جائے تو پھر یہ عمل ان خرابیوں کی وجہ سے مکروہ وممنوع ہو جائے گا۔

اور چونکہ بعض جگہ اس کو ضروری سمجھا جاتا ہے، اور اس پر ایسا التزام کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی اس پر عمل نہ کرے تو اُسے معیوب سمجھا جاتا ہے اور اس کے ساتھ مصافحہ یا معانقہ کو بھی ضروری سمجھا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس حالت میں اس کو ناجائز ہی قرار دیا جائے گا۔

ذیل میں چند حوالے جات اس سلسلہ میں پیش کیے جاتے ہیں:

(۱)......امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں ہے کہ:

سُئِلَ : هَلُ اَلتَّهُنِئَةُ فِی الْعِیُدِ وَمَا یَجُرِیُ عَلیٰ اَلْسِنَةِ النَّاسِ "عِیُدُکَ مُبَارَکٌ" وَمَا اَشُبَهَهُ هَلُ لَهُ اَصُلٌ فِی الشَّرِیُعَةِ اَمُ لَا ؟وَاِذَا کَانَ لَهُ اَصُلٌ فِی الشَّرِیُعَةِ، فَمَا الَّذِیُ یُقَالُ؟ اَفْتُوُنَا مَاجُوُرِیُنَ.

اَلْجَوَابُ: اَمَّا التَّهُنِئَةُ یَوُمَ الْعِیُدِ یَقُوُلُ بَعُضُهُمُ لِبَعُضٍ اِذَالَقِیَهُ بَعُدَ صَلاةِ الْعِیُدِ تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنُکُمُ وَاَحَالَهُ اللّٰهُ عَلَیُکَ وَنَحُوَ ذَالِکَ ، فَهٰذَا قَدُ رُوِیَ عَنُ طَائِفَةٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ اَنَّهُمُ کَانُوُا یَفُعَلُوُنَهُ وَرَخَّصَ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الله منا ومنک .وأخرج ابن حبان فی الثقات عن علی بن ثابت قال: سألت مالکاً عن قول الناس فی العید تقبل الله منا ومنک فقال: مازال الأمر عندنا کذالک. لکن أخرج ابن عساکر من حدیث عبادة ابن الصامت قال: سألت رسول الله ﷺ عن قول الناس فی العیدین تقبل الله منا ومنکم فقال" کذالک فعل أهل الکتابین" وکرهه وفی اسناده عبد الخالق بن خالد بن زید بن واقد الدمشقی قال فیه البخاری :منکر الحدیث، وقال أبوحاتم :ضعیف، وقال النسائی :لیس بثقة، وقال الدارقطنی :متروک، وقال أبونعیم : لاشیئ (الحاوی للفتاویٰ ،الجزء الاول، صفحه ۹۳و۹۴، کتاب الصلاة، التهنئة بالعید . مطبوعة:فاروقی کتب خانه ،ملتان)

فِيْهِ الْاَئِمَّةُ كَاَحْمَدَ وَغَيْرِهٖ لٰكِنْ قَالَ اَحْمَدُ: اَنَا لَا اَبْتَدِئُ اَحَدًافَاِنْ اِبْتَدَأَنِيْ اَحَدٌ اَجَبْتُهٗ ،وَذَالِكَ لِاَنَّ جَوَابَ التَّحِيَّةِ وَاجِبٌ وَاَمَّا الْاِبْتِدَاءُ بِالتَّهْنِئَةِ فَلَيْسَ سُنَّةً مَامُوْراً بِهَا وَلَا هُوَاَيْضًا مَانُهِيَ عَنْهُ فَمَنْ فَعَلَهٗ فَلَهٗ قُدْوَةٌ وَمَنْ تَرَكَهٗ فَلَهٗ قُدْوَةٌ .وَاللّٰهُ اَعْلَمُ(الفتاویٰ الکبریٰ لابن تیمیۃ) [1]

ترجمہ: (امام ابنِ تیمیہ سے) سوال کیا گیا کہ: کیا عید کے دن مبارک باد دینا اور وہ الفاظ جو عام طور پر لوگ استعمال کرتے ہیں، یعنی ''عید مبارک'' اور اس جیسے دوسرے الفاظ؛ کیا ان کی شریعت میں کوئی اصل ہے یا نہیں؟ اور اگر اس کی شریعت میں کوئی اصل ہے تو وہ کیا الفاظ ہیں؟ ہمیں اس پر فتویٰ دیجیے اور ثواب حاصل کیجیے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ: عید کے دن مبارک باد دینا کہ ایک دوسرے سے عید کی نماز کے بعد جب ملاقات کریں تو یوں کہیں کہ ''اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے اور آپ کی طرف سے قبول فرمائیں اور اللہ تعالیٰ اس کو آپ کے لیے بہتر کریں'' اور اس جیسے دوسرے الفاظ، تو یہ صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ وہ ایسا کیا کرتے تھے اور اس کی ائمۂ فقہاء مثلاً امام احمد (رحمہ اللہ) وغیرہ نے اجازت دی ہے۔

لیکن امام احمد (رحمہ اللہ) نے یہ بھی فرمایا کہ میں کسی کے ساتھ اس کی ابتداء نہیں کرتا لیکن اگر کوئی میرے ساتھ ابتداء کرتا ہے تو میں اس کا جواب دیدیتا ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سلام کا جواب واجب ہے اور مبارک بادی کی ابتداء کرنا ایسی سنت نہیں ہے جس کا شریعت نے حکم دیا ہو اور نہ وہ ایسی چیز ہے کہ جس سے شریعت نے منع کیا ہو؛ لہٰذا جو شخص اس کو کرتا ہے اس کے لیے بھی دلیل موجود ہے اور جو

[1] جلد ۲ ص ۳۷۱، کتاب الصلاۃ، التهنئة فی العید، دار الکتب العلمیة، بیروت.

نہیں کرتا اس کے لیے بھی موجود ہے۔ واللہ اعلم (ترجمہ ختم)

(۲)......الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے کہ:

اَلتَّھْنِئَۃُ مُسْتَحَبَّۃٌ فِی الْجُمْلَۃِ لِاَنَّھَا مُشَارَکَۃٌ بِالتَّبْرِیْکِ وَالدُّعَاءِ مِنَ الْمُسْلِمِ لِاَخِیْہِ الْمُسْلِمِ فِیْمَا یَسُرُّہٗ وَیُرْضِیْہِ وَلِمَا فِیْ ذَالِکَ مِنَ التَّوَادِّ وَالتَّرَاحُمِ وَالتَّعَاطُفِ بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَقَدْ جَاءَ فِی الْقُرْآنِ الْکَرِیْمِ ،تَھْنِئَۃُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَایَنَالُوْنَ مِنْ نَعِیْمٍ ،وَذَالِکَ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی "کُلُوْا وَاشْرَبُوْا ھَنِیْئًا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ"

وَالتَّھْنِئَۃُ تَکُوْنُ بِکُلِّ مَایُسِرُّوَیُسْعِدُ مِمَّا یُوَافِقُ شَرْعَ اللہِ تَعَالٰی ،وَمِنْ ذَالِکَ اَلتَّھْنِئَۃُ بِالنِّکَاحِ ،وَالتَّھْنِئَۃُ بِالْمَوْلُوْدِ ،وَالتَّھْنِئَۃُ بِالْعِیْدِ وَالْاَعْوَامِ وَالْاَشْھُرِ وَالتَّھْنِئَۃُ بِالْقُدُوْمِ مِنَ السَّفَرِوَالتَّھْنِئَۃُ بِالْقُدُوْمِ مِنَ الْحَجِّ اَوِ الْعُمْرَۃِ وَالتَّھْنِئَۃُ بِالطَّعَامِ وَالتَّھْنِئَۃُ بِالْفَرَجِ بَعْدَ الشِّدَّۃِ ...... ذَھَبَ جَمْھُوْرُالْفُقَھَاءِ اِلٰی مَشْرُوْعِیَّۃِ التَّھْنِئَۃِ بِالْعِیْدِ مِنْ حَیْثُ الْجُمْلَۃِ (الموسوعة الفقهية ج۱۴،ص۹۷،مادہ تھنئة) [1]

---

[1] اور جمہور فقہاء کے اقوال کی تشریح کرتے ہوئے آگے الموسوعۃ الفقہیۃ میں مذکور ہے کہ:

فقال صاحب الدرالمختارمن الحنفية ان التهنئة بالعيد بلفظ "يتقبل الله منا ومنكم" لاتنكروعقب ابن عابدين على ذالك بقوله: انما قال اى صاحب الدرالمختار، كذالك لانه لم يحفظ فيهاشيئى عن ابى حنيفة واصحابه ، وقال المحقق ابن امير حاج: بل الأشبه انهاجائزةمستحبة فى الجملة ، ثم ساق آثارا باسانيد صحيحة عن الصحابة فى فعل ذلك ، ثم قال: و المتعامل فى البلاد الشامية و المصرية: عيد مبارك عليك ونحوه وقال : يمكن ان يلحق بذالك فى المشروعيةوالاستحباب لما بينهمامن التلازم ،فان من قبلت طاعته فى زمان كان ذالك الزمان عليه مباركا، على انه قد ورد الدعاء بالبركة فى امور شتى فيؤخذمنه استحباب الدعاء بها هناايضاً.

اما عند المالكية: فقدسئل الامام مالك عن قول الرجل لأخيه يوم العيد: تقبل اللهمنا ومنك يريد الصوم وفعل الخير الصادر فى رمضان، وغفراللهلنا ولك،فقال: ما اعرفه ولاانكره ،قال ابن حبيب : معناه لايعرفه سنة ولاينكره على من يقوله :لانه قول حسن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: مبارک بادی فی الجملۃ مستحب ہے، اس لیے کہ یہ برکت میں ایک دوسرے کو شریک کرنا ہے، اور ایک مسلمان کی طرف سے اُس کے مسلمان بھائی کے لیے اُس چیز میں دعا ہے جس چیز سے اُس کو خوشی حاصل ہو اور وہ جس چیز سے راضی ہو، اور ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کے درمیان محبت ورحمت اور ہمدردی کا پہلو پایا جاتا ہے، اور مؤمنین کا اُن نعمتوں پر مبارک باد دینا جو وہ جنت میں پائیں گے، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کے اس قول میں مذکور ہے کہ:

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

لانہ دعاء ، حتی قال الشیخ الشبیبی یجب الاتیان بہ لمایترتب علی ترکہ من الفتن والمقاطعۃ،ویدل لذلک ماقالوہ فی القیام لمن یقدم علیہ ، ومثلہ قول الناس لبعضھم فی الیوم المذکور : عید مبارک، واحیاکم اللہ لأمثالہ ، لا شک فی جواز کل ذالک بل لو قیل بوجوبہ لما بعد ، لان الناس مأمورون باظھار المودۃ والمحبۃ لبعضھم .

اما الشافعیۃ: فقد نقل الرملی عن القمولی قولہ : لم ار لاصحابنا کلاما فی التھنئۃ بالعید،والأعوام والاشھر کما یفعلہ الناس ، لکن نقل الحافظ المنذری عن الحافظ المقدسی انہ اجاب عن ذالک بان الناس لم یزالوا مختلفین فیہ ، والذی اراہ انہ مباح لاسنۃ فیہ ولابدعۃ ثم قال الرملی : وقال ابن حجر العسقلانی : انھا مشروعۃ ، واحتج لہ بان البیھقی عقد لذلک بابافقال : باب ما روی فی قول الناس بعضھم لبعض فی یوم العید : تقبل اللہ منا ومنک ، وساق ما ذکرہ من اخبار وآثار ضعیفۃ لکن مجموعھا یحتج بہ فی مثل ذلک ، ثم قال : ویحتج لعموم التھنئۃ لما یحدث من نعمۃ او یندفع من نقمۃ بمشروعیۃ سجود الشکر والتعزیۃ، وبما فی الصحیحین عن کعب بن مالک فی قصۃ توبتہ لما تخلف عن غزوۃ تبوک انہ لما بشر بقبول توبتہ ومضی الی النبی ﷺ قام الیہ طلحۃ بن عبیداللہ فھنّأہ، وکذالک نقل القلیوبی عن ابن حجر ان التھنئۃ بالاعیاد والشھور والاعوام مندوبۃ قال البیجوری:وھوالامعتمد.وجاء فی المغنی لابن قدامہ:قال احمد رحمہ اللہ :ولاباس ان یقول الرجل للرجل یوم العید:تقبل اللہ منا ومنک وقال حرب سئل احمد عن قول الناس فی العیدین تقبل اللہ منا ومنکم، قال:لاباس بہ،یرویہ اھل الشام عن ابی امامۃ،قیل:وواثلۃ بن الاسقع،قال نعم،قیل: فلاتکرہ ان یقال ھذایوم العید؟قال:لاوذکرابن عقیل فی تھنئۃ العید احادیث منھاان محمد بن زیاد قال: کنت مع ابی امامۃ الباھلی وغیرہ من اصحاب النبی ﷺ فکانوا اذارجعوا من العید یقول بعضھم لبعض:تقبل اللہ منا ومنک،وقال احمد:اسناد حدیث ابی امامۃ جید (الموسوعۃ الفقھیۃ ج۱۴ ص ۹۹تا۱۰۰ ،مادۃ تھنئۃ)

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (مرسلات آیت ۴۳)

اور مبارک بادی ہر اُس چیز کے ساتھ ہوتی ہے جو خوشی والی ہو اور نیک بخت ہو، اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہو (گناہ والا کام نہ ہو) اور اسی خوشی والی چیزوں میں سے نکاح کی مبارک باد بھی ہے اور بچے کی ولادت کی مبارک باد بھی ہے اور عید کی مبارک باد بھی ہے اور سال اور مہینوں کے آغاز کی مبارک باد بھی ہے اور سفر سے آنے کی مبارک باد بھی ہے اور حج وعمرے سے آنے کی مبارک باد بھی ہے اور کھانے کی مبارک باد بھی ہے اور پریشانی دُور ہونے کی مبارک باد بھی ہے .... جمہور فقہاء کے نزدیک عید کے موقعہ پر مبارک باد دینا مجموعی طور پر مشروع ہے (ترجمہ ختم)

(۳)......سلیمان بن محمد بجیرمی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

(قَوْلُهٗ تَقَبَّلَ اللّٰهُ الخ) قَضِيَّةُ هٰذَا اَنَّ هٰذَا مِنَ التَّهْنِئَةِ وَمِنْهُ اَعَادَهَا اللّٰهُ عَلَيْكُمْ بِخَيْرٍ وَالْمُرَادُ تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنْكُمْ صَلَاةَ الْعِيْدِ وَالْاَضْحٰى وَالْقِيَامَ (حاشية البجيرمي على الخطيب) [1]

ترجمہ: یہ الفاظ کہ "اللہ تعالیٰ آپ سے قبول فرمائے" ان الفاظ کا معاملہ یہ ہے کہ یہ مبارک بادی کے الفاظ ہیں (اور مستحب ہیں) اور مبارک بادی ہی کے الفاظ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو آپ کے لیے بھی لوٹائے خیر کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ آپ سے قبول فرمائے سے مراد یہ ہے کہ عیدین کی نماز اور تراویح وغیرہ قبول فرمائے (ترجمہ ختم)

(۴)......اور حلبی کبیر میں ہے کہ:

وَالْاَظْهَرُ اَنَّهٗ لَا بَأْسَ بِهٖ لِمَا فِيْهِ مِنَ الْاَثَرِ (حلبی کبیر) [2]

---

[1] ج ۲ ص ۲۲۶، فصل فی صلاۃ العیدین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت.

[2] صفحہ ۵۷۳، فروع فی صلاۃ العید، سہیل اکیڈمی، لاھور.

ترجمہ: اور راجح بات یہ ہے کہ عید کی مبارک باد میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اس بارے میں (بعض صحابۂ کرام کا) اثر وروایت موجود ہے (ترجمہ ختم)

(۵)......اور درِمختار اور البحر الرائق میں ہے کہ:

وَالتَّهْنِئَةُ بِقَوْلِهٖ تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكُمْ لَاتُنْكَرُ (البحرالرائق) [1]

ترجمہ: اور مبارک بادی دینا ان الفاظ میں کہ'' تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكُمْ '' کوئی بُری چیز نہیں (ترجمہ ختم)

(۶)......اور طحاوی علی المراقی میں ہے کہ:

وَالتَّهْنِئَةُ بِقَوْلِهٖ تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكُمْ لَاتُنْكَرُ بَلْ مُسْتَحَبَّةٌ لِوُرُوْدِ الْأَثَرِ بِهَا......قَوْلُ الرَّجُلِ لِصَاحِبِهٖ عِيْدٌ مُبَارَكٌ عَلَيْكَ وَنَحْوُهٗ وَيُمْكِنُ اَنْ يُلْحَقَ هٰذَااللَّفْظُ فِي الْجَوَازِ الْحَسَنِ وَاِسْتِحْبَابِهٖ لِمَا بَيْنَهُمَا مِنَ التَّلَازُمِ (طحطاوی علی المراقی ص ۲۸۹،باب احکام العیدین)

ترجمہ: اور عید کے دن مبارک باد دینا ان الفاظ میں کہ اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ کی طرف سے قبول فرمائے، اس کو ممنوع قرار نہیں دیا جائے گا بلکہ مستحب قرار دیا جائے گا......(اور کچھ آگے چل کر ہے)......

آدمی کا اپنے ساتھی کو یہ کہنا کہ آپ کو عید مبارک ہو یا اس سے ملتا جلتا لفظ ان الفاظ کے جائز اور مستحب ہونے میں وہی حکم ہے جو پہلے الفاظ کا گزرا کیونکہ دونوں ایک دوسرے کی طرح ہیں (ترجمہ ختم)

(۷)......اور حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''عید مبارک'' کہنا درست ہے، فقہاء نے لکھا ہے (حسن العزیز جلد۳ صفحہ۱۳۳، اشرف الاحکام صفحہ۲۰۵)

---

[1] ج۲ص ۱۷۱، کتاب الصلاۃ، باب العیدین، واللفظ لہٗ، الدرالمختار مع شرحہ رد المحتار جلد۲ صفحہ ۱۶۹، باب العیدین.

اور بھی کئی اہلِ علم حضرات نے یہی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ [1]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ راجح یہ ہے کہ عید کے موقع پر مبارکباد کہنے کا صحابۂ کرام سے ثبوت موجود ہے، جس کی وجہ سے یہ ناجائز نہیں، بلکہ مستحب عمل ہے، لیکن اس کو فرض وواجب کا درجہ نہیں دینا چاہیے۔

عورتوں کا عید کی نماز کے لئے جانا

آج کل بعض لوگوں میں عورتوں کے عید کی نماز کے لیے جانے نہ جانے کا مسئلہ زیرِ بحث آتا رہتا ہے، اور اس کا شرعی حکم معلوم کرنے کے متعلق سوالات کیے جاتے رہتے ہیں، اور بعض کتابوں میں اجمالی حکم مذکور ہونے سے تشویش رہتی ہے، اس لیے اس سلسلہ میں کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بعض شرائط کے ساتھ عورتوں کو نمازوں کے لئے مسجد میں اور عید کی نماز کے لئے عید گاہ میں آنے کی اجازت تھی۔

اور خواتین کا نماز کے لیے مساجد میں آنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عورتوں کو مساجد میں

---

[1] چنانچہ حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

عید کے روز باہم ایک دوسرے کو اس لفظ سے تہنیت دینا ''تَقَبَّلَ اللہُ مِنَّا وَمِنْکُمْ'' یا اس کے ہم مضمون لفظ سے جیسا ''عید مبارک'' وغیرہ، جائز اور فی الجملہ مستحب ہے بشرطیکہ بطورِ رسم کے پابندی کے ساتھ نہ ہو (بارہ مہینوں کے فضائل واحکام صفحہ ۵۳ مطبوعہ: ادارۂ اسلامیات، لاہور۔ تاریخِ طبع جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ)

اور فتاویٰ محمودیہ میں ہے کہ:

اس طرح مبارک باد دینا کہ ''تَقَبَّلَ اللہُ مِنَّا وَمِنْکُمْ'' درست ہے (فتاویٰ محمودیہ تبویبِ جدید جلد ۳، صفحہ ۱۴۸، باب البدعات والرسوم۔ مطبوعہ: جامعہ فاروقیہ کراچی)

اور خیر الفتاویٰ میں ہے کہ:

کوئی ضروری نہیں اور ضروری سمجھنا جائز بھی نہیں۔ اس عقیدے کے بغیر اگر کسی کو روزے مکمل کرنے کی مبارک باد دی جائے تو کوئی حرج بھی نہیں (خیر الفتاویٰ جلد ا صفحہ ۵۵۳، ما یتعلق بالسنۃ والبدعۃ)

آنے کی اجازت دینا اور اُن کو مساجد میں آنے سے منع نہ کرنا صحیح احادیث میں مذکور وموجود ہے۔ [1]

[1] عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :قَالَ عُمَرُ :قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ (مسند أبي يعلى، حديث نمبر ۱۵۴)

في حاشية مسند ابي يعلیٰ: إسناده صحيح.

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :إِذَا اسْتَأْذَنَتْ أَحَدَكُمُ امْرَأَتُهُ أَنْ تَأْتِيَ الْمَسْجِدَ، فَلَا يَمْنَعْهَا "قَالَ :وَكَانَتِ امْرَأَةُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ تُصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ، فَقَالَ لَهَا :إِنَّكِ لَتَعْلَمِينَ مَا أُحِبُّ فَقَالَتْ :وَاللهِ لَا أَنْتَهِي حَتَّى تَنْهَانِي قَالَ: فَطُعِنَ عُمَرُ وَإِنَّهَا لَفِي الْمَسْجِدِ(مسند أحمد، حديث نمبر ۴۵۲۲)

في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

عن عاتكة بنت زيد بن عمرو بن نفيل، امرأة عمر بن الخطاب؛ أنها كانت تستأذن عمر بن الخطاب إلى المسجد .فيسكت .فتقول :والله لأخرجن، إلا أن تمنعني .فلا يمنعها(مؤطاامام مالک، حديث نمبر ۶۷۲)

عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :كَانَتِ امْرَأَةٌ لِعُمَرَ تَشْهَدُ صَلَاةَ الصُّبْحِ وَالعِشَاءِ فِي الجَمَاعَةِ فِي المَسْجِدِ، فَقِيلَ لَهَا :لِمَ تَخْرُجِينَ وَقَدْ تَعْلَمِينَ أَنَّ عُمَرَ يَكْرَهُ ذَلِكَ وَيَغَارُ؟ قَالَتْ :وَمَا يَمْنَعُهُ أَنْ يَنْهَانِي؟ قَالَ :يَمْنَعُهُ قَوْلُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ(بخاری، حديث نمبر ۹۰۰)

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اگرچہ خواتین کے مسجد میں جانے کو پسند نہیں فرماتے تھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ ''خواتین کو مساجد میں جانے سے منع نہ کرو'' منع نہیں فرماتے تھے، اور آپ کا خواتین کو تنبیہ فرمانا بھی اسی صورت میں تھا، جبکہ خواتین شرائط کی پابندی نہ کریں۔

أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :لَا تَمْنَعُوا نِسَاءَكُمُ الْمَسَاجِدَ إِذَا اسْتَأْذَنَّكُمْ إِلَيْهَا قَالَ :فَقَالَ بِلَالُ بْنُ عَبْدِ اللهِ :وَاللهِ لَنَمْنَعُهُنَّ، قَالَ: فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللهِ :فَسَبَّهُ سَبًّا سَيِّئًا مَا سَمِعْتُهُ سَبَّهُ مِثْلَهُ قَطُّ وَقَالَ " :أُخْبِرُكَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُولُ :وَاللهِ لَنَمْنَعُهُنَّ "(مسلم، حديث نمبر ۴۴۲، باب خروج النساء إلى المساجد إذا لم يترتب عليه فتنة، وأنها لا تخرج مطيبة)

عَنْ بِلَالِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا تَمْنَعُوا النِّسَاءَ حُظُوظَهُنَّ مِنَ الْمَسَاجِدِ، إِذَا اسْتَأْذَنُوكُمْ فَقَالَ بِلَالٌ :وَاللهِ، لَنَمْنَعُهُنَّ .فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللهِ " :أَقُولُ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُولُ أَنْتَ :لَنَمْنَعُهُنَّ (مسلم، حديث نمبر ۴۴۲، باب خروج النساء إلى المساجد إذا لم يترتب عليه فتنة، وأنها لا تخرج مطيبة)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی طرح بعض شرائط کے ساتھ خواتین کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت وحکم سے عید کی نماز کے لیے عید گاہ میں آنا بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے، جس کا ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا۔

چنانچہ حضرت اُمِّ عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنْ نُخْرِجَهُنَّ فِي الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى، اَلْعَوَاتِقَ، وَالْحُيَّضَ، وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ، فَأَمَّا الْحُيَّضُ فَيَعْتَزِلْنَ الصَّلَاةَ، وَيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ، وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِيْنَ، قُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِحْدَانَا لَا يَكُوْنُ لَهَا جِلْبَابٌ، قَالَ : لِتُلْبِسْهَا أُخْتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا (مسلم)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم عورتوں کو عید الفطر وعید الاضحیٰ کے لئے نکالیں، بالغ لڑکیوں کو بھی، اور حیض والی اور پردہ نشین عورتوں کو بھی، جہاں تک کہ حائضہ عورتوں کا تعلق ہے، تو وہ نماز سے علیحدہ رہ کر خیر اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَلَكِنْ لِيَخْرُجْنَ وَهُنَّ تَفِلَاتٌ(سنن أبی داود، حديث نمبر ۵٦۵)

عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللهِ الْمَسَاجِدَ، وَلْيَخْرُجْنَ تَفِلَاتٍ(مسند أحمد، حديث نمبر ۲۱٦۷۴)

فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :إِذَا اسْتَأْذَنَكُمْ نِسَاؤُكُمْ إِلَى الْمَسَاجِدِ فَأْذَنُوا لَهُنَّ(مسند أبی يعلى، حديث نمبر ۵۴۴۳و حديث نمبر ۵۵۱۰)

فی حاشية مسند ابی يعلیٰ: إسناده صحيح.

عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللهِ مَسَاجِدَ اللهِ، وَلْيَخْرُجْنَ تَفِلَاتٍ "قَالَتْ عَائِشَةُ " :وَلَوْ رَأَى حَالَهُنَّ الْيَوْمَ مَنَعَهُنَّ(مسند أحمد، حديث نمبر ۲۴۴۰٦)

[1] حديث نمبر ۸۹۰، كتاب صلاة العيدين، باب ذكر إباحة خروج النساء فی العيدين إلى المصلى وشهود الخطبة، مفارقات للرجال، داراحياء التراث العربی، بيروت، واللفظ لهٗ،سنن الترمذی، حديث نمبر ۵۳۹، بَابٌ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ فِي العِيدَيْنِ.

مسلمانوں کی دعوت (یعنی وعظ وخطبہ وغیرہ) میں حاضر ہوں، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم میں سے جس کے پاس (پردہ کرنے کے لیے بڑی) چادر نہ ہوتو؟ آپ نے فرمایا کہ اس کی بہن کو چاہئے کہ اپنی (پردہ والی) چادر اس کو پہنا دے (ترجمہ ختم)

حضرت حفصہ بنتِ سیرین کی سند سے بھی اسی طرح کی حدیث مروی ہے۔ [۱]

خیر اور مسلمانوں کی دعوت سے مراد خطبہ اور وعظ وتذکیر ہے۔ [۲]

جیسا کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - خَرَجَ وَمَعَهُ بِلَالٌ، فَظَنَّ أَنَّهُ لَمْ يُسْمِعْ فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ، فَجَعَلَتِ الْمَرْأَةُ تُلْقِي الْقُرْطَ وَالْخَاتَمَ، وَبِلَالٌ يَأْخُذُ فِي طَرَفِ ثَوْبِهِ (بخاری) [۳]

---

[۱] عَنْ حَفْصَةَ، قَالَتْ: كُنَّا نَمْنَعُ عَوَاتِقَنَا أَنْ يَخْرُجْنَ فِي العِيدَيْنِ، فَقَدِمَتِ امْرَأَةٌ، فَنَزَلَتْ قَصْرَ بَنِي خَلَفٍ، فَحَدَّثَتْ عَنْ أُخْتِهَا، وَكَانَ زَوْجُ أُخْتِهَا غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ غَزْوَةً، وَكَانَتْ أُخْتِي مَعَهُ فِي سِتٍّ، قَالَتْ: كُنَّا نُدَاوِي الكَلْمَى، وَنَقُومُ عَلَى المَرْضَى، فَسَأَلَتْ أُخْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَعَلَى إِحْدَانَا بَأْسٌ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ أَنْ لاَ تَخْرُجَ؟ قَالَ: لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا وَلْتَشْهَدِ الخَيْرَ وَدَعْوَةَ المُسْلِمِينَ، فَلَمَّا قَدِمَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ، سَأَلْتُهَا أَسَمِعْتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ: بِأَبِي، نَعَمْ، وَكَانَتْ لاَ تَذْكُرُهُ إِلَّا قَالَتْ: بِأَبِي، سَمِعْتُهُ يَقُولُ: يَخْرُجُ العَوَاتِقُ وَذَوَاتُ الخُدُورِ، أَوِ العَوَاتِقُ ذَوَاتُ الخُدُورِ، وَالحُيَّضُ، وَلْيَشْهَدْنَ الخَيْرَ، وَدَعْوَةَ المُؤْمِنِينَ، وَيَعْتَزِلُ الحُيَّضُ المُصَلَّى، قَالَتْ حَفْصَةُ: فَقُلْتُ الحُيَّضُ، فَقَالَتْ: أَلَيْسَ تَشْهَدُ عَرَفَةَ، وَكَذَا وَكَذَا (بخاری، حدیث نمبر ۳۲۴)

[۲] قوله: (وليشهدن الخير) أي: وليحضرن مجالس الخير كسماع الحديث وعيادة المريض. قوله: (ودعوة المسلمين)، كالاجتماع لصلاة الاستسقاء. وفي رواية: (ودعوة المؤمنين)، وهي رواية الكشميهني (عمدة القاری، ج۳ص ۳۰۴، کتاب الحیض، باب شهود الحائض العیدین ودعوة المسلمین ویعتزلن المصلی)

والمراد بالدعوة: الكلمات الدعائية التي في خلال الخطبة (فیض الباری شرح البخاری، کتاب الحیض، باب شهود الحائض العیدین ودعوة المسلمین، ویعتزلن المصلی)

[۳] حدیث نمبر ۹۸، کتاب العلم، باب عظة الإمام النساء وتعليمهن، دارطوق النجاة، بيروت.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (عید کی نماز کے لئے) نکلے، اور آپ کے ساتھ حضرت بلال بھی تھے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گمان فرمایا کہ ان کے خطبہ کی آواز عورتوں کو نہیں پہنچ سکی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خواتین کو بھی وعظ فرمایا، اور انہیں صدقہ کا حکم فرمایا، پس عورتوں نے اپنی بالیاں اور انگوٹھیاں دینی شروع کیں، اور حضرت بلال نے اپنے کپڑے میں ان کو لینا شروع کیا (ترجمہ ختم)

یہ واقعہ کئی سندوں سے مروی ہے، اور چونکہ عید گاہ میں عورتوں کے لئے مَردوں سے الگ باپردہ انتظام کیا جاتا تھا، اس لئے بعض اوقات عورتوں کو خطبہ کی آواز نہیں پہنچتی تھی، اس لئے ان کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الگ سے وعظ فرمایا۔ [1]

جس سے معلوم ہوا کہ خواتین کو عید کی نماز میں شریک کرنے کا مقصد وعظ وتبلیغ بھی تھا۔

حضرت عائشہ اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کی سند سے بھی خواتین کے عید گاہ میں آنے کی احادیث وروایات مروی ہیں۔ [2]

---

[1] فكـان النساء بعيدا من الرجال .ألا ترى أنه -عـليه الصلاة والسلام -لـما أن فرغ من خطبته وصـلاتـه جـاء إلى النساء فوعظهن وذكرهن، فلو كن قريبا لسمعن الخطبة ولما احتجن إلى تذكيره لهن بعد الخطبة (المدخل لابنِ الحاج، ج۲ ص ۲۸۳، فصل فی خروج الإمام إلى صلاة العيدين)

[2] عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، شَهِدْتُ العِيدَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى قَبْلَ الخُطْبَةِ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ :وَزَادَ ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ :فَأَتَى النِّسَاءَ، فَجَعَلْنَ يُلْقِينَ الفَتَخَ وَالخَوَاتِيمَ فِي ثَوْبِ بِلاَلٍ(بخاری، حديث نمبر ۵۸۸۰)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ " :قَدْ كَانَتْ تَخْرُجُ الْكَعَابُ مِنْ خِدْرِهَا لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعِيدَيْنِ(مسند أحمد، حديث نمبر ۲۵۵۱۲)

فی حاشية مسند احمد:

صحيح لغيره .على :وهو الواسطى -وإن كان ضعيفاً -متابع، وباقى رجاله ثقات رجال الشيخين إلا أن أبا قلابة -وهو عبد الله بن زيد الجَرْمى -لم يسمع من عائشة.

قال الهيثمی:

رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد، ج۲ ص ۲۰۰ ،باب الخروج إلى العيد)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کئی جلیل القدر صحابۂ کرام (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، اور حضرت علی رضی اللہ عنہم وغیرہ) اور تابعین (حضرت علقمہ، حضرت اسود وغیرہ) سے بھی خواتین کے عید کی نماز کے لیے آنے کا جواز وثبوت ملتا ہے۔ [1]

لیکن ایک تو احادیث میں جہاں ایک طرف خواتین کو مساجد میں نماز پڑھنے کی اجازت ثابت ہے، اسی کے ساتھ خواتین کو مساجد میں نماز پڑھنے کے لیے آنے کے مقابلہ میں گھروں میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عَنْ مُجَاهِدٍ فِي قَوْلِهِ :(كَوَاعِبُ) قَالَ :نَوَاهِدُ(مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ۵۸۳۹، مَنْ رَخَّصَ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْعِيدَيْنِ)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ " :كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَأْمُرُ بَنَاتَهُ وَنِسَاءَهُ أَنْ يَخْرُجْنَ فِي الْعِيدَيْنِ (مسنداحمد، حديث نمبر ۲۰۵۴)

في حاشية مسند احمد:

صحيح لغيره، حجاج -وهو ابن أرطاة -مدلس وقد عنعن، وباقي رجاله ثقات رجال الشيخين.

[1] عَنْ طَلْحَةَ الْيَامِيِّ ، قَالَ :قَالَ أَبُو بَكْرٍ :حَقٌّ عَلَى كُلِّ ذَاتِ نِطَاقٍ الْخُرُوجُ إِلَى الْعِيدَيْنِ(مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ۵۸۳۵، مَنْ رَخَّصَ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْعِيدَيْنِ)

عَنْ عَلِيٍّ ، قَالَ :حَقٌّ عَلَى كُلِّ ذَاتِ نِطَاقٍ أَنْ تَخْرُجَ إِلَى الْعِيدَيْنِ ، وَلَمْ يَكُنْ يُرَخِّصُ لَهُنَّ فِي شَيْءٍ مِنَ الْخُرُوجِ إِلَّا إِلَى الْعِيدَيْنِ(مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ۵۸۳۶، مَنْ رَخَّصَ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْعِيدَيْنِ)

عَنْ نَافِعٍ ، قَالَ :كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ يُخْرِجُ إِلَى الْعِيدَيْنِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْ أَهْلِهِ(مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ۵۸۳۷، مَنْ رَخَّصَ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْعِيدَيْنِ)

عَنْ أَبِي قِلَابَةَ ، قَالَ :قَالَتْ عَائِشَةُ :قَدْ كَانَتِ الْكِعَابُ تَخْرُجُ لِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ خِدْرِهَا فِي الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى(مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ۵۸۳۸، مَنْ رَخَّصَ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْعِيدَيْنِ)

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ ؛ أَنَّ عَلْقَمَةَ ، وَالْأَسْوَدَ كَانَا يُخْرِجَانِ نِسَاءَهُمَا فِي الْعِيدَيْنِ ، وَيَمْنَعُونَهُنَّ مِنَ الْجُمُعَةِ(مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ۵۸۴۰، مَنْ رَخَّصَ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْعِيدَيْنِ)

عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ ، قَالَ :إِنْ كَانَتِ امْرَأَةُ أَبِي مَيْسَرَةَ لَتَخْرُجَ إِلَى الْعِيدِ(مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ۵۸۴۱، مَنْ رَخَّصَ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْعِيدَيْنِ)

عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، قَالَ :كَانَ لِعَلْقَمَةَ امْرَأَةٌ قَدْ خَلَتْ فِي السِّنِّ تَخْرُجُ إِلَى الْعِيدَيْنِ(مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ۵۸۴۲، مَنْ رَخَّصَ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْعِيدَيْنِ)

رہ کر نماز پڑھنے اور عبادت کرنے کی زیادہ فضیلت بھی ثابت ہے۔

چنانچہ صحیح احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواتین کو اپنے گھروں میں رہ کر نماز پڑھنے کی ترغیب دینا اور فضیلت بیان فرمانا مذکور ہے۔ ؎[1]

---

[1] عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا تَمْنَعُوا نِسَاءَكُمُ الْمَسَاجِدَ، وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَهُنَّ(سنن أبي داود، حديث نمبر ۵۶۷؛ مستدرک حاکم، حديث نمبر ۷۵۵)

قال الحاكم: هَـٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، فَقَدِ احْتَجَّا جَمِيعًا بِالْعَوَّامِ بْنِ حَوْشَبٍ، وَقَدْ صَحَّ سَمَاعُ حَبِيبٍ مِنِ ابْنِ عُمَرَ، وَلَمْ يُخَرِّجَا فِيهِ الزِّيَادَةَ وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَهُنَّ وَشَاهِدُهُ.

وقال الذهبي في التلخيص: على شرطهما.

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: خَيْرُ مَسَاجِدِ النِّسَآءِ قَعْرُ بُيُوْتِهِنَّ (مسند احمد، حديث نمبر ۲۶۵۴۲)

في حاشية مسند احمد: حديث حسن بشواهده.

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِهَا فِي حُجْرَتِهَا، وَصَلَاتُهَا فِي حُجْرَتِهَا خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِهَا فِي دَارِهَا، وَصَلَاتُهَا فِي دَارِهَا خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِهَا خَارِجٍ(المعجم الأوسط، حديث نمبر ۹۱۰۱)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي حُجْرَتِهَا، وَصَلَاتُهَا فِي مَخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي بَيْتِهَا(سنن أبي داود، حديث نمبر ۵۷۰)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي حُجْرَتِهَا، وَصَلَاتُهَا فِي مَخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي بَيْتِهَا (مستدرک حاکم، حديث نمبر ۷۵۷)

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ، وَقَدِ احْتَجَّا جَمِيعًا بِالْمُوَرِّقِ بْنِ مُشَمْرِجٍ الْعِجْلِيِّ .

وقال الذهبي في التلخيص: على شرطهما.

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :إِنَّ أَحَبَّ صَلَاةٍ تُصَلِّيهَا الْمَرْأَةُ إِلَى اللَّهِ فِي أَشَدِّ مَكَانٍ فِي بَيْتِهَا ظُلْمَةً (صحيح ابن خزيمة، حديث نمبر ۱۶۹۱، بَابُ اخْتِيَارِ صَلَاةِ الْمَرْأَةِ فِي أَشَدِّ مَكَانٍ مِنْ بَيْتِهَا ظُلْمَةً)

قال الألباني :حسن بما بعده.

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنَّ أَحَبَّ صَلَاةٍ تُصَلِّيهَا الْمَرْأَةُ إِلَى اللَّهِ أَنْ تُصَلِّيَ فِي أَشَدِّ مَكَانٍ مِنْ بَيْتِهَا ظُلْمَةً .حَدَّثَنَاهُ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، نا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی اور سرپرستی اور صحابہ وصحابیات کے انتہائی تقوے اور خیر القرون کے پاکیزہ اور مقدس زمانے کے باوجود، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جَعْفَرٍ(صحيح ابن خزيمة، حديث نمبر ۱۶۹۲، بَابُ اخْتِيَارِ صَلَاةِ الْمَرْأَةِ فِي أَشَدِّ مَكَانٍ مِنْ بَيْتِهَا ظُلْمَةً)

قال الألباني: حسن بما قبله.

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :لَأَنْ تُصَلِّيَ الْمَرْأَةُ فِي بَيْتِهَا خَيْرٌ مِنْ أَنْ تُصَلِّيَ فِي حُجْرَتِهَا، وَلَأَنْ تُصَلِّيَ فِي حُجْرَتِهَا خَيْرٌ مِنْ أَنْ تُصَلِّيَ فِي الدَّارِ، وَأَنْ تُصَلِّيَ فِي الدَّارِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تُصَلِّيَ فِي الْمَسْجِدِ(شعب الإيمان، حديث نمبر ۷۴۳۵)

قال الألباني: قلت :و لكنه شاهد لا بأس به لحديث عائشة، فالحديث حسن بمجموعهما .و له شاهد آخر من حديث أم حميد امرأة أبي حميد الساعدي مرفوعا بنحوه، و له عنها طريقان يقوى أحدهما الآخر كما بينته في "تخريج الترغيب "، فالحديث به صحيح (السلسلة الصحيحة الكاملة، تحت حديث نمبر ۲۱۴۲)

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سُوَيْدٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ عَمَّتِهِ أُمِّ حُمَيْدٍ امْرَأَةِ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ، أَنَّهَا جَاءَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ :يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي أُحِبُّ الصَّلَاةَ مَعَكَ، قَالَ ": قَدْ عَلِمْتُ أَنَّكِ تُحِبِّينَ الصَّلَاةَ مَعِي، وَصَلَاتُكِ فِي بَيْتِكِ خَيْرٌ لَكِ مِنْ صَلَاتِكِ فِي حُجْرَتِكِ، وَصَلَاتُكِ فِي حُجْرَتِكِ خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِكِ فِي دَارِكِ، وَصَلَاتُكِ فِي دَارِكِ خَيْرٌ لَكِ مِنْ صَلَاتِكِ فِي مَسْجِدِ قَوْمِكِ، وَصَلَاتُكِ فِي مَسْجِدِ قَوْمِكِ خَيْرٌ لَكِ مِنْ صَلَاتِكِ فِي مَسْجِدِي "، قَالَ :فَأَمَرَتْ فَبُنِيَ لَهَا مَسْجِدٌ فِي أَقْصَى شَيْءٍ مِنْ بَيْتِهَا وَأَظْلَمِهِ، فَكَانَتْ تُصَلِّي فِيهِ حَتَّى لَقِيَتِ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ (مسند احمد، ۲۷۰۹۰)

حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ، حَدَّثَنِي عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ الْمُنْذِرِ السَّاعِي، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدَّتِهِ أُمِّ حُمَيْدٍ، قَالَتْ :قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَمْنَعُنَا أَزْوَاجُنَا أَنْ نُصَلِّيَ مَعَكَ وَنُحِبُّ الصَّلَاةَ مَعَكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم :صَلَاتُكُنَّ فِي بُيُوتِكُنَّ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِكُنَّ فِي حُجَرِكُنَّ، وَصَلَاتُكُنَّ فِي حُجَرِكُنَّ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِكُنَّ فِي الْجَمَاعَةِ(مصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ۷۷۰۲)

حَدَّثَنِي عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ الْمُنْذِرِ السَّاعِدِيُّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدَّتِهِ أُمِّ حُمَيْدٍ، قَالَتْ :قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ يَمْنَعُنَا أَزْوَاجُنَا أَنَّ نُصَلِّيَ مَعَكَ، وَنُحِبُّ الصَّلَاةَ مَعَكَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :صَلَاتُكُنَّ فِي بُيُوتِكُنَّ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِكُنَّ فِي حُجَرِكُنَّ، وَصَلَاتُكُنَّ فِي حُجَرِكُنَّ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِكُنَّ فِي دُورِكُنَّ، وَصَلَاتُكُنَّ فِي دُورِكُنَّ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِكُنَّ فِي الْجَمَاعَةِ(المعجم الكبير، حديث نمبر ۳۵۶)

عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ الْمُنْذِرِ بْنِ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدَّتِهِ أُمِّ حُمَيْدٍ، أَنَّهَا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نے خواتین کے مساجد میں آنے اور جانے کے متعلق سخت شرائط عائد فرمائی تھیں، تاکہ ہر قسم کے فتنوں کا سدِّ باب رہے، مثلاً یہ کہ وہ مَردوں کے آمد و رفت والے دروازے سے نہ آئیں جائیں، اور مکمل پردے کے ساتھ آئیں، اور نظروں کی حفاظت رکھیں، اور بن سنور کر زیور وغیرہ سے آراستہ ہوکر اور مزین لباس پہن کر اور خوشبو وغیرہ لگا کر نہ آئیں اور مَردوں کے اٹھنے سے پہلے اٹھ کر چلی جائیں وغیرہ وغیرہ۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قَالَتْ :يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّا نُحِبُّ الصَّلَاةَ تَعْنِي مَعَكَ فَيَمْنَعُنَا أَزْوَاجُنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :صَلَاتُكُنَّ فِي بُيُوتِكُنَّ خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِكُنَّ فِي دُورِكُنَّ، وَصَلَاتُكُنَّ فِي دُورِكُنَّ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِكُنَّ فِي مَسْجِدِ الْجَمَاعَةِ ."قَالَ أَبُو زَكَرِيَّا :سَأَلْتُ أَبَا بَكْرٍ عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ هَذَا أَيْنَ سَمِعَ مِنْهُ؟ قَالَ :بِوَدَّانَ، وَبِهَا يَوْمَئِذٍ عَبْدُ الْمُؤْمِنِ .قَالَ الشَّيْخُ: تَابَعَهُ أَيْضًا ابْنُ لَهِيعَةَ، عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ، وَفِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّ الْأَمْرَ بِأَنْ لَا يُمْنَعْنَ أَمْرُ نَدْبٍ وَاسْتِحْبَابٍ، لَا أَمْرُ فَرْضٍ وَإِيجَابٍ، وَهُوَ قَوْلُ الْعَامَّةِ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ(السنن الكبرى للبيهقي، حديث نمبر ۵۳۷۱)

عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ ، أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتْهُ عَنِ الصَّلَاةِ فِي الْمَسْجِدِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ؟ فَقَالَ :صَلَاتُكِ فِي مَخْدَعِكِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِكِ فِي بَيْتِكِ ، وَصَلَاتُكِ فِي بَيْتِكِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِكِ فِي حُجْرَتِكِ ، وَصَلَاتُكِ فِي حُجْرَتِكِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِكَ فِي مَسْجِدِ قَوْمِكِ(مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ۷۶۹۷)

عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ ، قَالَ :سَمِعْتُ رَبَّ هَذِهِ الدَّارِ ، يَعْنِي ابْنَ مَسْعُودٍ حَلَفَ فَبَالَغَ فِي الْيَمِينِ مَا صَلَّتِ امْرَأَةٌ صَلَاةً أَحَبَّ إِلَى اللهِ مِنْ صَلَاةٍ فِي بَيْتِهَا إِلَّا فِي حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ ، إِلَّا امْرَأَةٌ قَدْ أَيِسَتْ مِنَ الْبُعُولَةِ(مُصنف ابن أبي شيبة، حديث نمبر ۷۷۰۱)

عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ، قَالَ :سَمِعْتُ رَبَّ هَذِهِ الدَّارِ يَحْلِفُ فَيَبْلُغُ بِالْيَمِينِ :مَا مِنْ مُصَلَّى الْمَرْأَةِ خَيْرٌ لَهَا مِنْ بَيْتِهَا إِلَّا فِي حَجٍّ أَوْ عَمْرَةٍ إِلَّا امْرَأَةٌ يَئِسَتْ مِنَ الْبُعُولَةِ فَهِيَ فِي مَنْقَلَيْهَا ، قُلْتُ :مَا مَنْقَلَيْهَا؟ قَالَ :امْرَأَةٌ عَجُوزٌ قَدْ تَقَارَبَ خَطْوُهَا(المعجم الكبير للطبراني، حديث نمبر ۹۴۷۳)

قال الهيثمي: رواه الطبراني في الكبير ورجاله موثقون(مجمع الزوائد، ج۲ص۳۵،باب خروج النساء إلى المساجد وغير ذلك وصلاتهن في بيوتهن وصلاتهن في المسجد)

[1] عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُصَلِّي الصُّبْحَ، فَيَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ، مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الغَلَسِ(بخاري، حديث نمبر ۸۶۷)

عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ :إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُصَلِّي الصُّبْحَ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بعض صحابہ وتابعین نے حالات کی تبدیلی کو دیکھتے ہوئے خواتین کے نماز کے لیے مساجد میں آنے کو پسند نہیں فرمایا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فَيَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ(مستخرج أبي عوانةحديث نمبر ١٠٩٥)

(فتنصرف النساء) : أي :اللاتي يصلين معه وكن في ذلك الزمن على أعلى غاية الصيانة، فما كان يتطرق إليهن ولا بهن فتنة ألبتة، ولما حدثت الفتن لهن وبهن منعهن العلماء من ذلك، ولقد قالت عائشة :لو علم النبي صلى الله عليه وسلم ما أحدث النساء بعده لمنعهن المساجد كما منعت نساء بني إسرائيل (ملتفعات) : بالنصب على الحالية أي :مستترات وجوههن وأبدانهن .قال الطيبي : التلفع شدة اللفاع وهو ما يغطي الوجه ويتلحف به (بمروطهن) : المرط :بالكسر كساء من صوف أو خز يؤتزر به، وقيل :الجلباب، وقيل :الملحفة (ما يعرفن) : ما :نافية أي ما يعرفهن أحد، وفي رواية للبخاري، ولا يعرف بعضهن بعضا (من الغلس) : من :ابتدائية بمعنى لأجل قاله الطيبي، والغلس :ظلمة آخر الليل، ثم إنه يستعمل على الاتساع فيما بقي منه بعد الصباح، وقيل :من غلس المسجد أي :من أجل ظلمته وعدم إسفاره؛ لأنه ما كان يظهر النور فيه إلا بطلوع الشمس(مرقاة المفاتيح، ج٢ص ٥٣٠، كتاب الصلاة،باب المواقيت،باب تعجيل الصلوات)

أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَخْبَرَتْهَا :أَنَّ النِّسَاءَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ إِذَا سَلَّمْنَ مِنَ المَكْتُوبَةِ، قُمْنَ وَثَبَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ صَلَّى مِنَ الرِّجَالِ مَا شَاءَ اللَّهُ، فَإِذَا قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَامَ الرِّجَالُ (بخاري، حديث نمبر ٨٦٦)

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ :كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ قَامَ النِّسَاءُ حِينَ يَقْضِي تَسْلِيمَهُ، وَيَمْكُثُ هُوَ فِي مَقَامِهِ يَسِيرًا قَبْلَ أَنْ يَقُومَ، قَالَ :نَرَى - وَاللَّهُ أَعْلَمُ -أَنَّ ذَلِكَ كَانَ لِكَيْ يَنْصَرِفَ النِّسَاءُ، قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الرِّجَالِ(بخاري، حديث نمبر ٨٧٠)

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ الْمُقَدَّمُ، وَشَرُّهَا الْمُؤَخَّرُ، وَشَرُّ صُفُوفِ النِّسَاءِ الْمُقَدَّمُ، وَخَيْرُهَا الْمُؤَخَّرُ "، ثُمَّ قَالَ " :يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ، إِذَا سَجَدَ الرِّجَالُ فَاغْضُضْنَ أَبْصَارَكُنَّ، لَا تَرَيْنَ عَوْرَاتِ الرِّجَالِ مِنْ ضِيقِ الْأُزُرِ(مسنداحمدحديث نمبر ١٤١٢٣)

في حاشية مسند احمد: صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن في المتابعات والشواهد.

عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ زَيْنَبَ الثَّقَفِيَّةَ، كَانَتْ تُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ :إِذَا شَهِدَتْ إِحْدَاكُنَّ الْعِشَاءَ فَلَا تَطَيَّبْ تِلْكَ اللَّيْلَةَ (مسلم، حديث نمبر ٤٤٣)

عَنْ زَيْنَبَ، امْرَأَةِ عَبْدِ اللهِ، قَالَتْ :قَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِذَا شَهِدَتْ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

لَوْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى مَا اَحْدَثَ النِّسَآءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَآءُ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ (مسلم) [1]

ترجمہ: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان حالات کو دیکھ لیتے جو (آپ کے بعد) عورتوں نے پیدا کردیئے ہیں تو عورتوں کو مسجد میں آنے سے ضرور منع فرمادیتے، جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کردیا گیا تھا (ترجمہ ختم)

اسی وجہ سے بعض صحابہ وتابعین (مثلاً حضرت ابراہیم نخعی، حضرت عروہ وغیرہ) سے عورتوں اور بالخصوص جوان عورتوں کے عید کی نماز کے لیے جانے کا مکروہ ہونا مروی ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إِحْدَاكُنَّ الْمَسْجِدَ فَلَا تَمَسَّ طِيبًا (مسلم، حديث نمبر ۴۴۳)

عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللَّهِ مَسَاجِدَ اللَّهِ، وَلَكِنْ لِيَخْرُجْنَ وَهُنَّ تَفِلَاتٌ (ابوداوٗد، حديث نمبر ۵۶۵)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَوْ تَرَكْنَا هَذَا الْبَابَ لِلنِّسَاءِ، قَالَ نَافِعٌ :فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ ابْنُ عُمَرَ، حَتَّى مَاتَ، وَقَالَ غَيْرُ عَبْدِ الْوَارِثِ :قَالَ عُمَرُ :وَهُوَ أَصَحُّ(سنن أبى داود،بَابٌ فِى اعْتِزَالِ النِّسَاءِ فِى الْمَسَاجِدِ عَنِ الرِّجَالِ، حديث نمبر ۴۶۲)

عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، كَانَ يَنْهَى أَنْ يُدْخَلَ مِنْ بَابِ النِّسَاءِ(سنن أبى داود،بَابٌ فِى اعْتِزَالِ النِّسَاءِ فِى الْمَسَاجِدِ عَنِ الرِّجَالِ، حديث نمبر ۴۶۴)

[1] حديث نمبر ۴۴۵، كتاب الصلاة، باب منع نساء بنى اسرائيل المسجد، داراحياء التراث العربى، بيروت، و اللفظ لهٗ ؛ بخارى، حديث نمبر ۸۶۹؛ ابوداوٗد، حديث نمبر ۵۶۹؛ مسند احمد، حديث نمبر ۲۵۹۸۲.

[2] عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؛ أَنَّهُ كَانَ لاَ يُخْرِجُ نِسَاءَهُ فِى الْعِيدَيْنِ(مصنف ابنِ ابى شيبة، حديث نمبر ۵۸۴۵، مَنْ كَرِهَ خُرُوجَ النِّسَاءِ إِلَى الْعِيدَيْنِ)

روى بن أبى شيبة أيضا عن ابن عمر أنه كان يخرج إلى العيدين من استطاع من أهله وهذا ليس صريحا فى الوجوب أيضا بل قد روى عن بن عمر المنع فيحتمل أن يحمل على حالين(فتح البارى، ج۲ ص ۴۷۰،قوله باب اعتزال الحيض المصلى)

عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، قَالَ :يُكْرَهُ خُرُوجُ النِّسَاءِ فِى الْعِيدَيْنِ(مصنف ابنِ ابى شيبة، ، حديث نمبر ۵۸۴۴، مَنْ كَرِهَ خُرُوجَ النِّسَاءِ إِلَى الْعِيدَيْنِ)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس قسم کی احادیث وروایات اور حالات کے پیشِ نظر بعد میں فقہائے کرام کا بھی اس سلسلہ میں اختلاف ہوگیا۔

چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ حضرت اُمِّ عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

وَفِی الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَجَابِرٍ: حَدِیْثُ أُمِّ عَطِیَّةَ حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلٰى هٰذَا الْحَدِیْثِ، وَرَخَّصَ لِلنِّسَاءِ فِی الْخُرُوْجِ إِلَى الْعِیْدَیْنِ وَكَرِهَهُ بَعْضُهُمْ، وَرُوِیَ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُ قَالَ: أَكْرَهُ الْیَوْمَ الْخُرُوْجَ لِلنِّسَاءِ فِی الْعِیْدَیْنِ، فَإِنْ أَبَتِ الْمَرْأَةُ إِلَّا أَنْ تَخْرُجَ فَلْیَأْذَنْ لَهَا زَوْجُهَا أَنْ تَخْرُجَ فِیْ أَطْمَارِهَا وَلَا تَتَزَیَّنْ، فَإِنْ أَبَتْ أَنْ تَخْرُجَ كَذٰلِكَ فَلِلزَّوْجِ أَنْ یَمْنَعَهَا عَنِ الْخُرُوْجِ وَیُرْوٰى عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَوْ رَأٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِیْ إِسْرَائِیْلَ وَیُرْوٰى عَنْ سُفْیَانَ الثَّوْرِیِّ: أَنَّهُ كَرِهَ الْیَوْمَ الْخُرُوْجَ لِلنِّسَآءِ إِلَى الْعِیْدِ (سنن الترمذی) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عَنْ إِبْرَاهِیمَ، قَالَ: كُرِهَ لِلشَّابَّةِ أَنْ تَخْرُجَ إِلَى الْعِیدَیْنِ(مصنف ابنِ ابی شیبة، حدیث نمبر ۵۸۴۸، مَنْ كَرِهَ خُرُوجَ النِّسَاءِ إِلَى الْعِیدَیْنِ)

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِیهِ؛ أَنَّهُ كَانَ لاَ یَدَعُ امْرَأَةً مِنْ أَهْلِهِ تَخْرُجُ إِلَى فِطْرٍ، وَلاَ إِلَى أَضْحَى(مصنف ابنِ ابی شیبة، حدیث نمبر ۵۸۴۶، مَنْ كَرِهَ خُرُوجَ النِّسَاءِ إِلَى الْعِیدَیْنِ)

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْقَاسِمِ، قَالَ: كَانَ الْقَاسِمُ أَشَدَّ شَیْءٍ عَلَى الْعَوَاتِقِ، لاَ یَدَعُهُنَّ یَخْرُجْنَ فِی الْفِطْرِ وَالأَضْحَى(مصنف ابنِ ابی شیبة، حدیث نمبر ۵۸۴۷، مَنْ كَرِهَ خُرُوجَ النِّسَاءِ إِلَى الْعِیدَیْنِ)

[1] حدیث نمبر ۵۳۹،ابواب العیدین،باب فی خروج النساء فی العیدین،شرکة مکتبة ومطبعة مصطفی البابی الحلبی -مصر.

ترجمہ: اور اس باب میں حضرت ابنِ عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی بھی احادیث موجود ہیں، اور اُمِّ عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث حسن صحیح ہے، اور بعض اہلِ علم اس حدیث کی طرف گئے ہیں، اور انہوں نے عورتوں کو عیدین کی نماز کی طرف نکلنے کی اجازت دی ہے، اور بعض نے اس کو مکروہ سمجھا ہے، اور حضرت ابنِ مبارک سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں آج کے دور میں عورتوں کو عید کی نماز کے لیے نکلنے کو مکروہ سمجھتا ہوں، پھر اگر عورت باز نہ آئے، اور نکلنا ہی چاہے، تو اس کے شوہر کو چاہیے کہ اُسے پُرانی چادر سے پردہ کرنے کے ساتھ اور زیب وزینت کے بغیر نکلنے کی اجازت دیدے، پھر اگر عورت اس طرح (مزیَّن چادر کے ساتھ بے پردہ) نکلنے پر اصرار کرے، تو شوہر کو چاہیے کہ نکلنے سے منع کردے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ حالات دیکھ لیتے، جو بعد میں عورتوں نے پیدا کردیے ہیں، تو اُن کو مسجد سے منع فرمادیتے، جس طرح سے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کیا گیا تھا، اور حضرت سفیان ثوری سے مروی ہے کہ انہوں نے آج کے دور میں عورتوں کو عید کی نماز کے لیے جانے کو مکروہ سمجھا ہے (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابنِ رجب فرماتے ہیں کہ:

وَفِیْ خُرُوْجِ النِّسَاءِ إِلَى الْعِيْدَيْنِ أَحَادِيْثُ كَثِيْرَةٌ، قَدْ سَبَقَ بَعْضُهَا، وَيَأْتِيْ بَعْضُهَا أَيْضاً . وَقَدْ اِخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِيْهِ عَلٰى أَقْوَالٍ: أَحَدُهَا : أَنَّهُ مُسْتَحَبٌّ، وَحُكِيَ عَنْ طَائِفَةٍ مِّنَ السَّلَفِ، مِنْهُمْ عَلْقَمَةُ وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يُخْرِجُ نِسَاءَهُ. وَرُوِيَ عَنْهُ، أَنَّهُ كَانَ يَحْبِسُهُنَّ. وَرَوَى الْحَارِثُ، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: حَقٌّ عَلٰى كُلِّ ذَاتِ نِطَاقٍ أَنْ تَخْرُجَ فِي الْعِيْدَيْنِ . وَلَمْ يَكُنْ يُرَخِّصُ لَهُنَّ فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الْخُرُوْجِ

إِلَّا فِي الْعِيدَيْنِ . وَهُوَ قَوْلُ إِسْحَاقَ وَابْنِ حَامِدٍ مِّنْ أَصْحَابِنَا . وَقَالَ أَحْمَدُ فِي رِوَايَةِ ابْنِ مَنْصُورٍ لاَ أُحِبُّ مَنْعَهُنَّ إِذَا أَرَدْنَ الْخُرُوجَ .
وَالثَّانِيُّ : أَنَّهُ مُبَاحٌ، غَيْرُ مُسْتَحَبٍّ وَلاَ مَكْرُوهٍ، حُكِيَ عَنْ مَالِكٍ، وَقَالَهُ طَائِفَةٌ مِّنْ أَصْحَابِنَا . اَلثَّالِثُ: أَنَّهُ مَكْرُوهٌ بَعْدَ النَّبِيِّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ قَوْلُ النَّخعِيِّ وَيَحْيَى الْأَنْصَارِيِّ وَالثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ . وَأَحْمَدَ -فِي رِوَايَةِ حَرْبٍ، قَالَ : لاَ يُعْجِبُنِي فِي زَمَانِنَا؛ لِأَنَّهُ فِتْنَةٌ وَاسْتَدَلَّ هٰؤُلَاءِ بِأَنَّ الْحَالَ تَغَيَّرَ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ قَالَتْ عَائِشَةُ : لَوْ أَدْرَكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ بَعْدَهُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسَاجِدَ، وَقَدْ سَبَقَ وَالرَّابِعُ: أَنَّهُ يُرَخَّصُ فِيهِ لِلْعَجَائِزِ دُونَ الشَّوَابِّ، رُوِيَ عَنِ النَّخعِيِّ أَيْضاً وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَصْحَابِهِ، وَنَقَلَهُ حَنْبَلٌ عَنْ أَحْمَدَ. وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ بِإِسْنَادٍ فِيهِ ضُعْفٌ، أَنَّهُ أَفْتَى بِذٰلِكَ سَعِيدُ بْنُ الْعَاصِ، فَأَمَرَ مُنَادِيَهُ أَنْ لاَ تَخْرُجَ يَوْمَ الْعِيدِ شَابَّةٌ، وَكُلُّ الْعَجَائِزِ يَخْرُجْنَ .
اَلْخَامِسُ: قَوْلُ الشَّافِعِيِّ. يُسْتَحَبُّ الْخُرُوجُ لِلْعَجَائِزِ وَمَنْ لَيْسَتْ مِنْ ذَوَاتِ الْهَيْئَاتِ . وَفَسَّرَ أَصْحَابُهُ ذَوَاتَ الْهَيْئَاتِ بِذَوَاتِ الْحُسْنِ وَالْجَمَالِ، وَمِنْ تَمِيلُ النُّفُوسُ إِلَيْهَا، فَيُكْرَهُ لَهُنَّ الْخُرُوجُ؛ لِمَا فِيهِ مِنَ الْفِتْنَةِ (فتح الباری لا بن رجب) [1]

ترجمہ: اور عورتوں کے عیدین کی نماز کے لیے نکلنے سے متعلق بہت سی احادیث ہیں، جو کہ گزر چکی ہیں، اور بعض آگے بھی آتی ہیں۔
اور اس بارے میں علماء کے کئی اقوال ہیں، ایک قول مستحب ہونے کا ہے، جو کہ

---

[1] ج ۹ ص ۳۹، ۴۰، ابواب العیدین، باب خروج الحیض إلى المصلى، مكتبة الغرباء الأثرية - المدينة النبوية.

سلف کی ایک جماعت سے منقول ہے، جن میں حضرت علقمہ بھی شامل ہیں، اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو عید کے لیے نکالا کرتے تھے، اور یہ بھی مروی ہے کہ وہ اُن کو روک کر رکھا کرتے تھے (شاید یہ مختلف حالات اور مختلف نوعیّتوں کی عورتوں پر محمول ہو)

اور حضرت حارث نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہر باپردہ اور بانقاب عورت پر عیدین کے لیے نکلنا حق ہے، اور اُن کو عیدین کے علاوہ کسی نماز کی طرف نکلنے کی اجازت نہیں، اور یہی ہمارے اصحاب میں سے حضرت اسحاق اور ابنِ حامد کا قول ہے۔

اور امام احمد نے ابنِ منصور کی ایک روایت میں فرمایا کہ جب عورتیں نکلنا چاہیں تو میں اُن کو منع کرنا پسند نہیں کرتا۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ عورتوں کا نکلنا مباح وجائز ہے، نہ تو مستحب ہے اور نہ ہی مکروہ، یہ قول امام مالک سے مروی ہے، اور ہمارے اصحاب میں سے ایک جماعت کا قول ہے۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مکروہ ہے، اور یہ حضرت نخعی اور یحییٰ انصاری اور سفیان ثوری اور ابنِ مبارک کا قول ہے، اور امام احمد کا بھی حرب کی روایت کے مطابق کہ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے زمانے میں عورتوں کا نکلنا مجھے پسند نہیں، کیونکہ اس میں فتنہ ہے، اور ان حضرات نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حالت تبدیل ہوگئی، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اگر رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن حالات کو پالیتے، جو عورتوں نے آپ کے بعد پیدا کردیے ہیں، تو اُن کو مساجد سے منع فرمادیتے، اور یہ روایت پہلے گزر چکی ہے۔

اور چوتھا قول یہ ہے کہ بوڑھی عورتوں کو اجازت دی جائے گی، جوان عورتوں کو اجازت نہیں دی جائے گی، یہ حضرت نخعی سے بھی مروی ہے، اور یہی قول امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کا ہے، اور اس کو حنبل نے احمد سے روایت کیا ہے۔

اور حضرت ابنِ عباس سے ضعیف سند کے ساتھ مروی ہے کہ اسی کا حضرت سعید بن عاص نے فتویٰ دیا، اور اپنے منادی سے یہ اعلان کرایا کہ عید کے دن جوان عورت نہیں نکلے گی، اور بوڑھی عورتیں نکلیں گی۔

اور پانچواں قول امام شافعی کا ہے کہ بوڑھی عورتوں کو اور جو حسن و جمال والی نہیں ہیں، اُن کو نکلنا مستحب ہے، اور جن کی طرف نفس مائل ہوتے ہیں، اُن کو نکلنا مکروہ ہے، کیونکہ اُن کے نکلنے میں فتنہ ہے (ترجمہ ختم)

امام نووی رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

قَالَ أَصْحَابُنَا يُسْتَحَبُّ إِخْرَاجُ النِّسَاءِ غَيْرِ ذَوَاتِ الْهَيْئَاتِ وَالْمُسْتَحْسَنَاتِ فِي الْعِيدَيْنِ دُوْنَ غَيْرِهِنَّ وَأَجَابُوْا عَنْ إِخْرَاجِ ذَوَاتِ الْخُدُوْرِ وَالْمُخَبَّأَةِ بِأَنَّ الْمَفْسَدَةَ فِيْ ذٰلِكَ الزَّمَنِ كَانَتْ مَأْمُوْنَةً بِخِلَافِ الْيَوْمَ وَلِهٰذَا صَحَّ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا لَوْ رَأٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسَاجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ (شرح النووی علی مسلم) [1]

ترجمہ: ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ اُن عورتوں کو عید کی نماز کے لیے نکالنا مستحب ہے، جو زیب و زینت اور حسن و جمال والی نہ ہوں۔

ان کے علاوہ کا نکالنا مستحب نہیں، اور ان حضرات نے جوان اور حسن و جمال والی عورتوں کے (رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں) نکالنے کا یہ جواب دیا

---

[1] ج ۶ ص ۱۷۸، کتاب صلاۃ العیدین، دار احیاء التراث العربی، بیروت.

کہ اُس زمانے میں فتنہ وفساد نہیں تھا، بخلاف آج کے زمانے کے، اور اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ حالت دیکھ لیتے، جو عورتوں نے پیدا کردی ہے، تو اُن کو مساجد سے منع فرمادیتے، جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کیا گیا تھا (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابنِ حجر رحمہما اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا کہ:

وَالْأَوْلٰی أَنْ یُّخَصَّ ذٰلِکَ بِمَنْ یُؤْمَنُ عَلَیْهَا وَبِهَا الْفِتْنَةُ وَلَا یُتَرَتَّبُ عَلٰی حُضُوْرِهَا مَحْذُوْرٌ وَلَا تَزَاحَمَ الرِّجَالَ فِی الطُّرُقِ وَلَا فِی الْمَجَامِعِ (فتح الباری لابنِ حجر) [1]

ترجمہ: اور مناسب یہ ہے کہ اس (یعنی عورتوں کے عید کی نماز کے لیے نکلنے کے جائز ومستحب ہونے) کو اُن عورتوں کے ساتھ خاص رکھا جائے، جن پر اور جن کے ذریعے سے فتنے سے حفاظت ہو، اور اُن کے عید کی نماز کے لیے حاضر ہونے پر کوئی خرابی لازم نہ آئے، اور نہ تو وہ راستے میں مَردوں کے سامنے آئیں، اور نہ مجامع میں (ترجمہ ختم)

اور حنفیہ کی کتاب المحیطُ البرہانی میں ہے کہ:

قَالَ ثَمَّةَ أَیْضاً: وَلَیْسَ عَلَی النِّسَاءِ خُرُوْجُ الْعِیْدَیْنِ وَکَانَ تُرَخَّصُ لَهُنَّ فِیْ ذٰلِکَ قَالَ: وَقَالَ أَبُوْحَنِیْفَةَ: فَأَمَّا الْیَوْمَ فَاِنِّیْ أَکْرَهُ لَهُنَّ ذٰلِکَ وَأَکْرَهُ لَهُنَّ شُهُوْدَ الْجُمُعَةِ وَصَلَاةَ الْمَکْتُوْبَةِ وَإِنَّمَا أُرَخِّصُ لِلْعَجُوْزِ الْکَبِیْرَةِ أَنْ تَشْهَدَ الْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ وَالْعِیْدَیْنِ.

وَقَالَ أَبُوْیُوْسُفَ، وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ: یُرَخَّصُ لِلْعَجُوْزِ فِیْ حُضُوْرِ الصَّلَوَاتِ کُلِّهَا، وَفِی الْکُسُوْفِ وَالْاِسْتِسْقَاءِ (المحیط

---

[1] ج۲ص ۴۷۱، قوله باب اعتزال الحیض المصلی، دار المعرفة، بیروت.

البرهانی لابن مازة البخاری) [1]

ترجمہ: امام محمد رحمہ اللہ نے الاصل میں یہ بھی فرمایا کہ: عورتوں پر عید کی نماز کے لیے نکلنا لازم نہیں، البتہ اُن کو اس کی اجازت دی جاتی تھی، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آج کے دور میں، میں عورتوں کو عید کی نماز اور جمعہ کی نماز اور فرض نماز کے لیے نکلنے کو مکروہ سمجھتا ہوں، اور میں صرف بوڑھی اور بڑی عورتوں کو عشاء اور فجر اور عیدین کی نماز کے لیے اجازت دیتا ہوں، اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے فرمایا کہ بوڑھی عورتوں کو تمام نمازوں میں (عیدُ الفطر کی نماز سمیت) اور گرہن اور استسقاء کی نماز میں حاضر ہونے کی اجازت ہے (ترجمہ ختم)

اور امام کاسانی رحمہ اللہ فقہ حنفی کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

وَأَمَّا الْعَجَائِزُ فَلَا خِلَافَ فِيْ أَنَّهُ يُرَخَّصُ لَهُنَّ الْخُرُوْجُ فِي الْفَجْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَالْعِيْدَيْنِ، وَاخْتَلَفُوْا فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْجُمُعَةِ قَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ: لَا يُرَخَّصُ لَهُنَّ فِيْ ذٰلِكَ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يُرَخَّصُ لَهُنَّ فِيْ ذٰلِكَ .... وَأَمَّا صَلَاةُ الْعِيْدِ فَإِنَّهَا تُؤَدّٰى فِي الْجَبَّانَةِ فَيُمْكِنُهَا أَنْ تَعْتَزِلَ نَاحِيَةً عَنِ الرِّجَالِ كَيْ لَا تُصْدَمَ فَرَخَّصَ لَهُنَّ الْخُرُوْجَ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ ثُمَّ هٰذَا الْخِلَافُ فِي الرُّخْصَةِ وَالْإِبَاحَةِ فَأَمَّا لَا خِلَافَ فِيْ أَنَّ الْأَفْضَلَ أَنْ لَا يَخْرُجْنَ فِيْ صَلَاةٍ لِمَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِيْ دَارِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِيْ مَسْجِدِهَا، وَصَلَاتُهَا فِيْ بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِيْ دَارِهَا، وَصَلَاتُهَا فِيْ مَخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِيْ بَيْتِهَا (بدائع الصنائع) [2]

---

[1] ج۲ص ۱۰۱،۱۰۲، کتاب الصلاة،الفصل السادس والعشرون فی صلاة العیدین، دارالکتب العلمیة، بیروت.

[2] ج ۱، صفحہ ۲۷۵، کتاب الصلاة، فصل صلاة العیدین، دارالکتب العلمیة، بیروت.

ترجمہ: جہاں تک بوڑھی عورتوں کا تعلق ہے، تو اس بارے میں (احناف کا) کوئی اختلاف نہیں کہ ان کو فجر اور مغرب اور عشاء اور عیدین کی نماز میں نکلنے کی اجازت دی جائے گی، اور ظہر اور عصر اور جمعہ کی نماز کے لیے نکلنے کے بارے میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ان نمازوں کے لیے اجازت نہیں دی، اور امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے اجازت دی ہے............ اور جہاں تک عید کی نماز کا تعلق ہے تو وہ چونکہ عیدگاہ میں ادا کی جاتی ہے، پس عورتوں کے لیے یہ بات ممکن ہے کہ وہ مَردوں سے الگ ایک کنارہ پر رہیں، تاکہ مَردوں سے ٹکراؤ نہ ہو، اس لیے ان کو عید کی نماز کے لیے اجازت دی جائے گی، واللہ اعلم۔

پھر یہ اختلاف رخصت اور اباحت کا ہے، اور اس بارے میں (امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا) کوئی اختلاف نہیں کہ افضل یہی ہے کہ عورتیں کسی نماز کے لیے بھی نہ نکلیں، اس حدیث کی وجہ سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ عورت کی نماز اپنے گھر میں افضل ہے اس کے مسجد میں نماز پڑھنے سے، اور عورت کی اپنے کمرے میں نماز پڑھنا افضل ہے اُس کے گھر (کے صحن وغیرہ) میں نماز پڑھنے سے، اور عورت کا اندر کی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا افضل ہے اُس کے کمرے میں نماز پڑھنے سے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَقَالَ ابْنُ الْهُمَامِ: وَتَخْرُجُ الْعَجَائِزُ لِلْعِيدِ لَا الشَّوَابُّ اهـ . وَهُوَ قَوْلٌ عَـدْلٌ، لٰـكِـنْ لَا بُـدَّ أَنْ يُـقَيَّدَ بِأَنْ تَكُوْنَ غَيْرَ مُشْتَهَاةٍ فِيْ ثِيَابٍ بِذْلَةٍ، بِإِذْنِ حَلِيْلِهَا مَعَ الْأَمْنِ مِنَ الْمَفْسَدَةِ بِأَنْ لَا يَخْتَلِطْنَ بِالرِّجَالِ، وَيَكُنَّ خَالِيَاتٍ مِنَ الْحُلِيِّ وَالْحُلَلِ، وَالْبَخُوْرِ وَالشُّمُوْمِ، وَالتَّبَخْتُرِ وَالتَّكَشُّفِ، وَنَحْوِهَا مِمَّا أَحْدَثْنَ فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ مِنَ الْمَفَاسِدِ (مرقاة المفاتيح) [1]

---

[1] ج۳ص ۱۰۶۴، کتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، دارالفكر ،بيروت.

ترجمہ: اور علامہ ابنِ ہمام نے فرمایا کہ بوڑھی عورتیں عید کی نماز کے لیے نکلیں گی نہ کہ جوان عورتیں، اور یہ معتدل قول ہے۔ لیکن اس بات کی قید ضروری ہے کہ شہوت پرست عورت نہ ہو، پُرانے اور سادے لباس میں ہو، اپنے شوہر کی اجازت کے ساتھ ہو، اور مفسَدے سے اطمینان ہو بایں طور کہ مَردوں کے ساتھ اختلاط نہ کریں، اور زیور اور مزین لباس میں نہ ہوں، اور خوشبو اور عطر وغیرہ نہ لگائیں، اور اتراہٹ اور بے پردگی وغیرہ اختیار نہ کریں، جو کہ آج کل کے دور میں انہوں نے مفاسد پیدا کرر کھے ہیں (ترجمہ ختم)

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ عورتوں پر عید کی نماز لازم نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خواتین کا عید کی نماز کے لیے جانا ثابت اور فی نفسہٖ جائز ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فتنے وفساد پیدا ہونے کی وجہ سے اہلِ علم حضرات کا اس سلسلہ میں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔

بعض فقہاء کے نزدیک تو فتنہ وفساد سے بچنے کا اہتمام کرتے ہوئے مطلقاً عورتوں کو عید کی نماز کے لئے نکلنا جائز ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک خواتین کو عید کی نماز کے لیے گھر سے باہر نہ نکلنا افضل ہے، اور بہتر یہ ہے کہ وہ گھر میں رہ کر ہی عبادت وذکر کریں۔

اور جوان عورتوں کو فتنہ وفساد لازم آنے کی وجہ سے عید کی نماز کے لیے گھر سے باہر نکلنا مکروہ ہے۔

البتہ بوڑھی اور معمَّر خواتین کو عید کی نماز کے لیے گھر سے نکلنا جائز ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بوڑھی خواتین کے ساتھ ساتھ اُن خواتین کو بھی نکلنا جائز بلکہ مستحب ہے، جو کہ بوڑھی تو نہیں ہیں، لیکن حسن وجمال والی نہیں ہیں، اور جو حسن وجمال والی ہوں ان کو فتنہ وفساد لازم آنے کی وجہ سے نکلنا مستحب نہیں ہے۔

مگر یہ شرط دونوں بلکہ سب حضرات کے نزدیک ضروری ہے کہ فتنہ وفساد سے بچنے بچانے کا پورا پورا اہتمام وانتظام کیا جائے۔

چنانچہ آمدورفت اور نماز پڑھنے کی جگہ نامحرم لوگوں سے الگ اور مکمل پردے کے ساتھ ہو، خواتین پُرکشش لباس وچادر اور زیور وغیرہ سے مزین ہوکر اور زیب وزینت اختیار کرکے اور خوشبو لگا کر نہ نکلیں، تاکہ ہر قسم کے فتنوں کا سدِّ باب رہے، اور ان شرائط کی خلاف ورزی کرکے نکلنا جائز نہیں۔

اور آج کل کے دور میں کیونکہ عام طور پر خواتین ان شرائط کی پابندی کا اہتمام نہیں کرتیں، جس کی وجہ سے بعد کے بعض حضرات نے علی الاطلاق منع کردیا ہے۔ [1]

لیکن دوسری طرف اس میں بھی شبہ نہیں کہ آج کل اکثر خواتین کی دین سے ناواقفیت اور جہالت کا جو عالم ہے، کہ وہ نماز، روزہ کے ضروری اور اہم مسائل سے بھی واقف نہیں، اور

---

[1] قال المصنف فی الکافی والفتوی الیوم علی الکراهة فی الصلاة کلها لظهور الفساد ومتی کره حضور المسجد للصلاة فلأن یکره حضور مجالس الوعظ خصوصا عند هؤلاء الجهال الذین تحلوا بحلیة العلماء أولی .ذکره فخر الإسلام اهـ.

وفی فتح القدیر المعتمد منع الکل فی الکل إلا العجائز المتفانیة فیما یظهر لی دون العجائز المتبرجات وذوات الرمق .اهـ.

وقد یقال هذه الفتوی التی اعتمدها المتأخرون مخالفة لمذهب الإمام وصاحبیه فإنهما نقلوا أن الشابة تمنع مطلقا اتفاقا، وأما العجوز فلها حضور الجماعة عند أبی حنیفة فی الصلاة إلا فی الظهر والعصر والجمعة، وقالا یخرج العجائز فی الصلاة کلها کما فی الهدایة والمجمع وغیرهما فالإفتاء بمنع العجوز فی الکل مخالف للکل فالاعتماد علی مذهب الإمام(البحر الرائق شرح کنز الدقائق،ج ا ص ۳۸۰، کتاب الصلاة،باب الإمامة)

أصل مذهبنا جواز خروج النسوان للعیدین ، ونهی أرباب الفتوی ، وفی مذهب غیرنا تضییق مما فی مذهبنا ، وأما من یدَّعی العمل بالحدیث فیطعن علی الأحناف علی منعهم النسوان من خروجهن إلی المصلی والمساجد ، وهذا من قلة التدبر ، ونقل أصل مذهبنا العینی من التوضیح علی البخاری للشیخ سراج الدین بن الملقن تلمیذ المغلطائی الحنفی ، أقول :لقد أبعد العینی فی النجعة والحال أن المسألة مذکورة فی الهدایة ص ۱۰۵ وقالا :یخرجن فی الصلوات کلها لأنه لا فتنة لقلة الرغبة ، فلا یکره کما فی العید ، انتهی .وکذلک روی فی الخروج إلی العید فی حاشیة الهدایة من المبسوط(العرف الشذی،باب ما جاء فی خروج النساء فی العیدین)

عقائد ونظریات میں بھی انتہائی کمزوری پائی جاتی ہے، اور اہلِ باطل مختلف طریقوں سے خواتین کے عقائد ونظریات اور اعمال کے بگاڑنے کے درپے ہیں، اور خواتین کے شوہروں اور سرپرستوں کو بھی اس طرف توجہ نہیں۔

ان حالات میں اگر ممکنہ حد تک مفاسد کا سدِ باب کرتے ہوئے، اور شرائط کا اہتمام کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے خواتین اور بالخصوص بوڑھی خواتین کے لئے عید، وغیرہ کے موقع پر شرکت کا انتظام کیا جائے، تاکہ اس کے ذریعہ سے ان کو دین کے احکام کی وعظ وتبلیغ کی جاسکے، بشرطیکہ وہ واقعتاً دین کے احکام کی صحیح تبلیغ ہو، تو اس کی گنجائش ہونی چاہئے۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حائضہ عورتوں کو بھی بغرضِ تعلیم واصلاح شریک فرمایا تھا، کما مر۔ [1]

---

[1] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور جلیل القدر صحابۂ کرام کے اندازِ کلام اور طرزِ عمل سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ بجائے اس کے کہ خواتین کو سرے سے مساجد میں آنے سے منع کیا جائے، ان کو شرائط کے اہتمام کی طرف توجہ دلانی چاہئے، اور سرپرست حضرات کو بھی ان کا اہتمام کرانا چاہئے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں گزرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وإذا أرادت المرأة أن تخرج إلى مجلس العلم بغير إذن الزوج لم يكن لها ذلك فأن وقعت لها نازلة فسألت زوجها وهو عالم فأخبرها بذلك ليس لها أن تخرج بغير إذنه وأن كان الزوج جاهلاً وسأل عالماً عن ذلك فكذلك وأن امتنع الزوج عن السؤال كأن لها أن تخرج بغير إذنه لأن طلب العلم فيما يحتاج إليه فرض على كل مسلم ومسلم فيقدم على حق الزوج وأن لم يقع لها نازلة وأرادت أن تخرج على مجلس العلم لتتعلم مسائل الصلاة والوضوء فأن كأن الزوج يحفظ تلك المسائل ويذكر لها ذلك ليس لها أن تخرج بغير إذنه فأن كأن الزوج لا يحفظ المسائل فالأولى له أن يأذن لها بالخروج فأن لم يأذن فلا شيء عليه ولا يسع لها أن تخرج بغير إذنه ما لم يقع لها نازلة (فتاویٰ قاضیخان، کتاب النکاح)

وإذا أرادت أن تخرج إلى مجلس العلم لنازلة وقعت لها، فإن كان الزوج يسأل عن العالم ويخبرها بذلك، فليس لها أن تخرج. وإذا امتنع من السؤال، فلها أن تخرج وإن لم تقع لها نازلة، فأرادت أن تخرج إلى مجلس العلم لتتعلم بعض مسائل الصلاة والوضوء، فإن كان الزوج يحفظ المسائل ويذكر عندها له أن يمنعها من الخروج، وإن كان لا يحفظ ولا يذكر عندها، فالأولى أن يأذن لها بالخروج أحياناً، وإن لم يأذن فلا شيء عليه، ولا يسعها أن تخرج ما لم تقع لها نازلة (المحيط البرهاني، ج۳ص ۱۷۲، كتاب النكاح، الفصل الثاني والعشرون: في بيان ما للزوج أن يفعل وما ليس له أن يفعل)

عید کے دن قبرستان جانے کا اہتمام

آج کل بہت سے لوگ عید کے دن میں قبرستان جانے کا بھی بہت زیادہ اہتمام بلکہ التزام کرنے لگے ہیں، اور اگر کوئی عید کے دن میں قبرستان نہ جائے تو اسے بہت معیوب خیال کرتے ہیں۔

اور اسی پر بس نہیں مَردوں کے علاوہ عورتیں بھی قبرستان جانے کا اہتمام کرتی ہیں، بلکہ خوب زیب وزینت کے ساتھ بن سنور کر اور بے پردہ ہو کر قبرستان جاتی ہیں اور پھر قبرستان میں جا کر بے شمار بدعات ومنکرات کا بھی ارتکاب کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ عید کے دنوں میں قبروں پر ڈالے جانے والے پھولوں، پتیوں اور اسی قسم کی دوسری چیزوں کی خرید وفروخت بھی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے اور بہت سے لوگ خاص عید کے دن اس کاروبار سے بہت سا پیسہ کماتے ہیں۔

اور عید کے دن بے شمار بدعاتِ قبور کا ارتکاب ہوتا ہے۔

حالانکہ خاص عید کے دن قبرستان جانا عید کی سنت نہیں، لہٰذا اس کا اہتمام والتزام اور عید کی سنت یا حصہ سمجھنا اور عید کی نماز کی طرح اس کا اہتمام والتزام کرنا درست نہیں۔ [1]

---

[1] البتہ ہندیہ میں غرائب سے نقل کیا گیا ہے کہ:

وأفضل أيام الزيارة أربعة يوم الاثنين والخميس والجمعة والسبت والزيارة يوم الجمعة بعد الصلاة حسن ويوم السبت إلى طلوع الشمس ويوم الخميس في أول النهار وقيل في آخر النهار وكذا في الليالي المتبركة لا سيما ليلة براء ة وكذلك في الأزمنة المتبركة كعشر ذي الحجة والعيدين وعاشوراء وسائر المواسم كذا في الغرائب (الفتاویٰ الهندية، ج۵، ص ۳۵۰، كتاب الحظر والاباحة، الباب السادس عشر في زيارة القبور وقراء ة القرآن في المقابر)

مگر اولاً تو یہ غرائب کی عبارت ہے، جس کی کسی حدیث سے تائید نہیں ہوتی، اور منکرات والتزامات کے ہوتے ہوئے اس سے استدلال مزید مخدوش ہو جاتا ہے۔

و قد ذكرنا مسئلة زيارة القبور في ’’شعبان وشبِ براءت کے فضائل واحکام‘‘ وهو مؤيد بالحديث الضعيف، فافترقا.

اورعورتوں کا تو آج کے ماحول میں عید کے دن کے علاوہ بھی قبرستان جانے کا اہتمام درست نہیں اوراس میں کئی خرابیاں جمع ہیں۔

اگر قبرستان جا کر کوئی بدعت انجام نہ دی جائے تو بھی خود عید کے دن جانے کو ضروری سمجھنا اوراس کا التزام کرنا درست نہیں، اوراگر دوسری خرابیاں بھی شامل ہوں تو پھراس کے ناجائز ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ [1]

عید کے دن مروجہ سویّاں ''شیر خورما'' پکانے کی شرعی حیثیت

عید کے دن اپنے اہل وعیال پر حسبِ حیثیت کسی بھی قسم کے کھانے کی وسعت کرنا اوراس

---

[1] عوض (ای الشیطان) لھم عن سرعة الدوبة زيارة القبور قبل ان يرجعوا الیٰ اھليھم يوم العيد وزين لم ذالک واراھم ان زيارة الاقارب من الموتی فی ذالک اليوم من باب البروزيادة الودلھم وانهٗ من قوة التفجع عليھم اذ فقد ھم فی مثل ھٰذا العيد وفی زيارة فی غير ھٰذا اليوم من البدع والمحرمات ما تقدم ذكرهٗ فی زيارة القبور فكيف به فی ھٰذا اليوم الذی فيه النساء يلبسن ويتحلين ابتداءً ويتجملن فيه بغاية الزينة مع عدم الخروج فكيف بھن فی الخروج فی ھٰذا اليوم ،فتراھن يوم العيد علی القبور متكشفات قد خلعن جلباب الحياء عنھن فبدل لھم موضع السنة محرماً ومكروھاً ، فالمكروه فی كونه اخرھم عن سرعة الدوبة الی الاھل لانھا السنة كما تقدم والمحرم ما يشاھد الزائر من احوالھن فی المقابر علی الصفة المذمومة المتقدمة (المدخل لابن الحاج، ج ۱ ص ۲۸۶ ،الموسم الاول عيد الاضحیٰ)

قد تقدم ان السنة فی الخروج الیٰ صلاة العيدين سُرعة الدوبة الی الاھل فلا يشتغل بزيارة القبور ولهٗ ان يزور اخوانهٗ من الاحياء لكن ان كان لهٗ اھل فليبدأ بھم ويزيل تشوفھم اليه ثم بعد ذالک يمض لما يختاره من زيارة ماذكر وان لم يكن لهٗ اھل فليمض الیٰ اخوانه ومعارفة المتقين من الاولياء والصالحين للتبرک برؤيتھم والتماس الدعاء منھم لكن يتحری وقت زيارتھم اذ ان الغالب من اخوانه انھم يضحون والسنة فيھا ان يتولی المكلف ذالک بنفسه فاذا خرج الوقت الذی ھو معد للذبح غالباً فليمش عليھم كما تقدم ذكره وان علم ان فيھم من لم يذبح فلهٗ ان يأتی اليه فی ای وقت شاء لعدم المانع (المدخل ج۲ص ۲۸۸، ۲۸۹، فصل فی انصراف الناس عن صلاة العيد)

ولم يذكر الفقهاء زيا رةَالقبور من سنن العيدين مع انھم قدذكرواعمالَ العيدين مفصَّلاً ونصُّ الفقھاء معتبرٌ بمفھوم المخالف كما ذكرفی رسم المفتی .وقدذُكر فی عمدة الفقه زيارةُ القبور من مستحبات العيدين ولم اقف علیٰ ھٰذا من عبارات الفقھاء الا فی الھندية من روايته الغرائب وان سلم فقد ثبت من الاصول ان المنكر اذا دخل فی المستحب فھويكون قابل الترک والمنكرات توجد كثيرا فی ھٰذا العمل. محمد رضوان.

دن گھر میں اپنی استطاعت کے مطابق کوئی بھی اچھا اور اپنا کوئی بھی پسندیدہ کھانا بنالینا مستحب ہے، بشرطیکہ اس میں غلو، اسراف اور تکلف نہ کیا جائے اور کسی خاص قسم کے کھانے کو زیادہ ثواب کا باعث نہ سمجھا جائے۔ [1]

اور اس کی تفصیل پہلے عید کے دن مسنون ومستحب اعمال کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

جہاں تک عید کے دن مخصوص طریقے پر چھوارے سویّوں اور دودھ میں ملا کر پکانے کا تعلق ہے تو صرف پسند ہونے کی وجہ سے کوئی اگر عید کے دن تیار کرلے تو فی نفسہٖ جائز ہے، اور کوئی گناہ نہیں، مگر شرط یہ ہے کہ اس کو نہ تو عید کے دن کی سنت اور ثواب یا ضروری سمجھے اور نہ ہی خلاف ورزی کرنے والے پر لعن طعن کرے۔

لہٰذا خاص سویّوں کو عید کی سنت قرار دینا یا انہیں عید کے دن پکانے کو ایسا لازمی اور ضروری سمجھنا کہ جو شخص عید کے دن سویاں نہ پکائے اس پر نکیر کرنا شرعی حیثیت سے جائز نہیں۔

البتہ جو لوگ ایسا نہ سمجھیں بلکہ صرف اپنی سہولت یا پسند کے مطابق اس کو معمول بنائیں تو اس کو بدعت نہیں کہا جائے گا۔

جیسا کہ ہمارے علاقہ میں رمضان کے دنوں میں عموماً افطار کے موقعہ پر پکوڑوں کا اہتمام کیا جاتا ہے مگر ان کو سنت یا ضروری کوئی بھی نہیں سمجھتا بلکہ پسند کی وجہ سے معمول رکھا جاتا ہے۔

البحرالرائق میں ہے کہ:

وَاَمَّا مَایَفْعَلُہُ النَّاسُ فِیْ زَمَانِنَا مِنْ جَمْعِ التَّمْرِ مَعَ اللَّبَنِ وَالْفِطْرِ عَلَیْہِ فَلَیْسَ لَہٗ اَصْلٌ فِی السُّنَّۃِ (البحرُالرائق) [2]

---

[1] السنة فی عید الفطر التوسعة فیه علی الاهل بای شئ کان من الماکول اذ لم یرد الشرع فیه بشئ معلوم فمن وسع علیٰ اهله فیه فقد امتثل السنة ویجوز ان یتخذ فیه طعاماً معلوماً اذ هو من المباح لکن بشرط عدم التکلف فیه وبشرط ان لا یجعل ذالک سنة یستن بها فمن خالف ذالک فکانهٗ ارتکب کبیرة واذا وصل الامر الیٰ هٰذا الحد ففعل ذالک بدعة اذ انهٗ بسبب ذالک ینسب الی السنة مالیس منها، وکذالک یشترط ان یکون علیٰ لسان العلم (المدخل لابن الحاج، ج ۱ ص ۲۸۷، الموسم الثانی عید الفطر)

[2] ج ۲ ص ۱۷۱، کتاب الصلاۃ، باب العیدین .

ترجمہ: اور ہمارے زمانے میں جولوگ (عید کے دن) یہ عمل کرتے ہیں کہ چھوارے کو دودھ کے ساتھ جمع کرتے ہیں اور پھر اس سے افطار بھی کرتے ہیں تو اس کی سنت میں کوئی اصل نہیں (ترجمہ ختم)

اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

عید کے روز سویّوں کے پکانے کو کوئی عبادت اور دین نہیں سمجھتا، جس سے بدعت ہونے کا شبہ ہو (الافاضات الیومیہ جلد ۶ صفحہ ۳۱۸، ملفوظ نمبر ۳۶۸ وانفاسِ عیسیٰ جلد ۲ صفحہ ۶۱۴)

اور حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

سویّاں کھانا کھلانا کوئی شرعی بات نہیں ہے (کفایت المفتی جلد سوم، صفحہ ۳۰۷، چھٹا باب، نمازِ عیدین)

اور اگر کسی جگہ عید کے دن خاص سویّاں بنانے کو عید کی سنت یا ایسی لازمی رسم سمجھی جائے کہ اگر سویاں نہ بنائی جائیں تو اس کو بُرا سمجھا جائے، اور اگر اپنے پاس انتظام نہ ہو تو اس کے لئے قرض تک لینے سے بھی گریز نہ کیا جائے یا اسی قسم کی کوئی اور خرابی شامل ہو تو پھر یہ عمل ممنوع ہو جائے گا، اور اسی قسم کی خرابیوں کی وجہ سے بعض علمائے کرام نے عید کے دن سویاں پکانے سے منع کیا ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اس قسم کی خرابیاں پائے جانے کی صورت میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

اور عیدالفطر میں سویّاں پکانا فی نفسہٖ (یعنی اپنی ذات کے لحاظ سے) مباح ہے مگر لوگوں نے اس میں خرابیاں پیدا کر لی ہیں:

(۱) اس کو ضروری سمجھتے ہیں حتیٰ کہ اگر سویاں نہ پکائی جاویں تو گویا عید ہی نہیں ہوئی، ایسے التزام واہتمام کا خلافِ شرع ہونا اوپر مذکور ہو چکا ہے (۲) اس پابندی کی بدولت یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ اگر پاس خرچ نہ ہو تو قرض لے کر گو سودی ہی ملے، ضرور اس کا اہتمام کرتے ہیں (۳) اس کی نسبت ایک موضوع روایت مشہور کی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آٹا پکا کر مروڑیاں جمع کر کے سویاں پکائی تھیں، یہ محض تہمت ہے کہیں ثابت نہیں (۴) اور دینے لینے میں ریا وتفاخر ہونا یہاں بھی موجود ہے .... اس تاریخ میں حضرت پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اس قدر ثابت ہے کہ چند خرما نوش فرما کر عیدگاہ تشریف لے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملحوظ رہے کہ عید کے دن مروجہ سویوں کے سنت یا ثواب ہونے پر بعض لوگوں کو اس سے شبہ ہوجاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عید کی نماز کے لئے تشریف لے جانے سے پہلے کھجور، چھوارے وغیرہ کھانے کا معمول تھا، جس کا ذکر پہلے گزرا۔

مگر اوّلاً تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول عیدُ الفطر کی نماز سے پہلے کا تھا، دوسرے مخصوص مروجہ سویوں کا اس مسئلے سے تعلق نہیں۔

اور جیسا کہ عید کے دن مسنون ومستحب اعمال کے ذیل میں گزر چکا ہے کہ عید الفطر کے دن عید کی نماز سے پہلے کچھ کھالینا سنت ہے، جس میں طاق عدد کھجور یا چھوہارے کھانا افضل ہے، اور اگر کھجوریں موجود نہ ہوں تو کوئی دوسری میٹھی چیز کھالے، میٹھی چیز بھی نہ ہو تو جو چیز بھی میسر ہو وہی کھالے، خواہ وہ نمکین ہی ہو، اس سے بھی یہ سنت ادا ہوجائے گی، اور اگر بغیر کچھ کھائے پیئے کوئی شخص عید کی نماز کے لئے چلا جائے تب بھی گناہ نہیں۔ [1]

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عید الفطر کے دن کھجور کھا کر جانے سے مروجہ سویوں پر استدلال مشکل ہے، اور اس سلسلہ میں اصل بات وہی ہے جو ہم نے شروع میں ذکر کردی ہے کہ فی نفسہٖ پسند وغیرہ ہونے کے باعث یہ جائز ومباح عمل ہے، اور عید کی سنت یا لازم وضروری سمجھنا غلط ہے۔

عیدی کا لین، دین

عید کے موقعہ پر آج کل بعض لوگوں میں نقدی یا کھانے پینے کی چیز کی شکل میں ایک دوسرے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جاتے تھے، اگر رغبت ولذت کے لیے دودھ سویاں وغیرہ بھی اضافہ کرلے تو مباح ہے، مگر اس کا ایسا پابند نہ ہو جس سے مفاسدِ مذکورہ لازم آویں، کبھی کبھی ناغہ بھی کردیا کریں، گنجائش نہ ہونے کے وقت خواہ مخواہ تردد میں نہ پڑے اور گنجائش کے وقت بھی رسوم کا اتباع نہ کرے، بے تکلفی سے جو ہوجاوے اس پر بس کرے (اصلاح الرسوم صفحہ ۱۸۱، ۱۸۲، تیسرا باب، فصلِ سوم)

[1] اس کی تفصیل پیچھے عید کے دن مسنون ومستحب اعمال کے ضمن میں حاشیہ میں گذر چکی ہے۔

کو عیدی کا لین دین بھی بہت زیادہ عام ہوگیا ہے، اس بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ مروَّجہ عیدی، شرعی عید کی سنت یا لازم نہیں۔

سنت اور لازم سمجھے بغیر اور دوسری خرابیوں سے بچ کر صرف دوسروں کی ضرورت کو پیشِ نظر رکھ کر یا محبت کے طور پر اخلاص کے ساتھ جائز بلکہ امید ہے کہ باعثِ ثواب ہے۔

لیکن قرض سمجھ کر یا بڑائی ظاہر کرنے کے لئے اس کا لین دین جائز نہیں اور آج کل بعض جگہ اس میں فخر ونمود اور ادلا بدلا کی نیت ہوتی ہے، جو ایک اعتبار سے قرض میں داخل ہوجاتی ہے، اور اس کا لین دین ضروری سمجھا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسی خرابیوں کے ہوتے ہوئے یہ ناجائز ہے (ملاحظہ ہو احسن الفتاویٰ ج ۸ ص ۴۸ اور رسالہ ''بدعاتِ رمضان'' ص ۶۷)

اسی طرح کھانے یا کسی دوسری چیز کا لین دین ضروری سمجھنا اور کسی کے گھر سے نہ آئے تو اس کو معیوب قرار دینا یا اس میں ادلا بدلی اور قرض کی نیت کرنا بھی جائز نہیں، جیسا کہ بعض جگہ دستور ہے کہ اگر کسی جگہ سے کوئی چیز آئی تو وہاں اپنی طرف سے بھی بھیجنا ضروری سمجھا جاتا ہے بلکہ بعض جگہ خالی برتن واپس آنے کو بھی بُرا سمجھا جاتا ہے۔

ہاں اگر اس قسم کی رسموں اور خرابیوں سے بچ کر ہو اور ایک صدقہ یا ہدیہ کی شکل ہو تو پھر کوئی حرج نہیں (ملاحظہ ہو بہشتی زیور حصہ ۶ ''عید کی رسموں کا بیان'')

بعض لوگ اسی طرح فخر وتفاخر کی غرض سے عید کے موقعہ پر ایسے کیک تیار کر کے دوسروں کے یہاں بھیجتے ہیں کہ جن میں مختلف طرح کی تصاویر تیار کی جاتی ہیں، اس میں تصویر کا گناہ بھی شامل ہے۔

البتہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ عید کے دن اہل وعیال کے لیے اپنی حیثیت کے مطابق اچھا اور عمدہ کھانا تیار کیا جاسکتا ہے، مگر وہ ان رسموں سے الگ چیز ہے۔ [1]

---

[1] السنة فی عید الفطر التوسعة فیه علی الاهل بای شئ کان من الماکول اذ لم یرد الشرع فیه بشئ معلوم فمن وسع علیٰ اهله فیه فقد امتثل السنة ویجوز ان یتخذ فیه طعاماً معلوماً اذ هو من المباح لکن بشرط عدم التکلف فیه وبشرط ان لا یجعل ذالک سنة یستن بها فمن خالف ذالک

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اسی طرح عید کے دن صدقہ کی فضیلت آئی ہے، اور صدقہ میں اپنے ضرورت مند رشتہ داروں، عزیزوں اور اہل وعیال کو ترجیح حاصل ہے، اس حیثیت کو ملحوظ رکھ کر اور خرابیوں سے بچتے ہوئے دوسرے کا تعاون کرنے کی ممانعت نہیں، جس کی تفصیل عید کے دن کے مسنون ومستحب اعمال کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

فوتگی والے گھر جانے کی رسم

بعض لوگ پہلی عید پر فوتگی والے گھر میں جانے کی رسم ضروری سمجھتے ہیں، جس میں وہاں جا کر تعزیت اور افسوس کا اظہار ودعا کرتے ہیں، جبکہ فوتگی کو کافی عرصہ گزر چکا ہوتا ہے اور اپنے موقع پر تعزیت کی سنت بھی ادا کی جا چکی ہوتی ہے۔

اس کا بھی شریعت میں کوئی ثبوت نہیں۔

تعزیت تو خود ہی ایک مرتبہ کرنا سنت ہے اور وہ بھی تین دن کے اندر اندر سنت ہے (اِلَّا یہ کہ کوئی مجبوری ہو) اور اس میں بھی افسوس کا اظہار کرنا کوئی کارِثواب نہیں، بلکہ تعزیت میں اصل چیز تسلی وہمدردی کا سامان ہے، اس رسم کے نتیجہ میں عید کا دن جو کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے خوشی کا دن ہے اور اس دن لوگ اللہ کے مہمان ہوتے ہیں، غم دوبالا اور تازہ کر کے عید کی اس خوشی کو غمی سے تبدیل کر دیا جاتا ہے۔

لہٰذا اس رسم کو اختیار کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں۔

فوتگی والے گھر میں سوگ کا سماں

جس گھر میں فوتگی ہو جاتی ہے تو اس کے بعد آنے والی پہلی عید کے موقع پر اس گھر کے افراد

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فکانہٗ ارتکب کبیرة واذا وصل الامر الیٰ ھٰذا الحد ففعل ذالک بدعة اذ انہٗ بسبب ذالک ینسب الی السنة مالیس منھا، وکذالک یشترط ان یکون علیٰ لسان العلم (المدخل لابن الحاج، ج ۱ ص۲۸۷، الموسم الثانی عید الفطر)

خوشی منانا اور اچھے کپڑے وغیرہ پہننا معیوب سمجھتے ہیں، اگرچہ عید سے پہلے فوتگی کے بعد انہوں نے مختلف موقعوں پر تقریبات وغیرہ میں شریک ہو کر اچھے لباس اور خوشی کے اظہار کا کتنا ہی اہتمام کیوں نہ کیا ہو، لیکن جس دن یہ لوگ اللہ کے مہمان ہوتے ہیں اور خاص اس دن میں خوشی کا اظہار اور اچھا لباس پہننا، اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار کرنا اللہ کو پسند اور ثواب کا کام ہے، اس دن یہ لوگ اچھے خاصے سوگوار بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔

پھر یہ بھی سوچنے کی زحمت نہیں کی جاتی کہ اگر مردہ اچھی جگہ چلا گیا تو اس کی خوشی اور عید ہم سے بہتر ہے، اور اگر بُری جگہ چلا گیا تو ہماری عید کی خوشی سے اس کو کوئی فائدہ نہیں۔ [۱]

(تفصیل کے لیے ہماری دوسری کتاب ''ماہِ محرم الحرام کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمائیں)

---

[۱] یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ شرعی اعتبار سے سوگ کرنا صرف چند صورتوں میں عورتوں کے حق میں ثابت ہے اور وہ یہ ہیں۔

(۱)......جس عورت کو اس کے شوہر نے طلاقِ بائن (ایسی طلاق جس میں نکاح ختم ہو جاتا ہے) دیدی ہو اس پر عدت کے زمانہ میں سوگ کرنا واجب ہے۔ عدت ختم ہونے کے بعد واجب نہیں بلکہ جائز بھی نہیں (جس عورت نے مرد سے شرعی خلع حاصل کیا ہو یا جس عورت کا نکاح شرعی اصولوں کے مطابق کسی مسلمان حاکم نے فسخ کیا ہو اس کا بھی یہی حکم ہے)

(۲)......جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا ہو اس پر عدت کے زمانہ میں سوگ کرنا واجب ہے عدت کے بعد واجب نہیں، بلکہ جائز بھی نہیں۔

(۳)......شوہر کے علاوہ کسی قریبی رشتہ دار (باپ بیٹے وغیرہ) کے فوت ہونے پر صرف تین دن تک عورت کو سوگ کرنے کی اجازت ہے واجب اور ضروری نہیں تین دن کے بعد یہ اجازت بھی نہیں اس کے علاوہ اور کسی موقعہ پر عورت کو سوگ کرنے کی اجازت نہیں اور مرد کو تو سوگ کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں۔

اور شرعی سوگ کا طریقہ یہ ہے کہ عورت اتنے عرصہ میں ایسے کپڑے نہ پہنے اور ایسا رنگ ڈھنگ اختیار نہ کرے جس سے مردوں کو کشش اور میلان ہوتا ہو۔ خوشبو، سرمہ، مہندی اور دوسری زیب وزینت اور بناؤ سنگھار کی چیزیں چھوڑ دے۔ اس کے علاوہ اپنی طرف سے سوگ کے طریقے اختیار کرنا جائز نہیں مثلاً غم کے اظہار کے لئے مخصوص رنگوں کے (مثلاً کالے) کپڑے پہننا وغیرہ۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا کہ جب ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو (ان کے والد) حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر پہنچی تو انہوں نے تیسرے دن خوشبو منگائی جو زرد رنگ کی تھی اور اپنے بازوؤں اور رخساروں پر ملی اور فرمایا کہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی (لیکن اس ڈر سے کہ کہیں میں تین دن سے زیادہ سوگ کرنے والی عورتوں میں شمار نہ ہو جاؤں میں نے خوشبو لگالی) میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''ایسی عورت کے لئے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو یہ حلال نہیں ہے کہ (کسی کے فوت ہونے پر) تین دن تین رات سے زیادہ سوگ کرے سوائے شوہر کے کہ اس (کی موت ہو جانے) پر چار مہینہ دس دن سوگ کرے (بخاری، حدیث نمبر ۲۳۰۶، کتاب الطلاق)

لٰہذا فوتگی کے بعد پہلی عید کے موقع پر مرحوم کے پسماندگان کا سوگ کرنا ایک خودساختہ رسم ہے، جس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

عید کے دن موسیقی، ٹی وی اور فلموں میں مبتلاء ہونا

بعض لوگ بطورِ خاص عید جیسے بابرکت دن میں موسیقی، ٹی وی اور فلموں کے پروگراموں میں سرگرم نظر آتے ہیں۔

چنانچہ بعض جگہ عید کے دن موسیقی اور گانے بجانے کے پروگرام چل رہے ہوتے ہیں، گھروں میں بھی ٹی وی پر عید کے حوالے سے پیش کئے جانے والے مخصوص مختلف پروگرام چل رہے ہوتے ہیں، جن میں گانے بجانے اور بے حیائی اور غیر شرعی باتوں کا مظاہرہ ہوتا ہے، بلکہ غیر شرعی چیزوں کو عید کے ساتھ تعلق جوڑ کر پیش کیا جاتا ہے، جس سے عام لوگوں کے عقائد ونظریات میں بھی بگاڑ وفساد پیدا ہوتا ہے، اور لوگ ان پروگراموں کو (نعوذ باللہ تعالیٰ) عید کی خصوصی نشریات سمجھ کر دلچسپی کے ساتھ دیکھتے ہیں۔

اور بعض سینما ہالوں میں مختلف فلموں کا افتتاح بھی عید کے دن سے کیا جاتا ہے اور (نعوذ باللہ تعالیٰ) اس کو عید کا خصوصی تحفہ قرار دیا جاتا ہے، عید کے دن سینما، وی۔ سی۔ آر اور ٹیلی ویژن وغیرہ دیکھنا تو بہت سے لوگوں نے بہت اہم سمجھ رکھا ہے۔

دراصل یہ لوگ عید کی خوشی کو سینما بینی اور ان گناہوں کے ناپاک عمل سے گندہ کر دیتے ہیں۔
گناہ میں خوشی نہیں ہوتی، اللہ کو ناراض کرنے والی چیز کیسے خوشی کا باعث بن سکتی ہے؟

یہ تمام حرکات سراسر غیر اسلامی ہیں، غیر مسلموں کے تہواروں میں اس قسم کی حرکات وخرافات انجام دی جاتی ہیں، اسلامی تہوار میں تو عبادت کی جاتی ہے نہ کہ گناہ، اور گناہوں کو عید کے خصوصی پروگرام یا عید کے تحفے قرار دینے سے تو ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے، لٰہذا ان گناہوں سے عام دنوں میں بھی اور خاص طور پر عید جیسے بابرکت دنوں میں بچنا ضروری

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

ہے۔

بعض لوگ عید کے دن گانے بجانے کے جائز ہونے پر ایک روایت سے مغالطہ کھاتے ہیں جس میں عید کے دن انصاری لڑکیوں کے اشعار پڑھنے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ان کو ڈانٹنے اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجازت دینے کا ذکر ہے۔ [1]

حالانکہ اس روایت سے گانے کی اجازت نکالنا صحیح نہیں کیونکہ:

پہلی بات تو یہ ہے کہ موسیقی اور گانے بجانے کے ناجائز ہونے پر جو قرآن وسنت کے دلائل موجود ہیں وہ بہت کثرت سے، واضح اور صاف ہیں ان کے ہوتے ہوئے اس قسم کی گول مول اور مبہم روایت سے اپنا مقصد نکالنا صحیح نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب تک شرعی احکام میں سختی نہیں آئی تھی۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس روایت میں مرَوَّجہ گانے کا ذکر نہیں بلکہ جنگ بعاث (جو ایک جنگ کا نام ہے) کے اشعار (بغیر موسیقی کے آلات کے) ترنم کے ساتھ پڑھنے کا ذکر ہے اور ایسے اشعار کا گانے سے کوئی تعلق نہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ یہ لڑکیاں ابھی نابالغ اور غیر مکلّف تھیں، کوئی پیشہ ور گانے والیاں نہیں تھیں، چنانچہ احادیث ہی میں اس کی صراحت اور وضاحت بھی ہے کہ وہ لڑکیاں کوئی باقاعدہ گانے والی نہیں تھیں۔

پانچویں بات یہ ہے کہ یہ اشعار جنگ میں بہادری کے جذبات ابھارنے سے متعلق تھے جو ایک طرح سے جہاد کے لئے معاون اور مفید تھے، عشقیہ اشعار اور ناجائز مضامین پر مشتمل نہیں تھے، جیسا کہ پہلے عید کے دن مسنون ومستحب اعمال کے ضمن میں خوش اخلاقی کے

---

[1] عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ : دَخَلَ أَبُوْ بَكْرٍ وَعِنْدِيْ جَارِيَتَانِ مِنْ جَوَارِي الْأَنْصَارِ تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْأَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثَ، قَالَتْ وَلَيْسَتَا بِمُغَنِّيَتَيْنِ، فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ أَمَزَامِيْرُ الشَّيْطَانِ فِيْ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذٰلِكَ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا بَكْرٍ، إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَهٰذَا عِيْدُنَا (بخاری، حدیث نمبر ۹۵۲،مسلم،حدیث نمبر ۸۹۲،مسند احمد، حدیث نمبر ۲۵۰۲۸)

مظاہرہ کے ذیل میں گزرا۔ [1]

اورآج کل کے مروّجہ گانوں میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں پائی جاتی، اس لئے مروجہ گانا بجانا اور موسیقی ناجائز ہے، خواہ عید کے دن ہو یا کسی اور دن۔

یہی حق اور صحیح ہے اور اس سے ہٹنا گمراہی ہے اور ضلالت ہے۔ [2]

(تفصیل کے لیے ہماری کتاب ''ماہِ ربیع الاول کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمائیں)

عید کے دن غیر شرعی لباس اور زیب وزینت

بعض لوگ عید کے دن غیر شرعی لباس پہنتے ہیں چنانچہ خاص طور پر نوجوان عید کے دن کے لئے فیشن نُما اور ٹخنوں سے نیچے تک لٹکا ہوا لباس، پینٹ، شرٹ وغیرہ تیار کراتے ہیں، عورتیں باریک نیم برہنہ اور فیشنی لباس پہنتی ہیں، اور بھنویں کٹواتی ہیں، اسی طرح سَر کے بال بھی کٹواتی ہیں اور دوسری غیر شرعی زیب وزینت اور بے پردگی کا مظاہرہ کرتی ہیں۔

مرد داڑھی ایک مٹھی سے کم کر کے کاٹتے ہیں، اس دن بطورِ خاص شیو کرتے ہیں، خلافِ شرع

---

[1] چنانچہ وہ روایت یہ ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ: دَخَلَ أَبُوْ بَكْرٍ وَعِنْدِيْ جَارِيَتَانِ مِنْ جَوَارِي الْأَنْصَارِ تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْأَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثَ، قَالَتْ وَلَيْسَتَا بِمُغَنِّيَتَيْنِ، فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ أَمَزَامِيْرُ الشَّيْطَانِ فِيْ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذٰلِكَ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا بَكْرٍ، إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَهٰذَا عِيْدُنَا (بخاری، حدیث نمبر ۹۵۲، مسلم، حدیث نمبر ۸۹۲، مسند احمد، حدیث نمبر ۲۵۰۲۸)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور میرے پاس انصار کی دو لڑکیاں جنگ بعاث کے دن کے انصار کی بہادری کے شعر ترنم سے پڑھ رہی تھیں، اور وہ لڑکیاں گانے والی نہیں تھیں، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ شیطانی گانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں؟ اور وہ عید کا دن تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوبکر! ہر قوم کی عید (وخوشی) کا دن ہوتا ہے اور یہ ہماری عید (یعنی خوشی) کا دن ہے (ترجمہ ختم)

[2] قال القرطبی أما الغناء فلاخلاف فی تحریمه لانه من اللهو واللعب المذموم بالا تفاق أما مایسلم من المحرمات فیجوز القلیل منه فی الاعراس والا عیادو شبههماومذهب أبی حنیفة تحریمه وبه یقول أهل العراق (تنقیح فتاویٰ حامدیه للعلامه شامی ج ۲ ص ۳۵۹)

فیشن نُما کپڑے پہنتے ہیں، بالوں وغیرہ کی کٹنگ انگریزی اور خلافِ شریعت طرز پر کرائی جاتی ہے، اور داڑھی منڈا کر، انگریزی بال تراش کر عید کی نماز کے لئے آتے ہیں۔

بعض لوگ عید کے دن عید کی نماز کے لئے تو شلوار قمیض تیار کراتے ہیں اور عید کی نماز سے فارغ ہوتے ہی اس کو اتار کر فیشن نماز کپڑے پینٹ، شرٹ وغیرہ پہن لیتے ہیں، بہت سے لوگ عید کے کپڑے بناتے ہیں تو اس میں بھی حرام وحلال کا خیال نہیں کرتے۔

اسی طرح چھوٹی بچیوں کو بھی عید کے دن خوب زیور پہنایا جاتا ہے اور بے حدوحساب زیب وزینت کی جاتی ہے، جس میں کئی فتنے ہیں۔

یہ چیزیں شریعت کے موافق آرائش میں داخل نہیں، بلکہ گناہ یا غلو میں داخل ہیں۔

عید کا دن تو اللہ کی مہمانی کا دن ہے، اس دن میں ایسا لباس اور ایسی زینت اختیار کرنی چاہئے جو اللہ کو پسند ہو، کیونکہ اس دن مسلمان اللہ کی میزبانی میں ہوتے ہیں، ایسا طرز اور طریقہ اختیار کر کے اللہ کے مہمان بننا جو خود اللہ کو ناپسند ہو کتنی بڑی حماقت اور بے وقوفی ہے، جو عید سراسر اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کا مظاہرہ کرنے کے لئے تھی اُسے گناہوں سے ملوث کردیا۔

عید تو اسلامی چیز ہے اس دن گناہوں سے بچنا اور نیک کاموں کا خاص اہتمام کرنا چاہئے بلکہ طبیعت کو آمادہ کیا جائے کہ آئندہ بھی گناہ نہ کرے مومن کی زندگی گناہوں والی زندگی نہیں ہوتی۔

عید کے دن بے پردگی اور بے حیائی

عید کے دن بعض جگہ بے پردگی اور بے حیائی کا بھی مظاہرہ کیا جاتا ہے، چنانچہ عورتیں زیب وزینت اور نعوذ باللہ تعالیٰ نیم برہنہ لباس کے ساتھ بے پردہ ہوکر نامحرموں کے سامنے آتی ہیں، تفریح گاہوں اور ہوٹلوں اور بعض گھروں میں بھی عورتوں ومَردوں کا مخلوط، بے محابا اور

بلا تکلف اجتماع ہوتا ہے۔

بعض عورتیں عید ملنے کے لئے بن سنور کر نامحرم لوگوں کے سامنے جاتی ہیں ،جس میں بسا اوقات ایک دوسرے کے ساتھ مصافحہ بھی ہوتا ہے اور ایک دوسرے کو عید کی مبارک باد پیش کی جاتی ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ بے تکلفی اور ہنسی مذاق تک کی نوبت آ جاتی ہے، اور اس قسم کی دوسری خلافِ شرع حرکات بھی ہوتی ہیں ،ان بے ہودہ حرکات کا عید کے مبارک اسلامی تہوار سے تعلق نہیں اور ان حرکات کو عید کی آڑ میں انجام دینا سخت حماقت وسفاہت اور گناہ کی بات ہے۔

عیداور جمعہ کے ایک دن جمع ہونے کو بھاری سمجھنا

اگر کسی موقع پر عید اور جمعہ ایک دن جمع ہو جائیں تو اس کو بعض لوگ عوام یا حکومت پر بھاری سمجھتے ہیں، اور اس سے طرح طرح کی بدفالی لیتے ہیں۔

اس قسم کی بدفالی سخت گناہ ہے، عید کا جمعہ یا کسی بھی دن واقع ہونا صرف اور صرف اللہ کے حکم سے ہے، بندوں کا اس میں کوئی دخل نہیں، جب اللہ کا حکم ہوتا ہے چاند انتیس دن پر نظر آ جاتا ہے اور جب مہینہ کے تیس دن کے ہونے کا حکم ہوتا ہے تو مہینہ تیس دن کا ہوتا اور عید کے دنوں کی تبدیلی ہوتی ہے اور اللہ کے ہر حکم میں بندوں کے لئے کوئی نہ کوئی مصلحت اور حکمت ہوتی ہے، جب شریعت نے عید اور جمعہ ایک دن جمع ہونے کو معیوب قرار نہیں دیا، تو اس کو معیوب یا منحوس سمجھنے اور اس سے بدفالی و بدشگونی لینے کا کیا مطلب؟

اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ نبوت اور صحابۂ کرام کے مبارک زمانے میں بھی ایسے مواقع آئے کہ عید اور جمعہ ایک دن واقع ہوئے اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نے اس کو دو عیدوں کے جمع ہونے والا دن قرار دیا، اور عید اور جمعہ کی نمازیں اپنے اپنے وقتوں پر ادا فرمائیں۔

جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

اس لئے اپنی طرف سے اس کے بارے میں ایسا غلط عقیدہ رکھنا جائز نہیں ، بلکہ اگر غور کیا جائے تو جمعہ اور عید ایک دن جمع ہونے میں زیادہ خیر معلوم ہوتی ہے کیونکہ ایک تو خود عید کا دن بابرکت ہے دوسرے جمعہ کا دن بھی بذاتِ خود بابرکت دن اور ہفتہ بھر کے تمام دنوں کا سردار ہے لہٰذا ایک وقت میں دونوں دنوں کی برکات جمع ہونے میں زیادہ خیر وبرکت ہوگی۔

ہاں اگر دنیا دار لوگوں کو اس اعتبار سے بھاری گزرتا ہو کہ ایک ہی دن میں عید اور جمعہ کی دو نمازوں کا اہتمام کرنا پڑتا ہے تو یہ دنیا داروں کا معاملہ ہے، اور دیندار لوگ تو خوش ہوتے ہیں اور اللہ کا شکرادا کرتے ہیں کہ جس نے عید اور جمعہ کی دونوں نمازوں کی ایک ہی دن میں سعادت جمع کر کے عطا فرمادی۔ [1]

عیدین کی نماز یا خطبہ کے بعد دُعا کا مسئلہ

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عید کی نماز اور اس کے بعد خطبہ پڑھنے کا ذکر ملتا ہے، اور بطور خاص عید کی نماز یا خطبہ کے بعد دعا کرنے کی صراحت نہیں ملتی، البتہ خطبہ کے دوران عربی میں دعائیہ کلمات اور مسنون دعاؤں کے پڑھنے کے جائز ہونے میں کلام نہیں۔ [2]

تاہم ہمارے اکثر اکابر فقہائے کرام نے عید کی نماز کے باجماعت ادا کیے جانے کی وجہ سے اس کو فرض نماز کے ساتھ مشابہت حاصل ہونے کی بناء پر فرض نماز کے بعد والی دعا پر قیاس کرتے ہوئے عیدین کی نماز کے بعد دُعا کا استحباب اور اس کے بعد پھر دوبارہ خطبے سے

---

[1] اور جہاں تک گاؤں ودیہات کے لوگوں کا تعلق ہے کہ انہیں شہر میں آ کر عید اور جمعہ کی دونوں نمازوں کو پڑھنا مشکل اور بھاری ہوسکتا ہے، تو ان کے لیے شریعت نے خود تخفیف وآسانی فرمادی ہے، جس کی تفصیل پہلے عید کی نماز کے جمعہ کی نماز کا متبادل ہونے کی بحث میں گزر چکی ہے۔

[2] الخطبة مشتملة على الدعاء كما أنها تشتمل على غيره من بيان أحكام العيد (عمدة القارى، ج۶، ص ۲۷۲، كتاب العيدين، باب سنة العيدين لأهل الإسلام)

فراغت کے بعد دُعا نہ ہونے کا حکم بیان فرمایا ہے، اور اگر کوئی یہ دعا نہ کرے، اس میں بھی حرج نہ ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔

جبکہ بعض حضرات نے استسقاء کی نماز کی طرح خطبہ کے بعد دعا کرنے کی بھی گنجائش بیان فرمائی ہے۔

لیکن ایک تو اکابر فقہاء کی تصریح کے مطابق عید کی نماز کے بعد کی یہ دُعا مستحب ہے، اس کو ضروری نہ سمجھنا چاہیے، اور اگر کوئی نہ کرے تو اس پر بھی ملامت نہیں کرنی چاہیے۔

دوسرے عید کی نماز کے بعد دعا کو مختصر کرنا چاہیے، جیسا کہ اُن فرض نمازوں کے بعد مختصر دُعا پر اکتفاء کرنا چاہیے جن کے بعد سنتیں ہیں، کیونکہ لمبی دعا سے خطبہ میں فصل ہو جاتا ہے جو کہ خلافِ سنت ہے۔

اس سلسلہ میں اکابر فقہاء کے چند حوالہ جات وعبارات ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

> خطبے سے اول وآخر دعا کرنا کہیں ثابت نہیں، لہٰذا نہ کرنا چاہئے، البتہ بعد سلام نمازِ عید کے دعا کریں، پھر منبر پر کھڑا ہو کر دعا ثابت نہیں (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۳۸، کتاب البدعات)

اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

> ظاہراً قواعدِ عامہ سے نماز ہی کے بعد دعا بہتر معلوم ہوتی ہے، اُسی ہیئت سے جیسے اور نمازوں کے بعد ہے (امداد الفتاویٰ ج ا ص ۴۰۷)

اور ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

> عموماتِ نصوص سے فضیلتِ دعا بعد الصلوٰۃ کی ثابت ہے، پس اُس عموم میں اس (یعنی عید کی نماز کے بعد کی دعا) کے داخل ہونے کی گنجائش ہے۔
> اور اگر کوئی شخص بالخصوص منقول نہ ہونے کے سبب اس کو ترک کرے اُس پر بھی

ملامت نہیں۔

بہر حال یہ مسئلہ ایسا مہتم بالشان نہیں ہے دونوں جانب میں توسع ہے (ایضاً ص۴۰۵) ۱؎

اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

احادیثِ قولیہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے باسانیدِ صحیحہ ہر نماز کے بعد جس میں نمازِ عید بھی داخل ہے دعاء مانگنے کی فضیلت وثواب منقول ہے اگر چہ احادیثِ

۱؎ نیز ایک سوال کا فارسی زبان میں جواب تحریر فرماتے ہیں کہ:

وعمل من واکابرِ من موافق ہمین است یعنی بعد نمازِ عیدین دعا معمول است

ترجمہ: میرا اور میرے اکابر کا عمل اسی کے موافق ہے یعنی عید کی نماز کے بعد دعا کا معمول ہے (امداد الفتاویٰ، ج۱، ص۴۰۶)

اور حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ ایک وعظ میں فرماتے ہیں کہ:

عید کی نماز کے بعد تو دعا مانگنے کی گنجائش ہے، لیکن خطبہ کے بعد دعا کرنا محض بے دلیل ہے، اس واسطے خطبے کے بعد دعا نہ مانگی جاوے (خطباتِ حکیم الامت جلد ۱۷، بعنوان سنتِ ابراہیم، صفحہ ۴۹۴، وعظ احکامِ حج، مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان)

اور حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

نماز کے بعد دعا کرنا مطلقاً جائز ہے، اور رفع یدین آدابِ دعا سے ہے، لہٰذا بعد نماز عیدین کے دعا برفعِ یدین جائز ہے، اور ثواب کی بھی امید ہے، مگر اس کو ضروری نہ سمجھا جاوے اور جو لوگ اس سے منع کرتے ہیں اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت دعا کرنا جائز ہی نہیں تب تو وہ غلط کہتے ہیں، اور مباح سے روکنے کے سبب ''لم تحرم ما احل اللہ لک'' کے مخاطب ہیں، اور اگر یہ مطلب ہے کہ اس وقت دعا برفعِ یدین ضروری نہیں (یا کسی اور خرابی سے منع کرنا مقصد ہے۔ ناقل) تو ان کا قول بھی صحیح ہے، ان سے جھگڑنے کی ضرورت نہیں (امداد الاحکام ج۱ ص۷۳۵)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ:

عیدین کی نماز کے بعد دعا کرنا جائز ومستحب یقیناً ہے، استحباب وجواز کا انکار نہیں ہوسکتا، لیکن اگر کوئی شخص جائز ومستحب فعل کو ترک کردے تو اس پر ملامت وطعن اور اس سے ترکِ موالات ہرگز جائز نہیں، کیونکہ یہ شان ترکِ فرائض وواجبات کی ہے نہ کہ مستحبات کی، اور اگر کسی وقت مستحب وسنت کے ترک پر ملامت وطعن ہونے لگے اور اس مستحب وسنت کے ساتھ واجب وفرض کا معاملہ ہونے لگے تو اس وقت اصلاحِ عقیدۂ عوام کے لئے اس مستحب کا ترک کردینا ضروری ہوجاتا ہے۔

تو جو لوگ بعد صلوٰۃِ عیدین کے دعا کو مستحب سمجھتے ہیں وہ تارکین پر ملامت وطعن کرنے کی وجہ سے خود ہی اس مستحب کو ممنوع بنانا چاہتے ہیں (امداد الاحکام ج۱ ص۷۴۳)

فعلیہ میں عمل کی تصریح نہیں مگر نفی بھی منقول نہیں اس لئے حدیثِ قولیہ پر عمل کرنا اور ہر نماز کے بعد اور عیدین کے بعد دعا مانگنا جائز ومستحب ہوگا (امداد المفتین ص ۴۰۸)

اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

عام طور سے نماز کے بعد دعاء مانگنا وارد ہوا ہے لہٰذا عیدین کی نماز کے بعد بھی دعاء مانگنا مسنون ومستحب ہے (فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل ج ۵ ص ۱۸۸) [1]

---

[1] ایک اور مقام پر فارسی زبان میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

دعا بعد الصلوٰۃ مسنون ومستحب است ودر احادیث وارد شدہ است، کما نقلہا فی الحصن الحصین وغیرہ، پس در صلوات صلوٰۃ عیدین ہم داخل وشامل است بدعت گفتن آنرا صحیح نیست وا کابر امت مثل حضرت مولانا رشید احمد محدث وفقیہ گنگوہی راو جمیع اکابر واساتذہ ما بعد نمازِ عیدین مثل صلوات مکتوبات دعا می فرمودند پس ہر کہ آنرا بدعت گفتہ صحیح نیست (فتاویٰ دار العلوم، جلد ۵ صفحہ ۲۰۲)

ترجمہ: نماز کے بعد دعا مانگنا مسنون اور مستحب ہے، اور اس میں احادیث وارد ہوئیں ہیں، جیسا کہ حصنِ حصین میں منقول ہے، پس نمازوں میں عید کی نماز بھی داخل اور شامل ہے، پس اس کو بدعت کہنا صحیح نہیں اور اکابر امت مثلاً حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور تمام اکابر واساتذہ نمازِ عیدین کے بعد فرض نمازوں کی طرح دعا مانگتے تھے، پس جو اس کو بدعت کہتا ہے وہ صحیح نہیں۔

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

بعد نمازِ عیدین دعاء مانگنا ان احادیث کے عموم سے ثابت ہے جن میں بعد الصلوٰۃ دعاء مانگنا مستحب معلوم ہوتا ہے اور نمازِ عیدین کے اس سے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور وہ احادیث حصن حصین وغیرہ کتب احادیث میں مذکور ہیں۔ البتہ خطبے کے بعد دعاء مانگنا وارد نہیں ہوا، نہ خصوصاً نہ عموماً (ایضاً صفحہ ۲۱۹)

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

عیدین کی نماز کے بعد مثل دیگر نمازوں کے دعا مانگنا مستحب ہے، خطبہ کے بعد دعا مانگنے کا استحباب کسی روایت سے ثابت نہیں ہے اور عیدین کی نماز کے بعد دعا کرنے کا استحباب ان ہی حدیثوں وروایات سے معلوم ہوتا ہے، جن میں عموماً نمازوں کے بعد دعا مانگنا وارد ہوا ہے اور دعا بعد الصلوٰۃ مقبول ہوتی ہے، حصن حصین میں وہ احادیث مذکور ہیں اور ہمارے حضرات اکابر کا یہی معمول رہا ہے، بندہ کے نزدیک جو علماء عیدین کی نماز کے بعد دعا مانگنے کو بدعت یا غیر ثابت فرماتے ہیں، وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ عموماً نمازوں کے بعد دعا کا استحباب ثابت ہے، پھر عیدین کی نمازوں کا استثناء کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور وہ احادیث معروف ومشہور مشکوٰۃ شریف وحصن حصین میں مذکور ہیں، ان کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں (ایضاً صفحہ ۲۲۵)

ایک اور مقام پر حضرت مفتی صاحب موصوف رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

نمازِ عیدین کے بعد خصوصیت سے دعا کا ذکر نہیں، ممانعت بھی نہیں، نماز فرض ہو یا نفل، عمومی روایات میں دعا مذکور ہے، عمل الیوم واللیلۃ میں ان روایات کی تخریج ہے، اس عموم میں نمازِ عیدین بھی داخل ہے (فتاویٰ محمودیہ جلد ہشتم صفحہ ۴۵۹) ۱؎

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ہمارے حضراتِ اکابر مثل حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ اور حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ اور دیگر حضراتِ اساتذہ مثل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب صدر مدرس سابق، مدرسہ ھٰذا (دار العلوم دیوبند) اور حضرت مولانا محمود حسن صاحب صدر مدرس، مدرسہ ھٰذا (دار العلوم دیوبند) وغیرہم کا یہی معمول رہا ہے کہ بعد عیدین کے بھی مثل تمام نمازوں کے ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگتے تھے اور احادیث سے بھی مطلقاً نمازوں کے بعد دعاء مانگنا ثابت ہے، اس میں عیدین کی نماز بھی داخل ہے، لہٰذا راجح ہمارے نزدیک یہی ہے کہ دعاء بعد نمازِ عیدین بھی مستحب ہے (فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل ج ۵ ص ۱۸۸)

۱؎ ایک اور مقام پر حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

عیدین کی نماز کے بعد خصوصیت سے دعا یا عدم منقول نہیں، لیکن مطلقاً ہر نماز کے بعد دعا روایات سے ثابت ہے، پس عیدین کے بعد بھی دعا کرنا مسنون ہوگا (فتاویٰ محمودیہ، ج ۸، ص ۴۶۱)

ایک اور مقام پر حضرت مفتی صاحب موصوف رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

احادیث سے علی الاطلاق بعد صلوٰۃ دعا کا ثبوت ہے، ترمذی شریف میں ہے کہ:

کان یعلم بنیه هؤلاء الکلمات کمایعلم المُکتِب الغلمان یقول: ان رسول اللہ ﷺ کان یتعوذبهن دبر الصلاۃ: اللهم انی اعوذبک من الجبن الخ (ج ۲ ص ۱۵ ۲)

وفیه: فقال رسول اللہ ﷺ: عجلت ایها المصلی اذاصلیت فقعدت، فاحمدالله بماهو اهله، وصل علی، ثم ادعه، الخ. وقال هذاحدیث حسن (ج ۲ ص ۲۰۵)

عمل الیوم واللیلۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

عن النبی ﷺ انه قال: مامن عبد بسط کفیه دبر کل صلوٰۃ ثم یقول "اللهم، الخ...... الاکان حقا علی اللہ عزوجل ان لایرد یدیه خائبین.

اور متبادر بعدیت سے بعدیتِ متصلہ ہے، لہٰذا بعد عید خطبہ ہو کر دعا کرنا پھر اس کو متصل قرار دینا مجازاً ہوگا جو متبادر نہیں، اس وجہ سے بعد نماز دعا نہ کرنا اور بجائے اس کے خطبہ دعا مانگنا کسی کی روایت نہیں، لہٰذا بعد نماز دعا نہ کرنا اور بجائے اس کے خطبہ کے بعد دعا کرنے کو معین کر لینا تحصیص بلا دلیلِ شرعی ہے (فتاویٰ محمودیہ جلد ہشتم صفحہ ۴۶۲ ۴ صفحہ ۴۶۳)

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

دعا نماز کے متصل بعد ہی مسنون ہے، خطبہ کے بعد اجتماعی طور سے دعا مانگنا کہیں ثابت نہیں (فتاویٰ عثمانی جلد ا، صفحہ ۵۹۵، فصل فی العیدین) لے

اور فتاویٰ حقانیہ میں ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

خیر الفتاویٰ میں ہے کہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے منقول نہیں کہ نماز یا خطبہ کے بعد دعا کرتے تھے، اور اسی طرح کتبِ فقہ میں بھی یہ دعا مذکور نہیں، اور اکابر علمائے دیوبند کا طرزِ عمل بھی یہی لکھا ہے کہ وہ خطبہ کے بعد دعا نہیں مانگتے تھے، اور حدیث شریف میں عورتوں کے بارے میں وارد ہے:

ویشھدن الخیر ودعوۃ المؤمنین وفی روایۃ یشھدن جماعۃ المسلمین ودعوتھم الخ

لفظِ ''دعوتہم'' سے بعض حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ معروف طریقے پر اجتماعی دعا کرنا اس سے مراد ہے، حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو شروحِ حدیث اور کتبِ فقہ میں مستقلاً اس دعا کا ذکر ہوتا، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس دعوت سے مراد خطبہ ہے، یا نماز وخطبہ میں کی جانے والی دعائیں ہیں، سورۂ فاتحہ میں دعا ہے، تمام مقتدی آمین کہہ کر اس میں شریک ہوتے ہیں، اور اللہ پاک کی بارگاہ سے نازل ہونے والی رحمت واجابت اس پورے مجمع کو گھیر لیتی ہے، آخری تشہد میں دعائیں ہیں اور ایک روایت میں ہے:

فاذا کان یوم عیدھم یعنی یوم فطرھم باھی بھم ملائکۃ فقال یاملائکتی (الیٰ ان قال)عبیدی وامائی قضوا فریضتی علیھم ثم خرجوا یعجون الی الدعاء وعزتی وجلالی وکرمی وعلوی وارتفاع مکانی لاجیبنھم فیقول ارجعوا قد غفرت لکم الحدیث(مشکوٰۃ ص ۱۸۲، ج ۱)

اس حدیث میں عید کو جاتے ہوئے دعا کا ذکر ہے، تکبیرات بھی بمعنیٰ دعا ہیں، کیوں کہ رب کریم کی ثناء وتکبیر بھی دعا ہے۔ الغرض اتنی متنوع اور متعدد ومتفقہ دعاؤں کی موجودگی میں ''دعوتہم'' کے لفظ کو معروف زمانہ دعا پر محمول کرنا قرینِ قیاس نہیں، البتہ دیگر تمام نمازوں کے بعد دعا مانگنا چونکہ مستحب ہے، اس عموم کے تحت داخل کرتے ہوئے اگر نمازِ عیدین کے بعد بھی دعا کر لی جائے تو گنجائش ہے، لیکن خطبے کے بعد دعا کرنا کسی طرح بھی ثابت نہیں (خیر الفتاویٰ جلد ۳ صفحہ ۱۲۸ و ۱۲۹)

لے ایک اور سوال کے جواب میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں کہ:

چونکہ ہر نماز کے بعد دعا کرنا ثابت ہے، اس لئے اس میں عیدین بھی شامل ہیں، اور خطبے کے بعد دعا کرنے کا ثبوت کہیں نہیں ہے اور اکابر دیوبند کا معمول بھی یہی رہا ہے، اور بہشتی زیور فقہی اعتبار سے ''علم الفقہ'' کے مقابلے میں زیادہ مستند اور معتبر کتاب ہے (فتاویٰ عثمانی، ج ۱، صفحہ ۶۰۲)

نمازِ عیدین کے بعد دعا مانگنے پر اکابرینِ امت کا تعامل چلا آرہا ہے، اس لئے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، بلکہ دعا مانگنا مستحب ہے (فتاویٰ حقانیہ، جلد سوم صفحہ ۳۹۶)

ان عبارات سے عید کی نماز کے بعد دعا کا مستحب ہونا اور خطبہ کے بعد دعا کا مستحب نہ ہونا معلوم ہوا۔

اور حضرت مولانا مفتی محمد کفایتُ اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

عیدین کے بعد دعا مانگنے کا فی الجملہ تو ثبوت ہے، مگر تعینِ موقع کے ساتھ ثبوت نہیں کہ نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد۔

دونوں موقعوں میں سے کسی ایک موقع پر دعا مانگنے میں مضائقہ نہیں ہے (کفایتُ المفتی، جلد۳، صفحہ ۳۹۹، کتاب الصلاۃ، چھٹا باب، نمازِ عیدین)

اور حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

عید کا خطبہ نماز کے بعد ہوتا ہے، دعا بعض حضرات نماز کے بعد کرتے ہیں، اور بعض خطبہ کے بعد، دونوں کی گنجائش ہے؛ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام اور فقہاء سے اس سلسلہ میں کچھ منقول نہیں (آپ کے مسائل اور اُن کا حل، جلد۲، صفحہ ۴۱۷، عیدین کی نماز کا بیان)

ان عبارات سے عید کی نماز کے خطبے کے بعد دعا کرنے کی گنجائش کا ہونا معلوم ہوا۔

کیونکہ استسقاء کی نماز میں خطبہ کے بعد دعا کا احادیث میں ثبوت موجود ہے، اور استسقاء کی نماز کو عید کی نماز کے ساتھ مشابہت حاصل ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

خَرَجَ رَسُولُ اللَّـهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَخَشِّعًا مُتَذَلِّلًا فَصَنَعَ فِيهِ كَمَا يَصْنَعُ فِي الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى (سنن الدارقطني، حديث نمبر ۱۸۰۶، واللفظ لهٗ؛ صحيح ابن خزيمة، حديث نمبر ۱۴۱۹؛ مستدرك حاكم، حديث نمبر ۱۲۱۸)

قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ رُوَاتُهُ مِصْرِيُّونَ وَمَدَنِيُّونَ، وَلَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْهُمْ مَنْسُوبًا إِلَى نَوْعٍ مِنَ الْجَرْحِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ "وَقَدْ رَوَاهُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ هِشَامِ بْنِ إِسْحَاقَ(حواله بالا)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس پر قیاس کرتے ہوئے خطبہ کے بعد دعا کی گنجائش ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اس سے عید کی نماز کا استسقاء کی نماز کے مشابہ ہونا معلوم ہوا۔

اور امام طحاوی رحمہ اللہ استسقاء کی نماز کے بعد خطبے کو عید کی نماز کے خطبے پر قیاس کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

قد اختلف في خطبة رسول الله صلى الله عليه وسلم متى كانت. ففي حديث عائشة رضي الله عنها, وعبد الله بن زيد أنه خطب قبل الصلاة, وفي حديث أبي هريرة رضي الله عنه أنه خطب بعد الصلاة فنظرنا في ذلك, فوجدنا الجمعة فيها خطبة وهي قبل الصلاة, ورأينا العيدين فيهما خطبة وهي بعد الصلاة كذلك كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعل. فأردنا أن ننظر في خطبة الاستسقاء بأي الخطبتين هي أشبه ؟ فنعطف حكمها على حكمها. فرأينا خطبة الجمعة فرضا, وصلاة الجمعة مضمنة بها لا تجزء إلا بإصابتها, ورأينا خطبة العيدين ليست كذلك لأن صلاة العيدين تجزء أيضا وإن لم يخطب, ورأينا صلاة الاستسقاء تجزء أيضا وإن لم يخطب. ألا ترى أن إماما لو صلى بالناس في الاستسقاء ولم يخطب كانت صلاته مجزئة غير أنه قد أساء في تركه الخطبة فكانت بحكم خطبة العيدين أشبه منها بحكم خطبة الجمعة. فالنظر على ذلك أن يكون موضعها من صلاة الاستسقاء مثل موضعها من صلاة العيدين فثبت بذلك أنها بعد الصلاة لا قبلها. وهذا مذهب أبي يوسف. وقد روى ذلك عمن بعد النبي صلى الله عليه وسلم أنه صلى في الاستسقاء وجهر بالقراءة (شرح معاني الآثار، باب الاستسقاء كيف هو, وهل فيه صلاة أم لا ؟)

اور فقہائے کرام نے استسقاء میں خطبے کے بعد دعا کو سنت و مستحب قرار دیا ہے۔

(قوله ثم يدعو حتى تنجلي الشمس) أي يدعو الإمام والناس معه حتى تنجلي الشمس للحديث المتقدم أطلقه فأفاد أن الداعي مخير إن شاء دعا جالسا مستقبل القبلة، وإن شاء دعا قائما يستقبل الناس بوجهه قال الحلواني وهذا أحسن، ولو قام ودعا معتمدا على عصا أو قوس كان أيضا حسنا وأفاد بكلمة ثم أن السنة تأخير الدعاء عن الصلاة؛ لأنه هو السنة في الأدعية وفي المحيط، ولا يصعد الإمام على المنبر للدعاء ، ولا يخرج (البحر الرائق، ج٢، ص ١٨١، باب صلاة الاستسقاء)

ثم هو في الدعاء بالخيار إن شاء دعا جالسا مستقبل القبلة ، وإن شاء قائما يستقبل الناس بوجهه ويؤخر الدعاء عن الصلاة ؛ لأنه هو السنة في الأدعية(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج ا ص ٢٣٠ ، باب الاستسقاء)

[1] البتہ اس قیاس پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ استسقاء میں اصل مقصود دعا ہے، اور اسی وجہ سے استسقاء بغیر نماز کے بھی وارد ہے، جبکہ عید کی نماز میں اصل مقصود دعا نہیں، بلکہ نماز ہے؛ مگر اس فرق سے خطبے کے بعد دعا کے جواز پر کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ عید کی نماز یا خطبے کے بعد اصل سے دعا ضروری نہیں، بلکہ اصل مقصود نماز ہے، لیکن اگر کوئی خطبے کے بعد دعا کرے، تو اس کی اصل استسقاء کی نماز میں موجود ہے، بالخصوص جبکہ خطبے کے بعد دعا کرنے میں خطبے اور نماز کے درمیان فصل کا بھی خدشہ نہیں ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ خطبے کا درجہ دعا سے زیادہ ہے، اور عام نمازوں اور جمعہ کی نماز کے مقابلے میں عید کی نماز کو استسقاء کی نماز کے ساتھ زیادہ مماثلت ومشابہت حاصل ہے، اس لیے کہ دونوں جگہ نماز کے بعد خطبہ ہے۔ محمد رضوان۔

البتہ بعض حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عید کی نماز اور خطبہ کے بعد خصوصیت کے ساتھ دعا منقول نہ ہونے کی وجہ سے دونوں مقامات پر دعا کا انکار فرمایا ہے۔ [1]

بہر حال اگر کوئی امام عید کی نماز کے بعد مختصر دعا کرے، اور اس کے بعد خطبہ پڑھے اور خطبہ کے بعد پھر دعا نہ کرے، اس کی بھی گنجائش ہے، بلکہ اکثر اکابر فقہاء کے نزدیک مستحب ہے۔

اور اگر کوئی سرے سے یہ دعا نہ کرے، تو بھی کوئی گناہ نہیں، لہٰذا اس پر بھی ملامت نہیں کرنی چاہیے۔

جبکہ بعض حضرات کے نزدیک نمازِ استسقاء کے خطبے کے بعد کی طرح عید کی نماز کے بعد دعا کی گنجائش موجود ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص عید کی نماز کے بعد دعا نہ کرے، بلکہ خطبہ سے فارغ ہو کر دعا کرے تو اس پر بھی نکیر نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ اس کی بھی گنجائش موجود ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ [2]

---

[1] چنانچہ فیض الباری میں ہے کہ:

لم یثبت عنه ﷺ بعد صلاة العیدین دعاء فالسنة الخاصة فی ذالک قاضیة علیٰ عموم الاحادیث فی الاذکار بعد الصلوات (فیض الباری ،جلد ۲ صفحہ ۳۶۲، کتاب العیدین، مکتبة حقانیة، پشاور)

اور علم الفقہ میں ہے کہ:

بعد نمازِ عیدین کے یا بعد خطبہ کے دعا مانگنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں، اور اگر ان حضرات نے کبھی دعا مانگی ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی، لہٰذا بغرضِ اتباع دعا نہ مانگنا مانگنے سے بہتر ہے (علم الفقہ ،حصہ دوم ،صفحہ ۳۲۶، عیدین کی نماز کا بیان)

مگر اکابر فقہائے کرام کی یہ تصریحات پہلے گزر چکی ہیں کہ انہوں نے عید کی نماز یا بعض نے خطبہ کے بعد دعا کے استحباب وجواز پر استدلال علی التعیین کسی حدیث سے نہیں کیا، بلکہ فرض اور جماعت سے پڑھی جانے والی نماز کے بعد کی، یا پھر استسقاء کی دعا پر قیاس کیا ہے، اور ضروری پھر بھی قرار نہیں دیا، لہٰذا علی التعیین ثبوت نہ ہونے سے کوئی حرج لازم نہیں آنا چاہیے۔ محمد رضوان

[2] مسئلہ ھٰذا میں اس مرتبہ دوبارہ غور کر کے مندرجہ بالا تحقیق کی گئی ہے، جو کہ اب بندہ کے نزدیک راجح ہے۔ محمد رضوان۔

شوّال کے چھ روزوں کے فضائل واحکام

رمضان کے روزوں اور عید الفطر سے فراغت کے بعد شوال کے مہینہ میں روزے رکھنے کی احادیث میں ترغیب آئی ہے، اور خاص طور پر رمضان کے روزے رکھ کر عید کے بعد شوال کے مہینہ میں چھ نفلی روزے رکھنے کی عظیم الشان فضیلت بیان کی گئی ہے۔

چنانچہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَہٗ سِتًّامِّنْ شَوَّالٍ کَانَ کَصِیَامِ الدَّھْرِ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس نے رمضان کے روزے رکھے اوراس کے بعد چھ (نفل) روزے شوال کے مہینے میں رکھ لئے تو (پورے سال کے روزے رکھنے کا ثواب ہوگا، اگر ہمیشہ ایسا ہی کرے گا تو) گویا اس نے ساری عمر روزے رکھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ، وَسِتًّا مِنْ شَوَّالٍ، فَکَأَنَّمَا صَامَ السَّنَةَ کُلَّھَا (مسند احمد) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ جس نے

---

[1] حدیث نمبر ۲۰۴،حدیث نمبر ۱۱۶۴، کتاب الصیام، باب استحباب صوم ستة أیام من شوال إتباعا لرمضان،داراحیاء التراث العربی، بیروت، واللفظ لہٗ؛ ترمذی، حدیث نمبر ۷۵۹؛ مسند احمد، حدیث نمبر ۲۳۵۳۳؛ ابوداؤد، حدیث نمبر ۲۴۳۳؛ ابنِ ماجه، حدیث نمبر ۱۷۱۶.

[2] حدیث نمبر ۱۴۳۰۲،مؤسسة الرسالة، بیروت، واللفظ لہٗ؛ سنن کبریٰ نسائی، حدیث نمبر ۲۸۷۸.

فی حاشیة مسند احمد: صحیح لغیرہ.

رمضان کے روزے رکھے اور شوال کے چھ روزے رکھے، تو گویا کہ اس نے پورے سال کے روزے رکھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ صَامَ رَمَضَانَ، وَأَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ فَذٰلِكَ صِيَامُ الدَّهْرِ ، قَالَ :قُلْتُ لَهُ :كُلُّ يَوْمٍ عَشْرٌ؟، قَالَ :نَعَمْ (المعجم الكبير للطبرانی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے، تو یہ پورے زمانے (یعنی سال بھر) کے روزے ہیں، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہر ایک دن، دس (دن کے روزوں کے ثواب) کے برابر ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک (ترجمہ ختم)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

حَدِيْثُ اَبِيْ اَيُّوْبَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَقَدِاسْتَحَبَّ قَوْمٌ صِيَامَ سِتَّةِ أَيَّامٍ مِنْ شَوَّالٍ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ (ترمذی) [2]

ترجمہ: حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے، اور اس حدیث کی وجہ سے علماء کی جماعت نے شوال کے چھ روزوں کو مستحب قرار دیا ہے (ترجمہ ختم)

---

[1] حديث نمبر ۳۹۰۲، مكتبة ابنِ تيمية، القاهرة.

قال الهيثمی:

رواه الطبرانی فی الكبير، ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، ج۳ص ۱۸۴، باب فيمن صام رمضان وستة أيام من شوال)

[2] ابواب الصوم، باب ما جاء فی صيام ستة أيام من شوال، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابی الحلبی -مصر.

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَسِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ، فَقَدْ صَامَ السَّنَةَ (صحیح ابنِ حبان) [1]

ترجمہ: جس نے رمضان کے روزے رکھے اور شوال کے چھ روزے رکھے، تو اس نے پورے سال کے روزے رکھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ثوبان کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : صِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعَشَرَةِ أَشْهُرٍ وَصِيَامُ سِتَّةِ أَيَّامٍ مِّنْ شَوَّالٍ بِشَهْرَيْنِ فَذٰلِكَ صِيَامُ سَنَةٍ (السنن الکبریٰ للنسائی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کے مہینہ کے روزے دس مہینوں کے (اجروثواب کے) برابر ہیں اور شوال کے چھ دِنوں کے روزے دومہینوں کے (اجروثواب کے) برابر ہیں، پس یہ (دونوں قسم کے روزے) پورے سال کے روزوں کے برابر ہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت ثوبان کی ایک روایت میں یہ مضمون اس طرح آیا ہے کہ:

---

[1] حدیث نمبر ۳۶۳۵، کتاب الصوم، باب صوم التطوع، مؤسسة الرسالة، بیروت، واللفظ لهٗ؛ مسند الشاميين للطبرانی، حديث نمبر ۴۸۵.

فی حاشية ابنِ حبان:

إسناده صحيح، أبو أسماء الرحبی :هو عمرو بن مرثد . وأخرجه أحمد ۵/۲۸۰، والدارمی ۲/۲۱، والطحاوی فی "مشكل الآثار۳/۱۱۹، ۱۲۰"، وابن ماجه "۱۷۱۵" "فی الصيام :باب صيام ستة أيام من شوال، والبيهقی ۴/۲۹۳، والنسائی فی "الكبرى" "كما فی "التحفة"۲/۱۳۹"، والخطيب فی تأريخه ۲/۳۶۲ من طرق عن يحيى بن الحارث الذماری، بهذا الإسناد.

[2] حديث نمبر ۲۸۷۳، كتاب الصيام،باب صيام ستة أيام من شوال، مؤسسة الرسالة، بيروت؛ شرح مشكل الآثار، حديث نمبر ۲۳۴۸؛ تاريخ بغداد، ج ۱، ص ۴۶۴.

قال الالبانی: صحيح (صحيح الترغيب والترهيب، تحت حديث نمبر ۱۰۰۷)

أَنَّـهُ سَـمِـعَ رَسُـوْلَ الـلّٰـهِ صَـلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ :جَـعَلَ اللّٰهُ الْحَسَنَةَ بِعَشْرٍ فَشَهْرٌ بِعَشَرَةِ أَشْهُرٍ وَسِتَّةُ أَيَّامٍ بَعْدَ الْفِطْرِ تَمَامُ السَّنَةِ (السنن الکبریٰ للنسائی) [1]

ترجمہ: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنا کہ اللہ تعالیٰ نے نیکی کو دس نیکیوں کے برابر کر دیا ہے، پس (رمضان کا) ایک مہینہ دس مہینوں کے (اجروثواب کے) برابر ہے اور عیدُ الفطر کے بعد چھ دِن (کے روزے ملا کر) پورے سال کے برابر (اجروثواب) ہے (ترجمہ ختم)

اور ابنِ ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

مَنْ صَامَ سِتَّةَ أَيَّامٍ بَعْدَ الْفِطْرِ كَانَ تَمَامَ السَّنَةِ، مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا (ابنِ ماجہ) [2]

ترجمہ: جس نے عیدُ الفطر کے بعد چھ روزے رکھے، تو یہ (رمضان کے روزوں کے ساتھ مل کر اجروثواب میں) پورے سال کے برابر ہو جائیں گے، جو شخص ایک نیک عمل کرے گا، تو اسے اُس کے دس گنا اجروثواب حاصل ہوگا (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَأَتْبَعَهُ بِسِتٍّ مِنْ شَوَّالٍ فَذٰلِكَ صِيَامُ الدَّهْرِ (مستخرج ابی عوانة) [3]

---

[1] حديث نمبر ۲۸۷۴، كتاب الصيام، باب صيام ستة أيام من شوال، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ؛ شرح مشكل الآثار، حديث نمبر ۲۳۴۹؛ مسند احمد، حديث نمبر ۲۲۴۱۲.
فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن .

[2] حديث نمبر ۱۷۱۵، كتاب الصيام، باب صيام ستة أيام من شوال.
(حكم الألبانی)صحيح.

[3] حديث نمبر ۲۷۰۲، كتاب الصيام، باب بيان ثواب من صام رمضان، وفضيلة صومه إذا أتبع بصوم ستة أيام من شوال، دارالمعرفة، بيروت، واللفظ لهٗ؛ مسند بزار، حديث نمبر ۸۳۳۴.
قال الهيثمی: رواه البزار وله طرق رجال بعضها رجال الصحيح (مجمع الزوائد، ج۳ص ۱۸۳)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے، تو یہ (ثواب کے اعتبار سے) پورے زمانے (یعنی سال بھر) کے روزے ہیں (ترجمہ ختم)

ثواب دینے کے بارے میں اللہ عزوجل نے یہ مہربانی فرمائی ہے کہ ہر عمل کا ثواب کم ازکم دس گنا مقرر فرمایا ہے، جب کسی نے رمضان کے تیس روزے رکھے اور پھر چھ روزے اور رکھ لئے تو یہ چھتیس روزے ہوگئے، چھتیس کو دس میں ضرب دینے سے تین سو ساٹھ ہوجاتے ہیں، قمری سال کے حساب سے ایک سال میں عموماً تین سو چوّن دن ہوتے ہیں، لہٰذا چھتیس روزے رکھنے پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک پورے سال کا ثواب شمار ہوگا اور ثواب کے اعتبار سے ساری عمر روزہ رکھنے والا مان لیا جائے گا۔ [1]

محدثین نے لکھا ہے کہ رمضان کے فرض روزے رکھنے کے بعد شوال کے مہینے میں ان چھ نفلی روزوں کو وہی نسبت اور مقام حاصل ہے جو فرضوں کے ساتھ سنت ونفل نماز کو حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے روز فرض نماز کے اندر اگر کوئی چھوٹی موٹی کمی کوتاہی ہوگی تو وہ سنت ونفل نمازوں سے پوری کی جائے گی، لہٰذا جو لوگ صرف رمضان کے روزے رکھ کر اس کے پورے فوائد اور برکات حاصل نہیں کر پاتے وہ فوائد شوال کے چھ روزے رکھ کر حاصل ہوجاتے ہیں۔ [2]

---

[1] من صام رمضان ثم أتبعه "بهمزة قطع أى جعل عقبه فى الصيام "ستا "أى ستة أيام والتذكير لتأنيث المميز، أو باعتبار لياليه "من شوال "وهو يصدق على التوالى والتفرق "كان كصيام الدهر "قال الطيبى :وذلک لأن الحسنة بعشر أمثالها، فأخرجه مخرج التشبيه للمبالغة والحث على صيام الست اهـ (مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۴۱۶، كتاب الصوم، باب صيام التطوع)

[2] علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ روحہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے:

وَالسِّرُّفِیْ مَشْرُوْعِیَّتِهَا اَنَّهَا بِمَنْزِلَةِ السُّنَنِ الرَّوَاتِبِ فِی الصَّلٰوةِ تَكْمِلُ فَائِدَتُهَا بِالنِّسْبَةِ اِلٰی اَمْزِجَةٍ لَمْ تَتَامُ فَائِدَتُهَا بِهِمْ ، وَاِنَّمَا خُصَّ فِیْ بَيَانِ فَضْلِهٖ اَلتَّشَبُّهُ بِصَوْمِ الدَّهْرِ لِاَنَّ مِنَ الْقَوَاعِدِ الْمُقَرَّرَةِ اَنَّ الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا وَبِهٰذِهِ السِّتَّةِ يَتِمُّ الْحِسَابُ (فتح الملهم ج ۳ ص ۱۸۷)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض علماء نے فرمایا کہ شوال کے روزوں کی اتنی عظیم فضیلت اس مہینہ کے رمضان کے بابرکت مہینہ سے متصل اور ملا ہوا ہونے کی وجہ سے ہے، نیز ایک وجہ یہ بھی ہے کہ رمضان میں روزے رکھنے کے بعد شوال کے مہینہ میں کھانے کی رغبت زیادہ ہوتی ہے، اس لئے اس میں روزہ رکھنا نفس پر زیادہ گراں گذرتا ہے، اور جس عمل میں نفس کو زیادہ مشقت ہو، اس میں ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ [1]

شوال کے چھ روزوں کے مسائل

(۱)......اگر کسی کے ذمہ رمضان کے روزے قضا ہوں، تو اس کو بھی شوال کے مہینے میں نفلی روزے رکھنا اگرچہ جائز ہے، مگر بعض علماء کے نزدیک شوال کے ان چھ روزوں کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس رمضان کے روزوں کی پوری تعداد مکمل طور پر ادا کرلی ہو (کیونکہ حدیث میں ان روزوں کی فضیلت رمضان کے مہینے کے روزے رکھ لینے کے بعد بیان کی گئی ہے)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ترجمہ: ان روزوں کی مشروعیت کا راز یہ ہے کہ یہ روزے ایسے ہیں جیسے نماز پنج گانہ کے ساتھ سنتیں مقرر کی گئی ہیں، جن کی وجہ سے ان لوگوں کو پورا فائدہ ہوجاتا ہے جو اصل نماز سے پورا فائدہ حاصل نہیں کرتے، ان روزوں کی فضیلت میں یہ بات، کہ ان کی وجہ سے آدمی کو ہمیشہ روزے رکھنے کے برابر ثواب ملتا ہے، اس واسطے مخصوص کی گئی ہے کہ یہ قاعدہ مقرر ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس نیکیوں کے برابر ملتا ہے اور ان چھ روزوں سے یہ حساب پورا ہوسکتا ہے (یعنی تیس اور چھ چھتیس ہوئے اور چھتیس کو دس سے ضرب دیں تو تین سو ساٹھ ہوجاتے ہیں، جو ایک سال کے دن ہیں) (ترجمہ ختم)

[1] قال ابن رجب هذانص فی تفضیل شوال علی الاشهر الحرم وذالک لانه یلی رمضان من بعده کمایلیه شعبان من قبله وشعبان افضل من الاشهر الحرم لصوم النبی ﷺ له دون شوال فاذا کان صوم شوال افضل من الحرم فصوم شعبان اولٰی فظهرا ان افضل التطوع ماکان بقرب رمضان قبله وبعده وذالک ملحق بصوم رمضان ومنزلته منه منزلة الرواتب من الفرائض (فیض القدیر ج ۴ حرف الصاد) وخص شوال لانه زمن یستدعی الرغبة فیه الی الطعام لوقوعه عقب الصوم فالصوم حینئذا اشق فثوابه اکثروفیه ندب صوم الستةالمذکورة (فیض القدیر ج ۶ تحت رقم حدیث ۸۷۷۷)

البتہ بعض اہلِ علم حضرات کے نزدیک اگر کسی کے اس رمضان کے روزے عذر میں قضا ہوئے ہوں، تو اس کو شوال کے مہینے میں چھ روزے رکھنے سے یہ فضیلت حاصل ہوجائے گی۔

اس لئے اگر کسی کے ذمہ اس رمضان کے کچھ روزے قضاء ہوں تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے ان کو ادا کیا جائے پھر شوال کے باقی ماندہ دِنوں میں چھ روزے رکھ کر فضیلت حاصل کی جائے۔ [1]

(۲)......بعض علماء کی تصریح کے مطابق ایک روزے سے رمضان کے قضاء روزے کی ادائیگی اور شوال کے روزے کی فضیلت اکٹھی حاصل نہیں کی جاسکتی، لہٰذا یہ دونوں روزے الگ الگ رکھنا چاہئے۔ [2]

---

[1] وَلَوْ صَامَ فِی شَوَّالٍ قَضَاءً أَوْ نَذْرًا أَوْ غَيْرَ ذٰلِکَ ، هَلْ تَحْصُلُ لَهُ السُّنَّةُ أَوْ لَا ؟ لَمْ أَرَ مَنْ ذَكَرَهُ ، وَالظَّاهِرُ الْحُصُولُ. لٰكِنْ لَا يَحْصُلُ لَهُ هٰذَا الثَّوَابُ الْمَذْكُورُ خُصُوصًا مَنْ فَاتَهُ رَمَضَانُ وَصَامَ عَنْهُ شَوَّالًا ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَصْدُقْ عَلَيْهِ الْمَعْنَى الْمُتَقَدِّمُ ، وَلِذٰلِکَ قَالَ بَعْضُهُمْ :يُسْتَحَبُّ لَهُ فِي هٰذِهِ الْحَالَةِ أَنْ يَصُومَ سِتًّا مِنْ ذِی الْقَعْدَةِ لِأَنَّهُ يُسْتَحَبُّ قَضَاءُ الصَّوْمِ الرَّاتِبِ ا هـ .وَهٰذَا إنَّمَا يَأْتِي إذَا قُلْنَا :إنَّ صَوْمَهَا لَا يَحْصُلُ بِغَيْرِهَا .أَمَّا إذَا قُلْنَا بِحُصُولِهِ وَهُوَ الظَّاهِرُ كَمَا تَقَدَّمَ فَلَا يُسْتَحَبُّ قَضَاؤُهَا (مغنی المحتاج إلی معرفة ألفاظ المنهاج ، ج۵، ص ۳۱۰، باب فی صوم التطوع)

وقضية كلام التنبيه و كثيرين أن من لم يصم رمضان لعذر أو سفر أو صبا أو جنون أو كفر لا يسن له صوم ستة من شوال .قال أبو زرعة :وليس كذلک :أی بل يحصل أصل سنة الصوم وإن لم يحصل الثواب المذكور لترتبه فی الخبر علی صيام رمضان .وإن أفطر رمضان تعديا حرم عليه صومها .وقضية قول المحاملی تبعا لشيخه الجرجانی (يكره لمن عليه قضاء رمضان أن يتطوع بالصوم كراهة صومها لمن أفطره بعذر) فينافی ما مر ، إلا أن يجمع بأنه ذو وجهين ، أو يحمل ذاک علی من لا قضاء عليه كصبی بلغ و كافر أسلم وهذا علی من عليه قضاء (نهاية المحتاج إلی شرح المنهاج، ج۱۰، ص۲۰، كتاب الصيام)

(قوله :ثم أتبعه) أی حقيقة إن صامه وحكما إن أفطره؛ لأن قضاءه يقع عنه فكأنه مقدم ومن هنا يعلم أن من عجز عن صوم رمضان وأطعم عنه، ثم شفی يوم العيد، ثم صام ستة أيام من شوال حصل له الثواب المذكور كما حققه البرماوی(حاشية البجيرمی علی شرح المنهج، ج۲ ص ۸۹، كتاب الصوم، باب صوم التطوع)

[2] حدیث مسلم مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهٗ سِتًّا مِّنْ شَوَّالَ كَانَ كَصِيَامَ الدَّهْرِ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چھ روزے غیر رمضان کے مراد ہیں، نیز صیامِ دہر کے ثواب کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ہر نیکی کا ثواب کم از کم دس گنا ہے، اس حساب سے رمضان کا مہینہ دس ماہ کے قائم مقام ہوا، پورے سال سے دو ماہ رہ گئے، اس کی تکمیل کے لئے شوال کے چھ روزے ہیں، جو ساٹھ روز (دو ماہ) کے قائم مقام ہیں، اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ نفل روزے مراد ہیں، ان ایام سے قضاء روزوں سے یہ فضیلت حاصل نہ ہوگی (احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۴۴۱)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

(۳)......شوال کے یہ روزے لگاتار رکھنا یا عید کے اگلے دن سے فوراً رکھنا ضروری نہیں بلکہ شوال کے مہینے میں عید کا دن چھوڑ کر جب اور جس طرح سے چاہیں رکھ سکتے ہیں، بس اس بات کا اہتمام ضروری ہے کہ ان چھ روزوں کی تعداد شوال کے مہینے میں مکمل ہو جانی چاہئے، البتہ بعض حضرات کے نزدیک ان روزوں کو عید کے بعد لگاتار رکھنا افضل ہے۔ [1]

(۴)......بعض احمق اور کم عقل وکم علم لوگ ان چھ روزوں کے بعد شش عید کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ ان چھ روزوں کے بعد عید منائی جاتی ہے، اس لئے انہوں نے چھ روزوں کے بعد عید منانے کی بدعت شروع کر دی، یہ جہالت وحماقت پر مبنی ہے، جس کا آگے ذکر آتا ہے۔

(۵)......شوال کے یہ روزے کیونکہ نفلی درجہ کا حکم رکھتے ہیں، اس لئے ان پر نفلی روزوں کے احکام ہی جاری ہوں گے۔

چنانچہ ان روزوں کے لئے رات سے نیت کرنا ضروری نہیں، اگر کسی کا دن کے شروع وقت میں روزہ رکھنے کا ارادہ نہ تھا لیکن صبح صادق کے بعد سے ابھی تک کچھ کھایا پیا نہیں پھر روزہ رکھنے کا ارادہ ہو گیا تو زوال سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے (یعنی ضحوۂ کبریٰ جو صبح صادق سے سورج غروب ہونے تک کے آدھے حصہ کا نام ہے) تک نفل روزے کی نیت کر لینا صحیح ہے اس کے بعد نیت کرنا صحیح نہیں۔

نیت زبان سے الفاظ ادا کرنے کا نام نہیں بلکہ دل کے ارادہ کا نام ہے۔ لہٰذا دل میں نیت کر لینا کافی ہے زبان سے الفاظ ادا کرنا ضروری نہیں۔

سحری کھانا سنت ہے اگر بھوک نہ ہو تو تھوڑا بہت سنت کی نیت سے کچھ کھا لینا چاہئے لیکن اگر کسی نے بالکل سحری نہ کھائی اور بغیر سحری کے روزہ رکھ لیا تب بھی روزہ ہو جائے گا۔

---

[1] واختلفوا فيما بينهم، فقيل :الأفضل وصلها بيوم الفطر لظاهر قوله :ثم أتبعه ستا، وقيل : تفريقها (شرح النقاية، ج۲، ص ۲۱۵، الايام التى يستحب صومها)

وَتَحْصُلُ السُّنَّةُ بِصَوْمِهَا مُتَفَرِّقَةً (وَ) لَكِنْ (تَتَابُعُهَا أَفْضَلُ) عَقِبَ الْعِيدِ مُبَادَرَةً إلَى الْعِبَادَةِ وَلِمَا فِي التَّأْخِيرِ مِنْ الْآفَاتِ (مغنى المحتاج إلى معرفة ألفاظ المنهاج، ج۵، ص ۳۱۰، باب فى صوم التطوع)

نفلی روزہ اگر رکھ کر پورا کرنے سے پہلے توڑ دیا جائے تو اس کی قضاء ضروری ہو جاتی ہے لیکن کفارہ وغیرہ لازم نہیں ہوتا۔

عورت کو شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھنا منع ہے۔

مشہور ہے کہ جب تک فجر کی اذان کی آواز نہ آئے اس وقت تک سحری کھانا جائز رہتا ہے، یہ غلط ہے، اور اصل بات یہ ہے کہ سحری کا وقت صبح صادق ہونے پر ختم ہو جاتا ہے خواہ ابھی اذان بھی نہ ہوئی ہو۔ اور صبح صادق کا وقت مستند جنتریوں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

شوال کے چھ روزوں کے بارے میں ایک علمی شبہ اور اس کا جواب

آج کل بعض حضرات نے شوال کے ان چھ روزوں کو فقہ کی بعض عبارات کے حوالے سے مکروہ کہنا شروع کر دیا ہے۔

دلائل کی رُو سے ان کا یہ کہنا درست نہیں، احادیثِ مبارکہ، تابعین، ائمہ مجتہدین، فقہائے کرام اور جمہور مشائخ رحمہم اللہ کی تعلیمات کی روشنی میں راجح اور مضبوط بات یہ ہے کہ پہلی شوال یعنی عید الفطر کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنا مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہیں۔

البتہ بعض کتابوں میں امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کی طرف ان روزوں کے مکروہ ہونے کی نسبت کی گئی ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ نسبت علی الاطلاق صحیح نہیں، کیونکہ ان حضرات نے ان روزوں کو مطلقاً مکروہ نہیں قرار دیا بلکہ کچھ خاص صورتوں میں مکروہ قرار دیا ہے۔

مثلاً یہ روزے اس صورت میں مکروہ اور ممنوع ہیں، جبکہ کوئی شخص عید کے دن بھی روزہ رکھے، یا پھر یہ کہ ان روزوں کو رمضان کا حصہ اور رمضان کی طرح ضروری سمجھے، کیونکہ ان صورتوں میں اسلامی احکام میں گڑبڑ اور خرابی لازم آتی ہے۔

اور اگر عید الفطر کے دن کو چھوڑ کر اور رمضان کا حصہ سمجھے بغیر شوال میں چھ روزے رکھے تو یہ

مستحب ہے، معتمد و مستند کتابوں اور عربی و اُردو فتاویٰ میں یہ وضاحت موجود ہے۔ ل

ل (وندب تفريق صوم الست من شوال) ولا يكره التتابع على المختار خلافا للثاني حاوى.
والإتباع المكروه أن يصوم الفطر وخمسة بعده فلو أفطر الفطر لم يكره بل يستحب ويسن ابن كمال (الدرالمختار، كتاب الصوم)

(مطلب في صوم الست من شوال) (قوله وندب إلخ) ذكر هذه المسألة بين مسائل النذر غير مناسب وإن تبع فيه صاحب الدرر (قوله على المختار) قال صاحب الهداية في كتابه التجنيس :إن صوم الستة بعد الفطر متتابعة منهم من كرهه والمختار أنه لا بأس به لأن الكراهة إنما كانت لأنه لا يؤمن من أن يعد ذلك من رمضان فيكون تشبها بالنصارى والآن زال ذلك المعنى اهـ ومثله في كتاب النوازل لأبي الليث والواقعات للحسام الشهيد والمحيط البرهاني والذخيرة؛ وفي الغاية عن الحسن بن زياد أنه كان لا يرى بصومها بأسا ويقول كفى بيوم الفطر مفرقا بينهن وبين رمضان اهـ وفيها أيضا عامة المتأخرين لم يروا به بأسا.
واختلفوا هل الأفضل التفريق أو التتابع اهـ.
وفي الحقائق صومها متصلا بيوم الفطر يكره عند مالك وعندنا لا يكره وإن اختلف مشايخنا في الأفضل.
وعن أبي يوسف أنه كرهه متتابعا والمختار لا بأس به اهـ وفي الوافي والكافي والمصفى يكره عند مالك، وعندنا لا يكره، وتمام ذلك في رسالة تحرير الأقوال في صوم الست من شوال للعلامة قاسم وقد رد فيها على ما في منظومة التباني وشرحها من عزوه الكراهة مطلقا إلى أبي حنيفة وأنه الأصح بأنه على غير رواية الأصول وأنه صحح ما لم يسبقه أحد إلى تصحيحه وأنه صحح الضعيف وعمد إلى تعطيل ما فيه الثواب الجزيل بدعوى كاذبة بلا دليل ثم ساق كثيرا من نصوص كتب المذهب فراجعها فافهم (قوله والإتباع المكروه إلخ) العبارة لصاحب البدائع وهذا تأويل لما روى عن أبي يوسف على خلاف ما فهمه صاحب الحقائق كما في رسالة العلامة قاسم، لكن ما مر عن الحسن بن زياد يشير إلى أن المكروه عند أبي يوسف تتابعها وإن فصل بيوم الفطر فهو مؤيد لما فهمه في الحقائق تأمل (ردالمحتار، ج۲، ص۴۳۵، كتاب الصوم)

ولا يُكْرَهُ عندنا، وعند الشافعي إِتْبَاعُ عيدِ الفطر بِسِتَ من شوّال، لقوله صلى الله عليه وسلم مَنْ صَامَ رمضانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا من شوال كانَ كَصِيامِ الدَّهْرِ .رواه مسلم وأبو داود .وكَرِهَهُ مالكٌ، وهو رِوَايةٌ عن أَبي حنيفة وأَبي يوسف، لاشْتِمَالِهِ على التَّشَبُّهِ بأَهل الكتاب في الزيادة على الفروض، والتشبّه بهم مَنْهِيٌّ عنه، وعَامَّةُ المُتَأَخِّرِينَ لم يَرَوْا به بَأْساً (شرح النقاية، ج۲، ص ۲۱۵)

وَمِنْهَا اِتِّبَاعُ رَمَضَانَ بِسِتٍّ مِّنْ شَوَالٍ كَذَا قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ كَانُوْايَكْرَهُوْنَ اَنْ يَّتْبَعُوْا رَمْضَانَ صَوْماً خَوْفًا اَنْ يُّلْحَقَ ذٰلِکَ بِالْفَرْضِيَّةِ وَكَذَارُوِيَ عَنْ مَالِكٍ ...والاتباع المكروه هوان يصوم يوم الفطر ويصوم بعده خمسة ايام فامااذا افطر يوم العيد ثم صام بعده ستة ايام فليس بمكروه بل هو مستحب وسنة(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۷۸،كتاب الصوم، فصل شرائط انواع الصيام)

اما صوم التطوع فالايام كلها محل له عندنا وهورواية محمد عن ابى حنيفة ويجوز صوم التطوع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا مختار اور راجح قول کے مطابق یکم شوال کے بعد بقیہ شوال کے دنوں میں چھ نفلی روزوں کو مکروہ قرار دینا غلط ہے۔

اور یہ قول مفتیٰ بہٖ نہ ہونے کے علاوہ متعدد مستند کتب اور جمہور فقہاء کی تصریحات کے خلاف ہے۔

اور اس سلسلے میں علماء، صلحاء کا شوال کے چھ روزوں کے مستحب ہونے کے ثبوت میں جو عمل جاری رہا ہے، یہی صحیح ہے اور کسی شک وشبہ کے بغیر یہ چھ روزے عید کا دن چھوڑ کر رکھنے میں حرج نہیں، بلکہ مستحب اور عظیم ثواب ہے، بشرطیکہ ان کو نفلی روزوں کا درجہ دیا جائے، اور فرض وواجب اور رمضان کا حصہ نہ سمجھا جائے۔

آٹھ شوّال کو یا نفلی روزوں سے فارغ ہو کر ایک اور عید منانا

بعض لوگ عیدُ الفطر گزرنے کے بعد شوال کے مہینے میں آٹھ تاریخ کو ایک اور عید مناتے ہیں، جبکہ بعض لوگ شوال کے چھ روزوں سے فارغ ہو کر یہ عید مناتے ہیں اور بعض لوگ اس عید کو ''عیدِ ابرار'' کا نام دیتے ہیں۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

خارج فی الایام کلها ...فقد جعل السنة کلها محلا للصوم علی العموم (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۷۷، ۷۸، کتاب الصوم، فصل شرائط انواع الصیام)

(ولا یکره إتباع الفطر بصوم ستة من شوال) فی المختار؛ لأنه وقع الفصل بیوم الفطر فلا یلزم التشبه بأهل الکتاب فلیس بمکروه، بل هو مستحب وسنة لورود الحدیث فی هذا الباب .والاتباع المکروه وهو أن یصوم یوم الفطر ویصوم بعده خمسة أیام (وتفریقها) أی صوم الستة أفضل؛ لأنه (أبعد عن الکراهة والتشبه بالنصاری) فی زیادة صیام أیام علی صیامهم (مجمع الانهر، ج ۱، ص ۲۵۵، کتاب الصوم)

نُسِبَ اِلٰی اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَمَالِکٍ کَرَاهَتُهَا وَاِلَی الشَّافِعِیْ وَاَحْمَدَ اِسْتِحْبَابُهَا وَالنُّقُوْلُ الَّتِیْ حَکَاهَا الْمَتَاخِرُوْنَ مِنْ اِبْنِ نُجَیْمٍ وَالْکَمَالِ وَابْنِ الْکَمَالِ وَغَیْرِهِمْ مِنْ عُلَمَائِنَا مُضْطَرِبَةٌ وَلٰکِنْ اَفْرَدَ هٰذَا الْمَوْضُوْعَ الْمُحَقِّقُ الْعَلَّامَةُ الْحَافِظُ قَاسِمُ بْنُ قَطَلُوْبُغَا بِرِسَالَةٍ خَاصَّةٍ سَمَّاهَا "تَحْرِیْرُ الْاَقْوَالِ فِیْ صَوْمِ السِّتِّ مِنْ شَوَّالٍ" وَحَقَّقَ مِنْ نُصُوْصِ الْمَذْهَبِ اِسْتِحْبَابَهَا عِنْدَاَبِیْ حَنِیْفَةَ وَاَبِیْ یُوْسُفَ (معارف السنن ج ۵ ص ۴۴۳، باب ماجاء فی صیام ستة ایام من شوال)

اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں اور اس کو عید قرار دینا شرعاً غلط ہے۔ [1]

فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ

محمد رضوان

فراغت بموقع طباعتِ اول: ۲۱/ رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ، بمطابق 27/ نومبر 2002ء

اصلاح بارِ دوم: ۴/ شعبان ۱۴۲۸ھ، بمطابق 18/ اگست 2007ء

اصلاح واضافہ بارِ سوم: ۲۹/ جمادی الاخریٰ/ ۱۴۳۲ھ 02/ جون/ 2011ء، بروز جمعرات

ادارہ غفران، چاہ سلطان، راولپنڈی، پاکستان

[1] وأما ثامن شوال فليس عيدا لا للأبرار ولا للفجار ولا يجوز لأحد أن يعتقده عيدا ولا يحدث فيه شيئا من شعائر الأعياد (الفتاویٰ الکبریٰ لابنِ تیمیة، ج۵، ص ۳۷۹، کتاب الصوم، فصل صیام ثلاثة ایام من کل شهر)

ولايجوز اعتقاد ثامن شوال عيدا فانهٗ ليس بعيد اجماعاً ولا شعائرهٗ شعائر العيد (الفروع لابنِ مفلح ، كتاب الصيام، باب صوم التطوع وذكر ليلة القدر ومايتعلق بذالک)

وأما اتخاذ موسم غير المواسم الشرعية كبعض ليالى شهر ربيع الأول التى يقال إنها ليلة المولد، أو بعض ليالى رجب، أو ثامن عشر ذى الحجة، أو أول جمعة من رجب، أو ثامن شوال الذى يسميه الجهال "عيد الأبرار"، فإنها من البدع التى لم يستحبها السلف ولم يفعلوها (الفتاویٰ الکبریٰ لابنِ تیمیة، ج۴ ص ۴۱۴، کتاب الفضائل)

ماہِ شوال کے چند اہم تاریخی واقعات

(مرتب: مولانا طارق محمود: ادارہ غفران، راولپنڈی)

پہلی صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□...... ماہِ شوال ۱ھ: میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی۔

رخصتی سے تین سال پہلے شوال ہی میں آپ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح ہوا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں کہ ان کی والدہ اُمِ رومان نے آواز دے کر بلایا اور منہ دھونے اور بال درست کرنے کو کہا اور بتایا کہ تمہاری رخصتی ہے اوران کو گھر لے گئیں، انصار کی عورتیں انتظار میں تھیں یہ داخل ہوئیں تو سب نے مبارک باد دی، اس طرح بالکل سادگی کے ساتھ آپ کی رخصتی عمل میں آئی (الاصابة ج۸، کتاب النساء، العین المهملة، البدایه و النهایة ج۳، فصل بناء ہ علیہ السلام بعائشة، عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۱۳۵)

□...... ماہِ شوال ۱ھ: میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی قباء کے مقام پر ولادت ہوئی۔

آپ کی ولادت سے مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی، کیونکہ یہودیوں نے یہ بات مشہور کر رکھی تھی، کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر رکھا ہے، اس لئے مسلمانوں کے ہاں نرینہ اولاد پیدا نہیں ہوتی، ولادت کے بعد آپ کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور منگوا کر اپنے منہ مبارک میں چبائی اوران کے تالو سے لگائی (الاصابة ج۷، حرف العین المهملة، عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۱۳۴)

□...... ماہِ شوال ۲ھ: میں حضرت سالم بن عمیر بن ثابت رضی اللہ عنہ (جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر اور دیگر غزوات میں شرکت کا شرف حاصل ہے) کو ابوعَفک نامی ایک یہودی کی طرف بھیجا گیا۔

یہ ایک سو بیس سال کا بوڑھا یہودی بنو عمرو بن عوف کے خاندان سے تھا اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں کو بھڑکاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ناشائستہ اشعار گھڑا کرتا تھا، حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے اس کو خفیۃً قتل کردیا اور صحیح سلامت واپس تشریف لے آئے (المنتظم لابن الجوزی، ج۳ص ۱۳۶، السنة الثانية من الهجرة، سرية سالم بن عمير، عہد نبوت کے ماہ وسال ص۸۹)

□...... ماہِ شوال ۲ھ: میں غزوۂ قینقاع ہوا۔

بنو قینقاع یہودیوں کی ایک جماعت کا نام ہے جو عبداللہ بن سلام کی قوم تھی، یہودیوں میں عہد شکنی سب سے پہلے انہوں نے ہی کی تھی، جب انہوں نے خیانت اور عہد شکنی کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف نکلے، مدینہ میں ابولبابہ بن منذر رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قلعہ کا محاصرہ کیا جو پندرہ دن تک جاری رہا، بعد ازاں منافقوں میں سے عبداللہ بن ابی ابن سلول نے اور مسلمانوں میں سے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان کی سفارش کی، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جلاوطنی کا حکم دیا اور ان کے اموال ضبط کر لئے، مگر انہیں قتل سے معاف رکھا ''بعض حضرات کے نزدیک یہ واقعہ جمادی الاُلیٰ میں ہوا'' (المنتظم لابن الجوزی، ج۳ص ۱۳۶، السنة الثانية من الهجرة، غزوة بنی قینقاع، عہد نبوت کے ماہ وسال ص۲۷)

□...... ماہِ شوال ۲ھ: میں حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو ساٹھ یا اسی مہاجرین کے ساتھ ''بطن رابغ'' کی طرف بھیجا۔

انہیں قریش کے ایک قافلے سے تعرّض کرنا تھا جو ابوسفیان بن حرب کی زیرِ کمان تھا، اس قافلے میں عکرمہ بن ابی جہل بھی شامل تھے، یہ سریہ بغیر مقابلہ کے واپس آیا، البتہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک تیر پھینکا اور یہ سب سے پہلا تیر تھا جو اسلامی تاریخ میں پھینکا گیا ''بعض حضرات کے نزدیک یہ واقع ربیع الاول کے مہینے میں پیش آیا'' (المنتظم لابن

الجوزی، ج۳ص ۸۰، سریة عبیدة بن الحارث، عہد نبوت کے ماہ وسال ص۸۶بتغیر)

□...... ماہِ شوال ۳ھ: میں غزوۂ احد ہوا۔

جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار افراد کے ساتھ نکلے تھے، راستہ میں عبداللہ بن ابی بن سلول مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ کرتے ہوئے ۳۰۰ منافقین کے ساتھ واپس لوٹ گیا۔ بقیہ ۷۰۰ کے پاس صرف ۲ گھوڑے تھے، دوسری طرف ۳۰۰۰ کفار تھے جن میں ۷۰۰ زرہ بند اور ۲۰۰ گھوڑے تھے، ابتداء میں مسلمانوں کو کچھ وجوہات کی بناء پر ہزیمت اٹھانا پڑی، لیکن آخر کار فتح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں ہی کو عطا فرمائی، اسی غزوہ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت بھی ہوئی تھی جو کہ مشہور معروف ہے (البدایة والنهایة ج ۴ خروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم باصحابه ،العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱ ،عہد نبوت کے ماہ وسال ص۷۲)

□...... ماہِ شوال ۳ھ: میں غزوۂ احد سے واپسی پر غزوۂ حمراء الاسد پیش آیا۔

ابوسفیان اور دیگر کفارِ قریش غزوۂ احد میں شکست کھا کر اس جگہ دوبارہ لڑائی کے لئے جمع ہوگئے تھے مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر متوجہ ہوئے تو دشمنوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسا رعب ڈالا کہ سب ڈر کر مسلمانوں سے بلا مقابلہ بھاگ کھڑے ہوئے (عہد نبوت کے ماہ وسال ص۷۳، البدایة والنهایة ج ۴ خروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم باصحابه)

□...... ماہِ شوال ۴ھ: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔

اس سے پہلے حضرت ام سلمہ کے شوہر عبداللہ بن عبدالاسد (ابوسلمہ) رضی اللہ عنہ تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے غزوۂ احد میں زخمی ہو کر ان کا انتقال ہوگیا تھا۔ عدت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغامِ نکاح ملا تو عرض کیا میں سخت غیور عورت ہوں اور صاحبِ عیال ہوں، میری عمر زیادہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام چیزوں کے باوجود اس کو گوارا فرمالیا، چنانچہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا

نکاح کرو، شوال ۵۹ ھ میں ان کا انتقال ہوا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھایا ''ایک قول سن ۴ ہجری کے بجائے سن ۳ ھ کا ہے لیکن پہلا قول راجح ہے (کما صرح الزرقانی فی شرح المواہب)'' (الاصابة ج۸، حرف السین المهملة، سیر الصحابیات ج۶ ص۵۸ بحواله سنن نسائی، زرقانی ج۳ص ۲۷۳، عہد نبوت کے ماہ وسال ص۱۹۴)

□...... ماہِ شوال ۵ ھ: میں غزوۂ خندق ہوا۔

اسے غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں، اس کو غزوۂ خندق تو اس لئے کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر صحابہ کے مشورہ سے مدینہ کے اردگرد بہت بڑی خندق کھودی تھی اور احزاب اس لئے کہتے ہیں کہ کفار کی مختلف قومیں متحد ہو کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے جمع ہوئیں تھیں، احزاب کے معنٰی ''جماعتوں'' کے ہیں اس غزوہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے لشکر پر تیز آندھی بھیجی جس سے کفار کا لشکر تتر بتر ہوگیا، اور فرشتے بھی مسلمانوں کی مدد کے لئے اترے جو لڑائی میں شریک تو نہیں تھے لیکن ان کی موجودگی سے کفار پر رعب چھایا رہا اور کفار میدان چھوڑ کر بھاگ گئے، اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی ''بعض حضرات کے نزدیک غزوۂ خندق ۴ ھ میں ہوا، لیکن البدایہ والنہایہ ج ۴ میں غزوۂ خندق کا شوال ۵ ھ کو ہی ہونا راجح قرار دیا گیا ہے'' (غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲۳۳، عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۷۶)

□...... ماہِ شوال ۶ ھ: میں حضرت کرز بن جابر القرشی الفہری رضی اللہ عنہ کا سریہ عکل و عرینہ کی طرف بھیجا گیا۔

ان کو تغلیباً عرنیین بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ان میں سے بعض قبیلہ عکل کے تھے اور بعض عرینہ کے، یہ وہی آٹھ افراد تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے اور مدینہ میں رہنے لگے، یہاں کی آب وہوا موافق نہ آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جنگل میں چلے گئے جہاں صدقہ کے اونٹ چرتے تھے، وہاں انہوں نے یہ حرکت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو جس کا نام حضرت یسار رضی اللہ عنہ تھا قتل کر ڈالا اور

اُونٹ ہنکا کر لے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کرز بن جابر رضی اللہ عنہ کو بیس سواروں کی معیت میں ان کے تعاقب میں بھیجا، چنانچہ یہ پکڑے گئے اور انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ ان ہی کے بارے میں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (سورة المائده آیت ۳۳)

ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اسکے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں (مراد اس سے راہ زنی اور ڈکیتی ہے) ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی دئے جائیں یا انکے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دئے جائیں یا زمین پر سے نکال دئے جائیں (بیان القرآن)

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا حکم فرمایا، اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں لگائی گئیں (کیونکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے سے بھی یہی سلوک کیا تھا، اس کے قصاص میں یہ سزا دی گئی) اور ان کو ''حرہ'' میں ڈال دیا گیا یہاں تک کہ یہ جہنم واصل ہوئے ''بعض حضرات کے نزدیک یہ واقعہ جمادی الاخریٰ میں اور بعض کے نزدیک ذی الحجہ میں پیش آیا'' (البداية والنهاية ج٦، فصل في السرايا، عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۹۸)

❑...... ماہِ شوال ۶ ھ: میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا سریہ اُسَیر بن رزام یہودی کی طرف خیبر بھیجا گیا۔

یہ سریہ تیس افراد پر مشتمل تھا، جس میں عبداللہ بن عتیک انصاری اور عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے یہ حضرات اسکے پاس پہنچے اور اس سے کہا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تیرے پاس بھیجا ہے، تاکہ تو دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو، اور آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم تجھے انعام واحسان سے نوازیں اور تجھے خیبر کا حاکم مقرر کریں'' اُسیر اس لالچ میں تیس یہودیوں کو ساتھ لے کر چلا، دوران سفر اُن کی طرف سے کسی معاملہ میں وعدہ خلافی ظاہر ہوئی تو حضرت انیس نے اس کو قتل کر دیا۔ اسکے ساتھی لڑائی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے چنانچہ مسلمانوں نے ان سب کو ٹھکانے لگا دیا، البتہ ان میں سے ایک شخص بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور اس لڑائی میں کسی مسلمان کا نقصان نہیں ہوا'' بعض حضرات کے نزدیک یہ واقعہ ۷ھ میں ہوا'' (المنتظم لابن الجوزی، ج۳ص ۱۳۶، سنة ست من الهجرة،ثم كانت سرية عبد الله بن رواحة إلى أسير بن زارم اليهودي بخيبر، عہد نبوت کے ماہ وسال ص۹۷)

□...... ماہِ شوال ۷ھ: میں حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کا سریہ یمن اور جبار کی طرف روانہ کیا گیا۔

یمن اور جبار یہ دو وادیاں خیبر اور القریٰ کے قریب واقع تھیں، اور یہاں بنو غطفان رہائش پذیر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تین سو افراد کے ساتھ روانہ فرمایا، بہت سے مویشی غنیمت میں ہاتھ آئے اور دو آدمیوں جن کا نام مذکور نہیں گرفتار کر لائے، بعد میں یہ دونوں مسلمان ہو گئے (المنتظم لابن الجوزی، ج۳ص ۱۳۶، سنة سبع من الهجرة،سرية بشير بن سعد الأنصاري إلى يمن وجبار في شوال، عہد نبوت کے ماہ وسال ص۱۰۱)

□...... ماہِ شوال ۸ھ: میں غزوہ طائف ہوا۔

جب مکہ فتح ہوا تو تمام قبیلوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کی مگر ''حنین'' کے بنو ہوازن اور ''طائف'' کے بنو ثقیف قبیلہ نے اطاعت قبول نہیں کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو حنین کا رخ کیا حنین سے فارغ ہونے کے بعد طائف کا رخ کیا، بالآخر بنو ہوازن وہاں سے بھاگ کر بنو ثقیف کے پاس چلے گئے اب دونوں ایک جگہ جمع تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا ارادہ فرمایا، چونکہ اس غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل مقصد بنو ہوازن تھے بنو ثقیف نہیں تھے اس لئے طائف کے محاصرہ اور گھیراؤ کے دوران جب دیکھا

کہ یہ قلعوں میں پناہ پکڑے ہوئے ہیں تو لڑائی کا حکم نہیں فرمایا۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معلوم کرنے پر فرمایا کہ ابھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں بنوثقیف کے ساتھ لڑائی کا حکم نہیں ہے، ۲۰ دن تک قلعہ کا محاصرہ اور گھیراؤ رکھا پھر واپس تشریف لے آئے، کچھ عرصہ بعد بنوثقیف کے وفد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کرلیا (البدایۃ والنھایۃ ج ۴، غزوۃ الطائف، غزوات النبی ص ۶۲۱، عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۸۳)

□......ماہِ شوال ۸ ھ: میں غزوہ حنین اور غزوہ طائف کے درمیانی عرصہ میں ابو عامر عبید بن سلیم بن حضار الاشعری (یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے چچا ہیں۔ رضی اللہ عنہما) کا سریہ اوطاس کی جانب روانہ ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنگ حنین کے بعد ان کافروں کے تعاقب کے لئے بھیجا تھا جو حنین سے بھاگ نکلے تھے۔ اوطاس، علاقہ ہوازن میں ایک وادی کا نام ہے چنانچہ ان کا مقابلہ ابودرید بن الصمہ سے ہوا، ابودرید قتل ہوا، اس کے رفقاء کو ہزیمت ہوئی، اور مسلمانوں کو بہت سا مال اور قیدی غنیمت میں ہاتھ آئے۔ اسی سریہ میں حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے بنوجشم کے ایک شخص نے (کہا جاتا ہے کہ یہ درید کا بیٹا سلمہ تھا) ان کے تیر مارا جو ان کے گھٹنے میں پیوست ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عامر رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا فرمائی، دعا کے الفاظ یہ تھے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِعُبَیْدٍ اَبِیْ عَامِرٍ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ فَوْقَ کَثِیْرٍ مِّنْ خَلْقِکَ مِنَ النَّاسِ

اے اللہ! ابو عامر عبید کی مغفرت فرما، اے اللہ! اس کو اپنی بہت سی مخلوق سے اوپر کردے

اسی سریہ میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بنوجشم کے اس شخص کو، جس نے حضرت ابو عامر کو شہید کیا تھا، جہنم رسید کیا (البدایۃ والنھایۃ، ج ۴ ص ۳۸۸، غزوۃ اوطاس، عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۱۱۰)

□...... ماہِ شوال ۸ ھ: میں غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف کے مابین حضرت طفیل بن ودعلی رضی اللہ عنہ کا سریہ ''ذُوالکفّین'' کو منہدم کرنے کے لئے روانہ فرمایا (ذوالکفین بنودوس کا بت تھا جولکڑی سے بنایا گیا تھا) ان حضرات نے اس بت کو توڑ پھوڑ کر جلا دیا اور یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طائف تشریف لے جانے کے چار دن بعد بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے

(عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص۱۰۱، المنتظم لابن الجوزی، ج۴ص ۱۵۴)

□...... ماہِ شوال ۱۶ ھ: میں بیت المقدس فتح ہوا۔

یہ مسلمانوں کی بیت المقدس پر پہلی فتح تھی، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں شام اور فلسطین کے علاقے فتح کرتے ہوئے بیت المقدس پہنچے تو حضرت خالد بن ولید اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما بھی اپنے معرکوں سے فارغ ہوکر پہنچ گئے اور بیت المقدس کا چاروں طرف سے گھیراؤ کرلیا، عیسائیوں کو یہ خیال ہوا کہ اگر ہم ہتھیار ڈال دیں تو مسلمان کہیں ہماری مقدس جگہوں کو پامال نہ کردیں، لہٰذا ہم اس شرط پر صلح کرتے ہیں کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خود آکر صلح کی شرائط لکھیں اور دستخط فرمائیں، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خود تشریف لاکر صلح کی شرائط لکھیں جس میں عیسائیوں کے مقدس مقامات کو امان دی گئی تھی، اور مال وجان سے تعرّض نہ کرنے کا عہد کیا گیا تھا، شہر کے دروازے کھول دیئے گئے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی بیت المقدس تشریف لے گئے اور عیسائیوں کے مشہور کنیسہ ''قمامہ'' کی سیر کی، سیر کے دوران نماز کا وقت آ گیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عیسائی رہبر کے کہنے کے باوجود کنیسہ میں نماز نہیں پڑھی کہ کہیں میرے بعد مسلمان میرے اس عمل کو بنیاد بنا کر عیسائیوں سے ان کے کنیسہ کو چھین نہ لیں (البدایۃ والنہایۃ ج۷، فتح بیت المقدس علی یدی عمر بن الخطاب، تاریخ ملت ج۱ص ۱۷۱، بحوالہ، اتمام الوفاء بحوالہ طبری، محاضرات خضری ج۲ص۹)

□...... ماہِ شوال ۳۸ ھ: میں صحابیٔ رسول حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کی وفات

ہوئی۔

آپ کا شمار ابتدائی زمانے میں اسلام قبول کرنے والوں میں ہوتا ہے، آپ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ایک ہی دن میں اکٹھے دارارقم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کیا، آپ جب مدینہ منورہ ہجرت کر کے جارہے تھے تو قریشِ مکہ نے آپ سے کہا کہ آپ تو مکہ میں خالی ہاتھ آئے تھے اور اب اتنی دولت لے کر جارہے ہو، یہ دولت ہماری ہے اسے ہمارے حوالے کرو اور جہاں جی چاہے وہاں چلے جاؤ، آپ نے تمام مال ودولت ان کے آگے پھینک دیا اور خالی ہاتھ مدینے چلے آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آپ کو دیکھا تو فرمایا ''اے ابو یحییٰ! تمہاری تجارت بڑی نفع بخش رہی''

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ:

قَدِمْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَبَيْنَ يَدَيْهِ خُبْزٌ وَّتَمْرٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اُدْنُ فَكُلْ فَأَخَذْتُ آكُلُ مِنَ التَّمْرِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَأْكُلُ تَمْرًا وَبِكَ رَمَدٌ؟ قَالَ، فَقُلْتُ: إِنِّي أَمْضُغُ مِنْ نَاحِيَةٍ أُخْرٰى، فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (سنن ابنِ ماجه، حديث نمبر ۳۴۴۳، واللفظ لهٗ، المعجم الكبير للطبراني، حديث نمبر ۷۳۰۴، مستدرک حاكم، حديث نمبر ۵۷۰۳، وقال صحيح الاسناد، وقال الذهبي: صحيح)

ترجمہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ کے سامنے اس وقت روٹی اور کھجور تھی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب ہوجایئے، اور کھایئے، تو میں نے کھجور کھانی شروع کی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کھجور کھاتے ہیں، حالانکہ آپ کو آشوبِ چشم ہے؟ تو میں نے کہا کہ میں دوسری طرف سے چبارہا ہوں (جس طرف کی آنکھ میں آشوبِ چشم نہیں ہے) تو یہ سن کر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے (ترجمہ ختم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد نئے خلیفہ کے انتخاب تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق آپ تین دن تک امامت کراتے رہے، ۷۰ یا ۷۲ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا، اور جنت البقیع میں دفن ہوئے (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۷، صحابہ انسائیکلوپیڈیا ص ۲۹۴)

□...... ماہِ شوال ۸۶ھ: میں اموی خلیفہ ابوالولید عبدالملک بن مروان کی وفات ہوئی۔

اس کی ولادت ۲۲ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مدینہ منورہ میں ہوئی تھی، عبدالملک کی نشو ونما مدینہ ہی میں ہوئی تھی، اس لئے اس کو مدینہ کے بڑے بڑے علماء کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کا خوب خوب موقع ملا۔

عبدالملک جب خلیفہ بنا تو اس وقت سلطنت میں بہت انتشار تھا عبدالملک نے اپنے فہم وتدبر اور مستقل مزاجی اور سخت گیری کی وجہ سے تمام مخالف طاقتوں کو مغلوب کردیا تھا، اور بنوامیہ کی بنیادیں جو یزید کی موت کی وجہ سے اکھڑ چکی تھی از سرِ نو قائم کیں، اسی لئے عبدالملک کو اموی سلطنت کا دوسرا بانی کہا جاتا ہے، دمشق میں ۶۰ سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوا، مدتِ خلافت ۲۱ سال ڈیڑھ ماہ تھی، دمشق میں بابِ جابیہ کے باہر اس کو دفن کیا گیا (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱۸، تاریخِ ملت ج ۱ ص ۵۳۷ تا ۵۹۱ ملخصاً)

دوسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□...... ماہِ شوال ۱۰۵ھ: میں خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے عمر بن ھبیرۃ کو عراق کی گورنری سے معزول کر کے خالد بن عبداللہ القسری کو ان کی جگہ عراق کا گورنر مقرر کیا (الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۳۷۰، تاریخِ طبری ج ۴ ص ۱۸۹)

□...... ماہِ شوال ۱۱۰ھ: میں امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

بوقتِ وفات آپ کی عمر ۸۰ سال کے لگ بھگ تھی، آپ کے والد حضرت انس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے، امام ابنِ سیرین رحمہ اللہ ثقہ، جلیل القدر فقیہ اور خوابوں کی تعبیر کے ماہر تھے، ''تعبیر الرؤیا'' آپ کی یادگار ونادر روزگار کتاب اور خوابوں کی تعبیر کا انسائیکلوپیڈیا ہے، آپ کی ولادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ہوئی (المنتظم لابنِ جوزی ج۷ص ۱۴۰، طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۶۵، تقویمِ تاریخی ص۲۳ میں سنِ وفات ۱۱۰ھ مذکور ہے، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۴)

☐...... ماہِ شوال ۱۳۸ھ: میں اموی شہزادہ عبدالرحمٰن الداخل عباسیوں کے ہاتھوں اموی خلافت کا خاتمہ ہونے کے بعد عباسیوں کے مظالم کے آگ وخون کے دریا کو عبور کر کے اندلس پہنچا۔

اس اولوالعزم شہزادے نے اپنی لیاقت، ذہانت وفطانت اور مردانگی کے جوہر دکھاتے ہوئے اندلس میں عظیم الشان پائیدار دوسری اموی سلطنت کی بنیاد رکھی، جو آٹھ سو سالوں تک ظلمت کدہ یورپ میں اسلام کی شمع فروزاں روشن کئے رہی۔

اسلامی اندلس نے یورپ کو تہذیب وتمدن علوم وفنون سائنس وآرٹس کی وہ لازوال سوغاتیں عطا کیں جس نے یورپ کو جینے کا قرینہ دیا، لیکن آہ یورپ کی احسان فراموشی ؎

جن پتھروں کو ہم نے عطا کی تھیں دھڑکنیں ان کو زباں ملی تو ہم پہ برس پڑے

ہسپانیہ مرحوم پر اقبال کے لہو رنگ مرثیہ کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

ہسپانیہ تو خونِ مسلمان کا ایک امیں ہے مانند حرم پاک ہے تو میری نظر میں
پوشیدہ تیری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں خاموش اذانیں ہیں تری بادِ سحر میں
روشن تھیں ستاروں کی طرح ان کی سنانیں خیمے تھے کبھی جن کے ترے کوہ وکمر میں
پھر تیرے حسینوں کو ضرورت ہے حناء کی باقی ہے ابھی رنگ مرے خونِ جگر میں

(تقویمِ تاریخی ص ۳۵، تاریخِ ملت ج ۱ ص ۷۴۷، بالِ جبریل نظم ہسپانیہ)

□......ماہِ شوال ۱۷۰ھ: میں عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے بیٹے امین کی ولادت ہوئی، یہ مامون کے چھوٹے بھائی تھے (الکامل لابنِ عدی ج۵ ص۲۷۸، المنتظم لابنِ جوزی ج۸ ص۳۲۸)

□......ماہِ شوال ۱۸۱ھ: میں حضرت مفضل بن فضالہ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی ولادت ۱۰۷ھ میں ہوئی اور دو مرتبہ مصر کے قاضی بنائے گئے، آپ ایک بڑے فقیہہ اور نہایت تقویٰ دار تھے، آپ کے عجیب وغریب فیصلے بہت مشہور ہوئے (المنتظم لابنِ جوزی ج۹ ص۶۴)

□......ماہِ شوال ۱۹۴ھ: کی ۱۳ تاریخ کو امام بخاری رحمہ اللہ پیدا ہوئے۔

امام بخاری ابھی کم عمر ہی تھے کہ سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا اور والدہ کے زیرِ سایہ آپ کی پرورش ہوئی، آپ نے ابتدائی تعلیم اپنی والدہ محترمہ کی تربیت ونگرانی میں حاصل کی، اور دس سال کی عمر میں آپ نے تحصیل علم حدیث اور زیارتِ علماء کے لئے دور دراز کے سفر کئے، کہا جاتا ہے کہ آپ کے اساتذہ کی کل تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔

امام بخاری اٹھارہ سال کی عمر میں فاضل اجل ہو گئے تھے اور آپ کے علم کی شہرت سن سن کر لوگ آپ سے حدیث کا علم حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتے، آپ کے تلامذہ اور آپ سے مستفید ہونے والوں کا حلقہ نہایت وسیع تھا آپ سے براہ راست نوّے ہزار آدمیوں نے صحیح بخاری کو سنا تھا۔

امام بخاری نہایت قوی الحافظہ تھے جو حدیث سنتے فوراً زبانی یاد ہو جاتی، آپ کی مشہور تصنیف صحیح بخاری ہے جس کی تصنیف کا ابتدائی خاکہ اور ترتیبِ ابواب تو مسجد حرام میں ہوئی، لیکن مختلف مقامات میں احادیث کی تخریج فرماتے رہے اور تراجم ابواب کے مسودہ کو روضہ مبارک اور منبر شریف کے درمیان مکمل کیا۔

بخارا سے سمرقند جاتے ہوئے راستے میں بعد نماز عشاء حدیث رسول کا یہ آفتابِ تاباں کچھ

دن کم باسٹھ سال کی عمر میں عید الفطر کی رات عشاء کی نماز کے وقت ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا، عید الفطر کے دن ظہر کی نماز کے بعد تدفین ہوئی (سیر اعلام النبلاء، ج ۱۲ ص ۴۶۸، تحت ترجمة أبو عبد الله البخاری محمد بن إسماعیل بن إبراهیم، ظفر المحصلین ص ۹۴)

☐...... ماہِ شوال ۱۹۶ھ: میں افریقہ کے گورنر ابراہیم بن اغلب کی وفات ہوئی۔

وفات کے وقت عمر ۶۵ سال تھی، مدتِ امارت بارہ سال چار ماہ اور دس دن تھی (الکامل لابنِ عدی ج۵ ص ۳۱۴)

☐...... ماہِ شوال ۱۹۸ھ: میں امام ابو یحییٰ معن بن عیسیٰ المدنی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کا علمِ حدیث میں بڑا مقام تھا، اور علمِ حدیث میں آپ کو دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا تھا۔

ابراہیم بن طہمان، معاویہ بن صالح، امام مالک بن انس اور ثابت بن قیس رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابراہیم المنذر، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، حمید، ابوبکر بن ابی شیبہ اور فضل بن صباح رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔

امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام مالک کے ساتھیوں میں سب سے زیادہ ثقہ آپ تھے (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۲۷، تهذیب التهذیب ج ۱۰ ص ۲۲۶)

☐...... ماہِ شوال ۱۹۸ھ: میں حضرت ابو القاسم یزید بن محمد بن عبد الصمد بن عبد اللہ بن یزید بن ذکوان ہاشمی الدمشقی رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

ابو کلثم سلامہ بن بشر، عبد الرزاق بن عمر العابد، محمد بن المبارک الصوری، ابو مسہر، صفوان بن صالح اور آدم بن ابی ایاس رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، امام ابو داؤد، نسائی، احمد بن المعلی ابن یزید القاضی، احمد بن عمر بن جابر الرملی، ابو زرعہ الدمشقی اور ابو حاتم رازی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں (تهذیب التهذیب ج ۱۱ ص ۳۱۳)

تیسری صدی ہجری کے اجمالی واقعات

□...... ماہِ شوال ۲۰۱ھ: میں حضرت ابواسامہ حماد بن اسامہ بن زید الکوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ہشام بن عروہ، اعمش اور ابنِ ابی خالد رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، عبدالرحمٰن بن مہدی، امام شافعی، قتیبہ، حمیدی، امام احمد اور اسحاق رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، محمد بن اسماعیل بن علی العباسی نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی (سیر اعلام النبلاء ج ۹ ص ۲۷۸، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۱۴۰)

□...... ماہِ شوال ۲۰۶ھ: میں حضرت محاضر بن مورع ہمدانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کی کنیت ابوالمودع تھی، امام اعمش اور ہشام بن عروہ رحمہما اللہ کی شاگردی اختیار کی، عباسی خلیفہ مامون الرشید کے دورِ خلافت میں کوفہ میں وفات ہوئی (الطبقات الکبریٰ ج ۶ ص ۳۹۸)

□...... ماہِ شوال ۲۰۹ھ: میں حضرت یعلیٰ بن عبید بن ابی امیۃ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

یحییٰ بن سعید الانصاری، اسماعیل بن ابی خالد، اعمش اور عبدالملک بن ابی سلیمان رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، اسحاق بن راھویہ، محمد بن عبداللہ بن نمیر، محمود بن غیلان اور ھارون الحمال رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، کوفہ میں وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۹ ص ۴۷۷)

□...... ماہِ شوال ۲۱۰ھ: میں حضرت ابوبکر عبدالرزاق بن ھمام صنعانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

مصنف عبدالرزاق حدیث میں آپ کا مشہور مجموعہ ہے، مصنف عبدالرزاق کئی اعتبار سے بڑی جلیل القدر کتاب ہے، ایک تو اس لئے کہ عبدالرزاق رحمہ اللہ امام ابوحنیفہ اور معمر بن راشد رحمہما اللہ کے شاگرد اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے استاذ ہیں، اس لئے ان کی کتاب کی اکثر

احادیث ''ثلاثی'' ہیں، دوسرے اس لئے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق اس کتاب کی تمام احادیث صحیح ہیں، ۸۰ سال سے زیادہ عمر پائی ''سیر اعلام النبلاء ج۹ص۵۸۰ اور شذرات الذھب ج اص ۲۷ میں سنِ وفات ۲۱۱ھ درج ہے'' (العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۳۶۰، الطبقات الکبریٰ ج ۵ ص ۵۴۸، درسِ ترمذی مقدمہ ج اص ۴۸)

□...... ماہِ شوال ۲۱۳ھ: میں حضرت عبداللہ بن داؤد خریبی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

۱۲۶ھ میں ولادت ہوئی، اعمش اور بکار رحمہما اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، اپنے زمانہ کے بڑے عبادت گذاروں میں آپ کا شمار ہوتا تھا، کوفہ میں وفات ہوئی (العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۳۶۴، شذرات الذھب ج ا ص ۲۹، سیر اعلام النبلاء ج ۹ ص ۳۵۲)

□...... ماہِ شوال ۲۱۳ھ: میں حضرت عبداللہ بن داؤد دہمدانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

ابتداء میں آپ کوفہ میں رہتے تھے اس کے بعد آپ کوفہ سے منتقل ہو کر بصرہ کے نواح میں ''خریبہ'' نامی مقام میں قیام پذیر ہوگئے تھے، امام اعمش رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں (المنتظم ج ۱۰ ص ۲۵۶، الطبقات الکبریٰ ج۷ص ۲۹۵)

□...... ماہِ شوال ۲۱۶ھ: میں حضرت ابوالاشہب ھوذۃ بن خلیفہ بن عبداللہ بن ابی بکرۃ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی ولادت ۱۲۵ھ میں ہوئی، یونس، ہشام، عوف، ابنِ عون، ابنِ جریج اور سلیمان تیمی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، مامون کے دورِ حکومت میں بغداد میں وفات ہوئی، آپ کے بیٹے نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی، ۹۲ سال کی عمر پائی (الطبقات الکبریٰ ج۷ص ۳۳۹، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۱۲۳)

□...... ماہِ شوال ۲۲۴ھ: میں فرغانہ شہر میں شدید زلزلہ آیا، جس میں تقریباً پندرہ ہزار افراد ہلاک ہوئے (المنتظم ج ۱۱ ص ۸۹)

□...... ماہِ شوال ۲۳۲ھ: میں حضرت ابوصالح حکم بن موسیٰ قنطری بغدادی رحمہ اللہ

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

کا انتقال ہوا۔

آپ بہت عبادت گذار تھے، اسماعیل بن عیاش اور عبداللہ بن المبارک رحمہما اللہ کے طبقہ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے امام مالک بن انس رحمہ اللہ کی زیارت بھی کی ہے، امام احمد بن حنبل اور علی بن المدینی رحمہما اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۴۱۱، المنتظم ج ۱۱ ص ۱۸۳، شذرات الذهب ج ۱ ص ۷۵، الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۳۴۶، سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۶)

□...... ماہِ شوال ۲۳۶ھ: میں حضرت ابو الصلت عبدالسلام بن صالح بن سلیمان بن ایوب رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ نے طلبِ علم کے لئے کوفہ، بصرہ، حجاز اور یمن کی طرف سفر کیا، حماد بن زید، مالک بن انس، معاویہ اور سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، بغداد میں رہتے تھے، عباس الدوری رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں (المنتظم ج ۱۱ ص ۲۴۳)

□...... ماہِ شوال ۲۴۲ھ: میں حضرت ابو عبداللہ محمد بن رمح التجیبی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، حدیث کی سماعت لیث، اور ابنِ لہیعۃ رحمہما اللہ سے کی، امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ نے کبھی کسی حدیث میں خطا نہیں کی (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۴۳۸، المنتظم ج ۱۱ ص ۳۰۴، شذرات الذهب ج ۱ ص ۱۰۱، سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۴۹۹)

□...... ماہِ شوال ۲۴۴ھ: میں حضرت ابو علی الحسن بن شجاع البلخی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ نے طلبِ علم کے لئے شام، مصر، عراق کے سفر کئے، اسحاق بن راہویہ، ابو نعیم بن دکین اور یحییٰ بن یحییٰ التمیمی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، امام بخاری، ابوزرعۃ الرازی اور محمد بن اسحاق السراج رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ۴۹ سال کی عمر میں وفات ہوئی (طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۲۴۲)

□...... ماہِ شوال ۲۴۷ھ: میں عباسی خلیفہ المتوکل باللہ کو قتل کیا گیا۔

اس کا پورا نام ابوالفضل جعفر بن المعتصم باللہ محمد بن الرشید ھارون العباسی تھا، متوکل نے پہلے اپنے بیٹے المنتصر باللہ کو ولی عہد بنایا تھا، لیکن بعد میں مختلف وجوہات کی بنیاد پر اس کا اپنے بیٹے سے اختلاف ہوگیا، المنتصر باللہ نے ترک امراء کے ساتھ مل کر اس کو رات کے وقت قتل کر دیا (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۴۴۹، شذرات الذھب ج ۱ ص ۱۱۴، تاریخِ اسلام اخیرین ص ۲۳۲، از شاہ معین الدین ندوی صاحب)

□...... ماہِ شوال ۲۴۷ھ: میں المنتصر باللہ کی خلافت کے لئے بیعت کی گئی اور اس کو خلیفہ بنایا گیا۔

متوکل کے قتل کے بعد ترکوں نے منتصر باللہ کو خلیفہ بنایا، خلافت کے وقت اس کی عمر ۲۵ سال تھی، منتصر کی خلافت کے بعد نظامِ خلافت سارے کا سارا ترکوں کے ہاتھ میں آ گیا، اور خلفاء کی قوت اور ان کا اقتدار بالکل ختم ہوگیا، اس کی خلافت کا زمانہ بہت مختصر ہے، ربیع الثانی ۲۴۸ھ میں اس کی وفات ہوئی (المنتظم ج ۱۱ ص ۳۵۳، تاریخِ اسلام اخیرین ص ۲۳۸، از شاہ معین الدین ندوی صاحب)

□...... ماہِ شوال ۲۵۰ھ: میں حضرت ابوعبداللہ احمد بن یحیٰی بن الوزیر رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ایک بڑے فقیہ تھے، اور شعر، ادب، جاہلی تاریخ، علم الانساب میں آپ کو بڑا ملکہ حاصل تھا، ۱۵۱ھ میں ولادت ہوئی (المنتظم ج ۱۲ ص ۳۶)

□...... ماہِ شوال ۲۷۵ھ: میں امام ابوداؤد رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

اس دن شوال کی ۱۶ تاریخ تھی، آپ کا اصل نام سلیمان تھا، آپ ۲۰۲ھ میں سیستان میں پیدا ہوئے تھے آپ نے جس زمانے میں آنکھیں کھولیں اس وقت علم حدیث کا حلقہ بہت وسیع ہو چکا تھا اس لئے آپ نے وقت کے مشاہیر علماء سے علمِ حدیث حاصل کیا۔

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

حافظ ابن حجر کے اندازے کے مطابق آپ کے شیوخ کی تعداد تین سو سے زائد ہے، علمِ حدیث کے ساتھ ساتھ آپ پر فقہی ذوق بھی غالب تھا آپ کی بہت تصنیفات ہیں جن میں سب سے زیادہ مقبولیت سنن ابوداؤد کو ملی، یہ احادیث نبویہ کا وہ بہترین مجموعہ ہے جو علم دین میں اپنی نظیر نہیں رکھتا یہ کتاب علماء کے تمام فرقوں اور فقہاء کے سب طبقوں میں باوجود اختلاف مذاہب کے حَکَمْ مانی جاتی ہے علماء نے اس کی متعدد شروحات لکھی ہیں (تھذیب الکمال ج ۱۱ ص ۳۶۷، سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۲۲۱، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۵۱، تھذیب التھذیب ج ۱ ص ۱۵۱، ظفر المحصلین ص ۱۲۷ تا ۱۳۷ بتغیر)

❐...... ماہِ شوال ۲۷۰ھ: میں حضرت ابو محمد ربیع بن سلیمان بن عبدالجبار بن کامل المرادی المؤذن رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ امام شافعی رحمہ اللہ کے خصوصی شاگرد تھے اور شافعی مسلک کی اہم کتب امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، اسد بن موسیٰ، ایوب بن سوید الرملی، بشر بن بکر التنیسی، حجاج بن ابراہیم الازرق اور خالد بن عبدالرحمٰن رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، ابوالحسن احمد بن بہزاذ بن مہران السیرافی، ابوالحریش احمد بن عیسیٰ الکلابی اور حسن بن حبیب بن عبدالملک الحصائری رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، مصر کے امیر حمارویہ بن احمد (ابن طولون) نے نماز جنازہ پڑھائی (تھذیب الکمال ج ۹ ص ۸۹، سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۵۹۰، تھذیب التھذیب ج ۳ ص ۲۱۳)

❐...... ماہِ شوال ۲۷۶ھ: میں حضرت ابو قلابہ عبدالملک بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبدالملک بن مسلم الرقاشی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ کے اساتذہ درج ذیل ہیں: اشہل بن حاتم، بشر بن عمر الزہرانی، حجاج بن منہال، حسن بن عمرو العبدی، روح بن عبادہ اور سعید بن عامر الضبعی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درج ذیل ہیں: امام ابن ماجہ، ابو مسلم ابراہیم بن عبداللہ الکجی، ابراہیم بن علی الھجمی، احمد بن سلیمان

النجاد، احمد بن کامل بن شجرة القاضی اور احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری رحمہم اللہ۔

آپ کی پیدائش سے پہلے آپ کی والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے ہاں ہدہد پرندے کی ولادت ہوئی، تو ان کو یہ تعبیر دی گئی کہ اگر تیرا خواب سچا ہو تو تیرے ہاں ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو کثرت سے نمازیں پڑھے گا۔

آپ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ ایک دن میں چار سو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے، ۱۹۰ھ میں آپ کی ولادت ہوئی (تہذیب الکمال ج۱۸ ص ۴۰۴، سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۱۷۸، طبقات الحفاظ ج۱ ص ۵۰، تہذیب التہذیب ج۶ ص ۳۷۲)

□...... ماہِ شوال ۲۸۸ھ: میں حضرت ابوالقاسم عثمان بن سعید بن بشار بغدادی انماطی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابن بشار کے نام سے مشہور تھے، آپ کو شافعی مسلک کا شیخ کہا جاتا تھا، آپ کے ذریعے شافعی مسلک بغداد میں پھیلا، آپ نے فقہ کی تعلیم امام مزنی اور ربیع المرادی رحمہما اللہ سے حاصل کی اور ابوالعباس بن سریج رحمہ اللہ نے آپ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، بغداد میں آپ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۴۳۰، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱۰۲)

□...... ماہِ شوال ۲۹۸ھ: میں حضرت ابو محمد بن اسحاق بن بہلول بن حسان رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ انبار کے خطیب، قاضی اور بڑے عالم مشہور تھے، آپ کے اساتذہ درج ذیل ہیں: سعید بن منصور، اسماعیل بن ابی اویس، ابراہیم بن حمزہ الزبیری اور احمد بن حاتم الطّویل رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درج ذیل ہیں: ابوجعفر محمد بن اسحاق (آپ ان کے بھائی تھے) یوسف بن یعقوب الازرق، ابوبکر الشافعی، طبرانی، ابن عدی اور ابوبکر اسماعیلی رحمہم اللہ، آپ کی ولادت ۲۰۴ھ میں ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص ۵۳۶)

□...... ماہِ شوال ۲۹۸ھ: میں حضرت ابوبکر محمد بن یحییٰ بن سلیمان المروزی البغدادی

رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

عاصم بن علی، ابوعبید قاسم بن سلام، علی بن الجعد، خلف بن ھشام اور بشر بن الولید رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، ابوبکر الشافعی، امام نجاد، مخلد الباقرحی، طبرانی، ابن عبید العسکری اور ابوبکر اسماعیلی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۴۹)

چوتھی صدی ہجری کے تاریخی واقعات

□...... ماہِ شوال ۳۰۸ھ: میں حضرت ابوخبیب عباس بن قاضی علامہ احمد بن محمد بن عیسیٰ البرتی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابن البرتی کے نام سے مشہور تھے، عبدالاعلیٰ بن حماد بن النرسی، ابوبکر بن ابی شیبۃ اور سوار بن عبداللہ العنبری رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوبکر الشافعی، عبدالعزیز بن ابی صابر، ابوحفص بن شاہین اور ابوبکر بن المقرئ رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی۔
(سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۲۵۷)

□...... ماہِ شوال ۳۱۰ھ: میں عظیم مورخ حضرت ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر طبری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ ابنِ جریر طبری کے نام سے مشہور تھے، آپ کی ولادت ۲۲۴ھ میں ہوئی اور ۲۴۰ھ کے بعد طلبِ علم شروع کیا، اور کثرت سے سفر کئے اور بڑے بڑے مشاہیر علماء سے علم سے حاصل کیا، محمد بن عبدالملک بن ابی الشوارب، اسماعیل بن موسیٰ السدی، اسحاق بن ابی اسرائیل، محمد بن ابی معشر، محمد بن حمید الرازی، احمد بن منیع، ابوکریب محمد بن علاء، ہناد بن السری، ابوہمام السکونی، محمد بن عبدالاعلیٰ الصنعانی، بندار اور محمد بن المثنی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ابوشعیب عبداللہ بن الحسن الحرانی، ابوالقاسم الطبرانی، احمد بن کامل القاضی، ابوبکر الشافعی، ابواحمد بن عدی، مخلد بن جعفر الباقرحی، قاضی ابومحمد بن زبر، احمد بن

القاسم الخشاب اور ابو عمرو محمد بن احمد بن حمدان رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔
(سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۲۸۲، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۷۱۵)

□...... ماہِ شوال ۳۱۳ھ: میں حضرت ابوالحسن علی بن عبدالحمید بن عبداللہ بن سلیمان الغضائری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ شام کے علاقے حلب کے محدث کے لقب سے مشہور تھے، آپ کے اساتذہ درج ذیل ہیں: عبدالاعلیٰ بن حماد النرسی، بشر بن ولید، عبداللہ بن معاویہ الجمحی، ابوابراہیم الترجمانی اور عبیداللہ بن عمر القواریری رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: عبداللہ بن عدی، ابوبکر بن المقرئ اور قاضی علی بن محمد بن اسحاق الحلبی رحمہم اللہ، آپ فرماتے تھے: کہ میں نے اپنے ان پاؤں (یعنی پیدل) سے چالیس حج کئے (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۲۵۷)

□...... ماہِ شوال ۳۱۹ھ: میں حضرت امام ابوعبداللہ محمد بن فطیس بن واصل بن عبداللہ الغافقی الاندلسی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ ابنِ فطیس کے نام سے مشہور تھے اور اندلس کے محدث کہلاتے تھے، آپ کی ولادت ۲۲۹ھ میں ہوئی، یونس بن عبدالاعلی، احمد بن عبدالرحمٰن بن وہب، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم ، احمد بن عبداللہ العجلی، شجرۃ بن عیسیٰ، اور یحییٰ بن عون رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، ”الروع والاہوال“، اور ”الدعاء“ آپ کی مشہور کتابیں ہیں، ۹۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔
(سیر اعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۸۰، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱۲۱، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۶۶، تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۸۰۲)

□...... ماہِ شوال ۳۲۰ھ: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر الفربری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔

آپ امام بخاری رحمہ اللہ سے ان کی ”صحیح بخاری“ روایت کرتے ہیں اور ”فربر“ کے مقام پر دو مرتبہ آپ نے امام بخاری رحمہ اللہ سے صحیح بخاری سنی، آپ کی ولادت ۲۳۱ھ میں ہوئی، اس کے علاوہ آپ حضرت علی بن خشرم رحمہ اللہ سے بھی روایت کرتے ہیں، ابوزید المروزی،

حافظ ابوعلی بن السکین، ابوالہیثم الکشمینی، ابومحمد بن حمویہ السرخسی، محمد بن عمر بن شبویہ، ابوحامد بن عبداللہ النعیمی، ابواسحاق ابراہیم بن احمد المستملی اور اسماعیل بن حاجب الکشانی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص۱۳، العبر فی خبر من غبر ج۱ ص۱۲۲)

□...... ماہِ شوال ۳۴۶ھ: میں حضرت ابومحمد عبداللہ بن جعفر بن احمد بن فارس الاصبہانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی ولادت ۲۴۸ھ میں ہوئی، محمد بن عاصم الثقفی، یونس بن حبیب، احمد بن یونس الضبی، ہارون بن سلیمان، احمد بن عصام، اسماعیل سمویہ، یحییٰ بن حاتم اور حذیفہ بن غیاث رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، ابوعبداللہ بن مندۃ، ابوذر بن الطبرانی، ابوبکر بن ابوعلی الذکوانی، ابوبکر بن فورک، ابنِ مردویہ، حسین بن ابراہیم الجمال، محمد بن علی مصعب اور ابونعیم الحافظ رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

ابنِ مندۃ فرماتے ہیں: دنیا میں بڑے بڑے شیوخ پانچ ہیں، اصبہان میں ابن فارس، نیشاپور میں اصم، مکہ مکرمہ میں ابن الاعرابی، طرابلس میں خیثمۃ، بغداد میں اسماعیل الصفار۔

ابوالشیخ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن جعفر کو خواب میں دیکھا تو ان سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بخش دیا اور مجھے انبیاء کے درجوں میں بٹھایا۔

(سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص۵۵۴، العبر فی خبر من غبر ج۱ ص۱۴۱)

□...... ماہِ شوال ۳۴۹ھ: میں حضرت ابوطاہر عبدالواحد بن عمر بن محمد بن ابو ہاشم البغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ کی ولادت ۲۸۰ھ میں ہوئی، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: محمد بن جعفر القتات، احمد بن فرح، اسحاق بن احمد الخزاعی، عبداللہ بن الصقر السکری، حسن بن حباب اور احمد بن سہل الاشنانی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: عنہ ابوالقاسم عبدالعزیز بن جعفر الفارسی، علی بن احمد بن الحمامی، علی محمد الجوہری، ابوالحسن علی بن العلاف

الکبیر، عبید اللہ المصاحفی اور ابوالحسین احمد بن عبد اللہ السوسنجردی رحمہم اللہ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۲۲)

چوتھی صدی ہجری کے بعد کے تاریخی واقعات

□...... ماہِ شوال ۴۴۴ھ: میں ''شیخ ابوعمرو عثمان بن سعید'' رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ فن قرأت کے امام، حدیث، طرقِ حدیث اور اسماء رجال کے ماہر، عمدہ خطاط، جید الحفظ، ذکی وذہین، متقی وپرہیزگار اور مستجاب الدعوات تھے، آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں ''التیسر'' فن قرأتِ سبعہ میں بہت مشہور ہے اور درسِ نظامی پڑھائی جاتی ہے (ظفر المحصلین ص ۴۸۲)

□...... ماہِ شوال ۶۴۶ھ: میں ''عثمان'' صاحب کافیہ کا جمعرات کے روز دن چڑھے اسکندریہ میں انتقال ہوا۔

انتقال کے دن شوال کی ۱۶ تاریخ تھی، آپ ابن الحاجب کے نام سے مشہور ہیں، آپ بلند پایہ فقیہ، اعلیٰ مناظر، بڑے دین دار متقی وپرہیزگار، معتمد وثقہ، نہایت متواضع اور تکلفات سے قطعاً ناآشنا تھے، تبحرِ علمی میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔

آپ کی بہت سی تصانیف میں سے نحو کی کتاب ''کافیہ'' کی شہرت کا جو سکہ جما ہوا ہے وہ محتاج بیان نہیں اس میں آپ نے علم نحو کے تمام قواعد نہایت عمدہ اسلوب کے ساتھ جمع کئے ہیں اشعار کا آپ کو طبعی ذوق تھا اور بہت عمدہ اشعار کہتے تھے، کافیہ آپ نے خود نظم کی ہے جس کا نام آپ نے ''الوافیہ'' رکھا، باب البحر سے باہر شیخ صلح ابن ابی اسامہ کی تربت کے پاس مدفون ہوئے (ظفر المحصلین ص ۳۱۹)

□...... ماہِ شوال ۱۰۸۸ھ: میں مشہور عالم وبزرگ ''شیخ محمد بن علی'' رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ اپنے دور کے مشہور محدث وفقیہ، جامع معقول ومنقول، بلند پایہ ادیب بڑے فصیح وبلیغ

تھے اور تقریر وتحریر ہر دو میں ملکہ رکھتے تھے، نحو وصرف اور فقہ وغیرہ میں بے نظیر اور احادیث ومرویات کے بڑے حافظ تھے۔

آپ نے بہت سی عمدہ کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں سے فقہ کی کتاب ''تنویر الابصار'' مؤلفہ: شمس الدین محمد بن عبداللہ الغزی کی شرح ''الدر المختار'' بہت مشہور ہے اور مدارس عربیہ میں فتویٰ نویسی سیکھنے والوں کو پڑھائی جاتی ہے (ظفر المحصلین ص ۴۷۷)

☐...... ماہِ شوال ۱۱۶۲ھ: میں قاضی مبارک رحمہ اللہ کا انتقال دہلی میں ہوا۔

آپ مشہور ذہانت وذکاوت والوں میں سے تھے اور آپ کو ایسی شہرت حاصل تھی کہ تعریف وتوصیف کی زیادتی سے آپ بے نیاز تھے، آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مولانا محمد دائم علی اور قاضی شہاب الدین گوپامری سے پائی، آپ کی مشہور تصنیف درس نظامی کے نصاب میں شامل منطق کی مشہور کتاب ''سلم العلوم'' کی شرح ''قاضی مبارک'' ہے (ظفر المحصلین ص ۳۶۱)

☐...... ماہِ شوال ۱۱۷۶ھ: میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا بروز چہار شنبہ بوقت طلوع آفتاب آپ کے ننھیال قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر میں انتقال ہوا۔

وفات کے دن شوال کی ۴ تاریخ تھی، حضرت شاہ صاحب نے اکثر تعلیم اپنے والد کے پاس حاصل کی، چودہ سال کی عمر میں آپ کا نکاح ہوا، اور نکاح کے ایک سال بعد شاہ صاحب نے اپنے والد کے دستِ حق پر بیعت کی اور ان کی زیر نگرانی اشغالِ صوفیہ میں مشغول ہوئے، آپ کی عمر کے سترہویں سال آپ کے والد ماجد سخت بیمار ہوئے اور اسی حالت مرض میں آپ کو بیعت وارشاد کی اجازت مرحمت فرمائی، مدرسہ رحیمیہ اور خانقاہ کی جو بساط بچھائی تھی اس کا انتظام حضرت شاہ صاحب کے سپرد فرمایا۔

حضرت شاہ صاحب بارہویں صدی کے مجدد تھے چنانچہ ''تفہیمات'' میں تحریر فرماتے ہیں ''جب میرا دورۂ حکمت یعنی علم اسرار دین پورا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے خلعت مجددیت عطا

فرمائی پس میں نے مسائل اختلافی میں جمع (تطبیق) کو معلوم کیا'' حضرت شاہ صاحب نے ایک طرف مدرسہ و خانقاہ کی بساط بچھائی جس سے ہزاروں تشنگانِ علوم نے استفادہ کیا اور دوسری طرف ملک کے گوشے گوشے میں پہنچ کر سارے ہندوستان میں فیوض کو تقسیم کیا، آپ کی تصانیف بے شمار ہیں بعض مؤرخین دوسو سے زائد بتاتے ہیں (ظفر المحصلین ص ۵۱، ۶۱)

□...... ماہِ شوال ۱۱۷۹ھ: میں ''مفتی عنایت احمد'' رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

آپ قریشی النسل تھے، آپ نے ابتدائی تعلیم کاکوری میں حاصل کی جب ۱۳/سال کی عمر ہوگئی تو تحصیلِ علم کی غرض سے رامپور تشریف گئے، رامپور میں درسی کتابیں ختم کرکے دہلی پہنچے وہاں شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی (متوفیٰ ۱۲۶۲ھ) سے کتبِ حدیث سبقاً سبقاً پڑھیں اور سند حاصل کی، جب تحریک آزادی ناکام ہوئی اور انگریزوں کا ملک پر دوبارہ تسلط ہوگیا تو مفتی صاحب گرفتار ہوئے، اور عبورِ دریا شور کی سزا تجویز ہوئی، مفتی صاحب نے جزیرہ انڈمان میں بھی درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا کام شروع کردیا، جزیرہ انڈمان میں آپ کے پاس کسی علم کی کوئی کتاب نہ تھی، محض اپنی قوت حافظہ پر مختلف فنون میں رسالے تصنیف کردئے اور وطن واپس آکر کتابیں دیکھیں تو تمام مسائل حرف بحرف صحیح تھے (ظفر المحصلین ص ۳۱۳، ۳۱۴)

فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

n